ترجمہ تزک بابری

اردو

موسوم

بابرنامہ

[illegible]

[illegible] اور انگریزی ترجمہ [illegible]

سے مقابلہ کر کے اپنی ملکی زبان میں ترجمہ کیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حسین [illegible] تخلص بہ [illegible]

[illegible] چھپوا کر شائع کیا

[illegible]

للہ الحمد ہر آنچیز کہ خاطر میخواست

آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

للہ رب العالمین والتحیۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم والہ الطیبین الطاہرین

المعصومین واصحابہ المکرمین ؕ

اس بات سے بیحد مسرت ہوئی کہ **تزک بابری** جیسی کتاب جو **ظہیر الدین بابر**
ظیم الشان اور اولوالعزم بادشاہ کی خود اپنی قلم سے لکھی ہوئی ہے اور جو عالم اُردو کی
نی کا ایک عرصہ سے شکار ہو رہی تھی اُردو زبان میں ترجمہ ہوکر اور اُردو کے خلعت طبع سے
ستہ ہوکر ہمارے ہاتھوں میں آئی۔ اس کتاب میں مغل شہنشاہوں کے ابو الآباء کے ہر قسم
تجربات اور دلی و دماغی جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ اُسکی اولوالعزمی و
ت جہانگیری وجہانداری کے نقشے کھنچے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے مصنف کی ہمہ گیر ہمہ دا
ت کی تصویر ہے۔ جس طرح اُس ایک انسان میں سب کچھ بھرا ہوا تھا اُسی طرح اُسکی یہ کتاب بھی
ع معلومات وگوناگوں واقعات سے مملو ہے۔ عالمانہ تحقیق وتدقیق۔ مجتہدانہ قوت وقابلیت۔ مقلدانہ نفرت
ن۔ سلطنت کی اُکھیڑ پچھاڑ۔ سیاست کی سوجھ بوجھ۔ ہمت شاہانہ کی مثالیں۔ ناکامی کی داستانیں
ے نشیب وفراز۔ عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیاں۔ اپنے پراؤں کی بے وفائیاں۔ تکالیف سہکر
یر ہونا مصیبت پر مصیبت جھیل کر کوشش سے مُنہ نہ موڑنا اور آخرکار بلند حوصلگی واستقلال مزاجی
بدولت فائز المرام ہوکر منزل مقصود پر پہنچنا اس کتاب کے "موٹو" ہیں۔

یہ بات اسی میں نظر آتی ہے کہ بابر جیسا سلطان ابن السلطان اگرچہ تاک جرأت سے کبھی اپنا
یعنی تیموری دار السلطنت شہر سمرقند فتح کر لیتا ہے تو کبھی اپنے باپ کے متروکہ ملک فرغانہ سے بھی
ہوکر پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں اور چٹانوں پر اپنی جان بچانیکے لیے بھاگتا نظر آتا ہے اور دقت

جنگلوں میں شبانوں کی مہربانی سے باجرے کی کڑوی آش پیکر زندگی کے دن گزارتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے - اگر کسی وقت کابل کے گل و گلزار کے مزے اڑاتا دکھائی دیتا ہے تو کبھی برف کاٹ کر فوج کے لیے راستہ بناتا نظر آتا ہے شیبانی خاں کی بدولت آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے تو بمصداق "عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد" مقیم اور اسکے بھائی خسرو کو کابل کی سلطنت پر سہل طور سے قبضہ پانیکا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ یہ وہ تصنیف ہے جسمیں اسکے بلند حوصلہ مصنف نے خود ہی بیان کیا ہے کہ وہ کابل کی گلیوں میں چند ماہ تک ننگے پاؤں پھرا کیا۔ اور پھر اپنی عالی ہمتی سے اسی شہر کا بادشاہ ہوا۔ انقلاب روزگار اور زمانہ کی شعبدہ بازیوں کے تماشے جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے نظر آتے ہیں کسی دوسری کتاب سے نہیں نظر آتے۔ ابھی دیکھو تو بزم شاہانہ آراستہ اور ایک ہی ورق الٹنے کے بعد جو دیکھا تو نہ وہ محفل ہے نہ وہ عیش و نشاط۔ فقط ہو کا میدان اور جان کے لالے۔ بلاشبہہ یہ بات اسی کتاب میں نظر آتی ہے کہ اسکا وسیع المذاق ہیرو اگر کسی وقت سیب کے خزاں رسیدہ درخت کے نیچے بستر اجمائے ہوئے ہے تو اسکے کچھ ہی عرصہ بعد وہ ملک کے وسیع اور پُر بہار باغات کا مالک و متصرف ہے۔ ہائے کیا غضب کا اہل نظر تھا۔ بہاذا اور بہار پر آئی ہوئی چیزوں کا تو سب ہی لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ ہر رنگ میں خدا کی قدرت کا دیکھنے والا بالغ نظر انسان خزاں رسیدہ سیب کے درخت کو بھی نہیں چھوڑتا۔ راستبازی۔ صاف گوئی اور سچائی کا سبق کیا کسی دوسرے بادشاہ کی تصنیف یا تالیف سے ایسا مل سکتا ہے جیسا کہ تزک بابری سے؟ ہرگز نہیں۔

بابر بادشاہ شمشیر زنی کے علاوہ علم کا بھی بیحد شائق تھا۔ ملک گیری اور شاہی افکارات کے باوجود تزک بابری کی تصنیف میں اس قدر منہمک تھا کہ ایک رات باد و باران کے طوفان میں خیمہ شاہی گر پڑا تو کتاب کے سوا اپنی جان تک کی پروا نہ کی۔ رات بھر کتاب کے بھیگے ہوئے اوراق خود خشک کرتا رہا۔ علمی قابلیت کے علاوہ قلم کا بھی دھنی تھا۔ اعلے درجہ کا خوشنویس بھی تھا۔ تحریر کے وقت وہ تمام مراتب پورے کرتا تھا جو ایک معمولی خوشنویس کو کرنے چاہییں۔ حتے کہ مسطر تک اپنے ہاتھ سے بناتا تھا۔ خط بابری ایجاد کیا۔ املا و انشاء میں بھی خاص درجہ رکھتا تھا۔ موسیقی سے بھی واقف تھا۔ طبیعت کی موزونی کی وجہ سے شعر گو بھی تھا قلعہ بیانہ کے حاکم کو مندرجہ ذیل اشعار فی البدیہ لکھکر بھیجے ؎

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ — آزادی و مردانگی ترک عیان است
در زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش — ہر جا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

محمد قاسم فرشتہ کا قول ہے کہ "در علم فقہ حنفیہ مجتہد بود و در علم موسیقی و شعر و انشاء و املا نظیر نداشت۔ وقائع سلطنت خود بہ ترکی بنوعے نوشتہ کہ فصحا قبول دارند"۔

مذاق علمی میں تحقیق و تدقیق کے ساتھ ہر شے کی کنہ دریافت کرنیکے علاوہ خداپرستی اور خداجوئی کا جوہر بھی رکھتا تھا۔ مذہبی اثر رگ و پے میں بھرا ہوا تھا۔

"تزک بابری جیسی اعلےٰ وقیمتی کتاب کا جو انسانی دماغ کے لیے ایک عمدہ رہبر کا کام دیسکتی ہے اس وقت تک اُردو زبان میں ترجمہ نہونا نہایت افسوسناک امر تھا۔ اس کتاب کے عمدہ ہونے کی بہترین دلیل یہ ہے کہ دنیا کی کلاسکل زبان یعنی زبانِ انگریزی میں اب تک اسکے دو ترجمے ہوچکے ہیں۔ مگر نہ ہوئے تو اردو میں۔ کونسی اُردو۔ وہ جو بابر کی اولاد سے خانہ زادگی اور ربیبہ ہونے کی نسبت رکھتی ہے۔ مگر الحمدللہ کہ اُسی کی اولاد میں سے اللہ تعالےٰ نے اُسی کے ایک پوتے سے اِس ضرورت کو پورا کرادیا ترجمہ ہونیکے بعد بھی زمانہ کی سرد مہری کی وجہ سے مدتوں بستے میں بندھی پڑی رہی۔ آخر بزرگ مصنف کی بلند ہمتی کا پرتو کہاں جاتا جس نے کبھی مسند پر بیٹھ کر چین سے کھانا نہ کھایا اور ایک مقام پر کبھی دو عیدین نہ کیں! بالآخر پریس کا مرحلہ طے کرکے جوہر شناسوں اور اپنے قدردانوں کے ہاتھوں میں آہی گئی۔

"تزک بابری کا اُردو میں ترجمہ کرنا درحقیقت کچھ آسان کام کرنا نہ تھا۔ اگرچہ اُسکا ترجمہ شہنشاہ اکبر کے حکم سے بیرم خان خانان نے ترکی سے فارسی زبان میں کردیا ہے لیکن اُس میں اب بھی ترکی الفاظ بکثرت بھرے ہوئے ہیں اس واسطے اُس کے مفہوم پر عبور کرنا بغیر ترکی زبان سے واقف ہوئے صرف فارسی داں کا کام نہیں ہے۔

ایک ترکستانی حسینی نسبی بزرگ مولوی سید محمد صاحب عرف آفندی صاحب تھے جو پہلے تو امیر بخارا کی جانب سے سفیر مقیم لندن ہوئے۔ ازاں بعد سفیر انگلشیہ مقیم قسطنطنیہ رہے باعزت ہونیکے علاوہ وہ عالم باعمل۔ صوفی بلکہ صاحب نسبت بزرگ تھے پنشن ملنے کے بعد جب سید صاحب نے اپنی سکونت کے لیے ہندوستان اور ہندوستان میں شہر دہلی پسند و تجویز کیا تو چاندنی محل واقع دہلی میں جو اُس وقت عالیجاہ شہزادہ مرزا محمد سلیمان شاہ مرحوم کا تھا اقامت گزیں ہوئے۔ اُس زمانہ میں لائق اور علمی سوسائٹی میں بیٹھنے والے چند شہزادگان تیموریہ سے اُنکی گہری ملاقات ہوکر صحبت رہنے لگی۔ منجملہ اُنکے مترجم کتاب ہذا راقمہ کے والد بزرگوار میرزا **نصیر الدین حیدر** صاحب مرحوم بھی تھے جو عربی و فارسی زبانوں کے علاوہ ترکی زبان سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ والد مرحوم کی وسیع معلومات علمی اور صوفی مشرب نے سید صاحب موصوف کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ بہت الفت فرماتے۔ ترکی آمیز فارسی میں باتیں ہوتیں۔ سید صاحب کی اُس صحبت سے والد مرحوم کو ترکی زبان اچھی طرح آگئی تھی۔ اُردو میں ترجمہ کرنیکے بعد حضرت کو خیال آیا کہ اگر انگریزی ترجموں سے بھی مقابلہ ہوجائے تو بہتر ہے۔ مولوی عزیز میرزا صاحب بی۔ اے مرحوم ہوم سکرٹری سرکار نظام کی محبت و دوستی سے

اس خیال میں پختگی پیدا کر دی۔ جان لیمڈن صاحب کے ترجمہ سے مقابلہ فرمایا۔ ابتداءً تو اس کام میں حضرت کے ایک انگریزی خواں دوست نے اپنا وقت عزیز صرف کیا اور جب وہ نبھا نہ سکے تو میرے برادرِ مرحوم مرزا قمرالدین حیدر جو اُس وقت زندہ تھے اور راقمہ نے باوجود اپنی کم لیاقتی کے اپنی خدمات نذر کیں پھر برادر مرحوم کو بھی خدمات مفوضۂ سرکاری کے سبب سے فرصت نہ ملی لیکن راقمہ نے یہ مبارک خدمت بفضلِ الٰہی آخر تک انجام دی۔ خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس نے اس ترجمہ میں بہت زیادہ وقت بھی صرف کیا اور شاقہ محنت و کاوش بھی اُٹھائی۔ لیکن افسوس کہ چھپکر شائع ہونیکی آرزو اُنکے سامنے پوری نہ ہو سکی۔

یہ بھی ایک حسنِ اتفاق ہے اور اس کتاب کے بابرکت ہونیکا ثبوت کہ حضرت مترجم اعلی اللہ مقامہ سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کے وظیفہ خوار ہونے کی وجہ سے فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن میں اپنے آخری وقت تک رہے حتٰی کہ وہیں دفن بھی ہوئے۔ اس لیے اس کا ترجمہ اعلیحضرت غفراں مآب نواب میر محبوب علی خاں بہادر کے زمانہ میں بمقام حیدرآباد مکمل ہوا۔ اور اب ہمارے بادشاہِ ذیجاہ فضیلت پناہ سلطان العلوم اعلیحضرت قوی شوکت حضرت بندگانعالی نواب میر عثمان علی خاں بہادر ادام اللہ اقبالہم و اجلالہم کے عہد ہمایوں میں جبکہ اُردو حضور پرنور کی توجہاتِ شاہانہ و حمایت مربیانہ کی بدولت معمولی حالت سے نکل کر علمی زبان بننے کا فخر حاصل کر رہی ہے خلعت طبع سے بہرہ ور ہوئی۔ اُردو ادبیات میں یہ اضافہ امید ہے کہ مسرت و قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا اور اہل بینش اسکی قدر افزائی فرماکر مرحوم مترجم کی محنت و عرقریزی کی داد دینگے۔ واللہ ولی التوفیق۔

راقمہ

خجستہ سلطانہ بیگم عفی عنہا

شبیہ ظہیر الدین بابر بادشاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؁ **ترجمہ** کہہ اے خدا ملک کے مالک تو جسکو چاہے سلطنت دے اور تو جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔ ساری خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت محمد مصطفٰے ختم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ اور اُنکے اصحاب بزرگ اور احباب کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر قیامت تک بے تعداد درود پہنچے۔

ظہیر الدین محمد بابر بن عمر شیخ میرزا تیموری نژاد لکھتا ہے کہ میں نے یہ چند سطریں مختصر اپنے زمانہ کے حالات اور واقعات کی اپنی آل اولاد کے لیے بطور یادگار لکھی ہیں۔

ملکِ فرغانہ کا بیان

میری عمر بارہ برس کی تھی اور پانچویں رمضان سنہ ۸۹۹ہجری[عہ] تھے جو ملکِ فرغانہ میں بادشاہ ہوا۔ فرغانہ کا ملک اقلیم پنجم میں سے ہے اور معمورۂ عالم کے کنارہ پر ہے اِسکے مشرق میں کاشغر مغرب میں سمرقند جنوب میں کوہستانِ بدخشاں اور شمال میں ویران جنگل ہے۔ اگرچہ اس میدان میں پہلے بہت سے شہر جیسے المالیغ[۲]۔ الماتو[۳] اور یانگی (جس کو تاریخ کی کتابوں میں اُطرار[۴] بھی لکھا ہے) آباد تھے لیکن اُزبکوں[۱] کے حملوں سے اِس زمانہ میں ایسی ویرانی ہے کہ نام کو آبادی نہیں رہی۔ فرغانہ کا علاقہ کچھ بڑا نہیں ہے۔ مگر اُس میں میوے اور غلّے بہت پیدا ہوتے ہیں۔ اُس کے گرد پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ صرف مغرب کی جانب جدھر سمرقند اور خجند ہے پہاڑ نہیں ہے۔ بیرونی غنیم بھی اس طرف کے سوائے دوسری طرف سے اندر نہیں آسکتا۔

عہ ۶ ۔ جون ۱۴۹۴ء ۱۲ سلہ اس سنہ میں آٹھویں چارلیس نے نیپلز پر حملہ کیا تھا ۱۲ سکہ المالیغ یا آلمالیک ترکی میں سیب کے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ مقام کاشان کے شمال میں کوہ الاتاغ کے دوسری جانب ہے ۱۲
سکہ الماتو ترکی میں اُس زمین کو کہتے ہیں جس میں سیب کثرت سے پیدا ہوں ۱۲ سکہ اُطرار درمیان تاشقند و ارال جھیل کے واقع ہے۔ امیر تیمور صاحبقران کے زمانہ میں یہ مقام مشہور تھا۔ امیر ممدوح جب چین پر چڑھائی کرنے گئے ہیں تو یہیں اُن کا انتقال ہوا تھا ۱۲

دریائے سیحون جو دریائے خجند کے نام سے مشہور ہے سمت شمال و مشرق کے وسط سے آکر ملک کے بیچ میں سے ہوتا ہوا مغرب کو چلا جاتا ہے۔ اور خجند کے شمال و فناکت[1] (جو اب شاہرخیہ کہلاتا ہے) کے جنوب سے گزر کر وہاں سے شمال کی طرف مائل ہوتا ہوا ترکستان میں جاتا ہے اور اکیلا بہتا ہوا ترکستان کی بہت نشیبی جانب سارا دریا ریگستان میں جذب ہو جاتا ہے۔

اس ملک میں سات قصبے ہیں۔ پانچ دریائے سیحون کے جنوب میں اور دو شمال میں۔

پہلا | جنوبی قصبوں میں سے ایک اندجان ہے جو وسط ملک میں ہے اور فرغانہ کا دار السلطنت ہے۔ یہ بہت سرسبز مقام ہے۔

اس میں غلہ و میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ انگور اور خربوزہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ وہاں کا دستور ہے کہ فصل میں خربوزوں کو فالیز پر نہیں بیچتے۔ ناشپاتی اندجان سے بہتر کہیں نہیں ہوتی۔ ماوراء النہر میں سمرقند اور کیش کے قلعوں کے علاوہ اندجان کے قلعہ سے کوئی قلعہ بڑائی میں لگا نہیں کھاتا۔ اسکے تین دروازے ہیں۔ شہر کے جنوب میں ارک ہے۔ شہر میں[2] نو نہریں آتی ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ سب نہریں ایک جگہ سے نہیں نکلتیں۔ قلعہ کے گرد سنگین خندق ہے اور خندق کے کنارے پر شاہراہ ہے جس پر روڑی بچھی ہوئی ہے۔ قلعہ کے سب طرف محلے آباد ہیں۔ محلوں اور قلعہ میں خندق کے کنارے کی سڑک ہی فاصلہ ہے۔ یہاں کے جنگل میں شکار کثرت سے ہے۔ قرغاول[3] خوب تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک قرغاول کا سالن اتنا ہوتا ہے جس سے چار آدمی پیٹ بھر لیں۔ اور پھر بھی وہ بچ رہے۔ اہل ملک سب ترک ہیں۔ شہر اور بازار میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ترکی زبان نہ جانتا ہو۔ اس ملک کے عام آدمیوں کی زبان ایسی شستہ ہے جیسے اہل قلم کی۔ میر علی شیر نوائی کی تصنیفات دیکھو! گو اسکے ہری[4] میں نشو و نما پائی ہے۔ مگر اسکی تصنیفات اسی زبان میں ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت حسین ہوتے ہیں۔ خواجہ یوسف جو فن موسیقی کے بڑے استاد مشہور ہیں اندجان ہی کے تھے۔ اندجان کی ہوائیں[5] عفونت ہوتی ہے۔ چنانچہ آشوب چشم اور ورم چشم کا عارضہ عموماً ہوتا ہے۔ اس کو اطبا قرب کہتے ہیں۔

دوسرا | ایک اوش ہے جو اندجان کے گوشہ جنوب و مشرق میں مائل بہ شرق اندجان سے چار فرسنگ[6] کے فاصلہ پر ہے۔ اسکی ہوا نہایت اچھی ہے۔ اس میں جابجا پانی جاری رہتا ہے۔ وہاں کی بہار کا موسم نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اوش کی فضیلت میں کئی حدیثیں آئی ہیں۔ قلعہ کے جنوب و مشرق میں ایک خوشنما پہاڑ ہے۔ مشرق و جنوب کے بیچ میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک ٹیکرا ہے جس کو براکوہ کہتے ہیں۔ سلطان محمود خاں نے وہاں ایک چھوٹا سا مکان بنایا تھا

---

[1] اسکو بناکت اور فناکت بھی کہتے ہیں۔ دریائے سیحون یا سیر کے کنارے پر تاشقند اور خجند کے مابین آباد ہے ۱۲ [2] جان لیڈن کے ترجمہ میں لکھا ہے "شہر میں نو چکیوں سے یا نو چکیوں کے برابر نہر کا پانی آتا ہے" ۱۲ [3] ہریل ۱۲ [4] ہرات ۱۲ [5] جان لیڈن نے یوں لکھا ہے "یہاں کی آب و ہوا خراب ہے۔ آمد گرمی میں تپ لرزہ کی کثرت ہوتی ہے" مگر الفنسٹن کے ترجمہ میں وہی فقرہ ہے جو ہمارے ہاں ہے ۱۲ [6] فرسنگ چار میل انگریزی یا تین میل شرعی کا ہوتا ہے۔ جان لیڈن لکھتا ہے کہ اگلے زمانہ میں فرسنگ کو پراسنگا کہتے تھے ۱۲

میں نے ۹۰۲ھ ہجری (۱۴۹۶ء) میں اس مکان کے نیچے کی طرف پہاڑ کی بیٹھ گاہ میں ایک بارہ دری بنائی۔ اگرچہ پہلا مکان اس سے زیادہ بلند مقام پر واقع ہے مگر میرا بنایا ہوا مکان اُس سے بہتر ہے۔ یہاں سے شہر کی اور باہر کی آبادی اچھی طرح نظر آتی ہے۔ اندجان کی ندی[۱] اوش کے بیرونی محلات میں سے ہوتی ہوئی اندجان میں جاتی ہے۔ اس ندی کے دونوں کناروں سے ملے ہوئے باغات ہیں جن میں سے ندی بخوبی نظر آتی ہے۔ یہاں بنفشہ بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ جابجا پانی کی نہریں جاری ہیں۔ موسم بہار میں لالہ اور گلاب بہت کھلتا ہے۔ اسی پہاڑ کے دامن میں مابین شہر و باغ ایک مسجد بنی ہوئی ہے جسکا نام مسجد جوزا ہے۔ پہاڑ کی طرف سے ایک بڑی نہر آتی ہے اور اسی مسجد کے بیرونی صحن کے نشیب میں تین حوض بنے ہوئے ہیں۔ نہایت مصفا۔ جو مسافر اور راہگیر ادھر آتا ہے یہاں دم لیتا ہے۔ اوش کے اوباش ہنسی سے کہا کرتے ہیں "ہر کس دریں میدان خواب کرد ازیں سہ جو آب می گزراند"۔ عمر شیخ میرزا کے آخر وقت میں اس پہاڑ سے سُرخ و سپید سنگ ابری نکلا تھا۔ اس پتھر سے چھریوں کے دستے۔ پیٹی کے زمادہ اور اسی قسم کی چیزیں بناتے ہیں۔ یہ پتھر بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ مُلک فرغانہ میں خوشنمائی اور آب و ہوا کے اعتبار سے اوش جیسا دوسرا شہر نہیں ہے۔

تیسرا ایک مرغینان ہے۔ اندجان کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلہ پر اچھا قصبہ[۲] ہے۔ یہاں انار اور خوبانی نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ ایک قسم کا انار ہوتا ہے اُسکا نام دانۂ کلاں ہے۔ اس میں چاشنی دار مٹھاس ہوتی ہے۔ سمنان[۳] کے انار پر اس کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ ایک قسم کا زرد آلو[۴] ہوتا ہے۔ اُسکی گٹھلی نکالکر اور بجائے اُس کے مغز بادام رکھکر خشک کرتے ہیں۔ اسکا نام سبحانی رکھاہے۔ یہ بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ یہاں جانور اور شکار بہت ہے۔ آہوے[۵] وراق قریب ہی ملجاتا ہے۔ اہل شہر سب تاجیک[۶] ہیں۔ یہ لوگ لڑاکا۔ دنگئی اور شہرہ پشت ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ تمام ماوراء النہر میں یہی دنگئی اور شہرہ پشت مشہور ہیں۔ سمرقند اور بخارا میں جو بڑے دنگئی ہیں وہ مرغینان ہی کے ہیں۔ ہدایہ کے مصنف[۷] موضع رشدان کے رہنے والے تھے جو مرغینان کے علاقہ میں سے ہے۔

چوتھا ایک اور قصبہ اسفرہ ہے۔ یہ قصبہ پہاڑ کے نیچے مرغینان سے جنوب و مغرب کی طرف ۹ فرسنگ کے فاصلہ پر آباد ہے۔ اُس میں جابجا نہریں جاری ہیں۔ سردرختی کثرت سے ہے اور نہایت عمدہ باغیچے ہیں۔ جن میں اکثر بادام کے درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے سب پہاڑی اور تاجیک ہیں۔ جنوب کی طرف ایک فرسخ شرعی کے فاصلہ پر پہاڑ کے پشتوں میں پتھر کی ایک سِل ہے جسکو سنگِ آئینہ کہتے ہیں۔ اسکا طول تخمیناً دس گز کا ہوگا۔ کہیں سے وہ اتنا بلند ہے کہ آدمی کے قد کے برابر اور کہیں سے اتنا نیچا کہ آدمی کی کمر کے برابر۔ آئینہ کی طرح ہر شے کا عکس اُس میں پڑتا ہے۔

۱؎ یہ ندی دریائے سیر کے معاونوں میں سے ہے جو ابین پہاڑ اور شہر کے بیچ بہتی ہے ۱۲ ۲؎ جان لیڈن نے "ضلع" لکھا ہے ۱۲ ۳؎ خراسان اور عراق کے بیچ میں قریب دامغان ایک شہر ہے ۱۲ ۴؎ خوبانی ۱۲ ۵؎ ایک قسم کا ہرن ہوتا ہے جو سفید ہوتا ہے ۱۲ ۶؎ تاجیک اس ملک کے شہریوں اور دیہاتوں کو یعنی وہاں کے باشندوں کو کہتے ہیں۔ انکی زبان فارسی ہے۔ جیسے ایک فرقہ ترک ہے ویسا ہی ایک فرقہ تاجیک ہے شاید یہ لوگ یہاں کے قدیم باشندوں کی اولاد نہیں۔ ترکوں نے انکا نام تاجیک اس نسبت سے رکھا ہو کہ یہ لوگ عربوں یعنی تازیوں کے علاقہ سے ہیں۔ اہل فارس اور ترک عرب کو تازی یا تاجی کہتے تھے ۱۲ ۷؎ ان کا نام شیخ برہان الدین علی ہے ۱۲

اسفرہ کے علاقہ میں پہاڑ کے نیچے چار قصبے آباد ہیں۔ ایک اسفرہ۔ دوسرا دارخ تیسرا سوخ اور چوتھا ہشیار جس زمانہ میں شیبانی خاں[۱] نے سلطان محمود خاں اور الچہ خاں کو شکست دیکر تاشقند اور شاہرخیہ کو فتح کرلیا ہے تو اسی سوخ اور ہشیار کی پہاڑیوں میں تقریبًا سال بھر تک پریشانی کے ساتھ میں اپنا وقت گزارتا رہا اور پھر کابل پر چڑھائی کردی۔

پانچواں ایک خجند ہے۔ جو اندجان کے مغرب میں پچیس ۲۵ فرسنگ کے راستہ پر ہی اور پرانے شہروں میں ہی۔ شیخ مصلحت اور خواجہ کمال خجندی کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے میوے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ انار تو عمدگی میں ایسا مشہور ہی کہ "سیبِ سمرقند اور انارِ خجند" ضرب المثل ہی لیکن آجکل مرغینان کا انار اچھا ہوتا ہے۔ اس کا قلعہ بلندی پر واقع ہی۔ دریائے سیحون اسکے شمال کی طرف بہتا ہے اور دریا قلعہ سے ایک تیر کے پرتاب پر ہی۔ قلعہ اور دریا کے شمال میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام میوغل ہے۔ اِس پہاڑ میں فیروزہ اور اور چیزوں کی کانیں ہیں۔ یہاں سانپ بہت ہوتے ہیں۔ خجند کی شکارگاہ کا کیا کہنا ہے۔ سفید ہرن۔ پہاڑی بکری۔ بارہ سنگا جنگلی پرندے اور خرگوش الغاروں ہیں۔ یہاں کی ہوا بڑی متعفن ہے۔ آشوبِ چشم کا مرض بہت ہوتا ہی۔ مشہور ہے کہ چڑیا کو بھی آشوبِ چشم ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ہوا کا فساد کوہِ شمال کے سبب سے ہے۔ خجند کے علاقہ میں ایک قصبہ کند بادام ہے۔ اگرچہ بہت بڑا نہیں ہی مگر خاصہ قصبہ ہے۔ یہاں بادام بکثرت پیدا ہوتا ہی۔ اسی لیے اسکو کند بادام کہتے ہیں۔ مقام ہرموز اور ہندوستان میں یہیں سے بادام جاتا ہے۔ یہ قصبہ خجند سے پانچ چھ فرسنگ مشرق کی جانب ہے۔ خجند اور کند بادام کے بیچ میں ایک جنگل ہے۔ اسکو ہادرویش کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ ہوا کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ مرغینان یہاں سے مشرق میں ہی اور خجند مغرب میں۔ مرغینان و خجند میں جو آندھی آتی ہے وہ یہیں سے اٹھتی ہے۔ اس جنگل میں ہمیشہ آندھی اور ہوا کا زور رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں کسی زمانہ میں کئی فقیر ہوا کے جھکڑ میں پھنسکر ایسے بچھڑ گئے تھے کہ پھر نہ ملے۔ اور ہر ایک ہا درویش ہا درویش چیختا چیختا مرگیا۔ اسی دن سے اس جنگل کا نام ہادرویش پڑ گیا۔

[۱] شیبانی خاں قوم ازبک کا ایک میرزادہ تھا اسکے بزرگ بھی تو امیر تھے مگر اسکے ہوش سنبھالنے سے پہلے تباہ ہوچکے تھے شیبانی خاں ۸۵۵ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ اسکا مولد ترکستان ہی۔ یہ بڑا بہادر سپاہی اور اولی العزم شخص تھا پہلے اسکو حوادث اور مکروہات زمانہ نے بہت تنگ کیا مگر اسنے جی نہ چھوڑا اور استقلال سے کام اور اپنے ارادوں میں آخر کامیاب ہوا۔ سلطان احمد میرزا بادشاہ سمرقند کی سرکار میں عبدالعلی ترخان جو سردار تھا اسکی عنایت اور توجہ نے شیبانی خاں کو پھر نہال ہی کر دیا۔ ادھر ادھر آوارہ گرد ازبکوں کو سمیٹ کر اسنے قزاقی اختیار کی قسمت سے وہ زمانہ آگیا کہ اولادِ تیمور میں نفاق کی آگ بھڑک رہی تھی ایک کو دوسرے کا لہو پیاسا ہی۔ طوائف الملوکی ہو رہی ہی۔ ایسے موقع پر شیبانی جیسا عالی حوصلہ کیونکر بیکار رہ سکتا تھا۔ اسنے ہاتھ پاؤں ہلائے اور عروج پکڑا۔ یہ ترکیب کرنی شروع کی کہ میرزایان تیموریہ میں سے ایک کے علاقہ میں لوٹ مار کی اور دوسرے مخالف بھائی کے دامن میں پناہ لے لی۔ ایک کا ساتھ دیا۔ دوسرے کا مقابلہ کیا۔ آخر تمام ترکستان کو اور خراسان کو دبا بیٹھا ۹۰۵ھ میں سلطان علی میرزا کی ان کی سازش سے سمرقند کا بادشاہ ہوا اور میرزا کو قتل کیا ۹۱۳ھ میں سلطان حسین میرزا کے انتقال کے بعد انکے بیٹوں کو نکالکر خراسان بھی دبا بیٹھا۔ اسی سبب سے حضرت بابر بادشاہ کو بہت تکلیفیں پہنچی ہیں۔ اسی کے ہاتھ سے

[illegible]

پہلا دریائے سیحون کے شمالی سمت کے قصبوں میں سے ایک قصبہ آخشی ہے۔ اِسکو تاریخ کی کتابوں میں اخشیکت[1] کے نام سے لکھا ہی۔ چنانچہ اثیر الدین شاعر کو اثیر الدین آخشیکتی کہتے ہیں۔ ملکِ فرغانہ میں اندجان کے بعد اِس سے بڑا کوئی قصبہ نہیں ہے۔ اندجان سے جانب غرب یہ قصبہ نو فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ سلطان عمر شیخ میرزا نے اسی کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ دریائے سیحون قلعہ کی فصیل کے نیچے ہی بہتا ہے۔ اِسکا قلعہ[2] ایک اونچے کھڈ پر بنا ہوا ہی جو دریا کے کراڑے پر ہی۔ کھڈ کی گہرائی گویا قلعہ کی خندق ہی۔ عمر شیخ میرزا نے جب اسکو دار السلطنت بنایا تو دو ایک مرتبے باہر کی جانب اور پشتے تعمیر کیے۔ فرغانہ میں اس جیسا دوسرا قلعہ مضبوط نہیں ہی۔ شہر کے محلے قلعہ کی فصیل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر آباد ہیں۔ یہ مثل "دہ کجا و درختاں کجا" شاید آخشی ہی کے واسطے کہی گئی ہی۔ یہاں کا خربوزہ بہت اچھا ہوتا ہی۔ ایک قسم کے خربوزہ کو میر تیموری کہتے ہیں شاید ایسا خربوزہ دنیا میں کم ہوتا ہو! یوں تو بخارا کے خربوزے مشہور ہیں مگر جن دنوں میں میں نے سمرقند فتح کیا تھا تو ایک بار آخشی اور بخارا سے خربوزے آئے تھے۔ ایک مجلس میں تراشے گئے۔ معلوم ہوا کہ بخارا کے خربوزے آخشی کے خربوزوں سے لگا نہیں کھاتے۔ وہاں شکار بکثرت ہی اور جانور بہت ہیں۔ دریا سے آخشی کی جانب ایک جنگل ہی جس میں سفید ہرن کثرت سے ہوتا ہے۔ اندجان کی طرف بھی ایک بڑا جنگل ہے۔ اس میں بارہ سنگے۔ پرندے اور خرگوش بہت ملتے ہیں جو خوب فربہ ہوتے ہیں۔

دوسرا ایک قصبہ کاشان ہی آخشی کے شمال میں یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس طرح دریائے اندجان اوش کی طرف سے بہکر آتا ہی اُسی طرح دریائے آخشی کاشان سے۔ شہر کی ہوا عمدہ ہے۔ باغات نہایت مصفا ہیں چونکہ باغات[3] دریا کے کنارے پر بیلے میں واقع ہیں اس لیے کہا کرتے ہیں "پوستین[4] پیش برہ ہے"۔ کاشانی اپنے ہاں کی صفائی اور آب و ہوا کی خوبی کا دعوے کرتے ہیں اور اوشی اپنے ہاں کی۔ ملک فرغانہ کے گرد پہاڑوں میں ئیلاق[5] اچھے ہیں۔ اس پہاڑ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس کو تابوغو کہتے ہیں۔ یہ لکڑی اور کہیں نہیں ہوتی۔ اس کا پوست سرخ ہوتا ہے۔ عصے۔ کوڑوں کے دستے اور پرندوں کے پنجرے اُس سے بنائے جاتے ہیں اور اس کو چھیل کر تیر کے گز بھی بناتے ہیں۔ بہت ہی عمدہ لکڑی ہے۔ دور و دراز ملکوں میں بطور سوغات جاتی ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان پہاڑوں میں بیروج الصنم[6] ہوتا ہے۔ مگر اس

---

[1] ڈی باربلٹ کو یہ دھوکا لگا ہی کہ خجند۔ تاشقند اور آخشیکت ایک ہی مقام ہی۔ بلٹ کے قول سے ثابت ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں یہاں کا جغرافیہ کتنا ناقص تھا ۱۲ [2] جان لیڈن کا ترجمہ یوں ہے "اسکا قلعہ اُس پہاڑی پر بنا ہوا ہے جو دریا کے کنارے پر ہے۔ دریا کی گہرائی گویا قلعہ کی خندق ہی" ۱۲ [3] جان لیڈن نے اس فقرہ کو یوں لکھا ہی "چونکہ اُسکے باغات ندی کے کناروں سے گھرے ہوئے تھے اسلیے اسکو پانچ بھیڑوں کے بچوں کا چغہ کہا کرتے ہیں" ۱۲ [4] پوستین میش بچہ فارسی کی مثل ہی یعنی بھیڑ کے بچہ کا چغہ ہی۔ جس سے ہمنے ترجمہ کیا ہی اُسمیں پیش ہی اور جان لیڈن کے ترجمہ میں میش ۱۲ [5] ترکی ہی اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں گرمی کا موسم بسر کیا جائے جیسے ہمارے ہندوستان میں شملہ۔ نینی تال۔ آبو۔ نیلگری اور دارجلنگ کے پہاڑ ہیں ۱۲ [6] خطمی اور خبازی کی جو کیاری بتوں کے لیے نذر کر دی جائے اُسکو بیروج الصنم کہتے ہیں فارسی کے

نسخوں میں بیروج القنم لکھا ہے اور جان لیڈن نے بیروج الصنم ۱۲

زمانہ میں کسی سے سُننے میں نہیں آیا۔ سُنا ہے کہ تیتی کینت[1] کے پہاڑوں میں ایک گھانس ہوتی ہی۔ وہاں والے اُسکو اتیق اولتی[2] کہتے ہیں۔ اس میں مہر گیاہ کی خاصیت ہے عجب نہیں کہ یہی مہر گیاہ ہو جسکا نام وہاں والوں نے یہ رکھدیا ہی۔ اِس کوہستان میں فیروزہ اور لوہے کی کان ہے۔

اگر ملک فرغانہ کا محاصل رعایا سے بغیر ظلم کیے لیا جائے تو اتنی ہی آمدنی میں تین چار ہزار آدمی[3] رہ سکتے ہیں۔

چونکہ عمر شیخ میرزا ایک بلند ہمت اور بڑی سلطنت کے خواہشمند تھے اسلیے انکو ہمیشہ ملک گیری کا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کئی دفعہ سمرقند پر چڑھائی کی بعض موقع پر شکست کھائی اور بعض دفعہ یونہی ناکام آئے۔ کئی بار اپنے خسر یونس خاں سے (جو چنگیز خاں کے دوسرے بیٹے چغتائی خاں کی نسل سے تھا اور سلطنت چغتائیہ میں مغلوں کا اس وقت سردار تھا اور میرا نانا ہوتا ہے) ملتجی ہو کر اُس کو اپنی کمک کے لیے لائے۔ اور ہر مرتبہ اُس کو اپنے ملک میں سے تھوڑا سا ملک دیا۔ مگر عمر شیخ میرزا کی خواہش کے موافق کام نہ نکلا۔ کیونکہ کبھی عمر شیخ میرزا کے بُرے برتاوؤں کے سبب سے اور کبھی مغلوں کی سرکشی کی وجہ سے یونس خاں اس ملک میں نہ ٹھیر سکا۔ اور مغلستان چلا گیا۔ آخر میں جو اُسے لائے تو اُس زمانہ میں تاشقند عمر شیخ میرزا کے قبضہ میں تھا (پچھلی کتابوں میں اس کو شاش اور کسی نے چاچ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ کمان چاچی مشہور ہے) یہ بھی خان کے حوالہ کر دیا اُس زمانہ سے سنہ ۹۰۸ھ (سنہ ۱۵۰۳-۲ء) تک تاشکند اور شاہرخیہ خانان چغتائیہ کے قبضہ و تصرف میں رہے۔

سلطان محمود خاں اور سلطان احمد میرزا کی چڑھائی اور عمر شیخ میرزا کا مرنا سنہ ۸۹۹ھ

وہ زمانہ ہے کہ یونس خاں کا بڑا بیٹا سلطان محمود خاں میرا ماموں حاکم مغلستان ہی۔ اور سلطان احمد میرزا (عمر شیخ میرزا کا بڑا بھائی) سمرقند کا بادشاہ ہے۔ اور چونکہ اُن دونوں کو عمر شیخ میرزا نے اپنی چالوں سے بہت تنگ کر دیا تھا اسلیے دونوں نے باہم اتفاق اور مصلحت کر لی۔ سلطان احمد میرزا نے دریائے خجند کے جنوب کی طرف سے اور سلطان محمود خاں نے شمال کی طرف سے فوج کشی کی[4]۔ اِسی اثناء میں عمر شیخ میرزا کو عجیب واقعہ پیش آ گیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اخشی کا قلعہ اونچے کھڈ پر واقع ہے۔ اُس کے مکانات بھی اس کے کنارے پر تھے۔ انہی ایام میں پیر کے دن رمضان کی چوتھی تاریخ (۱۰ جون سنہ ۱۴۹۴ء) دفعۃً اوپر سے کبوتر خانہ گرا۔ میرزا بھی کبوتروں سمیت گر کر راہی عدم ہوئے۔ اُنکی عمر اُنتالیس ۳۹ برس کی تھی۔

اُن کی ولادت نسب اور حکومت فرغانہ کا سبب

عمر شیخ میرزا بمقام سمرقند سنہ ۸۶۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ سلطان ابو سعید میرزا کے چوتھے بیٹے تھے۔ سلطان احمد میرزا۔ سلطان محمد میرزا اور سلطان محمود میرزا سے چھوٹے۔ سلطان ابو سعید میرزا سلطان محمد میرزا کے بیٹے تھے سلطان محمد میرزا سلطان میرانشاہ میرزا کے فرزند تھے۔ میران شاہ میرزا حضرت امیر تیمور گورگان کے سنجھلے بیٹے تھے۔

---

[1] نسخہ بینی کینیت ۱۲
[2] جان لیڈن نے اکولتی لکھا ہی ۱۲
[3] جان لیڈن نے لفظ "سوا" لکھا ہے ۱۲
[4] یہ فوج کشی سنہ ۸۹۹ ہجری میں ہوئی ۱۲

عمر شیخ میرزا اور جہانگیر میرزا سے چھوٹے اور شاہرخ میرزا سے بڑے۔ سلطان ابو سعید میرزا نے اول عمر شیخ میرزا کو کابل دیا۔ اور بابا کابلی کو بیگ آتکہ کر کے روانہ کیا۔ پھر میرزاؤں کے ختنوں کی شادی میں[1] شریک ہونیکے لیے[2] کابل سے سمرقند میں واپس بلالیا۔ شادی کے بعد اس مناسبت سے کہ امیر تیمور نے اپنے بیٹے عمر شیخ میرزا کو ولایت فرغانہ عطا کی تھی ابو سعید میرزا نے انکو اندجان دیا اور تیمور تاش[3] کو ان کا بیگ آتکہ مقرر کیا۔

انکا حلیہ اور وضع

ٹھنگنا[4] قد۔ چہرہ کا رنگ سرخ۔ گہ داڑھی۔ بدن بھاری۔ ذرا مزاج چالاک۔ کپڑے بہت چست پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ بند باندھتے تھے تو پیٹ سکیڑ لیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باندھنے کے بعد بدن چھوڑ دیتے تھے یا سانس لیتے تھے تو بند ٹوٹ جاتے تھے۔ کھانے پہننے میں بے تکلف تھے۔ دستار پیچ کی قطع کی پگڑی باندھتے تھے۔ اُس زمانہ میں دستار پیچ چار پیچ کی پگڑی ہوتی تھی۔ وہ بے چینن کے باندھکر شملہ چھوڑ دیتے تھے۔ گرمیوں میں دربار کے علاوہ مغلی ٹوپی پہنتے تھے۔

اخلاق واطوار

اُنکے اخلاق واطوار یہ تھے حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ قضائے عمری سب ادا کر دی تھی۔ بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مُرید تھے۔ اکثر اُنکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ بھی اُنکو فرزند فرمایا کرتے تھے۔ وہ خاصہ پڑھے لکھے تھے خمستین۔ مثنوی اور تاریخ کی کتابیں اُنکی نظر سے نکلی ہوئی تھیں۔ شاہنامہ کو بہت دیکھا کرتے تھے۔ اگرچہ موزون طبیعت تھے مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے۔ منتظم اس درجہ کے تھے کہ ایک سال خطائی قافلہ اندجان میں آرہا تھا۔ جب کوہستانِ شرقی کے اطراف میں آیا تو ایسی برف پڑی کہ تمام اہل قافلہ ہلاک ہوگئے۔ صرف دو آدمی بچے۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنے ملازموں کو بھیجکر تمام مال ومتاع جمع کروالیا۔ اگرچہ اُس مال کے ورثا موجود نہ تھے اور اُن کو احتیاج بھی تھی۔ مگر سارا مال بہت حفاظت کے ساتھ رکھوا کر دو ایک سال کے بعد خراسان اور سمرقند سے اُنکے وارثوں کو بُلایا اور بے کم وکاست وہ مال سب کے حوالے کر دیا۔ وہ سخی بھی بہت تھے۔ اور سخاوت ہی جیسی اُنکی اور خصلتیں بھی تھیں۔ خوش مزاج۔ باتونی۔ فصیح۔ شیریں کلام اور بہادر آدمی تھے۔ دو دفعہ فوج سے نکل کر اکیلے شمشیر زنی کی ہے۔ ایک دفعہ آختی کے دروازے میں اور دوسری بار شاہرخیہ کے دروازے میں۔ اوسط درجہ کے تیر انداز تھے۔ اور گھونسا زبردست مارتے تھے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ جو

[1] محافظ۔ بدایوالہام ۱۲ منہ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے اعلےٰ درجہ کی ہوئی۔ یہ شادی سنہ ۸۶۵ھ میں ابو سعید نے اپنے تینوں بیٹوں کے ختنوں کی مرو میں کی تھی۔ پانچ چھ مہینے تک ہنگامۂ شادی گرم رہا ۱۲ منہ [2] گزیا ستا ایک گھاٹی ہے جو ہمالیہ وہاس یا بلخاب پر بلخ کے جنوب میں واقع ہے ۱۲ منہ [3] خدا بیردی تیمور تاش ۱۲ [4] پست قد و گرد ریش۔ پیکرہ۔ سرخ رنگ۔ روئے ستے گوں۔ مرد قبلی ۱۲ منہ روپیتہ برج (انگریزی تاریخ) وغیرہ اس واقعہ کو حضرت بابر بادشاہ سے منسوب کرتے ہیں بلکہ اکثر ہندوستانی مورخ جو انگریزی کی تاریخوں سے واقعات کا استنباط کرتے ہیں وہ بھی یہی لکھتے ہیں ۱۲ منہ غالباً اُس زمانہ میں وہاں والے بھی اسی طرح گھونسم گھونسا لڑتے ہوں اور اُسکی مشق کرتے ہوں جس طرح آج کل انگریزی فوج کے گورے یعنی ولایتی سپاہی لڑتے اور ان کو فسٹ کہتے ہیں ۱۲

کسی کو گھونسا ماریں اور گھونسا کھانے والا گر نہ پڑے۔ ملک گیری کے خیال میں بہت دوستوں سے چخ گئی تھی۔ اور بہت لوگ اُنسے کھٹک گئے تھے۔ ابتدا میں بڑے شرابخوار تھے۔ پھر ہفتہ میں دو ایک مرتبہ مے نوشی کا جلسہ ہونے لگا۔ خوش صحبت شخص تھے۔ ایسے موقعوں پر مناسب اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں معجون[1] بہت کھانے لگے تھے معجون کھانے کے بعد مزاج چراندا ہو جاتا تھا۔ رحمدل بہت تھے نعل[2] اور داغ بہت رکھتے تھے۔ ہمیشہ چوسر کھیلتے رہتے تھے۔ کبھی جُوا بھی کھیل لیتے تھے۔

اُنکی لڑائیاں وہ تین لڑائیاں لڑے ہیں۔ پہلی لڑائی یونس خاں سے اندجان کے شمال کی طرف دریائے سیحون کے کنارے پر وہاں ہوئی جسکو سکر تکہ[3] کہتے ہیں۔ یہاں مغلوب ہو کر پکڑے گئے۔ اِس مقام کا اسلیے یہ نام پڑ گیا ہے کہ دریا جو پہاڑ سے بہتا ہوا آتا ہے تو یہاں سکڑا ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار تکہ[4] یعنی پہاڑی بکرا اس کنارے سے چھلانگ مار کر اُس کنارے پر جا پہنچا تھا۔ اِس لڑائی[5] میں یونس خاں نے شکست دینے اور پکڑ لینے کے بعد اُلٹا پھیر دیا تھا۔ چونکہ اس مقام پر لڑائی ہوئی تھی اِسلیے اس لڑائی[6] کا نام جنگ تکہ سکر تکو مشہور ہو گیا۔ دوسری لڑائی ترکستان میں دریائے آرس[7] کی کنارے پر اُزبکوں سے ہوئی جو نواح سمرقند کو لوٹ مار کر جاتے تھے۔ دریائے آرس پر سے جو بالکل جم کر برف ہو گیا تھا عبور کر کے اُن لوگوں کو شکست دی۔ اور جو مال اور اونٹ وغیرہ یہ لوگ لوٹ لائے تھے چھین کر مالکوں کو واپس کر دیا۔ آپ اُس میں سے ذرا نہ لیا۔ تیسری لڑائی سلطان احمد میرزا سے شاہرخیہ اور اوراتیبہ کے درمیان خواص[8] نام موضع میں ہوئی۔ یہاں شکست کھائی۔

ملکِ مقبوضہ اُن کے قبضہ میں یہ ملک تھے۔ سلطان ابوسعید میرزا نے تو فرغانہ کا علاقہ دیا تھا۔ تاشکند اور سیرام[9] اُنکے بڑے بھائی سلطان احمد میرزا نے دیے تھے۔ شاہرخیہ کو فریب سے لیکر کچھ دن تک اُسپر بھی قابض رہے۔ آخر میں تاشکند اور شاہرخیہ قبضہ سے نکل گئے تھے۔ اور صرف ملک فرغانہ خجند اور اوراتیبہ جن کا اصل نام اسروستہ اور استروس ہے رہگئے تھے بعض لوگ خجند کو فرغانہ کے ملک میں شامل نہیں کرتے۔ سلطان احمد میرزا نے جب مغلوں پر چڑھائی کی ہی اور دریائے جرچیق[10] کے کنارے پر مقابلہ ہوا تو شکست کھائی۔ اوراتیبہ حافظ بیگ دولدائی کے پاس تھا وہ بھی اُسنے میرزا کو دیدیا تھا۔ اُس دن سے وہ عمر شیخ میرزا کے تصرف میں رہا۔

اولاد اُن کی اولاد میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا میں ظہیر الدین بابر ہوں۔

[1] شاید وہی معجون ہو جسمیں بھنگ ڈالتے ہیں اور وہ نشہ کرتی ہو۔ نشہ بازوں کی اصطلاح میں اسکو معجون کہتے ہیں ۱۲ [2] یہ فقرہ اُس کتاب میں تو ہے جس سے میں نے ترجمہ کیا ہے مگر اور کسی نسخہ میں نہیں ہے چونکہ اِسکا مطلب معلوم نہیں ہوا اسلیے اسکا لفظی ترجمہ کر دیا ۱۲ [3] پہاڑی بکرے کی چھلانگ ۱۲ [4] یہ لڑائی اُس ملک میں واقعہ عظیم خیال کیجاتی ہو ۱۲ [5] شاید یہ وہی دریا ہو جو دریائے سیحون میں گرتا ہے اور ترکستان کے عمدہ حصہ میں سے گزرتا ہے۔ ۱۲۔ [6] خواص ضلع اوراتیبہ میں واقع ہے ۱۲ [7] سیرام دریائے سر کے کنارے پر تاشقند سے نیچے کی جانب واقع ہے ۱۲ [8] جرچیق جسکو سر دریائے خجند بھی کہتے ہیں زمانۂ قدیم میں اسکو جیکز رز کہتے تھے اسکو چاچ یا شاس کا دریا بھی کہتے ہیں ۱۲

میری ماں قتلق نگار خانم تھیں۔ مجھ سے دو برس چھوٹا دوسرا بیٹا جہانگیر میرزا تھا۔ اسکی ماں قوم مغل کے گروہوں کے سرداروں میں سے تھی۔ اُسکا نام فاطمہ سلطان تھا۔ تیسرا بیٹا ناصر میرزا تھا۔ اُسکی والدہ اندجان کی تھی۔ حرم تھی۔ اُسکا نام اُمیہ تھا۔ ناصر میرزا مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ سب بیٹیوں میں بڑی خان زادہ بیگم میری سگی بہن تھی مجھ سے پانچ برس بڑی جن دنوں میں میں نے دوبارہ سمرقند لیا ہے اُن دنوں میں گو میری فوج کو سرپل پر شکست ہوگئی تھی اُسپر بھی پانچ مہینے تک میں محصور رہا۔ مگر جب گرد نواح کے بادشاہوں اور امیروں میں سے کسی نے کسی طرح کی مدد نہ دی تو ناچار سمرقند چھوڑ کر میں نکل کھڑا ہوا۔ اُسی بھاگڑ میں خانزادہ بیگم محمد شیبانی خاں کے ہاتھ آگئی۔ اُس نے اُنسے نکاح کر لیا۔ ایک بیٹا اُس سے پیدا ہوا جسکا نام خرم شاہ تھا۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ شیبانی خاں نے بلخ کا علاقہ اُس کو دیدیا تھا۔ اپنے باپ کے دو ایک برس کے بعد وہ بھی فوت ہوگیا۔ جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے اُزبک کو مرو میں شکست دی ہے تو خانزادہ بیگم مع مقتب میرے سبب سے شاہ ممدوح نے بیگم سے اچھی طرح ملاقات کی اور عمدہ برتاوا برتا۔ عزت و آبرو کے ساتھ میرے پاس قندز[1] میں بھیجدیا۔ بیگم موصوفہ قندز میں آکر میرے ہمراہ ہوئی۔ مجھ میں اور اُس میں دس برس تک مفارقت رہی۔ جس وقت میں اور محمدی کوکلتاش اُس سے ملنے گئے تو بیگم نے اور ساتھ والوں نے میرے کہنے پر بھی فوراً ہم کو نہ پہچانا۔ تھوڑی دیر بعد پہچان گئی۔ دوسری بیٹی مہربانو بیگم تھی۔ ناصر میرزا کی ہم بطن بہن مجھ سے دو برس چھوٹی۔ تیسری لڑکی شہربانو بیگم ناصر میرزا کی دوسری سگی بہن تھی۔ مجھ سے آٹھ برس چھوٹی چوتھی یادگار سلطان بیگم تھی جو آغا سلطان حرم کے پیٹ سے تھی۔ سب سے چھوٹی پانچویں رقیہ سلطان بیگم مخدومہ سلطان بیگم (جسکو قرا کوز[2] بیگم بھی کہتے ہیں) کے بطن سے تھی۔ یہ دونوں میرزا کے مرنیکے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ یادگار سلطان بیگم کو میری نانی ایسن دولت بیگم نے پالا تھا۔ جب شیبانی خاں نے اخشی اور اندجان کو لے لیا ہے تو یادگار سلطان بیگم حمزہ سلطان کے بیٹے مہدی سلطان کے ہاتھ آگئی جس[3] زمانہ میں کہ حمزہ سلطان اور اُس کے ہمراہی سلاطین کو ختلان کے علاقہ میں میں نے شکست دیکر حصار چھین لیا ہے۔ اُس زمانہ میں یادگار سلطان بیگم میرے پاس آگئی تھی۔ اُنہی جھگڑوں میں رقیہ سلطان بیگم جانی بیگ سلطان کے ہاتھ آگئی تھی۔ اُسکے دو ایک بیٹے بھی ہوئے تھے۔ اب سُنا ہے کہ اُسکا انتقال ہوگیا۔

بیویاں و حرمیں

بیویاں اور حرمیں یہ تھیں۔ پہلی بیوی قتلق نگار خانم یونس خاں کی دوسری بیٹی۔ سلطان محمود خاں اور احمد خاں کی بڑی بہن تھی۔ یونس خاں چغتائی خاں کی نسل سے تھا۔ جو چنگیز خاں کا دوسرا بیٹا تھا۔ سلسلۂ نسل اس طرح ہے کہ یونس خاں بن ویس خاں بن شیر علی اُغلان بن محمد خان بن خضر خواجہ خان بن تغلق تیمور خان بن ایسن بوغا خان بن دوا خان بن براق[4] سون توا

[1] یہ لفظ جان لیڈن کے ترجمہ میں بھی ہے فارسی کے اور نسخوں میں اس مقام پر نہیں ہے ۱۲ [2] قرا کوز۔ سیاہ چشم ۱۲ [3] سنہ ۹۱۶ھ ۱۲
[4] سنہ ۱۵۱۱ء ۱۲۶ [5] نسخہ (دوا خاں بن براق خاں بن ایسن بوغا خاں بن موا توکان ۱۲

بن موآتوکان بن چغتائی خان بن چنگیز خان۔

یونس خان کا حال

جب اتنا لکھا گیا ہے تو مناسب ہے کہ تھوڑا سا حال ان خوانین کا بھی بیان کر دیا جائے۔ یونس خاں اور ایسن بوغا خاں دونوں ویس خاں کے بیٹے تھے۔ یونس خاں کی ماں ترکنی تھی۔ شیخ نورالدین بیگ قوم قپچاق سے ایک امیر تھا جسکو امیر تیمور نے سردار بنایا تھا اُسکی بیٹی یا پوتی تھی۔ ویس خاں کے مرنیکے بعد مغلوں کے خاندان میں دو فرقے ہوگئے۔ جو فرقہ کم تھا وہ یونس خاں کی طرف ہوگیا۔ اور جو فرقہ زیادہ تھا وہ ایسن بوغا خاں کی جانب۔ اِس سے پہلے یونس خاں کی بڑی بہن کی شادی الغ بیگ میرزا نے عبدالعزیز میرزا کے ساتھ کی تھی۔ اِس مناسبت سے یہ بات ہوئی کہ ایرزن (جو ناربن گروہ میں امیر تھا) اور میرک ترکمان (جو گروہ حراس[1] کے امرا میں سے تھا) یونس خاں کو قوم مغل کے تین چار ہزار گھروں[2] سمیت الغ بیگ میرزا پاس لائے تاکہ اُنسے مدد لیکر پھر مغلوں کی قوم کے سردار بنجائیں میرزا نے یہ بیمروتی کی کہ بعض کو تو قید اور بعض کو ملک میں اِدھر اُدھر پریشان کر دیا۔ اور خان کو عراق کی جانب بھیجدیا۔ یہی زمانہ مغلوں کے خاندان میں ایرزن کی تباہی و حادثۂ عظیم کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ خان برس دن سے زیادہ تبریز میں رہا۔ اُس زمانہ میں وہاں کا پادشاہ جہانشا بارانی قراقویلوق[3] تھا۔ وہاں سے خان شیراز میں آیا۔ شیراز میں شاہرخ میرزا کا دوسرا بیٹا سلطان ابراہیم میرزا حاکم تھا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد ابراہیم سلطان میرزا مر گیا۔ اُسکا بیٹا عبداللہ میرزا اُسکا جانشین ہوا۔ خان نے عبداللہ میرزا کی نوکری کر لی سترہ ۱۷ اٹھارہ ۱۸ برس تک خان وہیں رہا جس زمانہ میں سلطان الغ بیگ میرزا میں اور اُسکے فرزندوں میں جنگ ہوئی اُس زمانہ میں ایسن بوغا خاں نے موقع پاکر فرغانہ کو کندبادام تک برباد کر دیا۔ اور اندجان پر قبضہ کرکے وہاں کے لوگوں کو قید کرلیا۔ جب سلطان ابوسعید میرزا بادشاہ ہوئے تو اُنہوں نے فوج جمع کرکے یانگی[4] سے اُس طرف آسیرہ[5] کے مقام پر جو مغلستان میں ہے ایسن بوغا خاں کو کامل شکست دی۔ پھر سلطان ابوسعید میرزا نے ایسن بوغا خاں کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ یونس خاں کو اُس رشتہ کے سبب سے کہ اُسکی بڑی بہن عبدالعزیز میرزا کی بیوی تھی عراق اور خراسان سے بُلا کر دعوتیں کیں۔ اُسکو تھپک کر اپنا بنایا۔ اور مغلوں کے خاندان کا سردار کرکے مغلستان روانہ کیا۔ اس وقت ساغرچی قبیلہ کے تمام سردار

---

[1] نسخہ (خراس) ۱۲ [2] تاتار کے لوگ اپنی قوم کا شمار گھروں سے اور خیموں وغیرہ سے کیا کرتے ہیں ۱۲ [3] قراقویلوق یا قرائیلو ترکمان یعنی کالی بھیڑوں والے ترکمان۔ تاریخ فارس اور بغداد میں ان کے نام یہ ہی لکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوموں کے جھنڈوں پر یہی علامتیں بنی ہوئی تھیں ۱۲ [4] یانگی یا ینگی۔ شہر جدید جس کو عربی میں الکیریا، الجدید کہتے ہیں۔ یعنی اُطرار دریائے سیر کے کنارے پر ترکستان میں ایک شہر ہے ۱۲ [5] نسخہ (اشیرہ) اس کا ذکر تاریخ تیموریہ میں آیا ہے۔ یانگی سے شمال مشرق کی جانب ایک ندی کے کنارے پر دریائے میں ملتی ہے آباد ہے ۱۲

ایسن بوغا خاں سے رنجیدہ ہو کر مغلستان میں آ گئے تھے۔ یونس خاں اُن میں آن ملا۔ اُس زمانہ میں قبیلۂ ساغرچی میں شیر حاجی بیگ سربرآوردہ تھا۔ اُس کی بیٹی ایسن دولت بیگم سے یونس خاں کی شادی ہوئی۔ مغلوں کی رسم کے موافق خان کو اور ایسن دولت بیگم کو سفید نمدے پر بٹھا کر اُس کو خان تسلیم کیا۔

یونس خاں کی اولاد

خان کے ہاں اس سے تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑی مہر نگار خانم تھی جس کی شادی سلطان ابو سعید میرزا کے بڑے بیٹے سلطان احمد میرزا سے ہوئی۔ مرزا سے اُسکے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر لڑائی جھگڑوں میں شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ جب میں کابل میں آیا تو وہ شاہ بیگم کے ساتھ خراسان آئی اور وہاں سے کابل میں آ گئی۔ جس زمانہ میں شیبانی خاں نے ناصر میرزا پر قندہار میں چڑھائی کی ہے اور میں لمغان گیا تو خان میرزا اور شاہ بیگم اور مہر نگار خانم بدخشاں چلے گئے۔ پھر جب مبارک شاہ نے خان میرزا کو قلعۂ ظفر میں بلایا اور اثنائے راہ میں سلطان ابوبکر کاشغری کی لٹیری فوج سے مٹھ بھیڑ ہوئی تو شاہ بیگم اور مہر نگار خانم مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گئیں۔ اور سب اُسی ظالم کی قید میں مر گئے۔ یونس خاں کی دوسری بیٹی میری والدہ قتلق نگار خانم تھیں۔ وہ اکثر لڑائیوں اور مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہی ہیں۔ کابل لینے کے بعد پانچ چھ مہینے زندہ رہکر سنہ ۹۱۱ھ[۱] میں اُن کا انتقال ہو گیا تیسری بیٹی خوب نگار خانم تھی جس کی شادی محمد حسین[۲] گورگان دُغلت سے ہوئی تھی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی لڑکی کی شادی عبید خاں سے ہوئی۔ جب میں نے سمرقند اور بخارا فتح کیا ہے تو وہ لڑکی وہیں تھی۔ اور چونکہ وہاں سے بھاگ نہ سکی اس لیے وہیں رہ گئی۔ اُسکا چچا سید محمد میرزا ایلچی ہو کر سلطان سعید خاں[۳] کی طرف سے سمرقند میں میرے پاس آیا تو یہ لڑکی اُس کے ساتھ چلی گئی۔ سلطان سعید خاں سے اُس کی شادی ہو گئی[۴]۔ بیٹا حیدر میرزا تھا جب حیدر میرزا کے باپ کو اُزبکوں نے مار ڈالا[۵] تو وہ میری خدمت میں آ گیا تھا۔ تین چار برس تک رہا۔ پھر مجھ سے اجازت لیکر خان کاشغر کے پاس چلا گیا۔ فرد

باز گردد بہ اصلِ خود ہمہ چیز   زرِ صافی و نقرہ و ارزیز

کہتے ہیں کہ اب تائب ہو کر اُس نے اچھا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ عمدہ خوشنویس اور مصوّر ہو گیا ہے تیر پیکان اور زہگیر[۶] بناتا ہے۔ اور ہر کام میں اُس کو ملکہ ہو گیا ہے۔ شعر بھی کہتا ہے۔ اُس کی عرضی میرے پاس آئی تھی۔ اُس کی انشا بھی بُری نہیں ہے۔ یونس خاں کی دوسری بیوی شاہ بیگم تھی۔ اگرچہ اور بیویاں بھی تھیں مگر صاحب اولاد

---

۱ مطابق سنہ ۱۵۰۵ء ۱۲ ۲ یہ محمد حسین گورگان سلطان محمد خان کی طرف سے اوراتیپہ کا حاکم تھا ۱۲ ۳ یہ کاشغر کا ایک شہزادہ تھا ۱۲ ۴ جان لیڈن کے ترجمہ میں اس کے آگے یہ فقرہ ہے "اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جسکا نام حیدر میرزا رکھا"۔ ۱۲ ۵ سنہ ۱۵۰۳ء ۱۲ ۶ زہگیر انگشتانہ جیسا ہوتا ہے۔ تیر اندازی کے وقت اس کو انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں۔ یہ حیوان کے سینگ اور ہڈی وغیرہ سے بنتا ہے ۱۲

یہی دونوں ہوئیں۔ شاہ بیگم شاہ سلطان محمد بادشاہِ بدخشاں کی بیٹی تھی۔ بدخشاں کے بادشاہ اپنا نسب اسکندر فیلقوس سے ملاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی بادشاہ کی ایک اور بیٹی تھی جو شاہ بیگم کی بڑی بہن تھی۔ سلطان ابوسعید میرزا نے اُس سے نکاح کیا تھا۔ ابابکر میرزا اُسی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ شاہ بیگم[1] سے خان کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اِن تینوں میں بڑا اور مذکورۃ الصدر تینوں بیٹوں سے چھوٹا سلطان محمود خاں تھا جس کو سمرقند وغیرہ میں جانی بیگ[2] خاں کہتے ہیں۔ سلطان محمود خاں سے چھوٹا سلطان احمد خاں تھا جسکا نام الچہ خاں مشہور تھا۔ (الچہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ قلماقی اور مغلی زبان میں قتل کرنیوالے کو الاچی کہتے ہیں۔ چونکہ اس نے قوم قلماق کو کئی بار شکست دیکر قتلِ عام کیا ہے اسلیے اسکو الاچی یعنی (قتال) کہنے لگے۔ کثرتِ استعمال سے الاچی کا الچہ ہوگیا) ان دونوں کے حالات آیندہ موقع پر بیان کیے جائیں گے۔

سب سے چھوٹی اور ایک بہن سے بڑی سلطان نگار خانم تھی جسکی شادی سلطان محمود مرزا (فرزند سلطان ابوسعید مرزا) سے ہوئی تھی۔ مرزا سے اِسکے ہاں ایک بیٹا ہوا جسکا نام سلطان ویس تھا۔ اس کتاب میں اسکا حال بھی بیان کیا جائیگا۔ سلطان محمود میرزا کے مرنے کے بعد یہ سلطان نگار خانم اپنے بیٹے کو لیکر چپ چپاتے تاشکند میں اپنے بھائیوں کے پاس چلی گئی۔ کئی برس کے بعد اُزبک سلطان سے جو سلاطین قوم قزاق میں سے چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جوجی خاں کی اولاد سے تھا اُسکی شادی کردی جس وقت شیبانی خاں نے سب کو دبا کر تاشکند اور شاہرخیہ پر قبضہ کر لیا تھا اُس وقت یہ دس بارہ مغل ملازموں کے ساتھ ازبک سلطان کے پاس چلی گئی تھی۔ اُزبک سلطان سے اسکے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک تو سلاطین شیبانیہ میں سے کسی کو دی۔ اور دوسری سلطان سعید خاں[3] کے بیٹے سلطان رشید خاں کو۔ اُزبک سلطان کے مرنیکے بعد قاسم خاں سردارِ قوم قزاق سے اُسنے شادی کرلی۔ مشہور ہے کہ قوم قزاق میں قاسم خاں کے برابر کسی خان یا سلطان نے قوم کا انتظام نہیں کیا۔ چنانچہ اس کے لشکر جرار کی تعداد تین لاکھ کے قریب بیان کیجاتی ہے۔ قاسم خاں کے مرنے کے بعد خانم مذکورہ سعید خاں کاشغری کے پاس چلی آئی۔ یونس خاں کی سب سے چھوٹی بیٹی دولت سلطان خانم تھی۔ جو تاشکند کی ویرانی کے موقع پر تیمور سلطان پسرِ شیبانی خاں کے نکاح میں آئی۔ اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ سمرقند سے چلتے وقت وہ میرے ساتھ چلی آئی تھی۔ تین چار برس بدخشاں میں رہی۔ اِسکے بعد سلطان سعید خاں کے پاس کاشغر چلی گئی۔

دوسری عمر شیخ میرزا کی ایک اور بیوی خواجہ حسین بیگ کی بیٹی الوس[4] آغا تھی۔ اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جو چھوٹی سی مرگئی۔ پھر اِس بیوی کو ڈیڑھ[5] برس بعد چھوڑ دیا تھا۔ ایک اور[6] بیوی

[1] نسخہ (دو بیٹیاں) ۱۲ [2] جان لیڈن نے جنیکہ خاں لکھا ہے۔ ظاہرا جان لیڈن نے غلط فہمی سے جانی بیگ خاں کو جنیکہ خاں لکھدیا ہے ۱۲ [3] والیٔ کاشغر ۱۲ [4] نسخہ (الوس آغائی) ۱۲ [5] نسخہ (ایک یا ڈیڑھ سال) [6] نسخہ (فاطمہ سلطان آغا قوم مغل میں سے ایک سردار کی بیٹی تھی عمر شیخ میرزا نے سب سے پہلے اس سے شادی کی تھی) ۱۲

فاطمہ سلطان آغا تھی۔ ایک اور بیوی قراکوز بیگم تھی جس سے اپنی آخر عمر میں نکاح کیا تھا۔ یہ بہت چاہیتی تھی۔ میرزا کی خوشامد کے مارے اُس کو ابوسعید میرزا کے بڑے بھائی منوچہر میرزا کا رشتہ دار بنا دیا تھا۔

حرمیں حرمیں بہت سی تھیں۔ اُن میں سے ایک امید آغاچہ تھی جو مرزا کے سامنے مرگئی۔ میرزا کے آخر وقت میں تون[1] سلطان ایک عورت داخل محل ہوئی تھی جو قوم مغل سے تھی۔ ایک اور آغا سلطان تھی۔

امراء میرزا کے امراء میں سے ایک خدا بیردی[2] تیمور تاش تھا۔ آق بوغا بیگ حاکم ہری کی اولاد میں سے۔ جس وقت سلطان ابوسعید میرزا نے جوگی میرزا کا شاہرخیہ میں محاصرہ کرلیا تھا اُس وقت فرغانہ کا حاکم عمر شیخ میرزا کو کیا۔ اور خدا بیردی تیمور تاش کو اُنکی سرکار سپرد کرکے مدارالمہام کر دیا۔ اس زمانے میں خدا بیردی تیمور تاش کی عمر صرف پچیس[۲۵] برس کی تھی۔ اگرچہ وہ کمسن تھا مگر اُسکا ڈھنگ۔ انتظام اور قاعدے قابل تعریف تھے۔ ایک دو سال کے بعد جب ابراہیم بیگ چاک نے اوش کی نواح میں لوٹ مار مچائی تو خدا بیردی تیمور تاش نے اُسکا تعاقب کیا۔ اُس سے لڑا اور ہزیمت اُٹھاکر شہید ہوگیا۔ اُن دنوں میں سلطان احمد میرزا ایلاق اوراتیبہ میں تھا جو سمرقند سے اٹھارہ[۱۸] فرسنگ شرق کی جانب ہی۔ اور جسکا نام آق قچغاے مشہور تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا باباخاکی میں تھا۔ جو ہری سے بارہ فرسنگ مشرق کی طرف ہی۔ یہ خبر عبدالوہاب شقاول نے بہت جلد میرزا کی خدمت میں پہنچائی۔ اُس نے ایک سوستائیس[۱۲۷][3] فرسنگ کا راستہ چار دن میں طے کیا۔ ایک اور امیر حافظ محمد بیگ دولدائی تھا۔ سلطان ملک کاشغری کا بیٹا اور احمد حاجی بیگ کا چھوٹا بھائی۔ خدا بیردی کے مرنے کے بعد اُسکا عہدہ اسی کو دیا گیا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے مرنے کے بعد امرائے اندجان سے اُس کی نہبنی۔ وہ سلطان احمد میرزا پاس سمرقند چلا گیا[4]۔ سلطان[5] احمد میرزا کی شکست کی خبر جس وقت معلوم ہوئی ہے اُس وقت حافظ محمد بیگ اوراتیبہ کا حاکم تھا۔ عمر شیخ میرزا جب سمرقند کی تسخیر کے ارادے سے اوراتیبہ میں پہنچا تو اُسنے اوراتیبہ میرزا کے ملازموں کے حوالے کردیا اور آپ میرزا کا نوکر ہوگیا۔ میرزا نے اُسکو اندجان کی حکومت عطا کی۔ اس کے بعد وہ سلطان محمود خاں پاس چلا گیا۔ خان نے میرزا خاں کو اُسکے سپرد کیا اور دیزک[6] کی حکومت بھی عطا کی۔ میرے کابل لینے سے پہلے ہندوستان کی راہ سے وہ مکہ معظمہ روانہ ہوا اور راستہ ہی میں مرگیا۔ فقیر منش۔ کم سخن اور بے حیثیت آدمی تھا۔ ایک اور امیر خواجہ حسین بیگ خوش مزاج اور سیدھا سادہ آدمی تھا اُس زمانہ کے دستور کے موافق شراب نوشی کے وقت توبوق (ایک قسم کا مغلی نغمہ) خوب گاتا تھا۔ ایک اور شیخ مزید بیگ تھا۔ میرا پہلا اتالیق وہی ہوا تھا۔ اُس کے قاعدے اور قرینے بہت اچھے تھے۔ وہ

---

[1] نسخہ (یون سلطان) ۱۲ [2] خدا بیردی یعنی اللہ داد۔ یا خداداد ۱۲ تیمور۔ فولاد + تاش۔ پتھر ۱۲ [3] نسخہ (ایک سو پچیس[۱۲۵] فرسنگ) یعنی ۵۰۰ میل ۱۲ [4] جان لیڈن نے یہ فقرہ یہاں لکھا ہے "اور سلطان احمد میرزا کا ملازم ہوگیا" ۱۲ [5] نسخہ (جب یہ خبر پہنچی کہ دریائے چرکی لڑائی میں سلطان احمد میرزا کو شکست ہوئی تو حافظ محمد بیگ دولدائی اوراتیبہ کا حاکم تھا) ۱۲ [6] نسخہ (جزخ) ۱۲

بابر میرزا[۱] کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ عمر شیخ میرزا کی سرکار میں اُس سے بڑا دوسرا امیر نہ تھا۔ وہ ایک فاسق آدمی تھا۔ اس لیے غلام بہت رکھا کرتا تھا۔ ایک اور علی مزید بیگ قوچین تھا۔ اُسنے دو مرتبہ بغاوت کی۔ ایک بار آخسی میں اور دوسری دفعہ تاشکند میں۔ منافق۔ فاسق۔ نمکحرام اور نکمّا آدمی تھا۔ ایک حسین یعقوب بیگ تھا۔ صاف دل۔ خوش طبع۔ ہوشیار اور سعد شخص تھا۔ یہ شعر اُسی کا ہے ؎

بازآئے اے ہمائے کہ بے طوطی خطیت نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من

بڑا بہادر تھا۔ تیر انداز اچھا تھا۔ چوگان[۲] خوب کھیلتا تھا۔ اور غوک تیکہ[۳] خوب لگاتا تھا۔ عمر شیخ میرزا کے مرنیکے بعد میرے ہاں مختار ہوگیا۔ البتہ تھڑدلا۔ کم حوصلہ اور فتنہ پرداز بھی تھا۔ ایک قاسم بیگ قوچین تھا۔ یہ شخص لشکرِ اندجان کے قدیم سرداروں میں سے تھا۔ حسن بیگ کے بعد میری سرکار میں وہی مختار رہا۔ آخر عمر تک اُسکے اختیارات اور اعتبارات بڑھتے گئے۔ کم نہوئے۔ وہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ اُزبک اِحِ کاشان[۴] کو لوٹ مار کر چلے۔ اُسنے اُن کا پیچھا کرکے اُنکو جالیا۔ اور اُنکو خوب ٹھونکا۔ عمر شیخ میرزا کے زمانہ میں بھی وہ بڑا تلوریا تھا۔ جنگ یاسی کجیت[۵] میں گھمسان کی لڑائی لڑا تھا۔ بھاگڑ اور مصیبت کے موقع پر جب میں نے کوہستانِ مسیحا[۶] سے سلطان محمود خاں پاس جانیکا ارادہ کیا تو وہ مجھسے الگ ہوکر خسرو شاہ پاس چلا گیا سنہ ۹۰۷ھ[۷] میں جب میں نے خسرو شاہ کے آدمیوں کو توڑ لیا اور کابل میں مقیم کو جا گھیرا تو اُس وقت وہ پھر میرے پاس چلا آیا میں نے رکھ لیا اور اگلی سی عنایت اور مہربانی کی جس وقت درہ خوش میں میں نے ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی کی تو قاسم بیگ نے بڑھاپے میں جوانوں سے بڑھکر کام دیا۔ میں نے ملکِ بنگش اُسکو اسکے صلہ میں دیدیا۔ کابل میں آکر اُسکو ہمایوں کا اتالیق کردیا۔ زمین داور[۸] فتح ہونیکے زمانہ میں اُسکا انتقال ہوگیا۔ مسلمان دیانتدار اور پرہیزگار آدمی تھا مشتبہ کھانے سے بچتا تھا۔ اُسکی رائے اور تدبیر بہت عمدہ تھی۔ بڑا رِکھلی باز بھی تھا۔ تھا تو اَن پڑھ مگر عالی دماغ رِکھلی باز تھا۔ ایک اور بابا قلی بیگ تھا شیخ علی بہادر کی اولاد میں سے شیخ مزید بیگ کے مرنیکے بعد میرا اتالیق اُسی کو کیا تھا جن دنوں میں سلطان احمد میرزا نے اندجان پر لشکرکشی کی تو سلطان احمد میرزا سے وہ مل گیا۔ اور اورا تیبہ مرزا کو دیدیا۔ سلطان محمود میرزا کے انتقال کے بعد جس وقت وہ سمرقند سے نکل کر اور بھاگ کر آتا تھا[۹] اُس وقت سلطان علی میرزا اورا تیبہ سے نکل کر اُس سے

۱؎ یہ بابر میرزا ابن بایسنغر میرزا ابن شاہرخ میرزا ابن امیر تیمور تھا۔ نہایت ہوشیار شہزادہ تھا۔ کچھ دن تک خراسان کا حاکم بھی رہا تھا۔ سنہ ۱۴۵۷ء میں اس کا انتقال ہوا ۱۲ ۲؎ گھوڑے پر سوار ہو کر گیند بلّا کھیلنے کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس کا نام پولو ہے جو انگریزی ہے ۱۲ ۳؎ مینڈک کی چھلانگ۔ یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ غالباً ہمارے ہاں جو کوڈی ذقن کھیل ہے وہی یہ بھی ہو ۱۲ ۴؎ دریائے سیر کے شمال میں ہے ۱۲ ۵؎ یہ لڑائی سنہ ۹۰۰ ہجری میں ہوئی تھی ۱۲ ۶؎ نسخہ (مسیخی) ۱۲ ۷؎ ۹۰۸ھ سنہ ۱۵۰۲ء ۱۲ ۸؎ قندھار سے نوّے میل مغرب میں دریائے ہرمند کے سیدھے کنارے پر اوپر کی طرف واقع ہے ۱۲ ۹؎ جان لیڈن نے اس مقام پر "میرے پاس" بھی لکھا ہے ۱۲

لڑا اور اُس کو شکست دیکر قتل کیا۔ اُس کا انتظام اور سامانِ فوج نہایت عمدہ تھا۔ نوکروں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ نہ نمازی تھا نہ روزہ رکھا کرتا تھا۔ ظالم و کافر وش آدمی تھا۔ ایک میر علی دوست طغائی قوم ساغرچی میں سے تھا۔ میری نانی ایسن دولت بیگم کا رشتہ دار تھا۔ عمر شیخ میرزا کے زمانہ سے میں اکثر اُسکی رعایت کرتا رہتا تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس سے کچھ کام نکلیگا۔ مگر جس زمانہ میں میرے پاس رہا جیسا خیال تھا ویسا کوئی کام اُس سے نہیں نکلا۔ سلطان ابوسعید میرزا کی بھی خدمت میں رہا تھا۔ اِسکا دعوےٰ تھا کہ میں جادوگر ہوں۔ میر شکار تھا۔ اطوار و اخلاق اُس کے بہت نکمّے تھے۔ بخیل۔ فتنہ انگیز۔ خبطی۔ منافق۔ خود پسند۔ بدزبان اور ترش رو تھا۔ ایک ویس لاغری تھا۔ سمرقند کا رہنے والا قوم توقچی میں سے۔ آخر میں یہ عمر شیخ میرزا کا بہت مقرّب ہوگیا تھا۔ مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہا ہے۔ اُسکی رائے اور تدبیر بڑی عمدہ تھی۔ کسی قدر فتنہ انگیز ضرور تھا۔ ایک میر غیاث طغائی علی دوست کا چھوٹا بھائی تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کی سرکار میں مغلوں میں اس سے بڑھکر کوئی سردار نہ تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کی مُہر اِسی کے پاس رہتی تھی۔ عمر شیخ میرزا کے آخری وقت میں اُن کے بھی مُنہ چڑھ گیا تھا۔ اور ویس لاغری کا بہت دوست تھا۔ جب[1] کاشان سلطان رضا خان کو دیدیا تو اُس وقت سے اپنی آخر عمر تک خان ہی کی خدمت میں رہا۔ خان نے بھی اُسکو اچھی طرح رکھا۔ بہت ہنسوڑ اور بڑا ہزل گو تھا۔ بدکاری میں بیباک تھا۔ ایک علی درویش خراسانی تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے زمانہ میں خراسانی چیلوں میں داخل تھا جس وقت میں کہ سلطان ابوسعید میرزا نے سمرقند اور خراسان پر قبضہ کیا ہے تو دونوں گروہوں کے چیلوں کا اُس کو افسر کیا۔ اِسی لیے اُس کو "امیر چہرہائے سمرقند و چہرہائے خراسان" کہا کرتے تھے۔ میرے سامنے اس نے سمرقند کے دروازے میں خوب حملے کیے تھے۔ بہادر آدمی تھا۔ خطِ نستعلیق اچھا لکھتا تھا۔ خوشامد گو بہت تھا۔ بڑا خسیس تھا۔ ایک قنبر علی مغل آختہ بیگی[2] تھا۔ اُس کا باپ اِس ملک میں آکر کچھ دن سلاخی کرتا رہا۔ اِس سبب سے اس کا نام قنبر علی سلاخ مشہور ہوگیا۔ یونس خاں کے ہاں وہ آفتابچی ہوگیا تھا۔ آخر امرا کے زمرہ میں داخل ہوا۔ میں نے اُس کی بہت رعایتیں کیں۔ جب تک ترقی کرتا رہا اُس وقت تک اُس کا طریق انتظام اچھا رہا۔ جب کسی قابل ہوا تو جی چرانے لگا۔ وہ بکواسی اور فضول گو تھا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بکواسی فضول گو ہوتا ہے۔ کم حوصلہ اور کوڑمغز بھی تھا۔

---

[1] سلطان محمود خاں نے جب کاشان پر قبضہ کرلیا ہے تو اُس وقت سے محمود خان کے مرنے تک وہ خان ہی کی خدمت میں رہا۔ ۱۲۔

[2] ترکی میں خواجہ سرا یعنی خوجہ کو کہتے ہیں ۱۲

سنہ ۸۹۹[1] ہجری کے واقعات

تخت نشینی کا بیان

جب عمر شیخ میرزا کا انتقال ہوا ہے، تو میں اندجان کے چار باغ[2] میں تھا۔ رمضان شریف کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندجان میں یہ خبر پہنچی گھبرا کر میں سوار ہوا اور جس قدر ملازم میرے پاس تھے اُن کو لیکر قلعہ[3] کی جانب روانہ ہوا۔ میں میرزا دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ شیرم طغائی جلاد بھی[4] مجھے عیدگاہ کی طرف لیچلا۔ اُس کو یہ خیال گزرا ہوگا کہ سلطان احمد میرزا بڑا بادشاہ ہے۔ اور فوج کثیر کے ساتھ اُس نے چڑھائی کی ہے مبادا ایسا نہو کہ امرا مجھ کو اور مُلک کو اُسکے حوالے کر دیں۔ وہ مناسب سمجھا کہ مجھے اورکند[5] اور اُسکے پہاڑوں کی طرف لیجائے۔ اس لیے کہ اگر مُلک گیا تو گیا میں تو بچ جاؤنگا۔ اور اپنے ماموں الچہ خاں یا سلطان محمود خاں کے پاس پہنچ جاؤنگا۔ خواجہ مولانا قاضی (جو سلطان احمد قاضی کے صاحبزادے اور شیخ برہان الدّین قلیچ کی اولاد میں سے تھے ماں کی طرف سے اُن کا سلسلہ سلطان ایلک قاضی تک پہنچتا ہے اور اُن کا خاندان یہاں کے اہلِ مُلک کا مرجع ہے۔ اور یہاں شیخ الاسلامی بھی انہی کے ہاں رہی ہے اور جن کا ذکر پھر بیان کیا جائیگا) اور دوسرے امراء نے جو قلعہ میں تھے میرے چلے جانے کی خبر سُنتے ہی خواجہ محمد درزی[6] (یہ شخص بابریوں میں سے ہے اور عمر شیخ میرزا کا قدیمی ملازم ہے۔ اُنکی ایک بیٹی کا اتالیق بھی تھا) کو میرے پاس بھیجکر اطمینان دلایا۔ میں عیدگاہ تک پہنچا ہی تھا جو مجھ کو پھیر لائے۔ میں محل میں آیا اور اُتر پڑا۔ خواجہ مولانا قاضی اور سب سردار میرے پاس حاضر ہوئے۔ اور بعد مشورہ ایک بات ٹھیرا لی۔ پھر قلعہ کی فصیل اور برج مضبوط بنائے اور سامانِ جنگ درست کرنے میں سب مشغول ہوگئے۔ حسن یعقوب اور قاسم قوچین وغیرہم مرغینان کی طرف بطریق ایلغار[7] گئے ہوئے تھے۔ دو ایک روز کے بعد آکر اُنہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ سب ایک دل اور متفق ہوکر قلعہ کے بچانے میں پورے مصروف ہوئے۔

سلطان احمد مرزا کا حملہ

اِس عرصہ میں سلطان احمد میرزا اوراتیبہ، خجند اور مرغینان کو لیتا ہوا اندجان سے چار کوش[8] کے فاصلہ پر مقام قبا[9] پر آپہنچا۔ اسی موقع پر درویش گاؤ[10] نام اندجان کے مشہور رہنے والوں میں سے اس سبب سے قتل کیا گیا کہ نامناسب باتیں

---

[1] مطابق۔ ۱۲ جون سنہ ۱۴۹۴ء ۱۲ [2] اندجان کا چار باغ محل میں تھا ۱۲ [3] نسخہ (قلعہ بچانے کے لیے میں روانہ ہوا) ۱۲ [4] نسخہ (شیرم طغائی میرے گھوڑے کو پکڑ کر عیدگاہ روانہ ہوا) ۱۲ [5] نسخہ (اوزکند بزاے نقطہ دار) یہ مقام کوہستان الاتاغ کی طرف آوش کے شمال میں آباد ہے ۱۲ [6] نسخہ (محمد درزی) ۱۲ [7] دفعتہً فوج کا جانا۔ دھاوا۔ یورش ۱۲ [8] نسخہ (فرسنگ) ۱۲ [9] قبا بفتح اوّل۔ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو شہر اندجان کی مغرب میں دریائے قبا کے کنارے پر ہے ۱۲ [10] نسخہ (درویش گا) ۱۲

کہتا پھرتا تھا۔ اس انتظام سے سارے شہرہ پشت سپاہی ہوگئے۔ خواجہ قاضی۔ اوزون حسن اور خواجہ حسین کو میں نے سلطان احمد میرزا کے پاس بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ ظاہر ہے کہ اس ملک میں آپ اپنا کوئی آدمی ضرور مقرر کرینگے۔ میں آپکا ملازم بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں۔ اگر یہ خدمت فدوی کو عطا کیجائے تو بہتر ہے۔ آسانی کے ساتھ فیصلہ ہوجائیگا۔ سلطان احمد میرزا فقیر مزاج اور کم سخن آدمی تھا۔ مگر جو معاملہ پیش آتا تھا بغیر امراء کے طے نہ ہوتا تھا۔ امراء نے میری اُس گزارش پر التفات نہ کیا۔ بلکہ سخت جواب دیکر آگے بڑھے۔ اللہ تعالےٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے میرے ہر موقع پر میری بگڑی کو بے منتِ خلق بنا دیتا ہے۔ یہاں بھی اُسنے کئی باعث ایسے پیدا کر دیے کہ دشمن اس طرف آنے سے تنگ اور پشیمان ہوکر بے نیلِ مرام واپس ہوگئے۔

سلطان احمد میرزا کی واپسی کے اسباب

ایک سبب تو یہ ہوا کہ قبا ایک سیاہ دریا ہے اور اُس میں دلدل ایسی ہے کہ بغیر پُل کے اُس سے عبور نہیں ہوسکتا۔ لشکر تھا بہت اُترتے وقت پُل ٹوٹ گیا۔ بہت سے گھوڑے اور اونٹ دریا میں ڈوب گئے۔ چونکہ اس سے تین چار سال پہلے دریائے چرچق[1] سے اُترتے وقت بھی ان لوگوں نے بھاری شکست کھائی تھی۔ اور اس واقعہ نے اُسکو یاد دلادیا۔ اس لیے تمام لشکر پر وہم غالب ہوگیا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ گھوڑوں میں ایسی وبا پھیلی کہ طویلے کے طویلے خالی ہوگئے۔ اِس کے علاوہ میری فوج اور رعیت کو اتنا ایکدل اور مستعد پایا کہ جب تک دم میں دم ہے اُس وقت تک جان دینے سے نہیں ہٹنے کی اور مرنے سے مُنہ نہیں پھیرنے کی۔ ان باعثوں سے وہ پریشان ہوگئے۔ اور آخر اندجان قریب کوس بھر کے رہ گیا تھا کہ درویش محمد ترخان کو اس جانب بھیجا۔ یہاں سے بھی حسن یعقوب بھیجا گیا۔ عیدگاہ کے نواح میں دونوں وکیلوں کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے آشتی کی گفتگو کی اور اپنی اپنی طرف چلے آئے۔

سلطان محمود خاں کا حملہ

دریائے خجند کے شمال کی طرف سے سلطان محمود خاں چڑھا چلا آتا تھا۔ اُس نے آتے ہی آخشی کو گھیر لیا۔ وہاں جہانگیر میرزا تھا۔ اور امراء میں سے علی درویش بیگ۔ قلی کوکلتاش۔ محمد باقر بیگ اور شیخ عبداللہ ایشک آقا تھے ویس لاغری اور میر غیاث طغائی بھی وہیں تھے۔ یہ دونوں دوسرے امراء سے بدظن ہوکر کاشان میں جو ویس لاغری کا ملک تھا چلے گئے۔ چونکہ ویس لاغری ناصر میرزا کا اتالیق تھا اس لیے ناصر میرزا کاشان میں رہتا تھا جس وقت خان نواحِ آخشی میں داخل ہوا تو اُس وقت اِن دونوں امیروں نے خان سے سازش کرلی۔ اور کاشان حوالے کر دیا۔ میر غیاث توخان کے ہمراہ رہا اور ویس لاغری ناصر میرزا کو لیکر سلطان احمد میرزا کے پاس چلا گیا۔ وہاں اُنکو محمد مزید ترخان کے سپرد کر دیا گیا۔

[1] دریائے چر ۱۲ [2] داروغۂ دیوانخانہ ۱۰

محمود خاں نے آخشی پر کئی حملے کیے مگر کچھ نہ کرسکا۔ آخشی کے سرداروں اور فوج نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ اس وقت سلطان محمود خاں بیمار ہو گیا۔ اور لڑائی سے بھی اُس کا جی چھوٹ چکا تھا۔ اپنے ملک کی طرف پھر گیا۔

ابا بکر کاشغری کا حملہ

ابا بکر دوغلت کاشغری جو کسی سے نہ دبتا تھا اور کئی برس سے فتن اور کاشغر کا حاکم بن بیٹھا تھا اُسکو بھی اس ملک کے لینے کی ہوس ہوئی۔ اوزکند[1] کے قریب آکر اُس نے ایک گڑھی بنائی۔ اور لوٹ مار کرنی شروع کی۔ خواجہ قاضی مع چند امرا کے متعین ہوئے کہ کاشغری کی خبر لیں۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو اُس نے دیکھا کہ میں اِن فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خواجہ قاضی کو اپنا سفارشی بنایا۔ اور سو حیلوں حوالوں سے اپنا پیچھا چھڑا کر چلدیا۔ سچ یہ ہے کہ اس موقع پر جبکہ ایسے ایسے سخت واقعات پیش آئے ہیں عمر شیخ میرزا کے پس ماندہ امرا اور سپاہیوں نے دل سے متفق ہو کر بہادری اور جانبازی میں کسر نہیں کی۔

عمر شیخ میرزا کی فاتحہ ملک کا انتظام

ان جھگڑوں سے فرصت ملنے کے بعد میرزا کی والدہ شاہ سلطان[2] بیگم اور جہانگیر میرزا محل کے لوگوں اور امرا سمیت آخشی سے اندجان میں آئے سب نے عزاداری کی رسمیں ادا کیں۔ فقرا کو آش[3] اور کھانا تقسیم ہوا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر ملک کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی گئی۔ اندجان کی حکومت اور سلطنت کی مدار المہامی پر حسن یعقوب کو مقرر کیا۔ اوش کا صوبہ دار قاسم قوچین کو کیا۔ آخشی و مرغینان پر اوزون حسن اور علی دوست طغائی متعین ہوئے۔ عمر شیخ میرزا کے باقی امرا اور ملازموں کو اُنکے لائق ملک میں تنخواہیں۔ چراگاہیں اور مقامات عطا کیے۔

سلطان احمد میرزا کا انتقال

سلطان احمد میرزا نے جو یہاں سے اپنے ملک کی طرف مراجعت کی، تو دو تین منزل کے بعد بیمار ہو گیا۔ تپ محرقہ نے آگھیرا۔ جب وہ اوراتیبہ[4] کی نواح میں آقسو[5] کے مقام پر پہنچا تو وسط شوال[6] ۸۹۹ھ میں اُسکا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اُسکی عمر چوالیس ۴۴ برس کی تھی۔

میرزا کی ولادت اور حسب و نسب

۸۵۵ھ میں پیدا ہوا تھا اُنھی ایام میں سلطان ابو سعید میرزا تخت نشین ہوئے تھے سلطان ابو سعید میرزا کے تینوں بیٹوں میں سے یہ بڑا تھا اسکی ماں اوروزہ بو غاترخان کی بیٹی اور درویش محمد ترخان کی بڑی بہن تھی۔ اور میرزا کے ہاں بادشاہ بیگم بھی تھیں۔

---

[1] اوزکند ۱۲ [2] شاہ سلطان بیگم عمر شیخ میرزا کی ماں تھیں ۱۲ [3] آش۔ ایک قسم کا سالن ۱۲ [4] اوراتیبہ ۱۲ [5] آقسو۔ آسقو ۱۲
[6] وسط جولائی ۱۴۹۴ء ۱۲ [7] تاریخ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ وہ مقام آرمیناں میں جو دریا کے کنارے پر ہے مرا ہے۔ دریائے آقسو یعنی دریائے سفید ایک بہت بڑا دریا ہے یہ دریا کوہستان آفرہ سے نکل کے خجند کے ذرا مغرب کی طرف دریائے سیر میں جا گرتا ہے ۱۲ [8] ۱۴۵۱ء ۱۲

حلیہ اور وضع لنبا قد۔ سرخ[1] رنگ۔ بھاری بدن۔ ڈاڑھی ایسی چھدری تھی کہ دونوں کلّوں پر ایک بال نہ تھا۔ بات چیت بہت مزیدار تھی۔ اُس زمانے کے دستور کے موافق چار پیچ وضع کی دستار باندھتا تھا۔ اور اُسکا کنارہ[2] بھوؤں پر رکھتا تھا۔

اخلاق و اطوار حنفی مذہب اور خوش اعتقاد تھا۔ یہانتک کہ جلسۂ شراب میں بھی نماز ترک نہ ہوتی[3] تھی حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مرید تھا حضرت خواجہ اُسکے مربی اور پشت و پناہ تھے۔ وہ بڑا مؤدب تھا۔ خصوصاً حضرت خواجہ کے سامنے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ خواجہ کی مجلس میں جس وقت تک بیٹھتا تھا ایک زانو سے دوسرا زانو نہ بدلتا تھا۔ ایک مرتبہ خلافِ عادت جس زانو پر بیٹھا تھا اُس کو بدل کر دوسرے زانو پر بیٹھا۔ میرزا کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جہاں میرزا بیٹھا تھا ذرا اُس جگہ کو دیکھنا! دیکھا تو وہاں ایک ہڈی تھی۔ میرزا کچھ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اگرچہ شہر میں پرورش پائی تھی مگر ایک ترک سادہ مزاج تھا۔ شاعر بھی نہ تھا۔ عہد و قول کا ایسا پکّا اور سچّا تھا کہ جو کہتا تھا اُس کو پورا کر دیتا تھا شجاع بھی تھا۔ گو ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کوئی نمایاں کام اُس کے ہاتھ سے ہوا ہو۔ لیکن کہتے ہیں کہ بعضے معرکوں میں اُسنے مُنہ نہیں پھیرا ہے وہ اچھا تیر انداز تھا وہ ایسا تیر مارتا تھا کہ اکثر سوار ہو کر میدان کے اس سرے سے اُس سرے تک پہنچنے میں اپنے تیر اور گز سے ابلیاؤں[4] پر سے قبق کو اُڑا دیتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بہت موٹا ہو گیا تھا تو قرغاول اور بودنہ کو شکاری جانوروں سے پکڑواتا تھا۔ اُس کے جانور سے شکار کم بچتا تھا۔ جُرّے اور باز وغیرہ کے شکار کا بڑا شوقین تھا۔ جُرّے اور باز سے بہت شکار کھیلتا تھا۔ اور خوب کھیلتا تھا۔ سلطان اُلغبیگ[5] میرزا کے بعد اس جیسا میر شکاری دوسرا کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ وہ شرمیلا بھی انتہا درجہ کا تھا۔ کہتے ہیں کہ خلوت میں اپنے محرموں اور اپنے مصاحبوں کے سامنے بھی پاؤں تک ڈھانکے رکھتا تھا۔ جب کبھی شراب پینے کی دھت لگتی تھی تو مہینہ مہینہ بیس بیس دن تک پئے چلا جاتا تھا چھوڑ دیتا تھا

---

[1] قلمی نسخہ میں یہ الفاظ (قون قار۔ سفال لیق) بھی ہیں ۱۲ [2] کنارہ یا بندش ۱۲ [3] اُس کی کسی وقت کی نماز ترک نہ ہوتی تھی ۱۲ [4] ترکوں میں دستور تھا کہ تیر اندازی کی مشق اس طرح کرتے تھے کہ ایک بانس وغیرہ پر ایک قبق (برنجی ظرف) رکھ کر نشانہ گاہ اور حد بناتے تھے۔ جس کو ابلیاؤں کہتے تھے۔ کبھی تو کسی خاص مقام پر کھڑے ہو کر قبق پر نشانہ لگاتے تھے اور بعض وقت گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور تیر مارتے ہوئے اس حد پر سے گزرتے تھے ۱۲ [5] سلطان شاہرخ میرزا ابن صاحبقران امیر تیمور گورگان کا بڑا بیٹا اور سمرقند کا بادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ نہایت عالم۔ فاضل اور مہندس تھا۔ اسکے وقت میں زیچ تیار ہوئی تھی جس کو زیچ الغ بیگی کہتے ہیں۔ سنہ ۸۱۲ھ میں باپ کی طرف سے ماوراء النہر وغیرہ کا حاکم ہوا۔ سنہ ۸۵۰ھ میں اپنے باپ شاہرخ میرزا کے انتقال کے بعد مستقل بادشاہ ہوا ۱۲

تو مہینہ مہینہ بیس بیس دن تک آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجلس میں ایک نشست رات دن برابر بیٹھا ہوا شراب پیا کرتا تھا۔ جس زمانہ میں شراب چھوڑ دیتا تھا اُس زمانہ میں نشی چیزوں کا استعمال کرتا تھا۔ اُس کی طبیعت کیفی ہو گئی تھی۔ کم سخن اور مرد آدمی تھا۔ اپنے امراء کی مٹھی میں تھا۔

اُسکی لڑائیاں وہ چار لڑائیاں لڑا۔ ایک دفعہ نعمت ارغون کے چھوٹے بھائی شیخ جمال ارغون سے مقام اقار یتہ[1] نواح رآمین[2] میں لڑ کر اُس پر غالب ہوا۔ دوسری دفعہ عمر شیخ میرزا سے مقام خواص[3] میں معرکہ آرا ہوا۔ اور فتح پائی۔ تیسری دفعہ تاشکند[4] کی نواح میں دریائے چرچق کے کنارے پر سلطان محمود خاں سے مٹ بھیڑ ہوئی۔ باہم لڑائی تو ہوئی نہیں۔ صرف چند لٹیرے مغلوں نے لشکر کے پیچھے سے آکر بہیر پر ہاتھ ہی ڈالا تھا کہ اتنا بڑا لشکر جرارے لڑے بھڑے اور ایک دوسرے سے بغیر مقابلہ کیے ایسا بھاگ نکلا کہ کسی نے کسی کو دیکھا تک نہیں۔ اور بہت سے سپاہی دریا میں ڈوب گئے۔ چوتھی دفعہ حیدر کوکلتاش پر یار ایلاق کے میدان میں فتح حاصل کی۔

ممالکِ مقبوضہ ملک سمرقند اور بخارا جو اُسکے باپ نے دیا تھا وہ اُس کے پاس تھا جب عبدالقدوس نے شیخ جمال کو قتل کیا تو تاشکند۔ شاہرخیہ اور سیرام لے لیا تھا۔ آخر میں تاشکند اور سیرام اپنے چھوٹے بھائی عمر شیخ میرزا کو دیدیا تھا۔ کچھ دن خجند اور اوراتیبہ بھی میرزا کے قبضہ میں رہے ہیں۔

اسکی اولاد میرزا کے ہاں دو بیٹے ہوئے تھے جو طفولیت ہی میں مر گئے۔ پانچ بیٹیاں تھیں۔ چاقبق بیگم سے ہوئیں۔ جن میں سب سے بڑی رابعہ سلطان بیگم تھی جس کو قرالوز بیگم بھی کہتے تھے۔ اس کی شادی اپنی زندگی میں سلطان محمود خاں سے کردی تھی۔ خان سے اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بابا خان تھا۔ یہ بچہ نہایت ہونہار اور خوبصورت تھا۔ جب اُزبکوں نے خان کو خجند میں شہید کیا تو اُس بچہ کو اور اور بچوں کو بھی مار ڈالا۔ سلطان محمود خاں کے بعد رابعہ سلطان بیگم سے جانی بیگ سلطان نے نکاح کرلیا۔ دوسری بیٹی صالحہ سلطان بیگم عرف آق[5] بیگم تھی۔ اس لڑکی کی شادی سلطان احمد میرزا کے بعد سلطان محمود میرزا نے اپنے بیٹے سلطان مسعود میرزا کے ساتھ بڑی دھوم سے کی تھی۔ آخر میں وہ شاہ بیگم اور مہر نگار خانم کے ر[6]

---

[1] وہ میدان جس میں دریا بہتا ہے ۱۲ [2] رامن یا زامن اوراتیبہ کے ضلع میں واقع ہے ۱۲ [3] یہ مقام اوراتیبہ اور تاشکند کے مابین میں ہے ۱۲ [4] تاشکند شاہرخیہ اور سیرام کے درمیان میں ہے ۱۲ [5] قتوق بیگم ۔ تنلق بیگم ۱۲ [6] یعنی حسینہ بیگم ۱۲

کاشغر میں گرفتار ہوگئی۔ تیسری بیٹی عائشہ سلطان بیگم تھی۔ میں پانچ برس کا تھا جو سمرقند گیا وہاں اُس سے میری منگنی ہوگئی۔ اس کے بعد لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جب وہ خجند میں آئی تو میں نے اُس سے شادی کرلی۔ جب میں نے دوسری دفعہ سمرقند فتح کیا تو اُس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ جو چند دن کے بعد اُتر گئی۔ وہ تاشکند کی ویرانی سے پہلے اپنی بڑی بہن کے بہکانے سے مجھ سے علٰحدہ ہوگئی تھی۔ میرزا کی چوتھی بیٹی سلطانیم بیگم تھی۔ اس کی شادی پہلے علی میرزا سے ہوئی۔ پھر علی میرزا کے بعد تیمور سلطان سے اُس کا نکاح ہوگیا۔ تیمور سلطان کے بعد مہدی سلطان نے اُس سے نکاح کرلیا۔ سب سے چھوٹی میرزا کی پانچویں بیٹی معصومہ سلطان بیگم تھی۔ اس کی ماں حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی قوم ارغون سے تھی۔ جس زمانے میں میں خراسان گیا تو وہاں اُس سے ملا۔ میں نے اُس کو پسند کیا اور شادی کا پیغام دیا۔ پھر کابل میں لاکر اُس سے نکاح کرلیا۔ اُس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ زچگی کی بیماری سے اُس کا انتقال ہوگیا۔ اس لڑکی ہی سے اُس کا نام باقی رہا۔

بیویاں اور حرمیں اُس کی بیویوں میں سے پہلی بیوی مہر نگار خانم یونس خاں کی بیٹی تھی۔ جس سے سلطان ابوسعید میرزا کے وقت میں بات ٹھیری تھی۔ میری والدہ کی وہ سگی بہن تھی۔ دوسری بیوی ترخانوں[۱] میں سے تھی۔ اس کا نام ترخاناں بیگم تھا تیسری قتلق بیگم تھی جو انہی ترخاناں بیگم کی کوکہ تھی۔ اور جس کو سلطان احمد میرزا نے عاشقی سے گھر میں ڈالا تھا۔ میرزا اس کو بہت ہی چاہتے تھے۔ اور یہ اُن پر بڑی حاوی تھی۔ شراب بھی پیتی تھی۔ اس کی زندگی میں میرزا نے دوسری عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ آخر اس کو میرزا نے قتل کر ڈالا اور بدنامی سے چھٹکارا پایا۔ چوتھی خانزادہ بیگم ترمذ کے خانزادوں میں سے تھی۔ جس زمانہ میں کہ میری پانچ برس کی عمر تھی اور میں سلطان احمد میرزا کے پاس سمرقند گیا تھا تو اُس زمانہ میں میرزا نے اُس سے نکاح کیا تھا۔ ترکوں کی رسم کے موافق اُسکا گھونگٹ نہ اُٹھا تھا۔ میرزا نے مجھ سے فرمایا کہ تم گھونگٹ اُٹھا دو[۲]۔ پانچویں بیوی احمد حاجی[۳] بیگ کی نواسی تھی لطیف بیگم نام۔

[۱] پچھلے زمانہ میں مغلوں اور ترکوں کی سرکار میں ترخان ایک عہدہ تھا پھر حضرت بابر بادشاہ کے وقت میں وہ مخصوص خاندان ہوگیا تھا قدیم خاندان سے کوئی خدمت نہ لی جاتی تھی۔ اُسکو اتنی لوٹ معاف تھی کہ شاہی حصہ بھی اُسکی لوٹ میں سے نہ لیا جاتا تھا۔ وہ بادشاہ کی حضور میں بے اجازت چلا جاتا تھا اور حضور شاہی میں اُسکو اجازت تھی کہ جو چاہے عرض کرے۔ کچھ ہی جرم کیوں نہوں نو دفعہ تک تو معاف ہوجاتے تھے ۱۲

[۲] ترکوں میں گھونگٹ کی قدیمی رسم ہے یہ گھونگٹ بہت دن تک ہر رشتہ دار کے سامنے پڑا رہتا ہے۔ بہت دن کے بعد رشتہ داروں میں سے کسی بچہ سے کہتے ہیں کہ اسکا گھونگٹ اُٹھا کر بھاگ جا۔ وہ بچہ یہی کرتا ہے۔ گھونگٹ اُٹھانے والے بچہ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اسکی شادی جلد ہوگی ۱۲

[۳] احمد جان بیگ ۱۲

میرزا کے مرنے کے بعد اُس نے حمزہ سلطان[1] سے نکاح کر لیا تھا۔ حمزہ سلطان کے ہاں اُس سے تین بچے ہوئے۔ جس زمانے میں کہ میں نے تیمور سلطان اور حمزہ سلطان کو شکست دیکر حصار چھین لیا ہے تو یہ اور اَور سلطان زادے گرفتار ہو گئے تھے۔ میں نے سب کو چھوڑ دیا تھا چھٹی بیوی حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی تھی۔

امراء اُن کے امراء میں سے ایک جانی بیگ دولدائی۔ سلطان ملک کاشغری کا چھوٹا بھائی تھا۔ سلطان ابو سعید میرزا نے سمرقند کی حکومت کے ساتھ سلطان احمد میرزا کی سرکار کا اُس کو مختار بھی کیا تھا۔[2] اُس کے اخلاق و اطوار عجیب قسم کے تھے۔ لوگ اُس کی عجیب عجیب نقلیں بیان کرتے ہیں۔ ایک اُن میں سے یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حاکم سمرقند تھا تو اُزبک کا ایک ایلچی آیا۔ جو اُزبکوں میں پہلوان مشہور تھا۔ اُزبک لوگ طاقت دار اور پہلوان کو بوغا کہا کرتے ہیں۔ جانی بیگ نے اُس سے پوچھا "کیا تجھے بوغا کہتے ہیں؟ اگر تو بوغا ہے تو آ! میں تجھ سے ایک زور کروں"۔ اس ایلچی نے ہر چند عذر کیا مگر جانی بیگ اُس سے لپٹ ہی گیا۔ اور اُس کو دے مارا۔ جانی بیگ آدمی بہادر تھا۔ دوسرا احمد حاجی بیگ تھا جو ملک کاشغری کا بیٹا تھا۔ سلطان ابو سعید میرزا نے کئی دفعہ اُس کو ہری کا حاکم کیا تھا۔ اُس کے چچا جانی بیگ کے مرنے کے بعد اُس کو جانی بیگ کی جگہ سمرقند کا حاکم مقرر کر دیا۔ خوش طبع اور بہادر آدمی تھا۔ اُسکا تخلص وفائی تھا۔ اور وہ صاحب دیوان بھی تھا۔ شعر اچھا کہتا تھا۔ اُسکا شعر ہے ؎

مستم اے محتسب امروز زمن دست بدار   احتسابم بکن آں روز کہ یابی ہشیار

احمد حاجی بیگ جس زمانہ میں ہری سے سمرقند میں آیا تھا تو میر علی شیر نوائی اُسکے ہمراہ تھا۔ پھر جب سلطان حسین میرزا ہری کا بادشاہ ہوا تو علی شیر ہری میں آ گیا اور وہاں اُسکی بہت رعایت ہوئی۔ احمد حاجی بیگ کے پاس اچھے اچھے تپچاق[3] رہتے تھے اور وہ اچھا سوار تھا۔ اکثر اُسکے تپچاق اُسی کے خانہ زاد ہوتے تھے۔ اگرچہ بہادر آدمی تھا مگر اُسکی بہادری کے لائق اُسکا عروج نہیں ہوا۔ وہ ایک بے پروا شخص تھا۔ اُسکے سب کاروبار نوکروں چاکروں کے ہاتھ پر تھے۔ جس وقت بائسنغر میرزا اور سلطان علی میرزا میں بخارا کے مقام پر لڑائی ہوئی ہے اور بائسنغر میرزا مغلوب ہوا تو احمد حاجی بیگ پکڑا گیا اور درویش محمد ترخان کے قتل کے اتہام میں بے عزتی کے ساتھ قتل ہوا۔ ایک درویش محمد ترخان تھا۔ اور وہ ابوغا ترخان کا بیٹا۔ سلطان احمد میرزا اور سلطان محمود میرزا کا سگا ماموں۔ یہ سب امیروں میں

---

[1] ایک نسخہ میں حمزہ سلطان لکھا ہے۔ غالباً یہ اُس کی غلطی ہو ۱۲ [2] جان لیڈن اس فقرے کی جگہ یہ فقرہ (سلطان ابو سعید میرزا نے اسکو سمرقند کی حکومت دی جہاں وہ کئی برس تک حاکم رہا) لکھا ہے ۱۲ [3] یہ ایک قسم کا گھوڑا ہے جو بہت چالاک اور گول بدن کا ہوتا ہے۔ اس کو ایک خاص قدم سکھایا جاتا ہے ۱۲

سربرآوردہ اور میرزا کا بڑا معتمد علیہ تھا۔ دیندار اور فقیر صفت آدمی تھا۔ ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ شطرنج بہت کھیلتا تھا۔ اور اچھی کھیلتا تھا۔ شکاری جانور پالنے کا اُس کو بڑا ملکہ تھا۔ اور شکار پر جانور کو خوب پھینکتا تھا۔ سلطان علی میرزا اور بایسنغر میرزا کے جھگڑے میں جبکہ یہ متعذر تھا ایک بدنامی کے ساتھ مارا گیا۔ ایک عبد العلی ترخان تھا۔ درویش محمد ترخان کا قریب کا رشتہ دار۔ درویش محمد ترخان کی چھوٹی بہن اُسکے ساتھ منسوب بھی تھی۔ جو باقی ترخان کی ماں تھی۔ اگرچہ درویش محمد ترخان منزلتِ خاندانی کے علاوہ مرتبہ و امارت وغیرہ میں بھی اُس سے بہت زیادہ تھا مگر یہ فرعون بے سامان اُسکی کچھ اصل نہ سمجھتا تھا۔ یہ اکثر حاکم بخارا رہا ہے۔ اس کے ملازموں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی وہ اپنے نوکروں کو اچھی طرح اور زرق و برق رکھتا تھا۔ اُس کی واقفیت عقل۔ عدالتی کارروائی۔ دربار۔ جلوس۔ شیلان[1]۔ مجلس بالکل شاہانہ تھی۔ وہ ظالم۔ ضابط۔ فاسق اور مدمغ آدمی تھا۔ شیبانی خاں گو اُسکا نوکر نہ تھا مگر مدتوں اُس کی خدمت میں رہا ہے۔ خود چھوٹے چھوٹے سلاطین اکثر اُس کے ملازم رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ شیبانی خاں کی ساری ترقی حاصل کرنے اور تمام خاندانوں کے برباد ہونے کا باعث عبد العلی ترخان ہی ہوا ہے۔ ایک سید یوسف اوغلاقچی تھا اُسکا دادا مغلستان سے آیا تھا۔ الغ بیگ میرزا نے اُس کے باپ کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا تھا وہ بڑا مدبّر اور بہادر آدمی تھا۔ قپوز[2] اچھا بجاتا تھا۔ جب میں پہلے پہل کابل میں آیا ہوں تو وہ میرے ساتھ تھا۔ میں نے بھی اُس کے ساتھ بہت سی رعایتیں کی تھیں۔ وہ تھا بھی اسی لائق۔ جب میں نے پہلے سال ہندوستان پر فوج کشی کی تھی تو سید یوسف ہی کو کابل میں چھوڑا تھا۔ وہیں وہ فوت ہوا۔ اور ایک درویش بیگ ایکو تیمور بیگ کی نسل سے تھا۔ (ایکو تیمور بیگ امیر تیمور کے بنائے ہوئے سرداروں میں سے تھا) وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ علم موسیقی سے واقف تھا۔ ساز بھی بجاتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ جس زمانہ میں کہ سلطان احمد میرزا نے دریائے چرچق کے کنارے پر شکست کھائی ہے تو یہ وہیں دریا میں غرق ہو گیا تھا۔ ایک محمد مزید ترخان تھا۔ جو درویش محمد ترخان کا چھوٹا اور اُسکا سگا بھائی تھا۔ یہ کئی برس تک ترکستان کا حاکم رہا ہے۔ شیبانی خاں نے ترکستان اُسی سے چھینا ہے۔ اُس کی رائے اور تدبیر تو اچھی تھی مگر بیباک اور فاسق تھا۔ دوسری اور تیسری دفعہ جو میں نے سمرقند کو فتح کیا تو ے پاس آگیا تھا۔ میں نے بھی اُسکے ساتھ بہت سلوک کیا تھا۔ کول ملک کی لڑائی میں وہ مارا گیا۔ ایک باقی ترخاں عبد العلی ترخان کا بیٹا اور سلطان احمد میرزا کا پھپھی زاد بھائی تھا۔ اُس کے باپ کے بعد اُسی کو بخارا کا

---

[1] شیلان ایک قسم کی دعوت ہے جو اپنے ماتحتوں کی کیجاتی ہے۔ اس میں اوسط درجہ کی قسم کا کھانا ہوتا ہے ۱۲

[2] یہ ایک باجا ہے۔ نسخۂ مطبوعہ میں تنبور لکھا ہے ۱۲

حاکم کیا تھا۔ سلطان علی میرزا کے زمانہ میں اس کا بہت عروج ہو گیا تھا۔ پانچ چھ ہزار آدمی اُس کے نوکر ہو گئے تھے۔ سلطان علی میرزا کا وہ کچھ ایسا تابعدار نہ تھا۔ شیبانی خاں سے قلعۂ دبوسی میں لڑکر اُن سے شکست کھائی۔ اور اُسی شکست دینے سے شیبانی خاں نے بخارا پر قبضہ کرلیا۔ باقی ترخان کو شکاری جانوروں سے بہت شوق تھا۔ کہتے ہیں کہ سات سو[1] شکاری جانور اُس کے پاس پلے ہوئے تھے۔ اُس کے اخلاق واطوار ایسے تھے جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ وہ امیرزادگی اور دولت میں سر برآوردہ ہو گیا تھا۔ اُس کے باپ نے جو شیبانی خاں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں کی تھیں تو وہ شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ مگر اُس ناحق شناس اور بے مروّت نے اُن نیکیوں کے بدلے میں کچھ بھی رعایت وشفقت نہ کی۔ آخر بُری حالت اور ذلّت کے ساتھ آخشی میں وہ مرگیا۔

ایک سلطان حسین ارغون تھا۔ چونکہ مدتوں قراکول کی حکومت اُس کے سپرد رہی تھی اس لیے سلطان حسین قراکولی مشہور ہو گیا تھا۔ وہ بڑا صاحب الرّائے اور عقلمند تھا۔ بہت دن تک میرے پاس رہا ہے۔ ایک قل محمد قوچین تھا۔ یہ بہادر آدمی تھا۔ ایک عبدالکریم اشرب ایغور[2] تھا۔ یہ سلطان احمد میرزا کا داروغۂ دیوانخانہ تھا۔ فیاض اور بہادر آدمی تھا۔

سلطان محمود میرزا کو امراء کا بُلانا۔ ملک محمد میرزا کا باغی ہو کر ناکام ہونا اور سلطان محمود میرزا کا بادشاہ ہونا

سلطان احمد میرزا کے انتقال کے بعد امراء نے اتفاق کرکے ایک قاصد پہاڑی راستہ سے سلطان محمود میرزا کے پاس بھیجا اور میرزا کو بُلایا۔ یہاں یہ ہوا کہ ملک محمد میرزا (منوچہر میرزا کا بیٹا جو سلطان ابوسعید میرزا کا بڑا بھائی ہوتا تھا) سلطنت کے خیال سے چند بدمعاشوں کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے سمرقند میں آ گیا۔ مگر کچھ نہ کرسکا۔ بلکہ اپنے ساتھ اور چند بے گناہوں کے قتل کا باعث ہو گیا۔ سلطان محمود میرزا اس خبر کے سُنتے ہی سمرقند میں چلا آیا۔ اور بے کھٹکے تخت پر ہو بیٹھا۔ مگر سلطان محمود میرزا کی چند نالائق حرکتوں کے باعث سے ساری فوج ورعیت میرزا سے نفرت کرنے لگی۔ اور کنارہ کش ہونے لگی۔ ایک حرکت یہ تھی کہ ملک محمد میرزا کو جو اُس کے چچا کا بیٹا اور اُس کا داماد بھی تھا مع اور چار میرزاؤں کے گوگ سرائے[3] میں بھیجا۔ اُن میں سے دو کو تو زندہ رکھا اور ملک محمد میرزا کو مع ایک دوسرے میرزا کے قتل کر ڈالا۔

[1] آٹھ سَو ۱۲ [2] ایغور۔ یوغور۔ اوغور تاتاریوں میں ایک مشہور فرقہ کا نام ہے۔ شاہزادگان تاتار کے ہاں انہی میں سے کارندے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی تحریر کے حروف عجب طرح کے ہوتے تھے جسکو خطِ ایغوری کہتے تھے۔ سلطان ایغور خاں نے اس خط کو ایجاد کیا تھا۔ اسی سبب سے اس خط کا نام ایغوری تھا ۱۲

[3] قاعدہ۔ قانون ۱۲

اگرچہ ملک محمد میرزا کسی قدر مجرم تھا لیکن اور میرزا بے گناہ تھے۔ دوسری حرکت یہ تھی کہ جیسا خود ظالم اور فاسق تھا ویسے ہی اُس کے امراء اور نوکر سب کے سب ظالم اور فاسق تھے۔ حصار کے لوگ خصوصاً خسرو شاہ کے متعلق ہمیشہ شرابخواری اور بدکاری میں مشغول رہتے تھے۔ یہانتک نوبت پہنچی تھی کہ خسرو شاہ کے ایک نوکر نے کسی بھلے مانس کی بیوی کو چھین لیا تھا۔ اُس مظلوم نے جب خسرو شاہ سے فریاد کی تو خسرو شاہ نے جواب دیا کہ اتنی مدت تیرے پاس رہی اب کچھ دن تک اس کے پاس رہنے دے۔ اگرچہ اُس کا انتظام اور توزک[۱] اچھا تھا۔ مال کا کام بھی وہ جانتا تھا۔ اور علم سیاق سے بھی وہ واقف تھا۔ لیکن اُس کی طبیعت ظلم اور فسق کی طرف بہت مائل تھی۔ سمرقند میں آتے ہی اُس نے انتظام اور تحصیل کی اور ہی بنا ڈالی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے متعلقوں کے ساتھ ظلم اور سختی کرنے لگا۔ اس سے پہلے بہتیرے فقرا اور مساکین اُنکی حمایت و سفارش سے بچ بچ جاتے تھے۔ اب خود اُن پر تکلیفیں گزرنے لگیں۔ اور زیادتیاں ہونے لگیں۔ چونکہ رعایا اور اہلِ بازار یہانتک کہ ترک اور سپاہیوں کے بچوں کو پکڑ کر چہرہ[۲] بنانے کے لیے لیجاتے تھے۔ اس لیے ڈر کے مارے لوگ گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ اہلِ سمرقند پچیس[۲۵] برس سے سلطان احمد میرزا کے سایۂ عاطفت میں آسودگی کے ساتھ گزر کر رہے تھے۔ اور اُن کے اکثر معاملے حضرت خواجہ کے سبب سے شرع و انصاف کے موافق فیصل ہوتے تھے۔ اب یہ لوگ ان ظلموں اور بدکاریوں سے عاجز آ گئے۔ اور رنجیدہ ہو گئے۔ وضیع۔ شریف۔ فقیر اور مسکین بُرا بھلا کہنے لگے اور بد دعائیں دینے لگے **نظم**

حذر کن ز دودِ درونہائے ریش ۔۔۔۔ کہ ریشِ درون عاقبت سر کند

بہم بر مکن تا توانی دلے ۔۔۔۔ کہ آہے جہانے بہم بر کند

آخر اس ظلم اور بدکاری کے طفیل پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطان محمود میرزا کی حکومت سمرقند میں نہ رہی۔

سنہ ۹۰۳ ہجری کے واقعات

حسن یعقوب کا باغی ہونا۔ بھاگنا اور مرنا

اسی سال میں سلطان محمود میرزا کے پاس سے عبد القدوس بیگ نامی ایلچی آیا۔ اور سلطان محمود میرزا نے اپنے بڑے بیٹے سلطان مسعود میرزا کی شادی اپنے بڑے بھائی سلطان احمد میرزا کی دوسری بیٹی[۵] سے کی تھی۔ اُسکی شادی کا حصہ لایا۔ اس شادی میں سونے اور چاندی کی

[۱] قاعدہ۔ قانون ۱۲ [۲] غلام یا معشوق ۱۲ [۳] سنہ ۹۰۳ مطابق ۲ اکتوبر ۱۴۹۷ تا ۱۲۶ [۵] جان لیڈن کے ترجمہ میں (دوسری بیٹی آق بیگم سی) لکھا ہے ۱۲

پستے اور بادام تقسیم ہوئے تھے۔ اس ایلچی نے ظاہر میں تو اپنے ایلچی بنکر آنے کی غرض حسن یعقوب کی رشتہ داری بیان کی۔ مگر درحقیقت وہ دلفریب وعدے دیکر حسن یعقوب کو ملانے آیا تھا۔ حسن نے بھی اُسکو نرم ہی جواب دیے۔ بلکہ اُسی طرف ہو گیا۔ شادی کی مبارکباد وغیرہ کی رسمیں ادا کرنے کے بعد قاصد کو رخصت کیا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد حسن یعقوب کا رنگ پلٹنے لگا۔ میرے مقربوں کے ساتھ لگا بدسلوکیاں کرنے۔ اور یہاں تک بندوبست کرلیا کہ مجھ کو چھوچھو بنا کے جہانگیر میرزا کو بادشاہ کردے۔ چونکہ حسن یعقوب کے برتاوے تمام امرا اور فوج کے ساتھ اچھے نہ تھے اِس لیے اُس کے اُس منصوبہ سے جو سب واقف ہو گئے تو خواجہ قاضی۔ قاسم قوچین علی دوست طغائی۔ اوزون حسن اور اَوَر دولتخواہ میری نانی ایسن دولت بیگم کے پاس حاضر ہوئے۔ مشورہ کرکے یہ بات قرار دی کہ حسن یعقوب کو معزول کرنا چاہیے۔ اُس کی معزولی سے فتنہ و فساد فرو ہو جائیگا۔ میری نانی ایسن دولت بیگم ایسی صاحب رائے اور تدبیر تھیں کہ عورتوں میں کم ہوتی ہیں۔ وہ بڑی دوراندیش اور عقلمند تھیں۔ اکثر کام انہی کے مشورے سے ہوتے تھے۔ حسن یعقوب ارک میں تھا۔ میری نانی صاحبہ قلعۂ سنگین[1] میں جافار میں تھیں۔ یہاں سے میں اسی قصد سے ارک کی طرف روانہ ہوا۔ حسن یعقوب شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ میری خبر سنتے ہی اُدھر کا اُدھر سمرقند کی طرف چلدیا۔ جو سردار وغیرہ اُس سے ملے ہوئے تھے اُن کو گرفتار کرلیا۔ ان میں محمد باقر بیگ اور سلطان محمود[2] دولدائی (سلطان محمد[3] دولدائی کا باپ) وغیرہ تھے۔ ان میں سے بعض کو میں نے سمرقند کی طرف رخصت کردیا۔ اب حکومت اندجان اور عہدۂ مدارالمہامی پر قاسم قوچین مقرر ہوا۔ حسن یعقوب سمرقند جانے کے ارادے سے کند بادام تک گیا تھا کہ چندروز کے بعد فتنہ و فساد برپا کرنے کے خیال سے آخشی کا قصد کرکے خوقان[4] اور آخشی کی نواح میں آگیا۔ یہ خبر سنتے ہی کچھ سرداروں کو مع فوج کے دفعتہً حملہ کرنے کے لیے اُس کی طرف روانہ کیا۔ ان سرداروں نے کچھ فوج قراولی[5] کے لیے مقرر کردی تھی۔ حسن یعقوب نے سنتے ہی راتوں رات اُس فوج پر جو قراول تھی اور اصل فوج سے جدا تھی شبخون مارا۔ ان کی فرودگاہ کو گھیر لیا۔ اور تیر برسانے شروع کیے۔ لیکن اندھیری رات میں خود اُسی کے ایک سپاہی کا ایک تیر اُس کی پشت میں لگا۔ اور بھاگنے سے پہلے اُس نے اپنے کیے کی سزا پائی ؎

[1] جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ یوں ہے (قلعۂ سنگین میں تھے۔ مطبوعہ نسخہ میں بجائے جافار قاچار ہے ۱۲
[2] سلطان محمد ۱۲ [3] سلطان محمود ۱۲ [4] اس کو عربی کے جغرافیہ میں خوکند لکھا ہے۔ اور اب اسکو کوکان کہتے ہیں۔ یہ مقام خجند اور آخشی کے راستہ میں ہے ۱۲ [5] قراول وہ دستۂ فوج جو لشکر کے آگے ہو۔ دشمن کے نمودار ہونیکی خبر دے اور رزمگاہ مقرر کرے۔ قراول بندوق سے شکار کھیلنے والے کو بھی کہتے ہیں جو اس زمانہ میں قرول کہلاتا ہے ۱۲

چو بدکردی مباش ایمن ز آفات   کہ واجب شد طبیعت را مکافات

ترجمہ - اپنی بدکاری کی شامت سے نہ بےخوف ہو تو کہ تجھے اس کی مکافات بھگتنی ہوگی۔

اتقا اختیار کرنا | اِسی سال میں میں نے اُس کھانے سے جو مشتبہ ہو پرہیز اختیار کیا۔ یہانتک کہ چھری۔ چمچے اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہوگئی۔ اور نماز تہجد بھی بہت کم قضا ہوتی تھی۔

سلطان محمود میرزا کا مرنا | ماہ ربیع الثانی میں سلطان محمود میرزا سخت بیمار ہوا اور چھ دن میں مرگیا[ف۱]۔ اُس کی عمر سینتالیس[۴۷] برس کی تھی۔ ۸۵۷ھ[ف۲] میں پیدا ہوا تھا۔ ابوسعید میرزا کا یہ تیسرا بیٹا تھا۔ یہ اور سلطان احمد میرزا ایک ماں کے پیٹ سے تھے۔

صورت۔ سیرت | میرزا کا حلیہ یہ تھا۔ ٹھنگنا قد۔ چگی ڈاڑھی۔ بدن فربہ۔ اخلاق واطوار کی کیفیت یہ تھی کہ نماز ترک نہ کرتا تھا۔ انتظام اور ہر بات کا قاعدہ بہت درست تھا۔ وہ علم سیاق خوب جانتا تھا۔ اُس کی قلمرو کا ایک پیسہ اُس کی اطلاع کے بغیر خرچ نہ ہوتا تھا۔ اُس کے نوکروں کی تنخواہ ایک دن نہ چڑھتی تھی۔ اُسکی بزم۔ داد و دہش۔ دربار اور دعوتوں کے قاعدے نہایت عمدہ تھے[ف۳]۔ جو قاعدہ ایک بار مقرر کر دیا گیا۔ کیا مجال کہ اُس سے کوئی شخص یا کوئی سپاہی تجاوز کر سکے۔ اُس کا لباس پُرتکلف اور اُس زمانہ کی وضع کے موافق ہوتا تھا[ف۴]۔ ابتدا میں باز سے بہت شکار کھیلا کرتا تھا۔ پھر بھلم[ف۵] جانور کے شکار کا شوق ہوگیا تھا۔ آخر میں ظلم و فسق بہت کرنے لگا تھا۔ رات دن شراب کا گلاس مُنہ سے لگا رہتا تھا۔ بیسیوں خوبصورت غلام پاس رکھا کرتا تھا اُس کے ملک میں جہاں کہیں کوئی امرد خوبصورت نظر آتا اُس کو ہر طرح پکڑ کر لونڈوں میں داخل کر لیتا تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ اپنے امرا کے بچوں اور کوکہ زادوں بلکہ کوکاؤں تک کو بھی ان میں داخل کر لیا کرتا۔ یہ نالائق رسم اُس کے زمانہ میں اتنی مروج ہوگئی تھی کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جسکے پاس لونڈا نہ ہو۔ بلکہ لونڈا نہ رکھنا معیوب تھا۔ انہی بداعمالیوں کی شامت سے اُس کے سارے بچے جوان ہی مرے۔ وہ شعر بھی کہا کرتا تھا۔ پورا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ شعر تو بہت تھے۔ مگر بےمزہ تھے۔ میرے نزدیک ایسے شعر کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے۔ بداعتقاد آدمی تھا حضرت خواجہ عبیداللہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دل کا اچھا نہ تھا۔ مزاج میں حیا بہت کم تھی۔ بےحیا اور مسخرے اُسکے ہم صحبت تھے۔ جو سر دربار اور علانیہ نالائق حرکتیں اور بیہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ بات اِس بُری طرح

ف۱ ۸۹۵ھ ۱۲ ف۲ ۸۵۷ھ ۱۲ ف۳ یہ فقرہ مطبوعہ اور ایک قلمی نسخہ میں نہیں ہے ۱۲ ف۴ دو ایک نسخوں میں یہ فقرہ ایسا لکھا ہوا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ۱۲ ف۵ جان لیڈن نے نہلم لکھا ہے۔ اِسکی تحقیقات نہ ہم کو ہوئی نہ جان لیڈن کو۔ اُس کے نزدیک نیل گاو ہے جس کو گوزن کوہی کہتے ہیں ۱۲

کرتا تھا کہ فوراً سمجھ میں نہ آتی تھی۔

لڑائیاں وہ دو لڑائیاں تو سلطان حسین میرزا سے لڑا۔ ایک استرآباد[1] میں۔ جہاں اُسکو شکست ہوئی۔ دوسری مقام چکمن[2] میں جو اندخود[3] کی نواح میں ہے۔ اس لڑائی میں بھی مغلوب ہوا۔ دو دفعہ بدخشاں کے جنوب کی طرف کافرستان[4] پر جہاد کیا۔ اسی سبب سے اِسکے فرمانوں کے طغروں[5] میں سلطان محمود غازی لکھا جاتا تھا۔

ممالکِ محروسہ سلطان ابوسعید میرزا نے اپنے ملک میں سے استرآباد اُس کو دیدیا تھا۔ عراق کے جھگڑے کے بعد وہ خراسان بھی گیا۔ اسی زمانہ میں قنبر علی بیگ حاکم حصار سلطان ابوسعید میرزا کے حکم سے ہندی فوج کو لیکر میرزا کی مدد کے لیے عراق کو چلا۔ اور خراسان پہنچکر سلطان محمود میرزا سے جا ملا۔ جونہی خراسان والوں نے سلطان حسین میرزا کا شہرہ سُنا وونہی سب نے بلوہ کرکے سلطان محمود میرزا کو خراسان سے نکالدیا۔ وہ سلطان احمد میرزا کے پاس سمرقند میں آگیا۔ کئی مہینے کے بعد احمد مشتاق۔ سید بدر اور خسرو شاہ وغیرہ سلطان محمود میرزا کو لیکر قنبر علی بیگ کے پاس آگئے۔ پھر قہلغہ مع اُن اضلاع کے۔ جو کوہ کونین[6] کے جنوب میں واقع ہیں جیسے ترمذ۔ چغانیان۔ حصار۔ ختلان[7]۔ قندز اور بدخشاں۔ کوہ ہندوکش تک تمام ملک سلطان محمود میرزا کے قبضہ میں آگیا۔ اُس کے بڑے بھائی سلطان احمد میرزا کے مرنے کے بعد سلطان احمد میرزا کا ملک بھی اِسی کے تحت میں آگیا۔

اولاد اس کے پانچ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑا مسعود میرزا تھا۔ اسکی ماں خانزادہ بیگم میر بزرگ ترمذی کی بیٹی تھی۔ دوسرا بیٹا بائسنغر میرزا تھا۔ وہ پشہ بیگم کے پیٹ سے تھا۔ تیسرا بیٹا سلطان علی میرزا تھا۔ اس کی ماں اُزبک خاندان سے تھی۔ اسکا نام زہرہ بیگی آغا تھا۔ یہ حرم تھی۔ چوتھا بیٹا سلطان حسین میرزا تھا۔ اس کی ماں میر بزرگ کی پوتی تھی۔ اور اسکا نام بھی خانزادہ بیگم تھا۔ یہ لڑکا میرزا کے سامنے تیرہ (۱۳) برس کی عمر میں مرگیا۔ پانچواں بیٹا سلطان ویس میرزا تھا۔ اس کی ماں یونس خاں کی بیٹی اور میری ماں کی چھوٹی بہن سلطان نگار خانم تھی۔ ان چاروں میرزاؤں کے حالات سالہائے آیندہ کے واقعات میں لکھے جائیں گے۔

۱؎ استرآباد خلیج کیسپین کے جنوب و مشرق میں واقع ہے ۱۲ ۲؎ جان لیڈن نے متن میں چکمان لکھا ہے اور نوٹ میں بیان کیا ہے کہ مسٹر مٹکاف نے چکمان سرائے لکھا ہے ۱۲ ۳؎ اندخود بہاڑ بلخ کے مغرب میں پہاڑ کے نیچے ۸۰ میل صحرا کی طرف واقع ہے ۱۲ ۴؎ سیاہ پوشوں کا ملک ۱۲ ۵؎ خط پیچیدہ جو معروف و مشہور ہے۔ اگلے زمانہ میں بادشاہوں کے فرامین کے عنوان میں جو اُن کے نام لکھے جاتے تھے تو بطریق طغرا ہی لکھے جاتے تھے ۱۲ ۶؎ یہ کوہستانی ملک ہے اور قرتگین کی سرحد پر ہے ۱۲ ۷؎ ختلان ۱۲

تین بیٹیاں بایسنغر میرزا کی ہم بطن بہنیں تھیں۔ جن میں سب سے بڑی کی شادی سلطان محمود میرزا نے اپنے چچا منوچہر میرزا کے بیٹے ملک محمد میرزا کے ساتھ کی تھی۔ پانچ بیٹیاں میر بزرگ کی پوتی خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ اُن میں سے سب سے بڑی کی شادی سلطان محمود میرزا کے بعد ابابکر کاشغری سے ہوئی تھی۔ انہی میں سے دوسری بیٹی بیگہ بیگم تھی۔ جب سلطان حسین میرزا نے حصار کا محاصرہ کیا تھا تو اپنے بیٹے حیدر میرزا (جو پاینده سلطان بیگم بنت سلطان ابوسعید میرزا کے پیٹ سے تھا) سے اُسکی شادی کر کے حصار کا محاصرہ اُٹھالیا تھا۔ تیسری بیٹی آق بیگم تھی۔ چوتھی بیٹی عمر شیخ میرزا کے بیٹے جہانگیر میرزا سے اُس زمانہ میں نامزد ہوئی تھی جس زمانہ میں سلطان حسین میرزا نے قندز پر چڑھائی کی ہے اور عمر شیخ میرزا نے جہانگیر میرزا کو مع فوج کمک کے لیے بھیجا ہے۔ جب ۹۱۰ھ[1] میں دریائے آمو کے کنارے پر باقی چغانیانی آکر مجھ سے ملا تو یہ بیگمیں جو اپنی ماں کے ساتھ ترمذ میں تھیں باقی چغانیانی کی بیوی کے ساتھ میرے پاس آگئیں۔ اور جب ہم کُھمرد میں پہنچے تو اُس کی شادی جہانگیر میرزا سے ہوگئی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ آجکل وہ اپنی نانی خانزادہ بیگم کے ہمراہ بدخشاں میں ہے۔ پانچویں بیٹی زینت سلطان بیگم[2] تھی۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو اپنی والدہ قتلق نگار خانم کے کہنے سے میں نے اُس سے شادی کرلی۔ مگر کچھ موافقت نہ ہوئی۔ دو تین برس کے بعد چیچک کے مرض سے اُسکا انتقال ہوگیا۔ ایک بیٹی مخدومہ سلطان بیگم تھی۔ سلطان علی میرزا اور یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے۔ اور میرزا سے یہ بڑی تھی۔ اب وہ بدخشاں میں ہے۔ دو اور بیٹیاں حرم کے پیٹ سے تھیں۔ ایک رجب سلطان دوسری محب سلطان۔

بیویاں۔ حرمیں سب میں بڑی بیوی خانزادہ بیگم بنت میر بزرگ تھی۔ میرزا اُس کو بہت چاہتا تھا۔ سلطان مسعود میرزا اُسی کے پیٹ سے تھا۔ جب وہ مری تھی تو میرزا نے بڑا سوگ کیا تھا۔ اُس کے بعد میر بزرگ کی پوتی سے نکاح کرلیا۔ جو متوفیہ کی بھتیجی تھی۔ اِس کو بھی خانزادہ بیگم ہی کہا کرتے تھے۔ یہ بیوی پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ ایک بیوی پشہ بیگم تھی۔ علی شیر بیگ بہارلو کی بیٹی۔ یہ علی شیر بیگ ترکمان قراقو بلوق کے امراء میں سے تھا۔ محمدی میرزا خلف جہانشاہ بارانی قراقوبلوق سے پشہ بیگم کی پہلی شادی ہوگئی تھی۔ جن دنوں میں کہ عراق اور آذربائیجان کو اوزون حسن ابن مرزا آق قوبلوق نے جو جہانشاہ کی اولاد سے تھا چھین لیا تو علی شیر بیگ کے بچے قراقوبلوق ترکمانوں کے پانچ چھ ہزار گھروں[3] کے سمیت سلطان

---

[1] ۱۵۰۴ء ۱۲ [2] زینب سلطان بیگم ۱۲ [3] سیاہ بھیڑوں والے۔ یہ اُن کا نشان ہے ۱۲ [4] سفید بھیڑوں والے ۱۲ [5] اس وقت میں شمار کا طریقہ یہی تھا ۱۲

ابوسعید میرزا کی ملازمت میں آ گئے تھے۔ ابوسعید میرزا کے شکست کھانے کے بعد اس ملک میں چلے آئے جس وقت سلطان محمود میرزا سمرقند سے حصار میں آیا اُس وقت یہ لوگ میرزا موصوف کی ملازمت میں آ گئے اُسی زمانہ میں ان پشہ بیگم سے میرزا نے نکاح کر لیا۔ اس بیگم سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیوی سلطان نگار خانم تھی۔ اسکا حسب ونسب اوپر لکھا جا چکا ہے حرمیں اور سریتیں بہت سی تھیں مگر سب سے چڑھی بڑھی ہر بیگی آغا ازبکنی تھی سلطان ابوسعید میرزا کی زندگی میں اس سے تعلق ہو گیا تھا۔ یہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ حرمیں جو بہت سی تھیں اُن میں سے دو کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

میرزا کے امراء

امراء میں سے اوّل خسروشاہ ترکستان کی قوم قبچاق[۱] سے تھا۔ لڑکپن میں اسنے امرائے ترخان کی جوتیاں جھاڑیں۔ پھر مزید بیگ ارغون کی نوکری کرلی۔ اسی نے اُس کو کسی قدر بڑھا دیا۔ عراق کی تباہی کے زمانہ میں سلطان محمود میرزا کے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ راستہ میں میرزا کی اچھی طرح خدمت کی۔ اس لیے میرزا نے بھی اس کے ساتھ بڑی رعایت کی۔ رفتہ رفتہ وہ بڑا آدمی ہو گیا۔ سلطان محمود میرزا کے زمانہ میں اُس کے نوکروں کی تعداد پانچ چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دریائے آمو سے کوہ ہندوکش تک سوائے بدخشاں کے سارے ملک کا حاکم وہی تھا۔ وہاں کا تمام محاصل وہی خورد برد کر جاتا تھا۔ مدارات اور سخاوت بہت کرتا تھا۔ اگرچہ وہ ترک تھا مگر مالگزاری وصول کرنے میں بہت ہوشیار تھا۔ ساتھ ہی اس کے جس قدر پیدا کرتا تھا اُسی قدر اُڑا دیتا تھا۔ سلطان محمود میرزا کے بعد میرزا کے بیٹوں کے زمانہ میں بہت ہی بڑا آدمی ہو گیا تھا[۲]۔ اس وقت اُس کے نوکروں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ گو پابند نماز تھا اور کھانے پینے میں بھی احتیاط کرتا تھا مگر تھا سیہ دل خاسق کودن۔ بے سمجھ۔ بے وفا اور نمک حرام شخص۔ اُس نے اس پنج روزہ دنیا کے واسطے اپنے ایک آقا زادے کو جسکی خود اُس نے خدمت کی تھی اور پالا تھا اندھا کر دیا۔ اور ایک کو قتل کر ڈالا۔ یہ وہ ناشائستہ حرکتیں تھیں جن کے سبب سے خدا کی درگاہ میں گنہگار اور مخلوق کے نزدیک مردود ہو کر قیامت تک قابل نفرین ولعنت ہو گیا۔ اور اس دنیا کے لیے اُس نے ایسے نالائق کام کیے۔ آخر میں باوجود اس قدر وسیع اور آباد ملک کے اور اتنے سامان جنگ اور نوکروں کے ایک مرغی پر اُسکا قابو نہ رہا۔ اس کتاب میں اُس کا یہ ذکر آگے لکھا جائیگا۔ ایک اور پیر محمد ایلچی بوغا قوچین تھا۔ بلخ کے دروازے پر جنگ ہزار اسپ میں سلطان ابوسعید میرزا کے سامنے دعوے کر کے خوب گھونسم گھونسا لڑا تھا۔ وہ بہادر آدمی تھا۔ ہمیشہ میرزا کے پاس رہا کرتا تھا۔ اور

[۱] قاف کو زیر ہے۔ یہ ایک جنگل ہے ترکستان میں۔ اس میں اتراک بہت رہتے ہیں جو بڑے لٹیرے اور بیرحم ہوتے ہیں۔ اس قوم کو بھی متاخرین قبچاق کہتے ہیں ۱۲

[۲] جان لیڈن نے یہ فقرہ (اور نیز خودسر ہو گیا تھا) اور لکھا ہے ۱۲

میرزا اُسکی صلاح پر عمل کیا کرتا تھا۔ جس وقت سلطان حسین میرزا نے قندز کا محاصرہ کیا ہے اُس وقت اُس نے خسرو شاہ کی چوٹ پر تھوڑی سی بے سامان فوج لیکر اندھا دھند شبخون مارا۔ مگر کچھ نہ کرسکا۔ بھلا اتنے بڑے لشکر کے سامنے کیا کرسکتا تھا۔ اُس کے پیچھے دشمن کے قادغونجی نے تعاقب کیا۔ وہ دریا میں کود پڑا اور وہیں ڈوب گیا۔ ایک ایوب تھا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے ہاں خراسانی جوانوں کے گروہ میں داخل تھا۔ بہادر آدمی تھا۔ بائسنغر میرزا کی سرکار کا مختار تھا۔ کھانے پہننے میں کفایت شعار تھا۔ بڑا مسخرا اور چالاک آدمی تھا۔ سلطان محمود میرزا اُس کو "بے حیا" کہا کرتا تھا۔ ایک ولی تھا۔ خسرو شاہ کا چھوٹا اور سگا بھائی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ اسی نے سلطان مسعود میرزا کو اندھا اور بائسنغر میرزا کو قتل کرایا تھا۔ وہ ہر کسی کی غیبت کیا کرتا تھا۔ بدزبان۔ فحش گو۔ خود پسند اور بدمغز آدمی تھا۔ سوائے اپنے کسی کو کسی کام میں کچھ نہ سمجھتا تھا۔ جب میں نے نواح کیل کائے اور دوشی میں جو نواح قندز میں سے ہے خسرو شاہ کو اُس کے ملازموں سے علٰحدہ کرکے رخصت کیا ہے تو ولی اُزبک کے ڈر سے اندراب اور سراب میں آگیا تھا۔ اس نواح کی قوموں نے بھی اُسکو شکست دیکر لوٹ لیا۔ اور وہی قومیں مجھ سے اجازت لیکر کابل میں آگئی تھیں۔ ولی شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ شیبانی خاں نے اُس کو سمرقند میں مروا ڈالا۔ ایک شیخ عبداللہ برلاس تھا۔ سلطان محمد کی ایک بیٹی جو سلطان محمود خاں اور ابابکر میرزا کی خالہ تھی اسکی بیوی تھی۔ وہ زرق وبرق اور چست لباس پہنا کرتا تھا۔ شریف اور اصیل آدمی تھا۔ ایک محمود برلاس نونداک کے برلاسوں میں سے تھا۔ وہ ابوسعید میرزا کے زمانہ ہی میں داخل امراء ہوگیا تھا[1]۔ جن دنوں میں ابابکر میرزا نے مزید بیگ ارغون اور امرائے ترکمان قراقوبلوق کو ہمراہ لیکر سلطان محمود خاں پر چڑھائی کی ہے۔ اور میرزا اپنے بھائی کے پاس سمرقند چلا گیا ہے تو محمود برلاس نے حصار کو نہ چھوڑا اور اُس کو خوب سنبھالے رکھا۔ وہ شاعر تھا اور صاحب دیوان تھا۔

بائسنغر میرزا بادشاہ سمرقند ہوا۔ خسرو شاہ نکالا گیا۔

سلطان محمود میرزا کے مرنے کی خبر کو خسرو شاہ نے لوگوں سے چھپایا اور خزانہ پر دست اندازی کی۔ بھلا ایسی خبر کیونکر چھپی رہ سکتی تھی۔ فی الفور تمام شہر میں یہ خبر اُڑ گئی۔ اور سمرقند والوں کے ہاں گویا اُس دن گھی کے چراغ جل گئے۔ فوج و رعیت نے بلوہ کرکے خسرو شاہ کو گھیر لیا۔ احمد حاجی بیگ اور امرائے ترخان نے اس بلوہ کو فرو کیا۔ اور خسرو شاہ کو اُس کشمکش سے نکال کر حصار کی طرف چلتا کر دیا۔ سلطان محمود میرزا نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے مسعود میرزا کو حصار اور بائسنغر میرزا کو بخارا کا حاکم کر دیا تھا۔ اس موقع پر ان دونوں میں سے کوئی سمرقند میں نہ تھا۔ خسرو شاہ کے چلے جانیکے بعد

[1] جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ اور بھی لکھا ہے (جب اس شہزادہ نے عراق کو فتح کیا کرمان محمود برلاس کو دیدیا تھا) ۱۲

امرائے سمرقند اور حصار نے متفق ہو کر بائسنغر میرزا کے پاس آدمی دوڑایا۔ اور اُس کو بلا کر سمرقند کے تخت پر بٹھادیا۔ اس وقت بائسنغر میرزا کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

اسی زمانہ میں سلطان جنید برلاس اور بعض اکابر سمرقند کی تحریک سے محمود خاں نے سمرقند لینے کے لیے فوجکشی کی اور کنبائی[1] کی نواح میں آگیا۔ سمرقند سے بائسنغر میرزا بھی بہت سی مسلح فوج لیکر باہر نکلا۔ کنبائی کی نواح میں مقابلہ ہوا۔ حیدر کوکلتاش جو مغلوں کے لشکر کا بڑا سردار تھا اور ہراول تھا مع اپنے ہمراہیوں کے گھوڑوں پر سے اُتر کر شیبہ[2] مارنے میں مشغول ہوا۔ سمرقند و حصار کی فوج کے مسلح اور من چلے جوانوں نے سوار ہو کر فی الفور گھوڑے ڈپٹائے جو لوگ حیدر کوکلتاش کے زیر علم گھوڑوں پر سے اُتر پڑے تھے وہ دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندن میں آگئے۔ اس تباہی کے بعد باقی فوج مقابلہ نہ کرسکی۔ آخر مغلوں کو شکست ہوئی۔ اور بہت سے کام آئے۔ بائسنغر میرزا[3] نے بھی اُن میں سے اپنے سامنے بہت سوں کو قتل کروایا تھا۔ مقتولوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ میرزا کا خیمہ تین جائے پلٹا گیا۔

ابراہیم سارو کی بغاوت اور ظہیر بابر بادشاہ کی چڑھائی

ابراہیم سارو نے (جو قوم منکلغ سے تھا۔ اور بچپن سے میرے والد کی خدمت میں رہکر امیری کے مرتبہ پر پہنچ گیا تھا اور آخر کسی جرم کے ارتکاب سے نکالدیا گیا تھا) قلعۂ اسفرہ میں آکر بائسنغر میرزا کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور میری مخالفت اختیار کی۔ شعبان[4] کے مہینے میں ابراہیم سارو کے فساد و فتنہ دفع کرنے کے قصد سے لشکر کے ساتھ میں سوار ہوا۔ مہینے کے آخر میں اسفرہ کے سامنے میں آن اُترا۔ اُسی دن ہمارے سپاہیوں نے دلیری کرکے قلعۂ قدیم کے قریب کی دیوار کے پاس پہنچتے ہی نئے قلعہ کو جو فی الحال بنا تھا چھین لیا۔ سید قاسم ایشک آغا آج سب سے اوّل رہا۔ سب سے پہلے فوج میں سے نکل کر اُس نے شمشیر زنی کی۔ سلطان احمد تنبل اور دوست محمد طغائی نے بھی بہت کوشش کی۔ مگر اُلش[5] بہادری سید قاسم ہی نے لیا۔ اُلش بہادری مغلوں میں ایک قدیم رسم ہے۔ ضیافت اور آش خوری کے موقع پر جو شخص سب میں سے تنہا نکل کر تلوار مارتا ہے وہ اس اُلش بہادری کو لیتا ہے۔ جب میں شاہرخیہ میں اپنے ماموں سلطان محمود خاں سے ملنے گیا تو اُلش بہادری سید قاسم نے لیا۔ پہلے دن کی

---

[1] قلمی نسخہ میں کیبائی لکھا ہے۔ یہ مقام علاقۂ سمرقند میں ہے ۱۲ [2] شیبہ ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے ۱۲ [3] جان لیڈن نے اس فقرہ کو یوں لکھا ہے (قیدیوں میں سے ایک ایک قیدی شاہی خیمہ کے سامنے لایا جاتا تھا اور قتل کر دیا جاتا تھا) ۱۲ [4] سنہ ۱۴۹۵ع ۱۲۶ [5] اُلش عربی لفظ ہے جسکے معنی اُس کھانے کے ہیں جو کھانا جھوٹا بچ رہتا ہے مگر اکثر اسکا استعمال امراء کی جھوٹے کھانے پر کیا جاتا ہے چنانچہ ہمارے ہاں مشہور ہے۔ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ یہ رسم یونانیوں کی رسم کے مطابق ہے۔ ۱۲

لڑائی میں خدا بیردی میرے آتکہ نے تیر تخش[1] کھا کر قضا کی۔ چونکہ ہم بے زرہ بکتر مقابلہ کر بیٹھے تھے اس لیے ہمارے بعض سپاہی کام آئے اور بہت سارے زخمی ہوئے۔ ابراہیم سارد کے پاس ایک شخص نہایت عمدہ تخش انداز تھا۔ ایسا تیر انداز دیکھا نہ سُنا۔ اُس نے ہمارے اکثر آدمیوں کو زخمی کیا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد وہ میرا ملازم ہوگیا۔ جب محاصرہ کو بہت دن گزر گئے تو میں نے حکم دیا کہ دو تین جگہ سرکوب[2] بنا کر سرنگ لگاؤ۔ غرض لوگ قلعہ گیری کے اسباب جمع کرنے میں مصروف ہوئے اور محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے۔ آخر ابراہیم سارد تنگ ہوا۔ اور خواجہ مولانا کی وساطت سے اُس نے فرمانبرداری اختیار کرلی۔ شوال[3] کا مہینہ تھا کہ وہ ترکش[4] اور تلوار گلے میں ڈالکر حاضر ہوا اور شہر اُس نے ہمارے سپرد کر دیا۔

خجند پر قابض ہونا

مدت سے خجند بھی عمر شیخ میرزا کی عملداری میں تھا۔ لڑائی جھگڑوں کے زمانے میں میرزا کی سرکار بگڑنے سے سلطان احمد میرزا اُس کو دبا بیٹھا۔ جب میں پاس کے بہت قریب آگیا تو اُس پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ خجند میں میر مغل کا باپ عبدالوہاب شغاول حاکم تھا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی اُس نے بے تامل شہر حوالے کر دیا۔

محمود خاں سے ملاقات

اسی زمانہ میں محمود خاں شاہرخیہ میں آیا ہوا تھا جن دنوں میں سلطان احمد میرزا نواح اندجان میں آگیا تھا اُنہی دنوں میں خان نے بھی آخشی کو آگھیرا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ میرے دل میں آئی کہ ہم میں اور اُس میں تھوڑا ہی فاصلہ ہے۔ چونکہ وہ باپ اور بڑے بھائی کی جگہ ہے۔ اس لیے اُسکی خدمت میں چلنا چاہیے۔ اس سے پچھلی کدورتیں رفع ہو جائینگی۔ اور اس ترکیب کو جو دیکھنے والے دیکھیں گے اور سُننے والے سُنیں گے تو میرے حق میں مفید ہوگا۔ یہ سوچ کر چل کھڑا ہوا۔ شاہرخیہ کے باہر ایک باغ میں جس کو حیدر بیگ نے بنایا تھا خان سے میں نے ملازمت حاصل کی۔ خان اس باغ کی چودری میں اُترا ہوا تھا۔ اندر پہنچتے ہی میں نے تین دفعہ جُھک کر سلام کیا۔ خان بھی تعظیم کیلیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ملنے اور پچھلے پاؤں ہٹ کر ایک سلام کرنے کے بعد خان نے اپنے پاس بُلایا۔ اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور نہایت شفقت و مہربانی فرمائی۔ دو ایک روز کے بعد کندزلک[5] اور اماآنی کے راستے سے آخشی اور اندجان کی طرف میں روانہ ہوا[6]۔ آخشی میں آکر اپنے باپ کے مزار کی زیارت کی۔

---

[1] چلبی کمان کا تیر ۱۲ [2] محصور قلعہ کی دیوار کے برابر یا اُس سے بلند لکڑی کا یا مٹی کا ایک ٹیلہ سا بناتے ہیں۔ اُس کو سرکوب کہتے ہیں ۱۲ [3] جون سنہ ۱۴۹۹ء ۱۲ [4] ترکوں میں یہ جاں نثاری اور اطاعت کی علامت تھی ۱۲ [5] کنند لک ۱۲ [6] معلوم ہوتا ہے کہ کنندلک اور اماآنی کے راستہ سے آخشی۔ تاشکند اور شاہرخیہ میں اکثر آمدورفت رہتی تھی ۱۲

جمعہ کی نماز کے وقت میں آخشی سے چلا۔ بند سالار کے راستہ سے ہوتا ہوا مغرب و عشا کے مابین اندجان میں آگیا۔ یہ بند سالار کا راستہ نو فرسنگ کا ہے۔

قوم چکرک سے محصول لینا

اندجان کی صحرائی قوموں میں سے ایک قوم چکرک[1] ہے۔ انکے پانچھزار گھر ہیں۔ یہ لوگ کاشغر اور فرغانہ کے بیچ میں جو پہاڑ ہیں اُن میں رہتے ہیں۔ انکے پاس گھوڑے اور بھیڑیں کثرت سے ہیں۔ ان پہاڑوں[2] میں بجائے معمولی بیلوں کے گاو قتاس[3] پالتے ہیں۔ اس سبب سے قتاس بھی ان کے پاس بہت ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ کوہستان دشوار گزار میں رہتے ہیں اس لیے مالگزاری نہیں ادا کرتے۔ پس میں نے قاسم بیگ کو سردار لشکر کر کے اُن کی طرف بھیجا تاکہ اُس قوم سے کچھ مال وصول کرے اور ہمارے لشکر کے لیے بھیجے۔ قاسم بیگ نے جاکر بیس۲۰ ہزار بھیڑیں اور پندرہ سو گھوڑے لیے اور اہل لشکر کو بانٹے۔

اوراتیبہ پر چڑھائی کا قصد اور ناکامی

جب لشکر چکرک سے واپس آیا تو اوراتیبہ کا قصد کیا گیا۔ اوراتیبہ مدت سے عمر شیخ میرزا کے قبضہ میں تھا۔ مگر میرزا نے جس سال انتقال کیا ہے اُسی سال وہ قبضہ سے نکل گیا تھا۔ آجکل بائسنغر میرزا کی طرف سے اُسکا چھوٹا بھائی سلطان علی میرزا وہاں تھا۔ سلطان علی میرزا میرے آنے کی خبر سُنکر آپ تو کوہستان بلغر و سیحا[4] کی طرف چلا گیا۔ اور اپنے آتکہ شیخ ذوالنون کو اوراتیبہ میں چھوڑ گیا۔ میں خجند سے ہوتا ہوا اُدھر چلا۔ اثنائے راہ سے خلیفہ کو شیخ ذوالنون کے پاس بطریق رسالت بھیجا۔ اُس مردک بیہوش نے کوئی شافی جواب نہ دیا۔ اور خلیفہ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ خدا کو بچانا منظور تھا خلیفہ کسی ترکیب سے نکل گیا۔ اور ہزاروں مصیبتیں اُٹھا کر دو تین دن کے بعد پیدل اور ننگے بدن اوراتیبہ کی نواح میں آکر مجھ سے ملا۔ چونکہ جاڑے کا موسم قریب آگیا تھا اور لوگوں نے غلہ وغیرہ اُٹھا لیا تھا اس لیے چند روز کے واسطے اندجان کی طرف مراجعت کیگئی۔ میرے چلے آنے کے بعد خان کی فوج اوراتیبہ پر آگئی۔ وہاں والے مقابلہ نہ کر سکے۔ اوراتیبہ محمد حسین گورگان[5] کے حوالے کر دیا۔ اُس دن سے سنہ ۹۰۸ھ[6] تک اوراتیبہ محمد حسین گورگان ہی کے قبضہ میں رہا۔

---

[1] چگرگ ۱۲ [2] بالضم اوّل و بقول جان لیڈن بکسر اوّل پہاڑی گائے ۱۲ [3] جان لیڈن نے بجائے "بلغار و سیحا" کے صرف "دیہات شیخا" لکھا ہے ۱۲ [4] کورگان کاف اول عربی اور کاف دوم فارسی۔ وہ شخص جو ننھیال سے بھی شاہزادہ ہو۔ ترکی میں داماد کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ قراچار نویان جد امیر تیمور چغتائی خان بن چنگیز خان کا داماد تھا اس لیے قراچار کی اولاد کو کورگان یا کورگانی کہتے ہیں۔ ۱۲۔

[5] سنہ ۱۵۰۲ ع۔

سنہ ۹۰۱ ہجری کے واقعات[1]

سلطان حسین میرزا کا بقصدِ حصار ترمذ پر جانا۔ مسعود میرزا کا حصار سے سمرقند کی طرف بھاگنا۔ اُس کے امراء کا تتر بتر ہونا۔

سلطان حسین میرزا نے خراسان سے حصار پر لشکر کشی کی اور جاڑے کے موسم میں وہ ترمذ[2] میں آگیا۔ سلطان مسعود میرزا[3] بھی اپنا لشکر فراہم کرکے ترمذ ہی کے مقام پر مقابلہ میں آجما۔ خسروشاہ خود تو قندز کو مضبوط کرکے وہاں رہا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک لشکر کے ساتھ سلطان حسین میرزا کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ ان لشکروں نے جاڑے کے موسم کا اکثر حصہ دریائے مذکور کے کنارے پر گزارا۔ اور پار نہ اُتر سکے۔ سلطان حسین میرزا ایک تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اُس نے[4] مقابل کے لشکر کو غافل کرکے بالا بالا چھ سو آدمیوں کا ایک دستہ عبداللطیف بخشی کے تحت حکم کلف[5] کے راستہ سے روانہ کیا۔ حریف کے آگاہ ہونے تک عبداللطیف بخشی نے مع اپنے لشکر کے دریا سے عبور کیا۔ اور دریا کے کنارے کو مستحکم کرلیا۔ جونہی سلطان مسعود میرزا کو یہ خبر معلوم ہوئی ونہی وہ یا تو بزدلی سے یا باقی چغانیانی کے بہکانے سے جو ولی کا مخالف تھا بے آنکہ اس فوج سے مقابلہ کرے گھبرا کر حصار کی طرف چلتا بنا۔ حالانکہ ولی نے بہت سمجھایا کہ اُس لشکر پر جو دریا سے پار ہوا ہے دفعۃً حملہ کرنا چاہیے۔ سلطان حسین میرزا نے دریا سے عبور کرکے بدیع الزمان میرزا ابراہیم حسین۔ ذوالنون ارغون اور محمد ولی بیگ کو فی الفور خسروشاہ کی طرف روانہ کیا۔ اور مظفر حسین[6] میرزا اور محمد برندق برلاس کو ختلان کی جانب چلتا کیا۔ اور آپ حصار کی جانب آیا۔ جب سلطان حسین میرزا کے قریب پہنچنے کی خبر ہوئی تو سلطان مسعود میرزا نے حصار میں اپنا ٹھیرنا نامناسب سمجھا اور رود کمرد کے بالائی سمت سرہ تاق کے راستہ سے اپنے چھوٹے بھائی بایسنغر میرزا کے پاس سمرقند چلا گیا۔ ولی بھی ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ حصار کے قلعہ کا بندوبست باقی چغانیانی محمود برلاس۔ اور قوچ بیگ کے باپ سلطان احمد نے کرلیا۔ سلطان حسین میرزا نے یہ خبر سنتے ہی

---

1. سنہ ۱۴۹۵ء ۱۲
2. ترمذ مابین بلخ اور حصار کے دریائے آمو پر ایک بڑا راستہ ہے ۱۲
3. مسعود میرزا جو سلطان محمود میرزا کا بڑا بیٹا تھا اپنے باپ کے بعد برائے نام حصار وغیرہ کا بادشاہ ہوا تھا مگر زمام سلطنت خسروشاہ کے ہاتھ میں تھی ۱۲
4. جان لیڈن نے یہ فقرہ (تاکہ اُس کو دریائے آمو سے عبور کرنے کو روکے) اور بھی لکھا ہے ۱۲
5. کلف دریائے آمو پر ترمذ کے نیچے کی جانب ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہے کہ اس حملہ کا مطلب یہ ہے کہ دریا یہاں سے پایاب ہوگا۔ لیکن دریا ایسا کم آب کیونکر ہوگا کہ اُس میں سے پایاب اُتر سکیں ۱۲
6. جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ نام نہیں ہے صرف محمد برندق برلاس ہی ہے ۱۲

ابوالحسن میرزا کو مع کچھ فوج کے درۂ کمرود کے اوپر کی جانب سلطان مسعود میرزا کے پیچھے روانہ کیا۔ ابوالحسن میرزا نے اس کو راستہ میں جا لیا۔ مگر اُس سے کچھ ہو نہ سکا۔ البتہ میرزا بیگ فرانگی[1] نے خوب دادِ مردانگی دی۔

مقام قراتگین پر امرائے حسین میرزا سے حمزہ سلطان وغیرہ کا لڑ کر فتح پانا اور وہاں حمزہ سلطان وغیرہ کا اندجان میں آنا۔

حمزہ سلطان اور مہدی سلطان کئی برس سے شیبانی خان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے اور مع اپنے تمام اُزبکوں کے سلطان محمود میرزا کے نوکر ہو گئے تھے۔ یہ بھی مع اپنے اُزبکوں کے اور محمد دغلت وسلطان دغلت بھی اپنے مغلوں سمیت جو حصار میں رہتے سہتے تھے اُس بھگڈر میں مقام قراتگین کی طرف بھاگ گئے۔ سلطان حسین میرزا نے ابراہیم ترخان۔ یعقوب اور ایوب کو کسی قدر فوج کے ساتھ حمزہ سلطان اور مغلوں کی سرکوبی کے لیے جو قراتگین میں تھے روانہ کیا۔ قراتگین کے مقام پر دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ حمزہ سلطان وغیرہ نے سلطان حسین میرزا کی فوج کو شکست دی۔ اور اُس کے اکثر امرا کو قید کر کے وہاں سے کوچ کیا[2]۔ اسی بازگشت میں حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان۔ حماق[3] سلطان (حمزہ سلطان کا بیٹا) محمد دغلت (جو بعد میں محمد حصاری مشہور ہو گیا تھا) اور سلطان حسین دغلت مع اُن ازبکوں کے جو ان سے متعلق تھے اور مع اُن مغلوں کے جو سلطان محمود میرزا کے ملازموں میں سے حصار میں رہتے تھے رمضان ۹۰۱ھ[4] کے مہینہ میں مجھ کو اطلاع کرنے کے بعد اندجان میں میرے پاس آ گئے۔ اُن دنوں میں سلاطین تیموریہ کے قاعدہ کے موافق میں توشک پر بیٹھا کرتا تھا۔ حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان اور حماق سلطان جو آئے تو میں اُنکی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ توشک سے نیچے اُتر کر اُن سے بغلگیر ہوا۔ اور ان سلاطین کو تکیہ کے پاس دست راست کی طرف بٹھایا۔ وہ مغل بھی جن کا سردار محمد حصاری تھا میرے ملازم ہو گئے۔

سلطان حسین میرزا نے حصار کا محاصرہ کر لیا

وہاں سلطان حسین میرزا نے شہر حصار کا محاصرہ کر لیا۔ رات دن وہ نقب لگانے قلعہ لینے۔ گولے برسانے اور توپیں چلانے میں مصروف رہتا تھا اور دم بھر چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ چار پانچ جگہ اُس نے نقب لگائی۔ جو نقب شہر کے دروازے کی طرف لگائی تھی وہ بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ شہر والوں نے بھی نقب لگا کر اُس نقب کا حال دریافت کر لیا۔ اہلِ شہر ذرا اوپر کی طرف سے محاصرین کی جانب دھواں کرنا شروع کیا۔ مگر محاصرین نے فوراً نقب کا منہ بند کر دیا جس سے یہ دھواں اوپر ہی کی طرف پلٹ گیا۔ اور قلعہ والوں میں جا گھسا۔ قلعہ والے

---

[1] قرنچی ۱۲ [2] جان لیڈن نے اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے (اور اکثر امرا کو گھوڑوں پر سے اُتار کر قید کیا مگر پھر اُن کو چلے جانے کی اجازت دیدی ۱۲ [3] حماق سلطان ۱۲ [4] مئی یا جون ۱۴۹۶ء ۱۲

مرنے کے قریب ہو گئے۔ اور بھاگ کر باہر نکل آئے۔ آخر پانی کی تھلیاں لا لا کر نقب پر ڈالیں۔ اور باہر والوں کو نقب سے ہٹا دیا۔ ایک بار کچھ لوگوں نے جلدی سے نکل کر اُن محاصرین سپاہیوں پر جو نقب کے مُنہ پر تھے حملہ کیا اور سب کو بھگا دیا۔ پھر ایک بار ایسا ہوا کہ شمال کی جانب جہاں خود میرزا اُترا ہوا تھا توپ کے سنگینلہ گولے مار کر ایک بُرج جھوجرا کر دیا تھا عشا کے وقت وہ بُرج اُڑ گیا۔ کچھ سپاہیوں نے جرأت کر کے لڑائی کی اجازت چاہی۔ مگر میرزا نے یہ کہکر کہ رات کا وقت ہے اجازت نہ دی۔ صبح ہوتے تک شہر والوں نے اس برج کو درست کر لیا۔ صبح بھی یہ لوگ مقابلہ نہ کر سکے۔ اس دو ڈھائی مہینے میں سوائے دھمکانے یا دھس بنانے یا نقب لگانے یا گولے مارنے کے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوئی۔

بدیع الزمان میرزا خسرو شاہ سے منہزم ہوا

جب بدیع الزمان میرزا مع اُس فوج کے جو خسرو شاہ کی طرف سلطان حسین میرزا نے بھیجی تھی قندز سے تین چار فرسنگ ورے جا اُترا۔ تو خسرو شاہ اپنے ہمراہیوں کو درست کر کے قندز سے باہر نکل آیا۔ اور رات گزرنے کے بعد بدیع الزمان میرزا کے لشکر پر اُسنے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ باوجودیکہ ایسے زبردست میرزا سردار اور امیر تھے۔ جن کے ساتھ خسرو شاہ کے لشکر سے دُگنی نہیں تو ڈیوڑھی فوج ضرور تھی صرف اپنی احتیاط کرتے رہے۔ اور خندق سے باہر نہ نکلے خسرو شاہ کے پاس اس وقت اچھے بُرے چھوٹے بڑے شاید چار پانچ ہزار آدمی ہونگے۔ خسرو شاہ نے (جس نے اس جاتی دنیا اور ان بیوفا نوکروں کے لیے اتنی بُرائی اور بدنامی اختیار کی اور اسقدر ظلم وستم کرنا اپنا شعار بنایا اور اتنا بڑا ملک دبا لیا۔ اور اتنے آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ کر لی۔ جنکی تعداد آخر بیس تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور جس کا علاقہ اپنے بادشاہ اور میرزاؤں سے بڑھ گیا تھا) اپنی تمام عمر میں اگر کوئی کام کیا تو یہی کیا۔ اِسی میں خسرو شاہ اور اُسکے تابعین سردار اور بہادر بنگئے۔ اور خندق سے باہر نہ نکلنے والے ڈرپوک مشہور ہو گئے۔ بدیع الزمان میرزا یہاں سے چلتا بنا۔ اور تھوڑی دور طالقان[2] کے مقام پر الغ[3] باغ میں جا پڑا خسرو شاہ تو قندز[4] میں رہ گیا تھا اور اُسنے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو بہت سی فوج کے ساتھ جو نہایت عمدہ اور با سامان تھی اشکمش[5] تلول اور پہاڑوں کے دامنوں کے ملک میں بھیجدیا۔ تاکہ باہر سے حریف کو دبائے اور تنگ کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ محب علی قورچی کچھ مسلح اور چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لیکر دریائے خلان

---

[1] غالباً اُسی زمانہ میں پتھر کے گولے ہوتے تھے اسی لیے ان موقعوں پر وسنگسندان لکھا ہے ۱۲ [2] طالقان طلیخان قندز سے تقریباً ساٹھ میل دریا کے اوپر کی طرف واقع ہے ۱۲ [3] الغ باغ یعنی باغ کلاں ۱۲ [4] قندز دریائے لکسیرا کے بالائی جانب ہے ۱۲ [5] اشکمش قندز سے اوپر کی طرف دریائے مذکور کے کنارے پہ ہے ۱۲

کے کنارے پر دشمن سے مقابل ہوا اور اُس کو شکست دی[1]۔ اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اُتار کر اُنکے سرکاٹ لیے۔ اسکی دیکھا دیکھی سید بم علی دربان۔ قلی بیگ (اُس کا چھوٹا بھائی) بہلول اور ایوب بھی مع چند پُرجوش سپاہیوں کے نکلے۔ اور عنبر کوہ کے دامنہ میں جو خواجہ چنگال کی فواح میں ہے لشکر خراسان کی روانگی کے موقع پر پہنچکر انہوں نے حملہ کیا۔ سید بم علی دربان اور قلی بابا کو مع اُن کے ہمراہیوں کے گرفتار کرلیا۔

سلطان حسین میرزا نے حصار سے محاصرہ اُٹھالیا

سلطان حسین میرزا کو ایک تو یہ خبر پہنچی۔ دوسرے حصار کے موسم بہار کی بارش سے لشکر نے بہت تکلیف اُٹھائی تھی۔ ان وجوں سے مصالحت کی تجویز کیگئی۔ اندر سے محمود برلاس نکلا اور باہر سے حاجی پیر بکادل آیا۔ عمائد اور گوئیے وغیرہ جو مل سکے وہ جمع ہوئے۔ اور سلطان محمود میرزا کی بڑی بیٹی سے جو خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھی حیدر میرزا کی جو پاشیدہ سلطان بیگم کے پیٹ سے تھا اور سلطان ابو سعید میرزا کا نواسا تھا شادی کر کے سلطان حسین میرزا نے حصار سے محاصرہ اُٹھالیا۔ اور وہ قندز کی طرف روانہ ہوگیا۔ قندز پہنچکر کسی قدر سیاست کی اور اُس کے محاصرے کی تجویز کی گئی۔ آخر بدیع الزّمان میرزا نے بیچ میں پڑکر صلح کرادی۔ جانبین کے جو لوگ پکڑے گئے تھے وہ رہا کردیے گئے۔ اور محاصرین واپس چلے گئے۔ خسروشاہ کے اس قدر چڑھنے بڑھنے اور اپنی حد سے آگے قدم رکھنے کا سبب یہی ہوا کہ سلطان حسین میرزا نے دو دفعہ چڑھائی کی۔ اور اُس کو چھوڑ دیا۔

میرزا نے بلخ اور استرآباد اپنے دونوں بیٹوں کو دیدیا

جب سلطان حسین میرزا بلخ میں پہنچا تو ماوراءالنہر کی عمدہ نگرانی کے خیال سے بدیع الزّمان میرزا کو بلخ دیا۔ اور مظفر حسین میرزا کو استرآباد۔ دونوں کو حکم دیا کہ صبح کو دربار میں بلخ اور استرآباد کے عطا ہونے پر آداب بجالائیں۔ وہ آداب بجالائے۔ اس انتظام سے بدیع الزمان میرزا کو خوف ہوا بلکہ اتنی مدّت جو فساد رہا اور بغاوتیں ہوئیں تو اسی سبب سے ہوئیں۔

ترخانیوں کا سمرقند میں فساد وغیرہ

اسی رمضان[2] میں ترخانیوں کا فساد سمرقند میں ہوا۔ اسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ بائسنغر میرزا جس قدر حصار کے امراء اور فوج سے میل جول رکھتا تھا اُس قدر سمرقند والوں سے نہ رکھتا تھا۔ شیخ عبداللہ برلاس بڑا سردار اور وزیر تھا۔ اُسکے بیٹے میرزا کے ایسے مُنہ چڑھے ہوئے تھے کہ عاشق و معشوق سے متہم تھے۔

سلہ جان لیڈن کے ترجمہ میں آگے یہ فقرہ ہے (دوسری بار اُسی نے پھر دشمن کی فوج کے ایک حصّہ پر حملہ کیا اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اُتار کر اُنکے سرکاٹ لیے) ۱۲ سلہ مئی یا جون سنہ ۱۴۹۶ ۱۲۶

ترخانی اور سمرقندی امرا اس سے جلتے تھے۔ آخر درویش محمد ترخان بخارا سے آیا۔ سلطان علی میرزا کو قرشی[۱] سے لاکر بادشاہ بنایا۔ اور پھر باغ نو[۲] میں آگیا۔ یہیں بائسنغر میرزا بھی تھا۔ بائسنغر میرزا کو کسی فریب سے گرفتار کرلیا۔ اور اُس کے آدمیوں سے الگ کرکے میرزا کو ارک میں لے آئے۔ اور دونوں میرزاؤں کو ایک جگہ رکھا۔ اُن کا خیال تھا کہ ظہر کے وقت میرزا کو کوک سرائے میں بھیجدیا جائے۔ بائسنغر میرزا طہارت کے بہانے سے اُس مکان میں جو باغ کی بارہ دری کے مشرق وشمال کے بیچ میں ہے چلا گیا۔ دروازے پر ترخانیوں کے سپاہی کھڑے تھے۔ میرزا کے ساتھ محمد قلی قوچین اور حسن شربتچی اندر آگئے۔ اتفاقاً جس مکان میں میرزا طہارت کے لیے آیا تھا اُس کے پیچھے ایک دروازہ تھا۔ جو اینٹوں سے تیغا کیا ہوا تھا۔ اور جس کو توڑ کر باہر جا سکتے تھے میرزا نے فوراً اُس تیغے کو توڑ ڈالا اور باہر نکل کر ارک سے عاد قر[۳] کی طرف فصیل سے اُدھر موری کے راستہ سے نکل فصیل[۴] دوہتی سے کودا۔ اور خواجہ کفشر کے پاس خواجہ کاہ خواجہ کے گھر جا پہنچا۔ دروازے پر کھڑے ہونے والے تھوڑی دیر کے بعد اندر گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ میرزا بھاگ گیا۔ دوسرے دن ترخانی اکھٹے ہوکر خواجہ کاہ خواجہ کے مکان پر گئے اور میرزائے مفرور کو طلب کیا۔ خواجہ نے دینے سے انکار کیا۔ ترخانی بھی زبردستی نہ چھین سکے۔ اس لیے کہ خواجہ کمزور نہ تھا۔ دوایک روز کے بعد خواجہ ابوالمکارم اور حاجی بیگ وغیرہ امرا اور بہت سے سپاہیوں اور اہلِ شہر نے ہجوم کرکے میرزا کو خواجہ کے گھر سے نکال لیا۔ اور سلطان علی میرزا کو مع ترخانیوں کے ارک میں گھیر لیا۔ یہ لوگ ایک دن بھی ارک کو نہ بچا سکے۔ محمد ترخان چار راہ دروازہ سے نکل بھاگا۔ اور بخارا چلدیا۔ سلطان علی میرزا اور درویش محمد ترخان پکڑے گئے۔ بائسنغر میرزا احمد حاجی بیگ کے گھر میں تھا۔ کہ درویش محمد ترخان کو پکڑلائے۔ اُس سے دوایک باتیں پوچھیں۔ مگر وہ جواب شافی نہ دے سکا۔ سچ یہ ہے کہ اُسنے ایسا کام بھی نہ کیا تھا جو جواب دے سکتا۔ میرزا نے اُسکو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ تھرّا کر ستون[۵] سے چمٹ گیا۔ ستون کو چمٹنے سے کیا چھوڑتے تھے فوراً گردن اُڑادی گئی۔ سلطان علی میرزا کی نسبت حکم ہوا کہ کوک سرائے[۶] میں لیجاکر آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھیردی جائیں۔

---

[۱] قرشی کیش کے جنوب میں ہے ۱۲ [۲] اور نئے باغ واقع سمرقند میں آگیا ۱۲ [۳] غدقر ۱۲ [۴] فصیل دوہتی وہ دوسری فصیل ہوتی ہے جو قلعہ سے باہر ہوتی ہے۔ اِن دونوں دیواروں کے بیچ میں راستہ ہوتا ہے ۱۲ [۵] ترکوں اور عربوں میں رسم تھی کہ ستون اور خیمہ کی چوب کو مقدس جانتے تھے۔ اسی لیے مجرم اُس سے لپٹ کر پناہ لیتا تھا ۱۲ [۶] کوک سرائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ امیر تیمور نے جو محل سمرقند میں بنوائے ہیں اُن میں سے ایک گوک سرائے یعنی سبز محل بھی ہے۔ اوڈ پیٹس ڈٹی۔ لاکرڈی نے تاریخ چنگیز خان کے صفحہ ۱۷۱ میں لکھا ہے کہ چنگیز خان نے غیر خان کو جس نے گوک سرائے میں اُطرار کو بڑی بہادری سے بچایا تھا مرواڈالا۔ اسی واقعہ کو صفحہ ۲۲۷ میں پھر بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ گوک سرائے میں ہوا۔ مگر سمرقند کا کہیں نام نہیں بیان کیا۔ شاید امیر تیمور نے اس محل کو دوبارہ بنایا ہوگا۔ یا مورخ مذکور نے غلطی کی ہے ۱۲

امیر تیمور نے جو بڑی عمارتیں بنائی تھیں اُن میں سے ایک کوک سرائے ہے۔ یہ مکان سمرقند کے ارک میں واقع ہے۔ اس عمارت کی عجیب خاصیت ہے۔ جو شخص امیر تیموری کی اولاد میں سے اُبھرتا ہے اور تخت پر بیٹھتا ہے وہ یہیں تخت پر بیٹھتا ہے۔ اور سلطنت کا دعوے کرنے میں جو مارا جاتا ہے وہ اسی مکان میں مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کنایۃً کہا کرتے ہیں کہ "فلاں بادشاہ کو کوک سرائے میں لے گئے" یعنی مار ڈالا۔ سلطان علی میرزا کو کوک سرائے میں لے گئے۔ اور اُس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ معلوم نہیں جراح کے قصد سے یا اناڑی پن سے سلطان علی میرزا کی آنکھوں کو کچھ ضرر نہ پہنچا۔ میرزا اُس وقت اس بات کو چھپا گیا اور خواجہ یحیےٰ کے گھر میں چلا گیا۔ دو تین دن بعد بھاگ کر ترخانیوں کے پاس بخارا جا پہنچا۔ اس واقعہ سے خواجہ عبید اللہ کی اولاد میں دشمنی ہو گئی۔ اُنکا بڑا بڑے کا طرفدار ہو گیا اور چھوٹا چھوٹے کا۔ کچھ دن بعد خواجہ یحیےٰ بھی بخارا چلا گیا۔

بائسنغر میرزا کو علی میرزا نے شکست دی

بائسنغر میرزا نے فوج جمع کر کے علی میرزا پر جانب بخارا چڑھائی کی۔ جونہی یہ بخارا کے قریب پہنچا وونہی سلطان علی میرزا اور ترخانی امرا بھی اُس کے سامنے آئے۔ تھوڑی سی لڑائی کی بعد سلطان علی میرزا کو فتح ہوئی اور بائسنغر میرزا کو شکست۔ احمد حاجی بیگ اور اچھے اچھے سردار گرفتار ہو گئے۔ جن میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ احمد حاجی بیگ کو درویش محمد ترخان کے قتل کی تہمت میں اُس کے عزیزوں[1] اور غلاموں نے نکل کر بے عزتی سے قتل کیا۔ سلطان علی میرزا اُسی وقت بائسنغر میرزا کے پیچھے پیچھے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔

سمرقند پر بابر بادشاہ کا پہلا حملہ

یہ خبر عید[2] کے چاند میں مجھے پہنچی۔ میں بھی سمرقند لینے کے لیے مع لشکر اسی مہینے میں روانہ ہوا۔

چونکہ سلطان حسین میرزا حصار و قندز سے واپس ہو گیا تھا اس لیے سلطان مسعود میرزا اور خسرو شاہ مطمئن ہو گئے تھے۔ اب سلطان مسعود میرزا بھی سمرقند لینے کے خیال سے شہر سبز میں آ گیا۔ خسرو شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو میرزا کے ساتھ کر دیا۔ تین چار مہینے تک تین[3] چار طرف سے سمرقند گھرا رہا۔ خواجہ یحیےٰ نے سلطان علی میرزا کے پاس سے میرے پاس آ کر میل ملاپ کی باتیں کیں اور ملاقات کی ٹھیرائی۔ سمرقند سے دو تین کوس نیچے کی طرف لشکر مقام شغد کی جانب سے میں بھی لشکر سمیت گیا۔ اور سلطان علی میرزا اپنے لشکر سمیت آیا۔ اُدھر سے علی میرزا مع چار پانچ آدمیوں کے

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں "عزیزوں" کا لفظ نہیں ہے ۱۲ [2] مطابق ۱۳ جون سنہ ۱۴۹۶ء ۱۲

[3] تین طرف ۱۲

آیا اور ادھر سے میں چار پانچ آدمیوں کو لیے ہوئے دریائے کوہک[1] میں جاکر دریا کے اندر ہم دونوں نے گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے باہم ملاقات اور مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد وہ اُس طرف چلا گیا۔ اور میں اس طرف چلا آیا۔ ملا بنائی[2] اور محمد صالح کو میں نے وہیں خواجہ کے ساتھ دیکھا۔ محمد صالح سے تو میں جب ہی ایک دفعہ ملا تھا۔ مگر ملا بنائی اسکے بعد آکر میرے پاس بہت دن تک رہا۔ سلطان علی میرزا کے اس ملنے کے بعد چونکہ جاڑا سر پر آگیا تھا اور اہل سمرقند بھی کیل کانٹے سے درست تھے اسلیے میں اندجان کی طرف پلٹ آیا۔ اور سلطان علی میرزا بخارا چلا گیا۔ سلطان مسعود میرزا شیخ عبداللہ برلاس کی بیٹی پر بہت شیدا تھا۔ اُس نے اُس سے شادی کر لی۔ اور ملک لینے کا خیال ترک کرکے حصار کی طرف اُلٹا پھر گیا۔ بلکہ مسعود میرزا کا آنا اسی غرض سے تھا شیراز اور کنبائی کی نواح سے مہدی سلطان بھاگ کر سمرقند چلا گیا۔ اور حمزہ سلطان مقام راہین سے اجازت لیکر سمرقند پہنچا۔

سنہ ۹۰۲[3] ہجری کے واقعات

مہدی سلطان نے عبدالکریم کو شکست دی

اس جاڑے میں بائسنغر میرزا کا کام خاصی ترقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ جب عبدالکریم اشرت[4] سلطان علی میرزا کی طرف سے اُس[5] نواح کے لینے کے لیے آیا تو مہدی سلطان بھی بائسنغر میرزا کی عمدہ فوج کے ساتھ جھٹ پٹ سمرقند سے نکلا اور جھٹ پٹ اُسکے سر پر آدھمکا۔ عبدالکریم اشرت اور مہدی سلطان دونوں دوبدو ہو گئے۔ دونوں میں شمشیر بازی ہوتے ہی عبدالکریم کا گھوڑا اُس سمیت گرا۔ وہ اُٹھ ہی رہا تھا کہ مہدی سلطان نے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا جس سے عبدالکریم کا پہنچا کٹ گیا۔ مہدی سلطان نے اُس کو تو گرفتار کر لیا اور اُس کی فوج کو سخت شکست دی۔ ان سلاطین نے جو دیکھا کہ سمرقند کے معاملات بگڑ رہے ہیں اور میرزاؤں کی سرکاریں ڈگمگا رہی ہیں تو از روئے دور اندیشی سب شیبانی خاں کے پاس چلے گئے۔

بخارائیوں پر سمرقندیوں کی چڑھائی اور ناکامی

سمرقندیوں کا اتنا ہی کام بنا تھا کہ سلطان علی میرزا پر فوج کشی کرنیکو آمادہ ہو گئے۔ بائسنغر میرزا سرپل پر آیا اور سلطان علی میرزا خواجہ کارزون[6] میں آیا۔ اسی موقع پر خواجہ مراد شی[7] کے بھڑکانے سے خواجہ ابوالمکارم نے اور امرائے اندجان میں سے ویس لاغری محمد باقر۔ میر قاسم دولائی۔ اور بائسنغر

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں ہے (دریا سے اُتر کر) مجان لیڈن نے لکھا ہے (دریائے کوہک کے درمیان میں) ۱۲ [2] ملا بنائی کا حال سلطان حسین میرزا کے وقت کے شعرا میں لکھا جائیگا ۱۲ [3] ستمبر سنہ ۱۴۹۶ع ۱۲ [4] اشرب ۱۲ [5] توفین اور اسکی نواح ۱۲ [6] جان لیڈن نے (خواجہ کارڈیزن) لکھا ہے مگر یہ نام غلط اور ہمارے متن کا نام صحیح معلوم ہوتا ہے ۱۲ [7] شیئی ۱۲

کے ملازمان خاص ہیں سے ایک جماعت نے بخارا پر چڑھائی کر دی۔ یہ سب شہر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ بخارائیوں کو اطلاع ہو گئی۔ اور حملہ آور بے نیلِ مرام واپس آئے۔

سمرقند پر دوبارہ چڑھائی کرنے کے لیے بابر بادشاہ کا روانہ ہونا۔

جس وقت میں اور سلطان علی میرزا دونوں ملے تھے اُس وقت یہ اقرار ہو گیا تھا کہ گرمی کے موسم میں وہ بخارا سے اور میں اندجان سے آ کر ہم دونوں سمرقند کو گھیر لیں۔ اِس وعدے پر میں رمضان[1] میں اندجان سے سوار ہوا۔ یار یَیلاق کی نواح میں پہنچتے ہی جو سُنا کہ دونوں میرزا باہم مقابلہ میں پڑے ہوئے ہیں تو میں نے تولون خواجہ مغل کو دو[200] سے تین[300] سے قزاق فوج کے ساتھ بطریق ایلغار اُدھر روانہ کیا۔ جونہی یہ لوگ قریب پہنچے باسُنغر میرزا میری خبر سُنکر بڑی پریشانی اور بے سامانی کے ساتھ اُلٹا پھر گیا۔ میری یہ فوج اُسی رات کو ندلان سے چلی اور بہت سے مخالفوں کو تیروں سے مار کر۔ بہتوں کو گرفتار کر کے اور بہت سی لوٹ لیکر واپس آئی۔ ایک دو روز کے بعد میں قلعہ شیراز[2] میں پہنچا۔ شیراز قاسم دولدائی کے پاس تھا۔ داروغہ شیراز اُس کو نہ بچا سکا اور میرے حوالے کر دیا۔ شیراز ابراہیم سارو کو سونپ دیا گیا۔ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ اور قوروغ[3] آبیار میں آن اُترا۔ آج ہی قاسم دولدائی، ویس لاغری حسن نبیرہ۔ سلطان محمد سیغل اور سلطان محمد ویس تین چار سو آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آئے اور ملازمت حاصل کی۔ کہنے لگے کہ باسُنغر میرزا کے بھاگتے ہی ہم الگ ہو کر حضور کی خدمت میں آ گئے ہیں۔ آخر معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ شیراز کے بچانے کا دعوے کر کے سلطان باسُنغر میرزا سے جُدا ہوئے تھے۔ جب شیراز کا یہ حال دیکھا تو عاجز ہو کر یہاں آ گئے۔

قاسم بیگ نے چند مغلوں کو مروا ڈالا

جس وقت میں قرابولاق[4] میں آ کر اُترا اُس وقت اُن مغلوں کو گرفتار کر کے لائے جنہوں نے خودسری سے بعض دیہات کو جو رستہ میں ملے تھے لوٹ لیا تھا۔ قاسم بیگ نے بنظرِ انتظام حکم دیا کہ ان میں سے دو تین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ چار یا پانچ برس کے بعد مصیبت و آوارگی کے زمانہ میں جب میں ملک مسیحا سے خان کے پاس جانے لگا تو اِسی سبب سے قاسم بیگ مجھ سے علیحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔

مقام بام میں لشکر بابری کا قیام

قرابولاق سے چلے اور دریا سے اُتر کر بام کی نواح میں

[1] مئی ۱۴۹۷ء ۱۲ [2] کہتے ہیں کہ شیراز شہر سمرقند سے پچیس[25] میل شمال میں ہے ۱۲ [3] کچھ کھیت میدان میں محفوظ کیے جاتے ہیں اور اُن پر سپاہی تعینات رہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں وہاں امراء خیمے ڈیرے ڈال کر رہتے ہیں اور لطفِ موسم اُٹھاتے ہیں ۱۲ [4] قرابولاق ۱۲

ٹھیرے۔ آج ہی بعض امراء خیابان[1] پر بائسنغر میرزا کی فوج سے جا بھڑے۔ سلطان احمد تنبل کی گردن میں برچھا لگا۔ مگر وہ بچ گیا۔ خواجگی ملا صدر[2] (خواجہ کلاں کا بڑا بھائی) کی گردن میں تیر لگا۔ اُسی وقت اُسکا انتقال ہوگیا۔ یہ شخص بہت اچھا جوان تھا۔ میرے باپ نے ازراہِ عنایت اُسکو مُہردار کر دیا تھا یہ صاحبِ علم آدمی تھا۔ لغت بہت جانتا تھا۔ انشا پرداز اچھا تھا۔ اور بڑا میر شکار[3] تھا۔ جب ہم نواحِ بام میں تھے تو شہر کے بہت سے دوکاندار اور اُن کے علاوہ اور لوگ لشکر کے بازار میں آکر سودا سلف بیچنے لگے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت دفعۃً عام شورش مچ گئی۔ اور یہ سب مسلمان لُٹ گئے۔ مگر میرے لشکر کا انتظام اس طرح کا تھا کہ میں نے جو حکم دیا کہ ان لوگوں کا مال اسباب کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ سب واپس دیدیا جائے تو دوسرے ہی دن پہر دن چڑھے سے پہلے پہلے ایک تاگے کا ٹکڑا اور ٹوٹی ہوئی سوئی بھی لشکر والوں کے پاس نہ رہی۔ کل اسباب مالکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

یورت خان کی طرف بڑھنا

یہاں سے کوچ کرکے سمرقند کے مشرق کی جانب یورت خان[4] میں جا اُترے۔ یہ مقام سمرقند سے تین کوس کے فاصلہ پر ہوگا۔ یہاں چالیس یا پچاس دن تک ہمارا ٹھیرنا ہوا۔ اس عرصہ میں کئی دفعہ اندر اور باہر کی فوج کے دل چلوں میں خیابان کے مقام پر خوب لڑائیاں ہوئیں۔ ایک بار خیابان میں ابراہیم بیگ چک نے دھاوا کیا۔ اسکے چہرے پر تلوار کا زخم لگا۔ اسی کے بعد سے اُسکو ابراہیم چاپوق[5] کہنے لگے۔ دوسری دفعہ خیابان ہی میں پل مغاک[6] پر ابو القاسم کوہ بر[7] جا لڑا۔ اور اُس نے اپنی پیازی[8] کے خوب ہاتھ نکالے۔ پھر ایک دفعہ خیابان ہی میں نواحِ برنادُ[9] میں خفیف سی لڑائی ہوئی۔ میر شاہ قوچین نے پیازی کے ہاتھ نکالے۔ میر شاہ قوچین کے اس طرح تلوار لگی کہ اُس کی آدھی گردن کٹ گئی۔ تاہم شہ رگ بچ گئی تھی۔

سمرقند پر حملہ اور شہر والوں کی دغا

انہی دنوں میں جبکہ ہم یورت خان میں تھے سمرقندیوں نے ایک آدمی بھیجکر ازراہِ فریب درخواست کی کہ غارِ عاشقاں کی طرف آیئے۔ ہم قلعہ حوالے کر دینگے۔ ہم لوگ اس خیال سے شب کو پل مغاک پر آئے

---

[1] لغت میں خیابان اُس عام تفرج گاہ کو کہتے ہیں جسکے راستہ پر دو رویہ درخت لگے ہوئے ہوں۔ اور جو بہت وسیع ہو ۱۲
[2] جس کو اس زمانہ میں چیف جسٹس کہتے ہیں ۱۲ [3] جان لیڈن نے میر شکار کا ترجمہ جادو اور نیرنگیات جاننے والا لکھا ہے ۱۲ [4] یورت خان یعنی خان کا مکان یا جگہ ۱۲ [5] چاپوق یعنی چرا ہوا چہرہ ۱۲ [6] ایک گاؤں کا نام ہے جو دریائے مغاک پر واقع ہے۔ یہ دریا سمرقند کے مائل بہ شرق بہتا ہے ۱۲ [7] کوہ پر ۱۲ [8] یہ ایک مضبوط لکڑی کا عصا ہوتا ہے جس کے ایک سرے پر فولاد کے گوٹے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بہت ہیبت ناک ہتھیار ہے۔ ہمارے ملک کے میواتی اور دیہاتی بانس کے لٹھ رکھا کرتے ہیں جن میں لوہے کے کڑے چڑھے ہوتے ہیں یا گنڈاسے جڑے ہوئے ہوتے ہیں غالباً پیازی بھی اسی قسم کا حربہ ہو ۱۲ [9] ترناؤ ۱۲

چندہ سواروں کا ایک دستہ اور کچھ پیدل مقام موعود پر پہنچ گئے۔ اندر والے چار پانچ پیدلوں ہی کو پکڑ کر لے گئے تھے کہ اور لوگ ہوشیار ہو گئے۔ یہ بڑے بہادر سپاہی تھے۔ جن میں سے ایک کا نام حاجی تھا۔ جو میرے بچپن سے میرے پاس رہا تھا۔ دوسرا محمود کوہ برسنگ تھا۔ ان سب کو مار ڈالا جن دنوں میں ہم اسی یورت میں تھے اُن دنوں میں سمرقند سے اہل شہر اور اہل بازار اس قدر آتے تھے کہ لشکر شہر نظر آتا تھا۔ جو چیز شہر سے لینی چاہو وہ لشکر میں لیلو۔ اسی زمانہ میں سمرقند کے علاوہ اور قلعوں، پہاڑوں اور جنگلوں کے رہنے والے ہمارے پاس آ گئے تھے۔ پہاڑ کے دامنہ میں قلعۂ ارکت کو وہاں والوں نے خوب جنگی کر لیا تھا۔ اس یورت سے ہمیں ارکت پر قبضہ کرنے کے لیے ضرور جانا پڑا مگر وہاں والے ہم سے مقابلہ نہ کر سکے۔ خواجہ قاضی کے توسّط سے حاضر ہو گئے۔ میں اُنکی خطا معاف کر کے سمرقند کا محاصرہ کرنے پھر چلا آیا۔

سنہ ۹۰۳ ہجری کے واقعات

سمرقند کا پھر آ کر محاصرہ کر لیا

باغ میدان کے پیچھے مرغزار قلبہ میں آ کر اُترنا ہوا۔ سمرقند کے لوگوں میں سے بہت سپاہی اور اہل شہر پل محمد حبیب کے قریب جمع ہوئے۔ اور ہم پر حملہ آور ہوئے۔ چونکہ ہماری فوج تیار نہ تھی اس لیے فوج کے درست ہونے تک سلطان علی اور بابا قلی کو مخالف پکڑ کر قلعہ میں لے گئے۔

ایک لڑائی

چند روز بعد ہم یہاں سے اُٹھے اور کوہک پہاڑ قلبہ کے قریب جا ٹھیرے۔ آج ہی سید یوسف بیگ سمرقند سے نکل کر یہاں میری ملازمت میں حاضر ہوا میں جو اس پڑاؤ سے اس پڑاؤ پر آ گیا تو سمرقندی سمجھے کہ میں اُلٹا پھر گیا۔ تمام سپاہی اور شہری پل میرزا تک اور شیخ زادہ دروازے سے پل محمد حبیب تک اُمنڈ آئے۔ میں نے حکم دیا کہ جو فوج موجود ہے تیار ہو جائے۔ اسی فوج نے دو طرف سے پل میرزا اور پل محمد حبیب پر حملہ کیا۔ خدا تعالےٰ نے میرا منصوبہ پورا کیا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اُنکے اچھے اچھے سردار اور سپاہی پکڑے گئے۔ جو لوگ پکڑے گئے اُن میں محمد مسکین تھا۔ حافظ دولدائی تھا جسکے تلوار لگ کر کلمہ کی اُنگلی کٹ گئی تھی۔ محمد قاسم نبیرہ (حسین نبیرہ کا چھوٹا بھائی) تھا۔ ادنے طبقہ کے لوگوں میں سے دیوانہ جامہ باف اور کل قاشق تھا۔ (یہ لوگ پتھر سے لڑنیوالوں کے سرغنہ تھے۔ اور بیباک شہدے تھے)۔ غرض ایسے بہت سے سپاہی اور شہر کے لوگ تھے جو پہچانے جاتے تھے۔ سمرقندوالوں کو یہ ایسی پوری شکست ہوئی کہ اس کے بعد شہریوں کا نکلنا موقوف ہو گیا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمارے آدمی خندق کے کنارے تک جانے لگے۔ اور بہت سے لونڈی غلام پکڑ کر لانے لگے۔

تجویزِ قشلاق

آفتاب برجِ میزان میں آیا اور سردی شروع ہوگئی۔ جو امراء صلاح کار تھے اُنسے مشورہ کرکے یہ بات قرار پائی کہ شہر والے سب عاجز ہو رہے ہیں۔ خدا چاہے تو آجکل میں ہم شہر لیے لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ سردی کی تکلیف کا خیال ہے اسلیے شہر کے قریب سے اُٹھ کر کسی قلعہ میں قشلاق کی تجویز کرنی چاہیے۔ اگر ہم کو چلا جانا ہی منظور ہوگا تو وہاں سے بے تردد ہم چلے جائیں گے قشلاق کے لیے خواجہ دیدار کا قلعہ مناسب معلوم ہوا۔ یہاں سے اُٹھکر اُس مرغزار میں جو قلعہ خواجہ دیدار کے سامنے ہے جا اُترے۔ قلعہ میں مکانات وغیرہ بنانیکے لیے مقامات تجویز کیے گئے۔ راج مزدور اور منتظم مقرر کرکے ہم چھاؤنی میں آگئے۔ قشلاقی مکانات تیار ہونے تک ہمارا کیمپ مرغزار ہی میں پڑا رہا۔

شیبانی کا آنا اور ناکام جانا

اس اثناء میں بائسنغر میرزا نے شیبانی خاں کے پاس ترکستان میں متواتر آدمی بھیجے اور اُسکو کمک کیلیے بُلایا۔ ہمارے قشلاقی گھر تیار ہوکر ہم اُن میں آئے ہی تھے کہ شیبانی خاں ترکستان سے مارا مار دوسرے دن صبح ہی ہمارے پڑاؤ پر آن موجود ہوا۔ ہمارا لشکر تتر بتر تھا۔ قشلاق کی فکر میں کچھ لوگ رباط خواجہ کچھ لوگ کاندادر کچھ شیراز گئے ہوئے تھے۔ جو فوج موجود تھی اُسی کو درست کرلیا گیا۔ شیبانی خاں ہمارا مقابلہ نہ کرسکا۔ سمرقند چلا گیا۔ اور سوادِ شہر میں جا اُترا۔ چونکہ بائسنغر میرزا کا مدعا نہ بر آیا اسلیے شیبانی خاں میں اور اُس میں پورا میل جول نہوا۔ شیبانی چند روز ٹھیرا مگر کچھ کام نہ نکلا۔ آخر مایوس ہوکر ترکستان کیطرف اُلٹا پھر گیا۔

بائسنغر میرزا سمرقند چھوڑ کر خسرو شاہ پاس چلا گیا۔

بائسنغر میرزا نے سات مہینے تک تکلیفِ محاصرہ اُٹھائی۔ اُس کو فقط شیبانی خاں کی مدد کی امید تھی۔ جب اُدھر سے مایوس ہوگیا تو ناچار دو تین سے ننگوں بھوکوں کے ساتھ خسرو شاہ کے پاس قندز میں چلا گیا۔ جس وقت ترمذ کی نواح میں دریائے آموں سے میرزا کا گزر ہوا اور سید حسین اکبر نے جو مسعود میرزا کا خویش اُسکا معتبر اور حاکم ترمذ تھا یہ خبر سُنی اُسی وقت وہ بائسنغر میرزا کے سر پر آدھمکا۔ میرزا تو دریا کے پار ہو چکا تھا مگر کچھ آدمی اور تھوڑا سا اسباب پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اُسکے ہاتھ لگا۔ میرم ترخان وہیں دریا میں ڈوب گیا۔ محمد طاہر نامی بائسنغر میرزا کا غلام گرفتار ہوگیا۔ بائسنغر میرزا سے خسرو شاہ اچھی طرح پیش آیا۔

سلطان حسین میرزا اور بدیع الزمان میرزا کی لڑائی

اسی سال میں سلطان حسین میرزا اور بدیع الزمان میرزا کے اُن جھگڑوں کا حال معلوم ہوا جنکا انجام یہ ہوا کہ دونوں باپ بیٹوں میں کھٹ پٹ ہوگئی۔ اسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ پچھلے سال بلخ اور استرآباد بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا کو سلطان حسین میرزا نے دیدیا تھا۔ اُس وقت تو اسپر دونوں کی رضامندی حاصل کرلی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ پھر جب سے اب تک بہت سے ایلچی آئے گئے۔ علی شیر بھی سفیر ہوکر آیا۔

اور اُس نے بہت کوشش کی لیکن بدیع الزمان میرزا اپنے چھوٹے بھائی کو استرآباد دینے پر راضی نہ ہوا۔ اُسنے صاف جواب دیدیا کہ میرے بیٹے مومن میرزا کا جب ختنہ ہوا ہی تو یہ شہر اُس کو عنایت ہوا تھا۔ ایک دن میرزا میں اور علی شیر بیگ میں ملاقات ہوئی۔ اُس موقع پر جو گفتگو ہوئی وہ میرزا کی تیزی اور علی شیر بیگ کی رقتِ قلب کی دلیل ہی۔ علی شیر بیگ نے بدیع الزمان میرزا کے کان میں کچھ بھید کی باتیں بہت چپکے سے کہیں۔ اور کہا کہ اِن باتوں کو یاد رکھنا۔ میرزا نے اُسی وقت کہا کونسی باتیں؟ علی شیر بیگ صورت دیکھنے لگا اور رو دیا۔ آخر باپ بیٹوں میں اتنی گفتگو بڑھی کہ باپ[1] نے باپ پر اور بیٹے نے بیٹے پر استرآباد اور بلخ میں فوج کشی کی یعنی مظفر حسین میرزا اور مومن میرزا کے جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ مظفر حسین میرزا کے باپ سلطان حسین میرزا نے محمد مومن میرزا کے باپ بدیع الزمان میرزا پر بلخ میں اور سلطان حسین میرزا کے بیٹے مظفر حسین میرزا نے بدیع الزمان میرزا کے بیٹے مومن میرزا پر استرآباد میں چڑھائی کر دی۔ کوروان کے نیچے سبزہ زار بیک چراغ میں نشیبی جانب سے سلطان حسین میرزا اور بالائی طرف سے بدیع الزمان میرزا کے مقابل

بدیع الزمان میرزا کی شکست

رمضان کی پہلی تاریخ بدھ کے دن ابو الحسن میرزا سرداران حسین میرزا میں سے چند سرداروں اور ایک دستۂ فوج کو ہمراہ لیکر دفعۃً سامنے آیا۔ کچھ بہت لڑائی نہ ہونے پائی تھی کہ بدیع الزمان میرزا کو شکست ہوئی۔ اُسکے اچھے اچھے سپاہی گرفتار ہو گئے۔ سلطان حسین میرزا نے سب کو مروا ڈالا۔ نہ صرف اسی موقع پر بلکہ جب کبھی اُس کے کسی بیٹے نے سرکشی کی اُسنے اُسکو شکست دی اور اُنکے نوکروں میں سے جو جو ہاتھ لگا اُسکو مروا دیا۔ سلطان حسین میرزا کیا کرتا۔ وہ حق پر تھا۔ یہ میرزا اس قدر عیش اور بدکاری میں مشغول ہوئے تھے کہ انکے باپ جیسے ہوشیار و تجربہ کار بادشاہ کو اتنی دور سے آنا پڑا اور رمضان جیسے متبرک مہینے میں گو ایک ہی رات کا فاصلہ رہ گیا تھا مگر اُسنے نہ باپ کا لحاظ کیا اور نہ خدا کا خوف کیا۔ اس کو شراب پینے۔ جلسے کرنے اور مزے اُڑانے سے کام رہا۔ یہ بندھی ہوئی بات ہے کہ ایسے شخص کو ایسی ہی شکست ہونی چاہیے۔ جو لوگ اس طرح عیش و نشاط کے بندے بنجاتے ہیں اُنپر ہر کوئی قابو پا جاتا ہے۔ استرآباد کی چند سالہ حکومت میں بدیع الزمان میرزا کے حواشی اور ملازم خوب زرق برق ہو گئے تھے۔ میرزا کے ہاں سونے اور چاندی کا سامان ڈھیروں ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے عمدہ عمدہ کپڑے اور تپچاق گھوڑے موجود تھے۔ بھاگتے وقت ساری کائنات یہیں چھوڑی اور پہاڑ کے ناہموار راستہ سے ایک خطرناک گھاٹی میں گھس گیا۔ اور بڑی مشکل سے یہاں سے نکلا۔ اس مقام پر اسکے بہت سے لوگ تلف ہو گئے۔

بلخ بھی لے لیا

سلطان حسین میرزا اپنے بیٹے کو شکست دینے کے بعد بلخ میں آیا۔ بدیع الزمان میرزا کی طرف سے بلخ کا حاکم شیخ علی طغائی تھا۔ اُس سے کچھ نہ ہو سکا۔ اُسنے بلخ کو حوالے کر دیا۔ سلطان حسین میرزا نے بلخ کو ابراہیم حسین میرزا کے سپرد کیا۔ محمد ولی بیگ اور شاہ حسین چہرہ کو اُسکے ساتھ چھوڑ کر آپ خراسان کی طرف مراجعت کی۔

[1] ایک نسخہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ (باپ نے بیٹے پر اور بیٹے نے باپ پر چڑھائی کر دی ۱۲)

بدیع الزمان میرزا اور خسرو شاہ کی ملاقات

بدیع الزمان میرزا اس شکست کے بعد لٹا کھٹا اپنے ہمراہیوں سمیت خسرو شاہ کے پاس قندز میں آیا خسرو شاہ نے بھی اُسکی بہت خاطر و تواضع کی۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ خیمے۔ ڈیرے اور تمام فوجی اسباب میرزا کو اور اُس کے ہمراہیوں کو اس قدر پیشکش کیا کہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس سامان اور پچھلے سامان میں کچھ فرق نہ تھا۔ شاید ہو تو سونے چاندی کے اسباب میں ہو۔

خسرو شاہ کا بدیع الزمان میرزا کو مسعود میرزا پر بھیجنا

سلطان مسعود میرزا اور خسرو شاہ میں میرزا کی بے اعتدالیوں اور خسرو شاہ کے اقتدار کے سبب سے پرخاش ہو گئی تھی۔ ولی اور باقی کو ہمراہ کیا اور بدیع الزمان میرزا کو سلطان مسعود میرزا کے مقابلہ کے لیے حصار روانہ کردیا۔ یہ لوگ قلعہ تک تو نہ پہنچ سکے مگر گرد نواح میں ایک دو مرتبہ جانبین میں کچھ تلوار چلی۔ ایک دفعہ حصار کے شمال کی طرف سے قوش خانہ کے مقام پر محب علی قورچی فوج سے علٰحدہ ہو کر آیا اور خوب لڑا۔ جس وقت اُسکو گھوڑے سے گرا کر لوگوں نے پکڑنا چاہا تو دوسری طرف سے ہمراہیوں نے حملہ کیا اور چھڑا لیا۔ کچھ دن بعد میرزا وغیرہ گرگ آشتی کرکے اُلٹے پھر آئے۔

بدیع میرزا کا ذوالنون پاس جانا

چند روز کے بعد بدیع الزمان میرزا پہاڑ کے راستہ سے قندھار اور زمین داور میں ذوالنون ارغون اور اُسکے بیٹے شاہ شجاع ارغون کے پاس چلا آیا۔ ذوالنون تھا تو بخیل اور خسیس مگر اُسنے میرزا کی بہت خدمت کی۔ ایک ہی دفعہ میں چالیس ہزار بکریاں پیشکش کیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس چارشنبہ کو سلطان حسین میرزا نے بدیع الزمان میرزا کو شکست دی اُسی چارشنبہ کو استرآباد میں مظفر حسین میرزا نے محمد مومن میرزا کو شکست دی۔ اور یہ اُس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ چارشنبہ نامی ہی ایک شخص محمد مومن میرزا کو گرفتار کر لایا۔

شہر سمرقند کا فتح ہونا

جونہی بائسنغر میرزا بھاگا وونہی ہمیں معلوم ہوگیا ہم فوراً خواجہ دیدار سے سمرقند کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں اکابر امراء اور سپاہی بھی پے در پے استقبال کیلئے آئے۔ قلعہ میں پہنچکر بستان سرائے میں جا اُترے۔ عنایتِ الٰہی سے ربیع الاوّل کے آخر میں شہر سمرقند مع توابعات مفتوح و مسخر ہوگیا۔

شہر سمرقند کا بیان

تمام عالم میں سمرقند کے برابر کوئی شہر لطیف نہ ہوگا۔ یہ ملک اقلیم پنجم میں ہے۔ اسکا طول بلد نوے درجہ چھ دقیقہ ہے۔ اور عرض بلد چالیس درجہ چھ دقیقہ۔ اس کے شہر کا نام سمرقند ہے اور اُسکے متعلقات کو ماوراء النہر کہتے ہیں۔ اور اِس اعتبار سے کہ کوئی غنیم اُسپر غالب نہیں آیا ہے اسکو بلدہ محفوظ کہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہاں والے اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ تابعین میں سے قثم ابن عباس وہاں گئے تھے۔ اُنکا مزار آہنی دروازے کے پاس ہے جو اب مزارِ شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ سمرقند کو سکندر نے بسایا تھا مغل اور ترک کے قبائل اسکو سمرکند کہتے ہیں۔ حضرت امیر تیمور نے اِسی کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ امیر تیمور سے پہلے امیر جیسے کسی شہنشاہ کا

یہ شہر دار السلطنت نہ بنا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ قلعہ کی فصیل کا گرداوالا[۱] قدم سے ناپا جائے۔ ناپا تو دس ہزار چھ سو قدم نکلا۔

سمرقند کے باشندے اور اہل کمال یہاں کے باشندے سب سُنّی پاک مذہب متشرع اور متدین ہیں۔ ہمارے حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد ائمہ اسلام جتنے ماوراءالنہر میں پیدا ہوئے ہیں اتنے کسی ولایت میں نہ پیدا ہوئے ہونگے۔ شیخ ابو المنصور ماتریدی جو علم کلام کے اماموں میں سے ہیں وہ ماترید کے رہنے والے تھے۔ ماترید سمرقند کے ایک محلہ کا نام ہے۔ ائمہ کلام کے دو فرقے ہیں۔ ایک ماتریدیہ دوسرا اشعریہ۔ ماتریدیہ شیخ المنصور سے منسوب ہے۔ خواجہ اسمٰعیل خرسک[۲] جو بخاری شریف کے جامع ہیں وہ بھی اسی ماوراءالنہر کے تھے۔ صاحب ہدایہ (حنفی مذہب میں ہدایہ سے بڑھکر فقہ کی کوئی کتاب کم معتبر ہوگی) مرغینان کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ ملک فرغانہ میں ہے اور فرغانہ بھی ماوراءالنہر میں داخل ہی جو ملک کی کنارے پر واقع ہے۔

حدود ماوراءالنہر کے مشرق میں فرغانہ اور کاشغر ہے۔ مغرب میں بخارا اور خوارزم۔ شمال میں تاشکند اور شاہرخیہ (جسکو شاش اور بناکت لکھتے ہیں) جنوب میں بلخ اور ترمذ ہے۔

دریا دریائے کوہک اسکے شمال میں سمرقند سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ سمرقند اور دریا کے بیچ میں ایک ٹیکرا ہی جسکو کوہک کہتے ہیں۔ چونکہ یہ دریا اس پہاڑ کے نیچے سے بہتا ہے اسلیے اسکا نام دریائے کوہک مشہور ہوگیا ہی۔ اس دریائے کوہک سے ایک بڑی ندی نکلی ہی۔ بلکہ وہ خاصا چھوٹا سا دریا ہی جسکو دریائے درغم کہتے ہیں۔ یہ ندی سمرقند کے جنوب میں بہتی ہی اور سمرقند سے ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہوگی۔ سمرقند کے باغات مقامات اور کئی پرگنے اسی ندی سے سیراب ہوتے ہیں۔ سمرقند سے بخارا اور قراکول تک تخمیناً چالیس کوس کا فاصلہ ہی۔ یہ سارا ملک دریائے کوہک ہی سے مزروع اور آباد ہی۔ اتنا بڑا دریا تمام زراعت اور عمارت ہی کے کام میں آجاتا ہی۔ گرمیوں میں تو یہ حال ہی کہ تین چار مہینے بخارا تک اُسکا پانی نہیں پہنچنے پاتا۔

میوے سمرقند میں انگور، خربوزہ، سیب۔ انار بلکہ سارے میوے عمدہ ہوتے ہیں اور بہت ہوتے ہیں سمرقند کے دو میوے مشہور ہیں سیب اور انگور صاحبی۔

موسم سردی یہاں خوب ہوتی ہی مگر کابل کی سی برف نہیں پڑتی ہوا اچھی ہے لیکن گرمیوں میں کابل جیسی نہیں ہوتی۔

سمرقند کے باغات اور عمارتیں سمرقند اور اُسکی نواح میں امیر تیمور اور الغ بیگ کی بنائی ہوئی عمارتیں اور باغ بہت سے ہیں۔ امیر تیمور نے ارک سمرقند میں ایک بڑا چومنزلہ محل بنایا ہے جسکا نام کوک سرائے مشہور ہے۔ یہ عمارت بہت عالیشان ہے۔ آہنی دروازہ کے پاس شہر میں ایک جامع مسجد سنگین بنائی ہے۔ بہت سے سنگتراشوں نے (جنکو وہ اپنے ساتھ ہندوستان سے لائے تھے) اس مسجد میں کام کیا ہے۔ اس مسجد کے پیش طاق میں یہ آیت شریفہ واذ یرفع ابراھیم القواعد الخ ایسے جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے کہ ایک کوس کے

[۱] جس کا محیط ۵ میل کا ہوا ہوگا ۱۲ [۲] خواجہ صاحب کی زندگی کا آخری حصہ چونکہ خرتنگ میں جو مضافات سمرقند سے ہے گزرا ہے اس لیے ان کو خرتنگی لکھتے ہیں ۱۲

فاصلہ سے پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی بہت بڑی عمارت ہے۔ سمرقند کے مشرق میں دو باغ امیر کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایک بہت فاصلہ پر ہے۔ اسکا نام باغ بولدی[1] ہے۔ دوسرا قریب ہی۔ اسکا نام باغ دلکشا ہے۔ باغ دلکشا سے فیروزہ دروازہ تک خیابان[2] ہے جسکے دونوں طرف صنوبر کے درختوں کی قطار ہے۔ دلکشا میں بھی ایک بڑا محل ہے۔ اس محل میں امیر کی ہندوستان والی لڑائی کی تصویر بنائی گئی ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامنہ میں سیاہ آب کان گل[3] کے کنارہ پر (جسکو دریائے رحمت کہتے ہیں) ایک اور باغ بنایا ہے۔ اسکا نام نقش جہاں ہے۔ جب میں نے دیکھا ہے تو وہ ویران پڑا تھا۔ نام ہی نام رہ گیا ہے۔ سمرقند کے جنوب میں باغ چنار ہے۔ یہ باغ شہر کے قریب ہی ہے۔ سمرقند سے نیچے کی جانب باغ شمال اور باغ بہشت ہے۔ محمد سلطان میرزا ابن جہانگیر میرزا نے جو امیر تیمور کا پوتا تھا قلعۂ سنگین کے دروازہ کے پاس ایک مدرسہ بنایا ہے۔ امیر تیمور کا مزار اور امیر کی اولاد میں سے جو سمرقند کا بادشاہ ہوا ہے اسکی قبر اسی مدرسہ میں ہی۔ الغ بیگ میرزا کی عمارتوں میں سے سمرقند کی شہرپناہ کے اندر مدرسہ اور خانقاہ ہے۔ خانقاہ کا گنبد بہت بڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا گنبد دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اسی مدرسہ اور خانقاہ کے پاس ایک حمام نہایت عمدہ بنا ہوا ہے۔ جو حمام میرزا کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا فرش ہر قسم کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ خراسان اور سمرقند میں اس قطع کا حمام شاید ہی دوسرا ہو۔ مدرسہ کے جنوب میں ایک مسجد ہے۔ اسکو مسجد مقطع کہتے ہیں۔ مقطع اس سبب سے نام رکھا گیا ہے کہ لکڑی کے ٹکڑے تراشکر انکو اسلمی اور خطائی نقشوں سے منقش کیا ہے۔ ساری دیواریں اور چھتیں اسی طرح کی ہیں۔ اس مسجد کے قبلہ میں اور مسجد مدرسہ کے قبلہ میں بہت فرق ہے۔ غالباً اس مسجد کے قبلہ کا رخ منجموں کے طریقہ پر رکھا گیا ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامنہ میں ایک اور بڑی عمارت رصد کی ہے جس سے زیچ لکھی جاتی ہے۔ یہ مکان سہ منزلہ ہے۔ الغ بیگ میرزا نے اسی رصد سے زیچ کورگانی لکھی ہے۔ آجکل دنیا میں اسی زیچ کا رواج ہے۔ دوسری زیچ پر کم عمل کیا جاتا ہے۔ اس زیچ سے پہلے زیچ ایلخانی رائج تھی۔ جسکو خواجہ نصیر نے ہلاکو خاں کے زمانہ میں مراغہ میں رصد بنا کر لکھا تھا۔ غالباً اس وقت تک دنیا میں سات آٹھ رصدوں سے زیادہ نہ تیار ہوئی ہوں۔ اُن میں سے ایک رصد خلیفہ مامون نے بنائی تھی جسپر زیچ مامونی لکھی گئی ہے۔ ایک بطلیموس[4] نے بھی بنائی تھی۔ ایک رصد ہندوستان میں ہے جو راجہ بکرماجیت کے زمانہ میں اُجین اور دھار (ملک مالوہ جس کو اب مندو کہتے ہیں) میں بنائی گئی تھی۔ اہل ہند کے ہندو آجکل اسی سے کام لیتے ہیں۔ اس کو بنے ہوئے ایک ہزار پانچ سو چوراسی برس ہوئے ہیں۔ اور زیچوں کی نسبت یہ زیچ بہت ہی ناقص ہے۔ اسی کوہک پہاڑ کے دامنہ میں مغرب کی طرف ایک اور باغ بنایا ہے۔ اسکا نام باغ میدان ہے۔ اس باغ میں ایک بڑا مکان بھی ہے۔ جسکو چہل ستون کہتے ہیں[5]۔ اسکے سارے ستون پتھر کے ہیں۔ اس عمارت کے چار برجوں میں چار مینار کی

[1] باغ بے عیب یعنی عمدہ باغ ۱۲
[2] جس راستہ پر دو رویہ درخت لگے ہوئے ہوں اور وہ عام تفرج گاہ ہو ۱۲
[3] سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ آب بڑے دریا سے مراد ہے ۱۲
[4] اس کا نام انگریزی میں پٹولمی ہے۔ جو علم جغرافیہ کا عالم تھا ۱۲
[5] اس کی دو منزلوں کے ستون پتھر کے ہیں ۱۲

صورت پر چار بُرج نکالے ہیں۔ اوپر چڑھنے کے راستے انہی برجوں میں سے ہیں۔ سب مقاموں میں پتھر ہی کے ستون ہیں۔ بعض ستون مارپیچ[1] قطع کے بنے ہوئے ہیں۔ اوپر کی منزل میں چاروں طرف دالان ہیں۔ اِس عمارت کی کرسی اور فرش تمام سنگین ہے۔ اسکے اُس طرف جدھر کوہک پہاڑ ہے ایک باغیچہ ہے اُس میں ایک بڑی بارہ دری بنائی ہے۔ بارہ دری میں ایک بڑا سنگین تخت رکھا ہے۔ اس تخت کا طول تخمیناً چودہ پندرہ گز کا۔ عرض سات آٹھ گز کا۔ اور اونچان ایک گز کی ہے۔ اس اتنے بڑے پتھر کو بڑی دور سے لائے ہیں۔ اس میں ایک درز پڑ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ درز یہاں لانیکے بعد پڑی ہے۔ اِسی باغ میں ایک اَور چوہ دری ہے۔ اُسکی تمام دیواروں پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اسکو چینی خانہ کہتے ہیں مُلکِ خطا[2] سے آدمی بھیجکر اسکو منگوایا تھا۔ شہر کے اندر ایک اور پُرانی عمارت ہے۔ جسکو مسجد لقلقہ کہتے ہیں۔ اِس میں یہ عجیب صنعت ہے کہ مسجد کے صحن میں اگر لات مارو تو لق لق کی آواز آتی ہے۔ اس بھید کو کوئی نہیں جانتا۔ سلطان احمد میرزا کے زمانہ میں بھی ہر طبقہ کے امرا نے بہت سے باغ و باغیچے بنائے تھے۔ اُن میں سے درویش محمد ترخان کا چارباغ اپنی طرز۔ صفائی اور ہوا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ باغ میدان کے نیچے کی جانب ایک بلندی پر جو قلبہ کے مرغزار کے اوپر واقع ہے بنایا ہے۔ تمام باغ جو اس مرغزار میں ہیں وہ اس باغ کے زیر پا ہیں۔ چارباغ کے درجے بھی ترکیب کے ساتھ بنائے ہیں۔ نارون[3]۔ سرو اور سفیدار کے درخت لگائے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی عمدہ ہے۔ صرف عیب اتنا ہے کہ کوئی بڑی نہر اُس میں نہیں ہے۔ شہر سمرقند عجب ایک آراستہ شہر ہے۔ اُس میں ایک خصوصیت یہ ہے جو اور شہروں میں کم ہو گی کہ ہر پیشے والوں کے بازار الگ الگ ہیں۔ مخلوط نہیں ہیں۔ یہ اچھی رسم ہے۔ نان بائیوں اور آش پزوں کی دوکانیں بہت عمدہ ہیں۔ سمرقند کا کاغذ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور تمام عالم میں جاتا ہے۔ کاغذ کے کارخانے جنکو جدازہ کہتے ہیں مقام کان گل میں ہیں۔ اور کان گل سیاہ آب کے کنارے پر ہے۔ جس کو آبِ رحمت بھی کہتے ہیں۔ سمرقند کی عمدہ اشیاء میں سے دوسری چیز مخمل قرمزی ہے اسکو بھی دور دور لیجاتے ہیں۔

سوادِ شہر کے مرغزار

شہر کے گرداگرد بہت سے عمدہ سبزہ زار ہیں۔ ایک سبزہ زار کان گل کے نام سے مشہور ہے جو سمرقند سے کوئی کوس بھر شرعی کے فاصلہ پر مشرق میں ذرا مائل بشمال واقع ہے۔ سیاہ آب جس کو دریائے رحمت کہتے ہیں کان گل کے بیچ میں سے جاری ہے۔ یہاں سات آٹھ آسیا پانی ہوگا۔ اِسکے گِرد بالکل دلدل رہتی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اِس سبزہ زار کا اصلی نام کان آبگیر تھا۔ مگر تاریخوں میں کان گل ہی لکھا دیکھا ہے۔ سمرقند کے پادشاہوں نے ہمیشہ قورق[4] کی طرح اس سبزہ زار کی حفاظت کی ہے۔ ہر سال مہینے دو مہینے اس میں ضرور آ کر رہتے ہیں۔ اس مرغزار کے اوپر کی جانب مشرق وجنوب کے بیچ میں دوسرا مرغزار ہے۔ اسکو یورت خان[5] کہتے ہیں جو سمرقند کے مشرق میں ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہوگا۔ دریائے سیاہ اُس میں ہوتا ہوا کان گل میں جاتا ہے۔

ف [1] کچھ مارپیچ۔ کچھ بانس اور بعض دوسری نقاص قطع کے ہیں ۱۲ [2] شمالی چین ۱۲ [3] انار کی قسم ہے جسکو گلنار کہتے ہیں اسکا پھول بڑا بزاہ ہوتا ہے گل کے پھول جیسا۔ ایک درخت کا بھی نام ہے جو نہایت خوبصورت اور گھنا ہوتا ہے ۱۲ [4] وہ مقام جہاں جاڑے کا موسم گزارتے ہیں ۱۲ [5] خان کے اُترنے کا مقام ۱۲

اس یورت خان میں دریائے سیاہ اِس طرح چکر کھا کر بہتا ہے کہ اس چکر کے اندر کی زمین میں خاصا ایک لشکر اُتر سکتا ہے۔ اُس کے نکلنے کے راستے بہت تنگ ہیں۔ اس مقام کو عمدہ خیال کر کے سمرقند کے محاصرہ کے زمانہ میں کئی بار ہمکو یہیں اُترنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ایک سبزہ زار قوروغ بودنہ ہے یہ باغ دلکشا اور سمرقند کے بیچ میں واقع ہے۔ ایک مرغزار کول مغاک ہے۔ سمرقند سے مغرب کی طرف کسی قدر مائل بشمال دو کوس شرعی کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بھی اچھا مرغزار ہے۔ اس کے ایک طرف بڑا تالاب ہے۔ اسی سبب سے اسکا نام اولانک کول مغاک مشہور ہوگیا ہے۔ محاصرۂ سمرقند کے زمانہ میں جب میرا لشکر یورت خان میں تھا تو سلطان علی میرزا اسی کول مغاک مرغزار میں پڑا ہوا تھا۔ ایک اور سبزہ زار قلبہ ہے۔ یہ بہت چھوٹا سا ہے۔ اس کے شمال میں موضوع قلبہ اور دریائے کوہک ہے۔ جنوب میں باغ میدان اور چہار باغ درویش محمد ترخان اور مشرق میں پشتۂ کوہک ہے۔

سمرقند کے پرگنے

سمرقند کے پرگنے اور علاقے نہایت عمدہ ہیں۔ بڑا علاقہ سمرقند کے قریب بخارا ہے۔ جو سمرقند کے مغرب میں پانچ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ بخارا کے تحت میں بھی کئی پرگنے ہیں۔ بخارا ایک اچھا شہر ہے۔ اس میں میوے تحفہ اور بکثرت ہوتے ہیں۔ خربوزہ کا تو کیا کہنا ہے۔ ماوراءالنہر میں بخارا جیسا اچھا اور کثرت سے خربوزہ کہیں نہیں ہوتا۔ گو ملکِ فرغانہ میں آخشی کا ایک قسم کا خربوزہ جس کو میر تیموری کہتے ہیں بخارا کے خربوزہ سے بہت میٹھا اور لطیف ہوتا ہے لیکن بخارا میں ہر قسم کا خربوزہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ اور عمدہ ہوتا ہے۔ آلو بخارا وہاں کا مشہور ہے۔ بخارا کا سا آلو کہیں ہوتا ہی نہیں۔ اُسکا پوست چھیل کر اور خشک کر کے جا بجا تحفۃً لیجاتے ہیں۔ تلئین کی یہ اچھی دوا ہے۔ یہاں پرندے اور قازیں بہت ہوتی ہیں۔ ماوراءالنہر میں بخارا سے بڑھکر کہیں کی شراب تیز اور تند نہیں ہوتی۔ میں جس زمانہ میں سمرقند میں تھا اور شراب بھی پیتا تھا تو بخارا ہی کی شراب پیتا تھا۔ دوسرا علاقہ خطۂ کیش سمرقند کے جنوب میں نو فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ سمرقند اور کیش کے بیچ میں ایک پہاڑ واقع ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں اسکا نام کوہ تن لکھا ہے۔ جو پتھر کہ سنگ تراشی کے کام میں لاتے ہیں وہ اسی پہاڑ سے نکالتے ہیں۔ موسم بہار میں تمام جنگل اور شہر کے در و دیوار تک بہت ہی سرسبز ہوجانے سے اس کو شہر سبز کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت الامیر تیمور کا وطن مالوف یہی شہر تھا اس لیے اُنہوں نے اس کو دار السلطنت بنانے کی طرف بہت توجہ کی تھی۔ اس میں بڑی بڑی عمارتیں بنائی ہیں۔ اپنے دربار کرنے کے لیے ایک عالیشان پیش طاق بنایا ہے۔ اس پیش طاق کے دائیں بائیں جانب اس سے چھوٹے دو پیش طاق بنائے ہیں جن میں امراء اجلاس کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اِس دیوانخانہ کے ہر ضلع میں اہلِ مقدمات کے واسطے اور چھوٹے چھوٹے دالان بنائے ہیں۔ بڑے پیش طاق جیسا عالیشان پیش طاق دنیا میں کم ہوگا۔ کہتے ہیں کہ طاقِ کسریٰ[۵] سے بھی یہ بہت

[۱] جان لیڈن نے اولانک قوروغ لکھا ہے ۱۲ [۲] تقریباً سو میل ۱۲ [۳] بخارا کے تحت میں سات ضلعے ہیں اور چھ ضلع

بڑھا ہوا ہے۔ کیش میں ایک مقبرہ اور ایک مدرسہ بھی بنایا ہے۔ جہانگیر میرزا[1] کی اور امیر کی بعض اولاد کی قبریں اسی میں ہیں۔ چونکہ سمرقند کی طرح کیش میں شہر بننے کی قابلیت نہ تھی اسلیے آخر سمرقند ہی دارالخلافت مقرر رہا۔ ایک علاقہ قرشی ہے۔ اس کو نسف اور نخشب بھی کہتے ہیں۔ قرشی مغلی زبان کا لفظ ہے۔ مغلوں کی زبان میں قبرستان کو قرشی کہتے ہیں۔ شاید چنگیز خاں کے تسلط کے بعد اسکا یہ نام زبان زد ہوگیا۔ پانی یہاں بہت کم ہے۔ یہاں کی بہار کا موسم نہایت اچھا ہوتا ہے۔ خربوزے کی زراعت کثرت سے ہوتی ہے۔ یہ علاقہ سمرقند کے جنوب میں مائل بہ مغرب اٹھارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ باغوی قرا جانور کی صورت کا یہاں ایک جانور ہوتا ہے اُس کو قیل قویہ وغ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ جانور اس ملک میں بے شمار ہوتا ہے اسلیے یہاں اسکا نام مرغک قرشی مشہور ہوگیا ہے۔ ایک خراز کا علاقہ ہے۔ ایک علاقہ کرمنیہ کا ہے۔ سمرقند اور بخارا کے درمیان میں ایک علاقہ قراکول ہے۔ جو بنسبت اوروں کے دریا سے بہت نشیبی جانب میں بخارا سے سات فرسنگ مغرب اور شمال کے درمیان میں ہے۔ اس میں بہت سے پرگنے ہیں۔ ایک پرگنہ سغد ہے۔ اسکے متصل بہت سے پرگنے ہیں۔ انکی ابتدا یار یلاق سے ہے۔ اور انتہا بخارا تک ہے۔ انکے راستہ میں ایک فرسنگ بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی گانوں آباد نہ ہو۔ یہ مشہور ہے کہ امیر تیمور فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک باغ ہے جسکا طول تیس فرسنگ کا ہے۔ یہ اشارہ انہی پرگنوں سے تھا۔ ایک پرگنہ شادوار ہے۔ شہر اوجالی شہر سے ملا ہوا۔ یہ بہت اچھا پرگنہ ہے۔ ایک جانب اسکے وہ پہاڑ ہے جو شہر سبز اور سمرقند کے بیچ میں ہے۔ اسکے دیہات اسی پہاڑ کے دامنہ میں بستے ہیں۔ دوسری طرف دریائے کوہک ہے۔ یہاں ہوا نہایت عمدہ۔ صفائی اچھی۔ پانی کثرت سے اور جنس سستی ہے۔ جن لوگوں نے مصر اور شام کو دیکھا ہے وہ بھی اس جگہ کو بے نظیر بیان کرتے ہیں اگرچہ اور جگہیں بھی ہیں مگر ایسی نہیں ہیں جنکا ہم ذکر کیا ہے۔

اولادِ تیمور میں سے سمرقند کے بادشاہ

امیر تیمور نے سمرقند کا حاکم اپنے بیٹے جہانگیر میرزا کو کیا تھا۔ جہانگیر میرزا کے مرنے کے بعد اُسکے چھوٹے بیٹے کو حاکم کیا۔ اسکے انتقال کے بعد اسکے بڑے بیٹے محمد سلطان کو یہاں کی حکومت دی تھی شاہرخ میرزا نے سارا ملک ماوراء النہر اپنے بڑے بیٹے الغ میرزا کو دیا تھا۔ الغ بیگ میرزا سے اُس کے بیٹے عبد اللطیف میرزا نے لیا۔ اور اس ہیچ روزہ بے ثبات دنیا کے لیے اپنے دانشمند اور بڈھے باپ کو شہید کیا۔ الغ بیگ میرزا کے مرنے کی تاریخ اچھی لکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے ؎

[1] ان کا نام غیاث الدین جہانگیر میرزا تھا۔ یہ امیر کے بڑے بیٹے تھے اور امیر کے سامنے ان کا انتقال ہوا تھا ۱۲ [2] جس زمانہ میں ایشیا میں مسلمان ہی مسلمان حکومتیں نظر آتی تھیں اُس زمانہ میں ایشیا کے یہ چار مقام مشہور تھے۔ ۱ شعب بوان ۲ سغد سمرقند ۳ غوطہ دمشق ۴ مصلائے شیراز ۱۲ [3] جہانگیر میرزا کے مرنے کے بعد اُسکے بڑے

الغ بیگ بحر علوم و حنرد | کہ دنیا و دیں را از و بود پشت
ز عباس شہد شہادت چشید | شدش حرف تاریخ عباس کُشت

عبد اللطیف نے بھی پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطنت نہیں کی۔ چنانچہ یہ بیت مشہور ہی ہے

پدر کش بادشاہی را نشاید | اگر شاید بجز شش مہ بپاید

اس کے مرنے کی تاریخ بھی اچھی لکھی گئی ہے

عبد اللطیف خسرو جمشید فر کہ بود | در سلک بندگانش فریدون نہ دہشت
بابا حسین کُشت شب جمعہ اش بہ تیر | تاریخ ایں نویس کہ بابا حسین کُشت

عبد اللطیف میرزا کے بعد عبد اللہ میرزا (ابراہیم سلطان میرزا کا بیٹا شاہرخ میرزا کا پوتا۔ اور الغ بیگ میرزا کا داماد) تخت پر بیٹھا۔ یہ میرزا ڈیڑھ برس یا قریب دو برس کے بادشاہ رہا ہوگا۔ اسکے بعد سمرقند کو سلطان ابو سعید میرزا نے لے لیا۔ اور اپنے جیتے جی اپنے بڑے بیٹے سلطان احمد میرزا کو دیدیا تھا۔ سلطان ابو سعید میرزا کے انتقال کے بعد سلطان احمد میرزا سمرقند کا بادشاہ ہوا۔ جب سلطان احمد میرزا فوت ہو گیا تو سلطان محمود میرزا تخت نشین سمرقند ہوا۔ سلطان محمود میرزا کے بعد بائسنغر میرزا کو تخت پر بٹھایا۔ ترخانیوں کے فساد میں بائسنغر میرزا کو تخت سے اُتار دیا۔ اور اُس کے چھوٹے بھائی سلطان علی میرزا کو دو ایک دن کے لیے بٹھا دیا۔ اسکے بعد پھر وہی بائسنغر میرزا بادشاہ ہو گیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ بائسنغر میرزا سے میں نے چھینا آیندہ کے واقعات میں اسکے اور حالات لکھے جائیں گے۔

سمرقند کے تخت پر بیٹھتے ہی میں نے وہاں کے امرا کے ساتھ گزشتہ زمانہ کی طرح عنایت و مہربانی کرنی شروع کی۔ جو امرا میرے ہمراہ تھے اُنکے ساتھ بھی اُنکے موافق سلوک کیا۔ سلطان احمد تنبل کے ساتھ بہت سی رعایت کی گئی۔ اوسط درجہ کے امیروں میں تھا۔ میں نے اُسکو بڑے درجہ کے امیروں میں کر دیا۔ سمرقند کا سات مہینے محاصرہ رہا۔ اور بڑے تردد سے اُسکو فتح کیا۔ اِس فتح میں کچھ لوٹ اہل لشکر کے ہاتھ نہ لگی۔ سمرقند کے علاوہ تمام ملک میرا مطیع ہو گیا تھا۔ یا سلطان علی میرزا کا۔ جو ملک ہمارا ہو گیا تھا اُس کو ہم تباہ نہ کر سکتے تھے۔ اور جو ملک لُٹ کھٹ گیا تھا بھلا اُس سے کچھ وصول ہی کیونکر کیا جا سکتا تھا۔ جو کچھ لشکر والوں کے پاس تھا وہ ہو چکا۔ اور جب سمرقند فتح ہوا ہی تو اُسکا یہ دہاڑا تھا کہ اُلٹی تخم و تقاوی کی احتیاج تھی۔ ایسی صورت میں وہاں سے کوئی لے ہی کیا سکتا تھا۔ ان باعثوں سے لشکر والے بالکل ٹوٹ گئے۔ اور ہم بھی اُنکو کچھ نہ دے سکے۔ لوگوں کو اپنے گھر بھی یاد آنے لگے۔ ایک ایک دو دو کھسکنے لگے۔ سب سے اوّل جان قلی بیان نے بھاگنے میں پہل کی۔ پھر ابراہیم بیگ چک نے چلدیا۔ اسی طرح سارے مغل بھاگ گئے۔ اس فساد کے فرو کرنے کے لیے خواجہ قاضی

بھی نہ رہا۔ یہ اس نمک حرام منافق کی انتہا درجہ کی نامردی تھی۔ اور یہ باتیں جو بیان ہوئی ہیں صرف اُسنے اپنے بچانیکے لیے گھڑلی تھیں۔

خواجہ مولانا قاضی کا حال

جب مخالف اندجان لے چکے تو خجند میں میرے آجانیکی خبر پہنچی۔ اس خبر کے سُنتے ہی مولانا قاضی کو بڑی بے عزتی سے ارک کے دروازہ میں پھانسی دیکر شہید کر دیا۔ خواجہ مولانا قاضی کا نام عبداللہ تھا۔ اور عرف خواجہ مولانا تھا۔ باپ کی طرف سے اُن کا نسب شیخ برہان الدین قلیچ تک پہنچتا ہے اور ماں کی جانب سے سلطان الملک ماضی تک۔ ملکِ فرغانہ میں اس خاندان کے لوگ پیشوا۔ شیخ الاسلام اور قاضی رہے ہیں۔ خواجہ مولانا حضرت خواجہ عبیداللہ کے مرید تھے۔ انہی سے تربیت پائی تھی۔ مجھ کو خواجہ قاضی کے ولی ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ اُنکی ولایت کا اِس سے بہتر اور کیا ثبوت ہوگا کہ جو لوگ اُنکے شہید کرنے میں شریک تھے تھوڑے ہی دنوں میں سب کا نام و نشان نہ رہا۔ مولانائے مرحوم عجب شخص تھے۔ ڈر اور خوف تو اُن میں نام کو نہ تھا۔ ایسا دلیر آدمی دیکھا نہ سُنا۔ یہ صفت بھی ولایت کی دلیل ہے۔ دنیادار کیسے ہی بہادر ہوں مگر کچھ نہ کچھ دھڑکا اور اندیشہ رہتا ہی ہے۔ خواجہ اس سے بالکل پاک تھے۔ خواجہ کے شہید ہونے کے بعد خواجہ کے نوکروں۔ عزیزوں اور لونڈی غلاموں کو ظالموں نے گرفتار کرلیا اور لوٹ لیا۔

پریشاں حالی

میری والدہ اور نانی صاحبہ کو مع اُن لوگوں کے بال بچوں کے جو میرے ہمراہ تھے خجند میں میرے پاس بھیجدیا۔ اندجان کے لیے سمرقند چھوڑا تھا۔ اندجان بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اب ہمارا یہ حال ہے کہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ جس دن سے میں بادشاہ ہوا تھا اس طرح آدمیوں سے اور مُلک سے علیحدہ نہ ہوا تھا۔ اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا ایسا رنج اور ایسی مشقت نہ اُٹھائی تھی۔ اس سبب سے مجھے بڑا صدمہ تھا۔ بعضے منافقوں کو میری سرکار میں خلیفہ کا رہنا کھٹکتا تھا۔ محمد حسین میرزا وغیرہ نے خلیفہ کو تاشکند بھیجنے پر اصرار کیا۔

مدد کیلیے سلطان محمود خاں کا آنا اور اُلٹا پھر جانا

میں نے مجبوراً قاسم بیگ کو خان کے پاس تاشکند بھیجا اور اُن سے اندجان پر چڑھائی کرنے کی استدعا کی۔ خان بھی لشکر فراہم کرکے خلکہ آہنگران کی طرف آیا۔ جب وہ کندزلیک اور امانی کے نیچے اترا تو میں بھی خجند سے آیا اور اپنے خان دادا سے ملا۔ کندزلیک اور امانی کو فتح کرکے اخشی کیطرف آاُترے۔ مخالف بھی اُس طرف سے لشکر جمع کرکے اخشی پر آگئے۔ اس وقت میرے چند طرفداروں نے میرے آنے کی امید میں قلعۂ پاپ پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن خان کے چلے جانے کے خیال سے مخالفوں نے قلعۂ پاپ کو زبردستی چھین لیا۔ خان کے اور سب اخلاق و اطوار تو اچھے تھے مگر سپاہ گری اور

لعہ سلطان ابوالملک یا سلطان الملک ۱۲ ؎ جبکہ میں خجند میں تھا ۱۲ ؎ خان کا۔ جو میرا ماموں ہے ۱۲ ؎ مقام۔ مکان۔ مرغزار اور وادی ۱۲ ؎ یہ چھوٹی بستیاں کندزلیک اور امانی تاشکند اور اخشی کے بیچ میں کوہستانی پہاڑوں اور دریا کے دامن میں واقع ہے ۱۲

سرداری کی لیاقت نہ تھی۔ ایسے موقع پر کہ اگر ایک منزل بھی اور آگے بڑھ جائیں تو بغیر لڑے بھڑے ہی ملک ہاتھ آجائے دشمنوں کی فریب آمیز باتوں میں آکر خان نے صلح کی ٹھیرادی۔ اور خواجہ ابوالمکارم کو مع بیگ تلبہ کے جو تنبل کا بڑا بھائی اور اُن دنوں میں خان کا داروغۂ دیوانخانہ تھا ایلچی بناکر بھیجدیا۔ دشمنوں نے اپنے بچاؤ کے لیے کچھ جھوٹی سچّی باتیں ملاکر خان کو اور بیچ والوں کو کسی قدر رشوت دینی قبول کرلی۔ خان نے اُسی پر اکتفا کیا اور اُلٹا پھر گیا۔

لوگوں کا چلا جانا

میرے ساتھ والے امراء اور سپاہی جو تھے اُن میں سے بہتوں کے گھر بار اندجان میں تھے۔ جب یہ لوگ اندجان لینے سے مایوس ہوگئے تو چھوٹے بڑے امراء اور سپاہی سات آٹھ سو آدمیوں کے قریب میرے پاس سے چلے گئے۔ جانیوالے امراء میں سے علی درویش بیگ۔ علی مزید قوچین۔ محمد باقر بیگ۔ شیخ عبداللہ ایشک آغا اور سیرم لاغری تھے۔ میرے شریک حال اچھے بُرے کوئی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم آدمی رہ گئے۔ ان میں امراء یہ تھے۔ قاسم بیگ قوچین۔ ویس لاغری۔ ابراہیم ساروی منکلیغ۔ شیرم طغائی اور سیدیم قرا مصاحبوں اور اہل خدمت میں سے یہ لوگ رہ گئے۔ میر شاہ قوچین۔ سید قاسم ایشک آغا جلائر۔ قاسم عجب۔ محمد دوست۔ علی دوست طغائی۔ مبشر۔ خدابیردی توغچی مغل۔ یارک طغائی۔ سلطان قلی۔ باباقلی۔ پیرویس۔ شیخ ویس۔ یارعلی۔ بلال۔ قاسم میر آخور اور حیدر رکابدار۔ اس وقت مجھے بڑا ہی صدمہ ہوا۔

سمرقند پر بارِ دگر چڑھائی

بے اختیار ہوگیا اور خوب رویا۔ میں خجند میں چلا آیا۔ میری والدہ اور میری نانی اور میرے ہمراہیوں کے اہل وعیال کو خجند میں میرے پاس بھیجدیا تھا۔ یہ رمضان کا مہینہ ہم نے خجند میں گزارا۔ سلطان محمود خان کے پاس آدمی بھیجکر کمک مانگی۔ اور سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ خان نے اپنے بیٹے سلطان محمد خاں اور احمد بیگ کو پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ سمرقند پر چڑھائی کرنیکے لیے معین کیا۔ اور خود بھی اوراتیپہ تک آگیا۔ میں وہاں خان سے ملا۔ اور یار ایلاق کے راستہ سے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمد خان اور احمد بیگ دوسرے راستہ سے مار ایلاق میں پہلے سے آگئے تھے۔ میں بورکہ ایلاق کے راستہ سے بشکزار میں جو یار ایلاق میں ایک بڑا شہر اور وہاں کے حاکم کا مستقر ہے آیا۔ سلطان محمد اور احمد بیگ شیبانی خاں کے آنے اور اُس کے شیرانہ و نواحِ شیراز کے تاراج کرنے کی خبر سُنکر اُلٹے پھر گئے۔ اب ضرور ہوا کہ میں بھی خجند کو اُلٹا پھر جاؤں۔

تاشکند کی طرف جانا

جب سلطنت لینے کا خیال اور مُلک گیری کا دعوٰے ہو تو ایک دو مرتبہ کے ناکام رہنے سے دل نہیں چھوڑا جاتا۔ اندجان لینے کے خیال سے مدد طلب کرنیکے لیے میں خان کے پاس تاشکند گیا شاہ بیگم اور اَور عزیز واقارب سے ملے ہوئے سات آٹھ

۱؎ داروغہ دیوانخانہ۔ چیمبرلین۔ ناظر۔ خوجہ سے مراد نہیں ہے ۱۲ ۲؎ سیدیم قرابیگ ۱۲ ۳؎ محمد علی مبشر ۱۲ ۴؎ نشان بردار ۱۲

۵؎ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ نام نہیں ہے ۱۲ ۶؎ داروغۂ اصطبل ۱۲ ۷؎ سنگزار ۱۲ ۸؎ شاہ بیگم یونس خاں کی دوسری بیوی ۱۲

برس ہو گئے تھے۔ اس بہانہ سے اُنسے بھی مل لیا۔ تھوڑے دن بعد سید محمد میرزا دوغلت۔ ایوب بیگ چاک اور جان حسن بارین کو سات سے آٹھ سے فوج کے ساتھ خان نے کمک کے لیے معین کیا۔ اس کمک کو ساتھ لیے ہوئے میں خجند میں آیا۔ اور آتے ہی نسوخ پر۔ جو خجند سے دس فرسنگ ہی چڑھائی کرنیکے لیے بلا توقف چل کھڑا ہوا۔ کند بادام کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑا اور راتوں رات رستہ طے کرکے نسوخ جا پہنچا۔ اور سیڑھیاں لگا کر اچانک اُس کو لے لیا۔ خربوزوں کی فصل تھی۔ نسوخ میں ایک قسم کا خربوزہ ہوتا ہے جس کو اسمٰعیل شیخی کہتے ہیں۔ اُسکا پوست زرد کیمخت جیسا بیج تخمینًا سیب کے بیج کے برابر اور گودا چار انگل ہوتا ہے۔ عجب مزہ کا خربوزہ ہے۔ اُس نواح میں ایسا خربوزہ نہیں ہوتا۔ دوسرے دن امرائے مغول نے عرض کیا کہ ہمارے پاس فوج بہت تھوڑی ہے اس ایک قلعہ کے لینے سے کیا کام چلیگا۔ بیشک یہ بات ٹھیک تھی۔ پس وہاں ٹھیرنا اور قلعہ کو مضبوط کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا۔ اور ہم خجند کی طرف واپس چلے آئے۔

خسروشاہ وغیرہ کا ذکر

اسی سال خسروشاہ نے بایسنغر میرزا کو ہمراہ لیکر فوج کشی کی۔ اور چغانیان میں آکر از راہ فریب سلطان مسعود میرزا کے پاس ایلچی بھیجا کہ تم بھی آؤ ہم تم سمرقند پر حملہ کرینگے۔ اگر سمرقند فتح ہوگیا تو ایک میرزا سمرقند میں رہے اور ایک حصار میں سلطان مسعود میرزا کی فوج اور امراء وغیرہ سب اُس سے آزردہ خاطر تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شیخ عبداللہ برلاس جو بایسنغر میرزا کے پاس سے سلطان مسعود میرزا پاس گیا تو چونکہ وہ میرزا کا خسر تھا اسلیے اُس کی بڑی خاطر ہوئی۔ اگرچہ حصار کی ریاست چھوٹی سی تھی مگر اُسکے لیے ہزار تومان فلوس تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور ختلان کا علاقہ دربست اُس کو دیدیا۔ ختلان سلطان مسعود میرزا کے بہت سے امراء اور ملازموں کی جاگیر و تنخواہ میں تھا۔ یہ اُسپر قابض ہوگیا۔ اور اُس کے دونوں بیٹے مسعود میرزا کی سرکار کے بالکل مالک اور مختار بنگئے۔ جو لوگ بددل ہوگئے تھے وہ بھاگ بھاگ کر بایسنغر میرزا کے پاس آنے لگے۔

حصار چھن گیا

خسروشاہ اور بایسنغر میرزا نے سلطان مسعود میرزا کو فریب آمیز باتوں ہی غافل کرکے چغانیان سے جھٹ پٹ چل کھڑے ہوئے اور حصار پر حملہ کرکے نقارہ[2] کے وقت اُس کو چھین لیا۔ سلطان مسعود میرزا شہر کے باہر قریب شہر ایک محل میں تھا جس کا نام دولتسرا ہے اور جسکو اُس کے باپ نے بنایا تھا۔ میرزا یہاں سے قلعہ میں نہ پہنچ سکا۔ شیخ عبداللہ برلاس کو ساتھ لیکر ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ راستہ میں شیخ عبداللہ برلاس سے بچھڑ گیا۔ اور ایو باج[3] کی راہ سے ہوتا ہوا سلطان حسین میرزا کے پاس چلا گیا۔ حصار کے فتح ہوتے ہی خسروشاہ نے بایسنغر میرزا کو حصار میں رکھا۔ اور ختلان اپنے چھوٹے بھائی ولی کو دیدیا۔

[1] جان لیڈن کے ترجمہ میں نہیں ہے ۱۲ [2] اُس زمانہ میں دستور تھا اور اب بھی ریاستوں میں دستور ہے کہ توپخانہ میں رات کے بارہ بجے اور صبح کے وقت نقارہ بجتا ہے جیسا کہ انگریزی فوج میں چھ گھڑی کی توپ چھٹتی اور نماز کے وقت انگریزی باجا بجتا ہے ۱۲ [3] ایو باج یہ مشہور راستہ دریائے آمو پر قبادین کے اوپر کی جانب ہے ۱۲

خسروشاہ نے بلخ لینے کا ارادہ کیا

چند روز کے بعد خسروشاہ بلخ لینے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ پہلے اپنے ایک سردار نظر بہادر کو تین چار ہزار فوج کے ساتھ بلخ کی طرف بھیجا۔ پھر چار دن کے بعد بایسنغر میرزا کو لیکر خود بھی آگیا۔ اور بلخ کو گھیر لیا بلخ میں ابراہیم حسین میرزا اور سلطان حسین میرزا کے اکثر امراء موجود تھے۔ خسروشاہ نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک بڑا لشکر دیکر شبرغان[1] پر حملہ کرنے اور اُس کی نواح کو تاراج کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ولی گیا اور پاس سے بھی شبرغان پر حملہ نہ کرسکا۔ جو لوگ اُس کے ہمراہ تھے اُنکو اُن قوموں کی تاخت و تاراج کے لیے روانہ کیا جو چول دک میں رہتی تھیں۔ ان لوگوں نے چول زردک کو جالوٹا۔ تخمیناً ایک لاکھ سے زیادہ بکریاں اور تقریباً تین ہزار اونٹ انکے ہاتھ لگے۔ ولی نے یہاں سے سان[2] اور جاریک کے ملک کو جالوٹا اور برباد کردیا جو لوگ پہاڑ میں پناہ گزیں ہوئے تھے اُن کو پکڑ لایا۔ اور بلخ میں اپنے بھائی سے آملا جس زمانہ میں خسروشاہ بلخ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا تو ایک دن نظر بہادر اپنے سردار کو جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے سوادِ بلخ کی نہریں توڑ ڈالنے اور اُنکے پانی کو خراب کرنے کے لیے بھیجا۔ تنبگری بیردی سانچی جو سلطان حسین میرزا کا ایک سردار تھا۔ ستر اسّی آدمیوں کے ساتھ اندر سے باہر نکلا۔ اور نظر بہادر کے مقابلہ میں آکر اُس کو زیر کیا۔ اور اُسکا سر کاٹ کر قلعہ میں لے آیا۔ سچ یہ ہے کہ بڑی بہادری کی۔ اور ایک نمایاں کام کیا۔

ذوالنون ارغون پر سلطان حسین میرزا کی چڑھائی اور بست کی فتح

اسی سال سلطان حسین میرزا نے ذوالنون ارغون پر اور اُس کے بیٹے شاہ شجاع پر فوج کشی کی۔ ذوالنون نے اپنی بیٹی بدیع الزمان میرزا کو دیدی تھی اور دونوں باپ بیٹے میرزا کے ملازم ہوکر باغی ہوگئے تھے۔ سلطان حسین میرزا قلعہ بست[3] میں آن اُترا اس وقت میرزا کے لشکر میں غلہ کا سخت قحط ہوگیا۔ قریب تھا کہ بھوک سے تنگ آکر لشکر وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر قلعۂ بست کے داروغہ نے قلعہ حوالہ کردیا۔ جو ذخیرہ قلعہ میں موجود تھا اُسکو لیکر اُنہوں نے خراسان کی طرف مراجعت کی۔

سلطان حسین میرزا کے بیٹوں کی بغاوت

جب سلطان حسین میرزا جیسا بڑا بادشاہ اسقدر سامان اور اسباب کے ہوتے ہوئے کئی دفعہ قندز حصار اور قندھار پر چڑھائی کرکے بغیر لیے اُلٹا پھر گیا تو پھر اُس کے بیٹے اور امراء بھی اتنے دلیر اور سرکش ہوگئے۔ سلطان حسین میرزا نے اپنے بیٹے محمد حسین میرزا کی بغاوت دفع کرنیکے لیے جو استر آباد کا حاکم مقرر ہوا تھا اور وہاں باغی ہوگیا تھا۔ محمد ولی بیگ کے تحت حکم ایک بڑا لشکر مع چند امراء ایلغار کے ساتھ روانہ کیا۔ اور آپ مقام اُلنگ نشین[4] میں ٹھیرا۔ اسی موقع پر بدیع الزمان میرزا

[1] شبرغان بلخ کا مغربی علاقہ ۱۲ [2] میدان زردک۔ چول۔ ریتیلے میدان کو کہتے ہیں ۱۲ [3] فارسی نسخوں میں توسان ... [4] مبارک لکھا ہے

اور ذوالنّون کا بیٹا شاہ بیگ فوج کشی کر کے عین غفلت میں دفعتہً سلطان حسین میرزا کے سر پر آموجود ہوا۔ حسنِ اتفاق سے سلطان مسعود میرزا جو حصار چھوڑ کر سلطان حسین میرزا پاس چلا آتا تھا اُسی دن آپہنچا۔ اور جو لشکر استر آباد پر گیا تھا وہ بھی آج ہی میرزا سے آن ملا۔ سامنا ہوتے ہی بے لڑے بھڑے بدیع الزمان میرزا اور شاہ بیگ بھاگ گئے۔ سلطان حسین میرزا سلطان مسعود میرزا سے اچھی طرح ملا۔ اُس نے اُسکو اپنی بیٹی سے منسوب کرنے کی عزت بخشی اور اُسپر بہت عنایت و مہربانی کی۔ لیکن باقی چغانیان کے بہکانے سے جو خسرو شاہ کا چھوٹا بھائی تھا اور اس سے پہلے سلطان حسین میرزا کا نوکر تھا میرزا خراسان میں نہ ٹھیرا۔ ایک بہانہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور سلطان حسین میرزا کی بے رخصت ہوئے خسرو شاہ کے پاس چلا آیا۔ خسرو شاہ نے بائسنغر میرزا کو حصار سے بُلالیا تھا۔ انہی دنوں میں میراں شاہ میرزا آلغ بیگ میرزا کا بیٹا اپنے باپ سے باغی ہو کر ہزارہ میں آیا۔ اپنی بے اعتدالیوں کی بدولت ہزارہ میں بھی نہ ٹھیر سکا۔ اور خسرو شاہ ہی کے پاس چلا آیا۔ بعضے کوتہ اندیشوں کا قصد تھا کہ تینوں بادشاہ زادوں کو قتل کر کے خسرو شاہ کو بادشاہ کر دیں۔ یہ حرکت تو مصلحت کے خلاف دیکھی۔ مگر سلطان مسعود میرزا کو جس کو خسرو شاہ نے بچّہ سا پالا تھا اور جسکا وہ اتالیق بھی رہا تھا اس بیچ روزہ دنیا کے لیے جس نے نہ اُس کے ساتھ وفا کی اور نہ کسی اور کے ساتھ وفا کریگی نمکحرام نے نشتر سے اندھا کرادیا۔ مسعود میرزا کے چند کوکا، عزیز اور رفقا اس خیال سے کہ سمرقند میں سلطان علی میرزا کے پاس میرزا کو لیجائینگے کیش میں لے آئے۔ وہاں والے بھی ہلاک کرنے کے درپے ہوئے۔ یہ لوگ کیش سے بھاگ کر چارجوی کے راستہ سے سلطان حسین میرزا کے پاس چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ جو شخص اس طرح کی بُری حرکت کرے اور ایسے کام کا مرتکب ہو اُس پر قیامت تک لعنت ہوتی رہیگی۔ جو شخص خسرو شاہ کے یہ اعمال سُنیگا اُس پر لعنت ہی کریگا۔ اور جس کو ان افعال پر لعنت کرتے نہ سنیگا اُس کو بھی لعنت کا سزاوار جانیگا۔ اس نالائق حرکت کے بعد بائسنغر میرزا کو بادشاہ کیا۔ اور حصار کی طرف بھیجدیا۔ میراں شاہ میرزا کو بامیان کی طرف روانہ کیا۔ اور سید کامل کو بطریق کمک اُسکے ساتھ کردیا۔

سنہ ۹۰۴ ہجری کے واقعات مطابق ۱۹ اگست سنہ ۱۴۹۸ء

سمرقند پر دوبارہ توجہ اور ناکامی سمرقند اور اندجان لینے کے لیے دوبارہ توجہ ہوئی مگر کچھ کام نہ بنا۔ پھر خجند چلا آیا۔ خجند ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ جب سو دو سو آدمی کا سردار وہاں مشکل سے اوقات بسر کر سکتا ہو تو جسکو سلطنت کا دعوٰے ہو وہ کس طرح گزر کر سکے۔ اور نچلا بیٹھ سکے۔ سمرقند لینے کے خیال سے محمد حسین کورگان دغلت کے پاس جو اورا تیبہ میں تھا آدمی بھیجے گئے اور اُس سے

ہو چکا ہے تو بیگم سلطان (سلطان حسین میرزا کی دوسری بیٹی) سے مرزا کی شادی ہوئی تھی ؁ یہ وہ آلغ بیگ نہیں ہے جو سمرقند کا مشہور بادشاہ

کہلا بھیجا کہ یار ایلاق کے دیہات میں سے مقام بشاغرج کو جو حضرت خواجہ کی ملک میں سے تھا اور ان جھگڑوں میں اُس کے ہاتھ آگیا تھا۔ عاریتہً اِس جاڑے کے موسم میں ہمیں دیدے تاکہ وہاں ٹھیر کر سمرقند کے علاقہ پر چڑھائی کریں۔ اور جو کچھ ہوسکے وہ کیا جائے۔ محمد حسین میرزا بھی راضی ہوگیا۔ خجند سے میں بشاغرج کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مقام زامین میں[1] پہنچا مجھے تپ چڑھ آئی بخار ہی میں ہلہلاتا ہوا زامین سے مارا مار پہاڑی راستہ طے کرکے[2] رباط خواجہ پر آگیا۔ خیال تھا کہ عین غفلت میں سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ جائیں گے۔ اور خواجہ رباط کے قلعہ کو جو پرگنہ شادوار کا صدر مقام ہے چھین لیں گے۔ نماز کے وقت وہاں پہنچنا ہوا۔ وہاں والے ہوشیار ہوگئے۔ ہم اُلٹے پھر آئے اور بغیر کہیں ٹھیرنے کے بشاغرج میں آگئے۔ بخار ہی میں تیرہ چودہ[3] فرسنگ کا راستہ بڑی سختی اور محنت سے میں نے قطع کیا۔ چند روز بعد ابراہیم سارد۔ شیرم طغائی۔ ویس لاغری اور کچھ امیروں۔ مصاحبوں اور ملازموں کو بطریق ایلغار مقرر کیا تاکہ یار ایلاق کے قلعوں کو خواہ بزور شمشیر خواہ بمصالحت لے لیں۔ اُن دنوں میں یار ایلاق سید یوسف کے پاس تھا۔ سمرقند سے میرے چلے آنے کے بعد وہ وہیں رہ گیا تھا۔ اور سلطان[4] علی میرزا نے بھی اُسکے ساتھ رعایت کی تھی۔ اُس نے اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے بیٹے کو یار ایلاق کے قلعوں کے انتظام پر مقرر کر دیا تھا۔ احمد یوسف جو آجکل سیالکوٹ کا حاکم ہے اُن قلعوں میں تھا۔ ہمارے سب سرداروں اور فوج نے جاڑے بھر یہ کارروائی کی کہ اُن قلعوں میں سے بعض کو صلح سے بعض کو لڑبھڑ کر اور بعض کو عیاری و دزدی سے چھین لیا۔ اُس ملک میں اُزبکوں اور مغلوں کے ڈر کے مارے کوئی گانوں ایسا نہ تھا جس میں قلعہ نہ ہو۔

یار ایلاق سے بعد صلح بشاغرج جانا

اسی موقع پر سید یوسف بیگ۔ اُسکا چھوٹا بھائی اور اُسکا بیٹا تینوں ہم سے بدگمان ہوگئے۔ اُن کو خراسان کی طرف بھیج دیا گیا۔ یہ جاڑا[5] بھی انہی رگڑوں جھگڑوں میں گزرا۔ جب[6] گرمی کا موسم آیا تو مخالفوں نے خواجہ یحیی کو صلح کے لیے بھیجا۔ اور آپ بھی لشکر کشی کی اشتغالک سے شیراز[7] اور کابد کی نواح میں آگئے۔ میرے ساتھ کل سپاہی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ دشمنوں کا چاروں طرف سے ہجوم۔ اندجان کی طرف پھر پلٹ کر جانے میں نصیب نے کچھ مدد نہ کی۔ اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ضرورتاً کسی قدر صلح کر لی اور بشاغرج کی طرف مراجعت کی گئی۔

اوراتیپہ کے ایلاقوں میں سرگردان پھرنا

خجند ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ کسی سردار کی مشکل سے اُس میں گزر ہوسکتی ہے۔ ڈیڑھ دو برس کے قریب وہاں میرا ٹھیرنا ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے جہاں تک اُن کا مقدور تھا پیسہ سے مدد دینے اور خدمت کرنے

بخارا سے آکر سمرقند پر قبضہ کرلیا تھا ۱۲ [5] جان لیڈن نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے۔ "جب موسم بہار میں سلطان علی میرزا بیچ لشکر

میں کمی نہیں کی۔ اب بارِ دگر خجند کس مُنہ سے جایا جائے۔ اور خجند جا کر کوئی کرے ہی کیا ؎

نہ جانیکے لیے اپنے میسّر ہے کوئی مامن   نہ رہنے کے لیے اپنے مقرّر ہے کوئی مسکن

آخر اسی تردد اور پریشانی میں اوراتیبہ کے جنوب میں جو ایلاق ہیں وہاں چلا گیا۔ اس نواح میں حیران پریشان بے ٹھکانے سرگردان پھر کر کچھ دن گزارے۔

خواجہ ابوالمکارم سے ملاقات

انہی دنوں میں ایک دن خواجہ ابوالمکارم جو میری طرح جلا وطن ہو کر آوارہ پھر رہا تھا مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اُس سے اپنے جانے اور اپنے رہنے کے متعلق مشورہ کیا۔ اور پوچھا کہ اب کیا کروں اور کیا نکروں وہ افسوس کر کے میری حالت پر رو دیا۔ اور فاتحہ پڑھکر چلا گیا۔ میرا بھی دل بھر آیا اور میں رو دیا۔

مرغینان جانا

اسی دن ظہر کا کچھ وقت باقی تھا کہ ناگاہ پہاڑ کی گھاٹی میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ یہ سوار علی دوست طغائی کا نوکر تھا۔ اسکا نام یولجوق تھا۔ علی دوست نے اس کے ہاتھ کہلا بھیجا تھا کہ اگرچہ مجھ سے بہت خطائیں سرزد ہوئی ہیں مگر میں امیدوار ہوں کہ براہِ خاوندی میرے گناہ بخشد تیجیے اور اس طرف تشریف لے آئیے۔ میں مرغینان نذر کر کے حقِ خدمت ادا کروں تاکہ میرے گناہ دھوئے جائیں۔ اور میری شرمندگی جاتی رہے۔ ایسی پریشانی اور حیرانی میں اس نوید کے سُنتے ہی کوئی توقف اور سوچ نہ کیا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ اُسی وقت مرغینان کی طرف بطریق ایلغار میں روانہ ہو گیا۔ یہاں سے مرغینان تک تقریباً چوبیس[۲] فرسنگ[۱] کا راستہ ہوگا۔ اُس ساری رات اور دوسرے دن ظہر تک کہیں توقف نہ کیا۔ اور سیدھے چلے گئے۔ ظہر کے وقت تنگ آب نام ایک گاؤں میں جو خجند کے علاقہ میں ہے اُترے۔ گھوڑوں کو ذرا سستایا اور دانہ کھلا کر آدھی رات کو نقارہ کے وقت تنگ آب[۳] سے چل نکلے۔ اس آدھی رات کو صبح تک۔ دوسرے دن دن بھر اور دن کی رات کو صبح ہونے سے ذرا پہلے تک چلتے رہے۔ جب مرغینان ایک فرسنگ رہ گیا تو ویس بیگ وغیرہ نے سوچ کر عرض کیا کہ علی دوست وہی شخص ہے جسنے کیسی کیسی بُرائیاں کی ہیں۔ نہ کوئی شخص بیچ میں ایک دو دفعہ آیا گیا اور نہ کچھ عہد و پیمان اور گفتگو ہوئی۔ پھر کس بھروسے پر ہم وہاں جا رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ اندیشہ بلا وجہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر ٹھیرے اور مشورت کی گئی۔ آخر یہی قرار پایا کہ گو یہ اندیشہ واجبی ہے مگر اس سے پہلے سوچنا چاہیے تھا تین چار دن تکلیف اُٹھائی کہیں ٹھیرے نہیں۔ چوبیس پچیس فرسنگ آ گئے۔ نہ گھوڑوں میں دم رہا۔ نہ آدمیوں میں۔ بھلا یہاں سے کیونکر اُلٹا پھرا جائے۔ اور یہاں سے پلٹا بھی جائے تو کہاں جایا جائے۔ جب یہاں تک آگئے تو اب چلنا ہی چاہیے۔ خدا جو چاہے وہ کرے۔ اسی بات کو مقیدا اور خدا پر توکل کر روانہ ہو گئے۔ اب صبح کی نماز کا اوّل وقت تھا کہ قلعۂ مرغینان کے دروازہ پر ہم جا پہنچے علی دوست طغائی دروازہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ بند رکھا۔ اور عہد کرنیکی التجا کی۔ عہد و پیمان ہو گئے تو اُسنے

۱؎ جان لیڈن نے تخمیناً چوبیس پچیس فرسنگ لکھا ہے ۲؎ ۹۶ یا ۱۰۰ میل ہوسکتے ہیں ۱۲ ۳؎ تنگ آب۔ برہان فارسی ۱۲

دروازہ کھولا اور ملازمت حاصل کی۔ علی دوست سے ملنے کے بعد قلعہ میں ایک مناسب مکان میں ہم اُترے۔ میرے ہمراہ چھوٹے بڑے دو سو چالیس آدمی تھے۔ بات یہ تھی کہ اوزون حسن اور احمد تنبل نے اہلِ ملک پر نہایت ظلم وستم برپا کر رکھے تھے۔ اس سبب سے سارے اہلِ ملک نے میرے آنے کی خواہش کی۔ مرغینان میں آنے کے دو تین دن بعد بشاغرچ والوں میں سے جو نئے بھرتی کیے تھے اُن کو اور علی دوست[1] بیگ کے نوکروں میں سے سو سے زیادہ آدمیوں کو قاسم بیگ کے ہمراہ اندجان کے جنوب کی طرف اشپاریون۔ توردق شاریون اور جکراکون[2] جیسی پہاڑی قوموں پر بھیجا گیا۔ تاکہ دریائے خجند سے پار ہو کر اُس طرف کے قلعوں کو لے لیا جائے۔ اور وہاں کے پہاڑی لوگوں کو جس طرح ہو سکے ہماری طرف مائل کر لیا جائے۔

اوزون حسن اور تنبل کا مرغینان پر حملہ

تھوڑے دن بعد اوزون حسن اور سلطان احمد تنبل جہانگیر مرزا سمیت جتنی فوج موجود تھی اُس کو اور کچھ مغلوں کو فراہم کر کے آخشی اور اندجان سے جس قدر ہو سکا اُس قدر لشکر ہمراہ لیکر مرغینان پر حملہ کرنے کے خیال سے آئے۔ اور مرغینان سے ایک کوس شرعی[3] کے فاصلہ پر مشرق کی طرف سنان[4] نامی گاؤں میں ٹھیرے۔ ایک دو روز سستائے اور سامان درست کر کے مرغینان کے قرب وجوار کے مقامات میں آئے۔ باوجودیکہ قاسم بیگ۔ ابراہیم سارد اور ویس لاغری وغیرہ جیسے سرداروں کو دو طرف بطریق ایلغار روانہ کر دیا گیا تھا اور میرے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی مگر جتنی تھی اُسی کو درست کر کے مقابلہ میں نکل آیا۔ ان لوگوں نے دشمنوں کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس دن خلیل چہرہ دستار پیچ خوب لڑا۔ اور کامیاب ہوا۔ دشمن کچھ نہ کر سکے۔ بارِ دیگر اُنکو شہر کے قریب آنیکا حوصلہ نہ ہوا۔ قاسم بیگ جو اندجان کے جنوبی پہاڑی مُلک میں گیا ہوا تھا اشپاریون۔ توروق شارون چکرکون کو اور اُس طرف کی رعایا کو جن میں دیہاتی۔ جنگلی۔ پہاڑی اور خانہ بدوش قومیں تھیں ساتھ لیے ہوئے آیا۔ دشمنوں کے سپاہی بھی ایک ایک دو دو بھاگ کر آنے شروع ہوئے۔ ابراہیم سارد۔ ویس لاغری وغیرہ جو آخشی کی طرف دریا سے اُتر کر گئے تھے اُنہوں نے بھی قلعہ پاپ پر اور دو ایک اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اوزون حسن اور تنبل ظالم۔ فاسق اور کافروش اشخاص تھے۔ ساری رعیت اُن سے ناراض تھی۔ آخشی کے عمائد میں سے حسن دیگچی[5] نے اپنے گروہ سمیت کچھ لچے شہدوں کو اپنے ساتھ بلوے پر آمادہ کیا۔ ان سب نے اُن لوگوں کو جو آخشی کے قلعۂ سنگین میں تھے لاٹھیوں سے مارتے مارتے ارک میں دھسا دیا۔ اور ابراہیم سارد۔ ویس لاغری۔ سیدی قرا اور سرداران ہمراہی کو قلعۂ سنگین آخشی میں گھسا لیا۔ سلطان محمود خاں نے بندہ علی اور اپنے کوکلتاش حیدر اور حاجی غازی منغت[6] کو جو اُسی زمانہ میں شیباق خان کے پاس سے بھاگ کر خان کے پاس آ گیا تھا مع امرائے

[1] میر دوست بیگ ۱۲ [2] جکراگ ۱۲ [3] دو میل یا ڈیڑھ میل ۱۲ [4] سیان یا سیان ۱۲ [5] دیگچہ ۱۲ [6] منغست ۱۲

قبیلۂ نارین[1] کے ہماری کمک کے لیے بھیجا۔ اسی موقع پر یہ کمک آن پہنچی۔ اوزون حسن یہ خبر سنتے ہی گھبرا گیا۔ جن لوگوں کو اُس نے بڑھایا تھا اور جو اُس کے کام کام کے آدمی تھے سب کو آخشی کے ارک کی کمک پر معین کر کے بھیجدیا۔ یہ لوگ صبح کو دریا کے کنارہ پر پہنچے۔ ہمارے لشکر کو اور مغلوں کے لشکر کو ان کا حال معلوم ہوا۔ کچھ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھوڑوں کے سامان کو اُتار کے دریا سے پار ہو جاؤ۔ دشمنوں کی فوج جو کمک کو آئی تھی گھبرا گئی۔ اور کشتی کو اوپر کی طرف نہ کھینچ سکی۔ یہ فوج قلعہ میں جو نہ جا سکی تو اپنی جان بچا کر جس راستہ سے گئی تھی اُسی راستہ سے پیچھے ہٹ آئی۔

ہماری فوج اور مغلوں کی فوج میں سے جو جہاں تھا وہ وہیں سے گھوڑوں کی ننگی پیٹ پر سوار ہو کر حملہ آور ہوا۔ کشتی نشین ذرا نہ لڑ سکے۔ قارلوغاج بخشی نے مغل بیگ کے ایک لڑکے کو بلایا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اس سے کیا حاصل ہوا۔ کام تو بگڑ چکا تھا۔ کشتی والے اسی حرکت کے سبب سے اکثر قتل ہوئے۔ ایک دفعہ ہی اُن لوگوں کو جو دریا میں تھے خشکی میں لا کر سب کو مار ڈالا۔ اوزون حسن کے معتبر آدمیوں میں سے قارلوغاج بخشی، خلیل دیوانہ اور قاضی غلام تھے۔ ان میں سے قاضی غلام اس بہانہ سے بچ گیا کہ غلام تھا۔ سپاہیوں میں سے سید علی جو آجکل میرے پاس چڑھا بڑھا ہوا ہے اور حیدر قلی قلکہ کاشغری وغیرہ پانچ چھ آدمی ستر اسی آدمیوں میں سے بچے۔ دشمن یہ خبر سنکر مرغینان کی نواح میں نہ ٹھیر سکے۔ اور اندجان کی طرف بڑی سراسیمگی کے ساتھ چلے گئے۔ اندجان میں ناصر بیگ کو چھوڑ آئے تھے۔ جو اوزون حسن کا بہنوئی تھا۔ اگر اُسکا ثانی نہ تھا تو ثالث ضرور تھا۔ وہ ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ اور بڑا بہادر بھی تھا۔ ان کیفیتوں کو سنکر اور ان لوگوں کی بے بنیادی سمجھ کر قلعۂ اندجان کو اُس نے مضبوط کر لیا۔ اور میرے پاس آدمی بھیجا۔ جب[2] مخالف اندجان پہنچے تو اُن کو قلعہ کی مضبوطی معلوم ہوئی۔ اب کوئی بات قرار نہ پائی۔ اور سب منتشر ہو گئے۔ اوزون حسن تو آخشی کی طرف اپنے گھر چلا گیا۔ سلطان احمد تنبل اپنے ملک اوش کو روانہ ہوا۔ جہانگیر میرزا کو اُس کے حواشی اور ملازم اوزون حسن سے علیحدہ کر کے تنبل کے پاس لے بھاگے۔ ابھی تنبل اوش نہ پہنچا تھا کہ یہ لوگ اُس سے جا ملے۔

فتح اندجان

جونہی میں نے یہ سُنا کہ اندجان والے میرے طرفدار ہیں ویسے ہی میں نے کچھ تامل نہ کیا سورج نکلتے ہی میں مرغینان سے چل نکلا اور دن ڈھلے اندجان میں آ گیا۔ ناصر بیگ اور اُس کے دونوں بیٹے دوست بیگ، میرم بیگ حاضر ہوئے۔ میں اُن سے ملا۔ میں نے اُنکا حال پوچھا۔ اُنپر عنایت و مہربانی کی۔ اور شفقت و مکرمت کا امیدوار کیا۔ تقریباً دو برس ہوئے تھے کہ آبائی ملک ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اللہ کی عنایت سے ذیقعدہ[3] سنہ ۹۰۴ ہجری میں یہ پھر فتح ہو گیا۔ سلطان احمد تنبل جہانگیر میرزا کو لیے ہوئے اوش گیا تھا۔ وہ جو اوش میں پہنچا تو وہاں کے اوباشوں اور بازاریوں نے

۱؎ بارین ۱۲ ۲؎ جب مخالف اندجان پہنچے اور اُن کو معلوم ہوا کہ اہل قلعہ میرے ساتھ ہیں تو کوئی بات قرار نہ پائی اور سب منتشر ہو گئے ۱۲ ۳؎ جون سنہ ۱۴۹۹ ۱۲۶

لاٹھیوں سے مار مار کر اوش سے باہر نکالدیا۔ اور قلعہ کو میرے لیے بچا کر میرے پاس آدمی بھیجا۔ جہانگیر اور تنبل چند آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان اوش سے اورکند میں آئے۔

اوزون حسن کا عزل و اخراج

اوزون حسن جب اندجان میں نہ جا سکا تو آخشی کی طرف چلا گیا تھا معلوم ہوا کہ وہ شہر آخشی میں جا پہنچا۔ چونکہ وہی مفسدوں کا سرغنہ اور فساد کی جڑ تھا اس لیے اس خبر کے سنتے ہی میں اندجان میں چار پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھیرا۔ اور آخشی روانہ ہوگیا۔ آخشی میں میرے پہنچتے ہی اُس کو کچھ نہ بن پڑی۔ عہد و امان کا طلبگار ہوا۔ اور قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ میں چند روز آخشی میں ٹھیرا۔ آخشی و کاشان کا بخوبی تمام میں نے انتظام کیا۔ اور وہاں کے سب کام درست کیے۔ پھر امرائے مغول کو جو اس موقع پر میری مدد کے لیے آئے تھے رخصت دی۔ اور اوزون حسن کو اُس کے متعلقین اور اہل و عیال سمیت اندجان میں اپنے ہمراہ لے آیا۔ چونکہ اُس سے عہد کر لیا تھا اسلیے اُسکی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ قراتگین کے راستہ سے اُس کو حصار چلا جانے کی اجازت دیدی۔ وہ اپنے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ حصار چلا گیا۔ اور اُسکے تمام باقیماندہ نوکر چاکر یہاں رہ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے ہمارے اور خواجہ قاضی کے متعلقوں کو لوٹا اور تباہ کیا تھا بعض امیروں نے متفق ہوکر مجھسے عرض کیا کہ ان برائیوں کے باعث اور ہماری طرف کے مسلمانوں کی بربادی اور لٹنے کے سبب یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ کیا کیا۔ جو ہمارے ساتھ کرینگے۔ اگر انکو گرفتار کرلیا جائے یا لوٹ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ہمارے کپڑے پہنتے ہیں اور ہماری بکریاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ بھلا یہ ستم کون سہ سکتا ہے؟ اگر از روئے ترحم ان کو گرفتار نہ کیا جائے یا تاراج نہ کیا جائے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ جو لوگ جھگڑوں اور مصیبتوں میں ہمارے ساتھ رہے ہیں اُنکو حکم ہو جائے کہ اپنا اپنا مال اسباب جو موجود ہے پہچان کر لیں۔ اگر اتنے ہی میں اُنکا پیچھا چھٹ جائے تو ان کو احسان ماننا چاہیے حقیقت میں یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ حکم دیدیا گیا کہ ہاں جو لوگ ہمارے ساتھی تھے وہ اپنا مال پہچان کر لیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ٹھیک تھا اور بے موجب نہ تھا مگر ذرا جلدی ہوئی۔ کیونکہ جہانگیر میرزا جیسا دشمن بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس طرح لوگوں کو بھڑکا دینا اچھا نہ تھا۔ ملک گیری اور ملک داری میں گو بعض کام ظاہراً معقول اور باوجہ معلوم ہوتے ہوں مگر ہر کام کے لیے لاکھ طرح کی اونچ نیچ دیکھنی واجب اور لازم ہے۔ ہم نے جو بے سوچے ایک ایسا حکم دیدیا تو اُس سے کس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ یہی بے تامل حکم دیدینا اندجان سے ہمارے دوبارہ نکلنے کا باعث ہوا۔ اسی سے مغلوں کو اندیشے پیدا ہوئے۔ یہ لوگ رباطک اور چینی سے حکو دو آبہ پہنچا

پہنچتے ہیں اور کند کی طرف روانہ ہوئے اور تنبل کے پاس آدمی بھیجا۔ میری والدہ کے پاس تقریباً ڈیڑھ دو ہزار مغل تھے۔ انکے علاوہ حصار سے حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان اور محمد دغلت کے ساتھی مغل آگئے تھے جنکی تعداد اتنی ہی ہوگی۔ مغلوں کی قوم نے ہمیشہ برائیاں اور بغاوتیں کی ہیں۔ آج تک پانچ دفعہ تو مجھ ہی سے بغاوت کی ہے۔ یہ نہیں کہ مجھ کو غیر سمجھ کر مجھ سے ایسا کیا ہو بلکہ اپنے سرداروں کے ساتھ بھی بار بار ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ مغلوں کی اس بغاوت کی خبر سلطان قلی چناق نے مجھے پہنچائی۔ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ خدابیردی بوقاق کے ساتھ مغلوں میں سب سے زیادہ میں نے سلوک کیے تھے۔ اور جس کا انتقال ہوچکا تھا۔ یہ خود بھی مغلوں کے ساتھ تھا۔ اس نے بڑا کام کیا کہ اپنے گروہ اور قوم سے جدا ہو کر مجھے یہ خبر دی۔ اگرچہ اس موقع پر کام کرگیا لیکن آخر میں اس نے وہ وہ برائیاں کی ہیں کہ اس طرح کی سو خدمتیں بھی ہوں تو اکارت ہیں چنانچہ اسکا ذکر آگے آئیگا۔ اس نے آیندہ جو بد ذاتیاں کیں وہ اُسکے مغل ہونیکا نتیجہ تھا۔

مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی فتح

اس خبر کے آتے ہی امرا کو جمع کیا گیا اور صلاح لیگئی۔ سب نے عرض کیا کہ یہ چھوٹا سا کام ہے۔ حضور کے چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ قاسم بیگ امرا اور لشکر کا سردار ہو کر سب کو لیجائے۔ یہی بات قرار پائی۔ اس کام کو سہل سمجھا گیا۔ ایسا سمجھنا غلط تھا۔ اُسی دن قاسم بیگ اپنے لشکر اور امرا کو لیے ہوئے روانہ ہوا۔ یہ لوگ راستہ ہی میں تھے اور ہنوز منزل پر نہ پہنچے تھے کہ تنبل مغلوں میں آن ملا۔ اُسی رات کی صبح کو یاسی کیچپ کے گھاٹ سے دریائے ایلامیش کے پار ہوتے ہی مٹھ بھیڑ ہو گئی اور خوب لڑائی ہوئی۔ قاسم بیگ خود سلطان محمد ارغون کے مقابل ہوا۔ اور دو تین مرتبہ چپے بہ پے ایسی تلواریں ماریں کہ اُس کو سر نہ اُٹھانے دیا۔ اِس کے علاوہ میرے اور بھی بہت سے جوان خوب مقابل ہو کر لڑے مگر آخر کار شکست کھائی۔ قاسم بیگ۔ علی دوست طغائی۔ ابراہیم سارد۔ ویس لاغری۔ سیدی قرا اور امرا و مقربین میں سے تین چار اور تو نکل آئے اور باقی اکثر امرا وغیرہ گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں سے علی درویش بیگ۔ میرم لاغری۔ توقد بیگ طغائی بیگ۔ محمد دوست۔ علی دوست۔ میر شاہ قوچین اور میرم دیوانہ تھے۔ اس معرکہ میں دو جوان خوب لڑے۔ ہماری طرف سے ابراہیم سارد کے چھوٹے بھائیوں میں سے صمد نامی۔ اور اُدھر سے حصاری مغلوں میں سے شہسوار نامی کی مٹھ بھیڑ ہوئی شہسوار نے ایسی تلوار ماری کہ خود کو کاٹ کر صمد کے سر میں بیٹھ گئی۔ باوجود اس زخم کے صمد نے ایسا ہاتھ مارا کہ اُسکی تلوار شہسوار کے سر میں سے ہتھیلی برابر ہڈی کا ٹکڑا کاٹتی ہوئی نکل گئی۔ شہسوار کے سر پر خود نہ تھا۔ اور اُسکے سر کا زخم اچھی طرح باندھ دیا گیا تھا اس سبب سے وہ اچھا ہو گیا۔ اِدھر کوئی نہ تھا جو صمد کی خبر لیتا۔ تین چار دن کے بعد اسی زخم سے صمد مر گیا۔ گویا مصیبت سے اور جھگڑوں سے چھوٹ گیا۔

ملک لیتے ہی یہ عجیب بے ہنگام شکست ہوئی۔ ہمارے ہاں قنبر علی مغل ایک رکن اعظم تھا جس وقت میں نے اندجان فتح کرلیا تھا تو وہ اپنے ملک کو چلا گیا تھا۔ یہاں نہ تھا۔

تنبل نے اندجان پر چڑھائی کی اور ناکام پھر گیا۔

اسی نازک موقع پر تنبل جہانگیر میرزا کو ساتھ لیے ہوئے اندجان سے ایک شرعی کوس کے فاصلہ پر ایک مرغزار میں جو پشتۂ عیش کے سامنے ہے آن ٹھیرا۔ دو ایک مرتبہ تیار ہو کر چن دختران سے پشتۂ عیش کے دامنہ تک آیا۔ ہمارے جوان بھی محلات اور باغات سے تیار ہو کر باہر نکلے۔ دشمن آگے نہ آسکا پشتۂ عیش کے دامنہ ہی سے اُلٹا پھر گیا۔ جب اس نواح پر چڑھائی کی ہے تو اسی چڑھائی کے زمانہ میں ہمارے گرفتار شدہ آدمیوں میں سے میرم لاغری اور توقتہ کو قتل کر ڈالا۔ تقریباً مہینہ بھر تک دشمن یہاں پڑا رہا مگر کوئی کام نہ نکلا۔ آخر اوش کی طرف سب چلے گئے۔ میں نے اوش ابراہیم سارو کو دیدیا تھا۔ چونکہ اُسکا کوئی آدمی وہاں نہ تھا اِس لیے دشمنوں نے اُس پر قبضہ کرلیا۔

۹۰۵ھ کے واقعات مطابق ۸ اگست ۱۴۹۹ء

فوج جمع کر کے جانب اوش تنبل وغیرہ پر چڑھائی

اپنے ملک میں جس قدر سوار اور پیادوں کی فوج تھی اُسکے بلانیکے لیے محصل اور ہرکارے بھیجکر جلد آنے کی تاکید کی۔ قنبر علی کے پاس اور لشکر میں سے جو سپاہی اپنے اپنے ملک کو چلے گئے تھے اُن کے پاس باہتمام ہرکارے دوڑا دیے گئے۔ تورا۔ سیڑھیاں۔ پھاوڑے۔ کلھاڑیاں اور جو جو سامانِ لشکر ہے اُسکے مہیا کرنیکے لیے محصل مقرر کیے۔ اطراف ملک سے جو سپاہی۔ سوار اور پیادے آتے گئے اُنکو ایک جا ٹھیرایا گیا۔ جتنے نوکر و سپاہی اِدھر اُدھر انتظام کے واسطے چلے گئے تھے اُن کو بھی جمع کرلیا گیا۔ اور خدا پر توکل کر کے اٹھارھویں محرم کو حافظ بیگ کے چار باغ کی طرف میں روانہ ہوا۔ دو ایک روز چار باغ میں رہکر جس قدر اسباب حرب و ضرب باقی رہ گیا تھا اُس کو تیار کرلیا۔ اسکے بعد تُلغمہ یعنی جرنغار۔ برنغار۔ قول اور ہراول سوار اور پیادوں سے مرتب کر کے اوش کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اوش کے نزدیک پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ دشمن اوش کی نواح میں نہ ٹھیر سکے اور رباط سرہنگ میں جو اوش کے شمال میں ہے بھاگ گئے۔ ہم اس رات لات کند میں ٹھیرے۔ صبح کو اوش سے چلتے وقت خبر آئی کہ دشمن اندجان کی طرف چلے گئے ہیں۔ ہم بھی ادر کند کی طرف روانہ ہوئے۔ لور کند کی نواح کو لوٹنے کے لیے فوج کا دستہ اپنے سے آگے روانہ کیا۔ دشمن جو اندجان کی طرف گئے تھے تو راتوں رات خندق میں جا پہنچے۔ جس وقت فصیل پر سیڑھیاں لگانی چاہیں اُسی وقت شہر والے ہوشیار ہوگئے۔ حملہ آور کچھ نہ کر سکے اور اُلٹے پھر گئے۔ ہمارے پیش رفتہ دستۂ فوج نے ادر کند کی نواح کو لوٹا مگر کچھ اُنکے

ہاتھ نہ آیا - یونہی اُلٹے پھر آئے - اوش کے قلعوں میں سے ایک قلعہ مادو ہے جو اُس زمانہ میں بہت مضبوط مشہور تھا - تنبل نے اپنے چھوٹے بھائی خلیل کو اس قلعہ میں انتظام کے لیے کوئی ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ چھوڑ رکھا تھا -

قلعۂ مادو پر یورش اور اُسکا فتح ہونا

ہم پلٹ کر آئے اور مادو کے قلعہ پر ایک سخت لڑائی لڑے مادو کا قلعہ بہت مضبوط قلعہ ہے - اُسکے شمال کی طرف ایک دریا ہے وہ اتنا اونچا ہوگا کہ اگر وہاں سے تیر ماریں تو شاید فصیل کے اندر نہ پہنچے - اُسکا ایک نالہ اسی جانب بہتا ہے - قلعہ کے نیچے دونوں طرف اس طرح فصیل بنائی ہے کہ گلی سی بنگئی ہے اور اُسکو دریا تک پہنچا دیا ہے - پشتہ کے گرد خندق ہے - چونکہ دریا قریب ہے اسلیے اُس میں سے توپ کے گولوں کے برابر بڑے بڑے پتھر قلعہ پر لاکر جمع کر لیے - جتنے بید اور بڑے پتھر قلعۂ مادو پر سے برسائے گئے ہیں اتنے قلعوں پر لڑائیاں ہوئیں مگر کسی قلعہ پر سے اتنے پتھر کسی نے نہیں برسائے - عبد القدوس کوہ برکتہ بیگ کا بڑا بھائی فصیل کے نیچے پہنچ گیا تھا - فصیل پر سے اُسپر ایسا پتھر اوکیا کہ اُسکا پاؤں[۲] کہیں نہ ٹک سکا اور معلق ہو کر اس طرح گرا کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر - ایسی اونچی جگہ سے اگرچہ لڑھکتا ہوا پشتہ کے نیچے آپڑا لیکن بال بال بچا - اور اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں چلا گیا - ڈیہری فصیل والے نالے پر یار علی بلال کے سر میں ایک پتھر لگا - اُس کا سر پھٹ گیا - اُس کے لڑکے نے زخم کو باندھ دیا - اس لڑائی میں بہت لوگ پتھروں سے ضائع ہوئے - اسکے دوسرے دن جو لڑائی ہوئی تو چاشت[۱] کے وقت سے پہلے دریائی نالہ چھین لیا گیا یہ لڑائی شام تک رہی - دریائی نالہ پر جو قبضہ ہو گیا تھا تو دشمن پانی نہ لے سکے - صبح کو اُنہوں نے امان چاہی - اور باہر نکل آئے - ان کے سردار خلیل کو جو تنبل کا چھوٹا بھائی تھا مع ستر اسی بلکہ سو آدمیوں کے گرفتار کر کے اندجان بھیجدیا گیا - تاکہ احتیاط سے وہاں نظر بند رکھیں ہمارے امراء - سردار اور عمدہ سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے - یہ اچھا بدلہ مل گیا -

آنجان میں دونوں لشکر پڑے رہے

مادو کو فتح کر کے اوبخو[۳] توبہ نام ایک گاؤں میں جو اوش کی علاقہ میں ہے ہم آن اُترے - اُدھر تنبل اندجان سے پلٹ کر مقام آنجان میں جو رباط سرہنگ آد چینی کے دیہات میں سے ہے آٹھیرا - ان دونوں لشکروں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہوگا - انہی دنوں میں قنبر علی بیماری کی وجہ سے اوش چلا گیا - کوئی مہینہ بھر یا چالیس دن یہیں پڑے رہے - اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی - مگر ہمارے غلہ لانے والے اور دشمنوں کے غلہ لانیوالے روز لڑتے رہے - ان دنوں میں راتوں کو لشکر کے گرد بہت بندوبست کیا جاتا تھا - خندقیں کھودی گئی تھیں - جہاں خندق نہ تھی وہاں جھانکڑ لگا دیے گئے تھے جس قدر فوج تھی سب مسلح خندق کے کنارہ پر رہتی تھی - اتنی احتیاط پر بھی تیسرے چوتھے دن رات کو لشکر میں غل غپاڑا ہو جاتا تھا -

[۱] یعنی قریباً ۱۰ بجے کے ۱۲ [۲] پاؤں زمین پر نہ ٹک سکا بلکہ وہ بہت دیر تک ہوا میں معلق رہا ۱۲ [۳] جان لیڈن صاحب نے اوبچو اور ارسکن صاحب نے اوبخو لکھا ہے ۱۲

ایک دن غلّہ آوردوں کا سردار ہو کر سیدی بیگ طغائی گیا تھا۔ غنیم کے سپاہیوں نے دفعۃً آن گھیرا۔ اور اثنائے جنگ میں سیدی بیگ کو پکڑ لیا۔

بائسنقر میرزا کا شہید ہونا اسی برس میں خسرو شاہ بلخ پر فوج کشی کرنے کے خیال سے بائسنقر میرزا کو بُلا کر قندز میں لایا۔ اور پھر بلخ کی طرف روانہ ہوا جس وقت مقام ادباج میں پہنچا اُس وقت کجنت کافر نعمت خسرو شاہ کو سلطنت کی ہوس ہوئی۔ اسی ہوس میں اُسنے بائسنقر میرزا جیسے خوش طبع۔ پُر فضیلت اور صاحب حسب ونسب بادشاہ زادہ کو امرا سمیت گرفتار کر لیا۔ اور کمان کے چلّہ سے پھانسی دیکر محرم کی دسوئیں کو شہید کر ڈالا۔ اور اُسکے امرا اور مقربوں کو بھی مار ڈالا۔ بھلا سلطنت ایسے نالائق اور بےہنر آدمی کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ جسکا نہ حسب ونسب درست نہ حیثیت۔ نہ جس میں ہنر نہ تدبیر۔ نہ شجاعت۔ نہ انصاف اور نہ عدالت۔

بائسنقر میرزا کا مجمل حال میرزا کی ولادت اور اُس کا نسب۔ وہ ۸۸۲ھ میں بمقام حصار پیدا ہوا تھا۔ سلطان محمود میرزا کا منجھلا بیٹا تھا۔ سلطان مسعود میرزا سے چھوٹا۔ اور سلطان علی میرزا۔ سلطان حسین میرزا اور سلطان ویس میرزا (جو خان میرزا مشہور ہے) سے بڑا۔ اُس کی ماں کا نام پشّہ بیگم تھا میرزا کا حلیہ یہ ہے :۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ گول چہرہ۔ میانہ قد۔ پُر ملاحت جوان۔ چہرہ کا ڈول ترکمانوں کا سا۔ اخلاق و اطوار یہ تھے :۔ عادل۔ خوش طبع انسان اور صاحب فضیلت بادشاہزادہ تھا۔ اُس کا اُستاد سید محمود شیعہ تھا۔ اسی سبب سے بائسنقر میرزا بھی مطعون تھا۔ کہتے ہیں آخر سمرقند میں وہ اس عقیدہ سے پھر گیا تھا۔ اور پاک اعتقاد ہو گیا تھا۔ شراب کا بڑا شوقین تھا جس وقت شراب نہ پیے ہوئے ہوتا اُس وقت نماز پڑھتا تھا۔ شراب کے نشہ میں نماز نہ پڑھتا تھا۔ اُسکی سخاوت اور فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی نستعلیق خط کا خوشنویس تھا۔ مصوّر بھی بُرا نہ تھا۔ شعر بھی خاصا کہتا تھا۔ عادلی تخلص تھا۔ اُس کا کلام اتنا نہ ہوا کہ دیوان مرتب ہو جائے۔ یہ مطلع اُسی کا ہے ؎

سایہ وار از ناتوانی جا بجا می اوفتم   گر نہ گیرم روئے دیوارے زپا می اوفتم

سمرقند میں بائسنقر میرزا کی غزلیں اتنی مشہور ہیں کہ ہر گھر میں اُن کے اشعار سُن لو۔ لڑائیاں اُس کی یہ ہیں :۔ وہ دو لڑائیاں لڑا ہے۔ ایک دفعہ سلطان محمود خاں سے۔ بائسنقر میرزا کی تخت پر بیٹھتے ہی سلطان محمود خاں نے سلطان جنید برلاس وغیرہ مفتریوں کے بہکانے اور بھڑکانے سے سمرقند چھیننے کے لیے فوج کشی کی۔ وہ آق کوتل سے ہوتا ہوا رباط سغد اور کنبائی کی نواح میں آیا۔ بائسنقر میرزا بھی سمرقند سے نکلا اور کنبائی میں مقابلہ کر کے محمود خاں کو شکست فاش دی۔ تین چار ہزار مغل بائسنقر میرزا کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ حیدر کوکلتاش جو خان کا بہت

[illegible]

منہ چڑھا ہوا تھا اس لڑائی میں مارا گیا۔ دوسری بار بخارا میں سلطان علی میرزا سے لڑائی ہوئی۔ اور بائسنغر میرزا مغلوب ہوگیا۔ اُسکے قبضہ میں یہ ملک تھے۔ اُس کے باپ سلطان محمود میرزا نے اُس کو بخارا دیا تھا۔ باپ کے بعد امراء نے متفق ہو کر سمرقند کا بادشاہ کر دیا۔ کچھ مدت تک بخارا بھی اُسی کی قلمرو میں داخل رہا۔ ترخانیوں کی بغاوت کے بعد۔ بخارا قبضہ سے نکل گیا۔ جب میں نے سمرقند فتح کر لیا تو وہ خسروشاہ پاس۔ بھاگ گیا۔ خسروشاہ نے حصار چھین کر اُس کو دیدیا۔ میرزا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ خسروشاہ کے پاس آنے کے زمانہ میں اُسنے اپنے چچا سلطان خلیل میرزا کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے سوا اور کوئی بیوی یا حرم نہ تھی۔ اُس نے ایسے استقلال کی ساتھ سلطنت نہیں کی کہ ایک شخص کو بھی بڑھایا ہو۔ اور امیر بنایا ہو۔ اُس کے امراء وہی باپ اور چچا کے امراء تھے۔

امراء کا آنا تنبل سے لڑائی اور اُسپر فتح پانا

بائسنغر میرزا کے واقعہ کے بعد سلطان احمد قراول قوچ بیگ کا باپ اپنے بھائیوں۔ عزیزوں۔ بال بچوں اور نوکروں سمیت قراتگین[۱] سے چلا۔ اور مجھے اطلاع دیکر میرے پاس آ گیا۔ قنبر علی اوش میں بیمار ہوگیا تھا۔ تندرست ہو کر وہ بھی چلا آیا۔ اس عجیب موقع پر سلطان احمد قراول اپنے ہمراہیوں سمیت بطور غیبی کمک کے جو آ گیا تو اسکو نیک شگون خیال کیا۔ اور دوسرے دن صبح کو سامان درست کرکے دشمن کے مقابلہ کے لیے ہم روانہ ہوگئے۔ دشمن آبخان میں نہ ٹھیر سکا۔ اپنے پڑاؤ سے چل کھڑا ہوا ہم اُسی کے پڑاؤ میں آن اُترے۔ کسی قدر سامان۔ فرش فروش اور خیمے ڈیرے وغیرہ ہمارے اہل لشکر کے ہاتھ لگے۔ اسی رات تنبل جہانگیر میرزا کو لیے ہوئے ہماری بائیں طرف سے ہوتا ہوا موضع خوبان[۲] میں جو اندجان کی جانب ہمارے پہلو میں ہم سے تین فرسنگ کے راستہ پر ہوگا آگیا۔ دوسرے دن ہم بھی برانغار۔ جرانغار۔ قول اور ہراول کو مرتب کر۔ گھوڑوں پر سامان ڈال۔ ہتھیار لگا اور صف بندی کر اُن پیدلوں کو جو تورا[۳] اُٹھائے ہوئے تھے اپنے آگے کیا۔ اور غنیم کی طرف روانہ ہوئے۔ برانغار میں علی دوست طغائی مع اپنی پیروؤں کے تھا۔ جرانغار میں ابراہیم سارو۔ ویس لاغری۔ سیدی قرا۔ محمد علی مبشر۔ کیچک[۴] بیگ خواجہ کلاں کا بھائی اور بعض اور مصاحبین۔ سلطان احمد قراول اور قوچ بیگ مع اپنے ہمراہیوں کے مقرر ہوئے قاسم بیگ میرے پاس قول میں تھا۔ قنبر علی ہراول اور ہمارے بعض مصاحبین وملازمین موضع سقا میں۔ جو خوبان کے جنوب و مشرق میں مقام خوبان سے کوس بھر پرے ہی پہنچے ہی تھے کہ خوبان سے غنیم بھی درست ہو کر نکلا۔ ہم بھی پوری احتیاط کے ساتھ بہت جلد آگے بڑھے۔ توروں اور پیادوں کو مرتب کر دیا گیا تھا۔ وہ مقابلہ کے محل پر پیچھے رہ گئے۔ عنایت الٰہی سے اُن کی کچھ ضرورت نہ ہوئی۔

[۱] ہمارے نسخے اور جان لیڈن کے ترجمہ میں تو قراتیگین ہے اور قلمی نسخہ میں قیرتگین ہے ۱۲

[۲] یہ مقام حصار اور ختلان کے شمالی اور فرغانہ کے جنوبی پہاڑوں میں ہے۔ جان لیڈن نے نوٹ میں بحوالہ نسخہ ترکی یونان بھی لکھا ہے ۱۲

[۳] تورا کے معنی قاعدہ ہیں۔ یہاں مراد اُن لوگوں سے معلوم ہوتی ہے جو ضابطہ اور قاعدہ لشکر کے قائم رکھنے پر مقرر ہوں۔ اس موقع پہ بیان لیڈن نے بھی یہی لفظ رہنے دیا ہے ۱۲

[۴] کیچک بیگ یعنی (چھوٹا سردار) خواجہ کلان کا بڑا بھائی ۱۲

اُن لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہماری جرانغار اور دشمن کی برانغار گلہ بگلہ لڑنے لگی خواجہ کلان کا بھائی کنجنک بیگ نہایت خوب مستعدی سے لڑا کنجنک[1] بیگ کے بعد محمد علی مبشر بھی اچھا لڑا۔ دشمن اتنا حملہ بھی نہ جھیل سکا اور بھاگ نکلا۔ برانغار اور ہراول کو لڑنیکا موقع نہ ملا۔ بہت سے لوگ گرفتار ہوکر آئے میں نے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ ہمارے امراء میں سے قاسم بیگ اور علی دوست بیگ نے لیکن زیادہ تر علی دوست بیگ نے احتیاط اور نقصان کے خیال سے بھگوڑوں کے تعاقب میں دور بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ اس سبب سے اُنکے بہت سے لوگ گرفتار نہ ہوئے۔ ہم وہیں ضیع خوبان میں اُتر پڑے۔ میں پہلے پہل[2] باقاعدہ لڑائی یہی لڑا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے فتح عنایت کی۔ میں نے اس کو نیک شگون خیال کیا۔ دوسرے دن میری دادی شاہ سلطان بیگم اس خیال سے کہ اگر جہانگیر میرزا پکڑا گیا ہو تو اُس کو چھڑا لیں اندجان سے تشریف لائیں جاڑا[3] قریب آگیا تھا۔ بیرونجات میں غلہ اور گھاس کا نام نہ تھا۔ اس واسطے اورکند پر یورش کرنی مناسب نہ سمجھی۔ اور اندجان کی طرف مراجعت کیگئی۔

اندجان سے رباطک اورچینی کی طرف جانا

چند روز کے بعد مشورہ کرکے یہ تجویز قرار پائی کہ اندجان میں قشلاق قائم[4] کرنے سے دشمن کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچنے کا۔ بلکہ گمان غالب ہی کہ چوری اور قزاقی سے وہ اپنا کام بنالے ایسی جگہ قشلاق کرنا چاہیے جہاں ہمارے لشکر کو کھانے پینے کی تکلیف نہو اور دشمن کو ایک طرح سے ہم تنگ کرتے رہیں۔ اس مصلحت سے رباطک اورچینی (جسکو میان دوآب بھی کہتے ہیں) کی طرف اندجان سے روانہ ہوکر مواضعات اربیان و نوشاب کی نواح میں قشلاق کے لیے پہنچے اور وہیں قشلاق مقرر کیا۔ یہاں شکار کھیلنے کے عمدہ مقامات اور کھیل تماشوں کے لیے اچھے اچھے میدان ہیں دریا ایلامش کے قریب کے جنگلوں میں پہاڑی بکریاں۔ بارہ سنگے اور سؤر بہت ہوتے ہیں۔ اِس جنگل کے اُن ٹکڑوں میں جہاں جھاڑیوں کے دردور جھنڈ ہیں جنگلی جانور اور خرگوش کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور رنگ برنگ کے ہوتے ہیں۔ یہاں کی لومڑی اور جگہ کی لومڑیوں سے بڑی تیز رفتار ہوتی ہے۔ اِس قشلاق کے زمانہ میں دوسرے تیسرے دن میں شکار کھیلنے جاتا تھا۔ بڑے بڑے جنگل کھوند کر بارہ سنگوں اور پہاڑی بکریوں کا شکار کھیلتا تھا۔ اس کے تنگ جنگلوں میں جنگلی پرندوں پر شکاری جانور چھوڑے جاتے تھے اور تیر دوشاخہ سے بھی گرائے جاتے تھے۔ وہاں کا جنگلی پرندہ بہت فربہ ہوتا ہے جب تک ہم اُس قشلاق میں رہے اِن جنگلی جانوروں کا گوشت ڈھیروں پڑا رہتا تھا۔ قشلاق میں رہنے کے زمانہ میں خدا بیردی توغچی[5] جس کو میں نے مہربانی سے نیا امیر بنایا تھا دو تین مرتبہ تنبل کے قزاقوں[6] کو زیر کرکے اُنکے سر کاٹ لایا۔ اوش اور اندجان کی نواح کے قزاق[7] سپاہی بھی

[1] جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ نہیں ہے ۱۲ [2] یہ میری لڑائی تھی ۱۲ [3] جاڑا گزارنے کا مقام ۱۲ [4] الایش ۱۲ [5] نشان بردار ۱۲ [6] جان لیڈن نے (رسند رساؤں) کا لفظ لکھا ہے ۱۲ [7] یہاں جان لیڈن نے (جوانان قزاق) کا ترجمہ (ینگ مین) لکھا ہے ۱۲

متواتر دشمن کے علاقوں کو عیاری سے تباہ کرتے رہے۔ اُنکے گھوڑے پکڑ لائے۔ آدمیوں کو مار ڈالا اور اُن کو خوب دق کیا۔ اگر ہم جاڑے بھر اسی قشلاق میں رہتے تو عجب نہ تھا کہ گرمیوں کے آتے تک بے لڑے دشمن تباہ ہو جاتے کیونکہ ہم نے اتنے ہی دنوں میں دشمن کو بہت تنگ اور عاجز کر دیا تھا۔ اس وقت قنبر علی نے اپنے علاقہ میں جانے کی اجازت چاہی۔ ہر چند اُسکو یہ باتیں سمجھائیں اور منع کیا مگر وہ اور زیادہ جانے پر اڑ گیا۔ عجب ہلکا اور فندی آدمی تھا۔ مجبوراً اُسکو جانے کی اجازت دیدی۔ پہلے اُس کے علاقہ میں خجند تھا۔ اس دفعہ جو اندجان لیا ہے تو اسفرہ اور کند بادام بھی اُسی کو دیدیا گیا۔ ہمارے امرا میں قنبر علی ہی کے پاس بہت سا ملک اور بہت سے آدمی تھے۔ جتنا یہ ذی مقدور تھا اُتنا کوئی نہ تھا۔ ہم چالیس پچاس دن تک اِس قیشلاق میں رہے۔ قنبر علی کی وجہ سے لشکر کے اور لوگوں کو بھی رخصت دینی پڑی اور ہم بھی آخر اندجان میں آگئے۔ جتنے دن ہم قشلاق میں رہے اُتنے دن تنبل کے آدمی نچلے نہ بیٹھے۔ خان کے پاس تاشکند لوگوں کے آنے جانے کا لگا لگا ہی رہا۔ احمد بیگ (جو سلطان محمود خاں کے بیٹے سلطان محمد سلطان کا بیگ آتکہ[1] اور خان کا رعایتی بڑا سردار تھا اور تنبل کا چچیرا بھائی تھا) اور بیگ تلبہ (جو خان کا ایشک آغا[2] تھا اور تنبل کا سگا بڑا بھائی تھا) نے خان کے اور تنبل کے پاس آمد و رفت کر کے خان کو اس پر آمادہ کیا کہ تنبل کی مدد کریں۔ بیگ تلبہ جب سے پیدا ہوا تھا مغلستان ہی میں رہا تھا۔ اور مغلوں ہی میں رہکر چھوٹے سے بڑا ہوا تھا۔ ہمارے ملک میں کبھی نہ آیا تھا۔ اور اس ملک کے کسی بادشاہ کی خدمت میں نہیں رہا تھا۔ ہمیشہ اس نے ان خوانین ہی کی خدمتیں کی تھیں۔ اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو تاشکند میں چھوڑ کر یہ خود اپنے چھوٹے بھائی تنبل کے ساتھ ہو گیا۔

قاسم عجب کی گرفتاری

ان دنوں میں ایک عجیب حادثہ ہوا۔ وہ یہ ہے کہ قاسم عجب کو میں آخشی میں عارضیۃً چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ قزاقوں کے تعاقب میں نکلا۔ دریائے خجند سے پار ہو کر مقام بخراتا[3] میں پہنچا تھا کہ تنبل کی بہت سی فوج سے اُسکا مقابلہ ہوا اور مقابلہ ہوتے ہی وہ پکڑا گیا۔ جب تنبل نے ہماری لشکر کے چلے جانے کی خبر سُنی اور اُسکا بڑا بھائی بیگ تلبہ خان سے باتیں کر کے آگیا اور کمک کا آنا اُسکو یقینی ہو گیا تو تنبل اوزکند[4] سے میان دوآب میں آگیا۔ اس اثنا میں کاشان سے تحقیق خبر آئی کہ خان نے تنبل کی مدد کے لیے محمد سلطان خانیکہ اپنے بیٹے کو (جو سلطانیم مشہور تھا) مع احمد بیگ کے مقرر کیا ہے۔ اُسکے ساتھ پانچ چھ ہزار آدمی ہیں۔ ارچہ کنت[5] کے راستہ سے کاشان کو آگھیرا۔ ہم نے بھی کچھ اُن لوگوں کا انتظار نہ کیا جو اِدھر اُدھر گئے ہوئے تھے۔ جس قدر لوگ موجود تھے اُنہی کو ہمراہ لے بلا توقف اُسی گرد کرداتے جاڑے میں اللہ پر توکل کیا۔

[1] وہ شخص جو شہزادہ کی سرکار کا مختار کل ہو ۱۲
[2] داروغہ دیوانخانہ جس کو انگریزی میں چیمبرلین کہتے ہیں ۱۲
[3] بخراتا ۱۲
[4] اوزکند ۱۲
[5] ارچہ قند ۱۲

اور سلطانیم اور احمد بیگ پر چڑھائی کرنے کے لیے اندجان سے براہ بند سالار ہم روانہ ہوئے رات بھر کہیں دم نہ لیا۔ دوسرے دن آخشی میں آکر ٹھیرے۔ اس رات بلا کی سردی تھی۔ یہ حال تھا کہ بعض کے تو ہاتھ پاؤں ٹھٹھر گئے تھے۔ اور بہت لوگوں کے کان ایسے ہو گئے تھے جیسے مرجھائے ہوئے سیب ہوتے ہیں۔ آخشی میں ہم نے زیادہ توقف نہ کیا۔ قاسم عجب کی جگہ یارک طغائی کو عاریۃً آخشی میں چھوڑ کر ہم کاشان کی طرف روانہ ہو گئے۔ کاشان کوس بھر رہا ہوگا۔ جو خبر آئی کہ ہمارے آنے کی سنکر احمد بیگ اور سلطانیم پریشان ہوئے اور فوراً بھاگ گئے۔ تنبل کو ہمارے آنے کا جو حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بھائی کی کمک کے لیے بطریق ایلغار آن پہنچا۔ تیسرا پہر تھا کہ تنبل کے لشکر کے سپاہی توکند[1] کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی کے یوں جلد اور بے موقع پلٹ جانے اور ہمارے اس طرح جھٹ پٹ پہنچ جانے پر تنبل حیران رہ گیا۔ میں نے کہا خدا کی کارسازی ہے کہ وہ انکو اس طرح لے آیا ہے کہ ان لوگوں کے گھوڑوں میں تکان سے دم نہیں رہا ہے۔ لڑائی ہو تو خدا سے امید ہے کہ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جانے پائیگا۔ ویس لاغری وغیرہ نے عرض کیا کہ دن آخر ہو گیا ہے۔ اگر آج مقابلہ بھی ہوا تو کل یہ کہاں بچ کر جائیں گے۔ کل جہاں یہ ہونگے وہیں ہم ان کو آگے رکھ لیں گے۔ یہی صلاح ٹھیری اور اس وقت لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح غنیم کا قابو میں آنا اور پھر بچکر نکل جانا اس ترکی مثل کا مصداق ہے۔ "قابو میں آئے ہوئے کو چھوڑ دینے سے بڑھاپے تک افسوس کرنا پڑتا ہے ع

کار را بوقت باید جست ۔۔۔ کار بے وقت سست باشد سست

دشمن نے صبح تک کی فرصت کو غنیمت جانا۔ اوّل رات وہ کہیں نہ ٹھیرا اور قلعہ ارخیان میں آ گیا۔ جب صبح کو ہم نے غنیم پر چڑھائی کی اور اس کو اپنی جائے پر نہ پایا تو ہم بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ چونکہ ہمنے قلعہ ارخیان کے قریب محاصرہ مناسب نہ جانا اس لیے کوس بھر کے فاصلہ پر قریہ نسکان[2] میں ڈیرے ڈالدیے۔ تیس چالیس دن تک ہم تو اسی پڑاؤ میں پڑے رہے اور تنبل قلعہ ارخیان میں رہا۔ کچھ کچھ لوگ ادھر سے اور ادھر سے آتے تھے اور دو دو ہاتھ کر کے پلٹ جاتے تھے۔ ایک رات وہ شبخون لیکر آئے۔ لشکر سے دور ہی سے کچھ تیر مار کر الٹے پھر گئے۔ ہمارے لشکر کے گرد خندق کھود دی گئی تھی اور جھانکر لگا دیے گئے تھے۔ اس سبب سے وہ کچھ نہ کرسکے۔ ہم اسی مقام میں تھے کہ دو تین مرتبہ قنبر علی نے بگڑ کر اپنے علاقہ میں جانا چاہا۔ آخر ایک دفعہ چلا ہی تھا کہ بعض امرا کو بھیجکر بڑی دقت سے اس کو الٹا پھیرا۔ اسی اثنا میں سید یوسف مچمی[3] نے سلطان احمد تنبل کے پاس آدمی بھیجے اور اس سے سازو باز کی۔ اندجان کے پہاڑوں کے دامنوں میں جو اضلاع ہیں

[1] توکند۔ یہ مقام اوزکند اور کاشان کے درمیان میں مقام ترک کے شمال میں ہے ۱۲ [2] نسکان یا نسنکان ۱۲ [3] مچمی ۱۲

اُن میں دو ضلعے مشہور ہیں۔ ایک ادیغور۔ دوسرا تخم[1]۔ تخم میں سید یوسف بڑا آدمی تھا۔ رفتہ رفتہ میری سرکار میں روشناس ہو گیا۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اگرچہ اُس کو کسی نے امیر بنایا تھا مگر وہ خود امیری کا دعوےٰ کرنے لگا۔ بڑا ہی منافق اور تلوّن مزاج آدمی تھا۔ اس دفعہ جو میں نے اندجان لیا ہے تو جب سے اب تک دو تین مرتبہ مجھ سے ملکر تنبل سے باغی ہو گیا۔ اور دو تین بار تنبل کے ساتھ ہو کر مجھ سے پھر گیا۔ اُس کی آخری بغاوت یہی تھی۔ اُس کے ساتھ بہت سے قبائل تھے۔ اِس خیال سے کہ وہ تنبل کے پاس نہ پہنچ جائے اور ہم اُسکو راستہ ہی میں گھیر لیں ہم بھی سوار ہو گئے۔ تیسرے دن ہم پشتخاران[2] کے مقام میں پہنچے لیکن تنبل کی فوج قلعہ پشتخاران میں داخل ہو چکی تھی۔ اس حملہ میں جو سردار ساتھ تھے اُن میں سے علی درویش بیگ اور قوچ بیگ مع اپنے بھائیوں کے پشتخاران کے دروازہ پر جا پہنچے اور گھمسان کی لڑائی لڑے قوچ بیگ نے اپنے بھائیوں سمیت لڑائی میں کوشش کر کے اکثر ناموری حاصل کی۔ پشتخاران سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک اونچی جگہ ہم اُترے۔ تنبل جہانگیر میرزا کو لیے ہوئے آیا اور قلعۂ پشتخاران[3] کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کے اُتر پڑا۔

جہانگیر میرزا سے صلح تین چار دن کے بعد ہمارے اُن امرا میں سے جو خلاف میں تھے علی دوست اور قنبر علی سلاخ نے مع اپنے توابع و لواحق کے صلح کی تجویزیں کرنی شروع کیں۔ ہمارے طرفداروں کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی۔ ہم لوگ اس پر اصلا راضی نہ تھے مگر جب بڑے دو امیر یہی دو مرد تھے تو انکی بات نہ سننے اور صلح نہ کرنے میں اندیشے تھے۔ ضرورۃً اسی طرح صلح کرنی پڑی کہ دریائے خجند سے آخشی کی طرف کا ملک جہانگیر میرزا لیلے۔ اور اندجان کی جانب کا ملک میرے قبضہ میں رہے۔ اور کند کو بھی اپنے اہل و عیال کے بُلا لینے کے بعد ہمارے ہی قبضہ میں دیدے۔ اس تقسیم کے بعد میں اور جہانگیر میرزا بہ اتفاق سمرقند پر چڑھائی کریں سمرقند فتح ہو جائے تو سمرقند میں لیلوں اور اندجان جہانگیر میرزا کو دیدیا جائے۔ یہی بات قرار پا گئی۔ دوسرے دن جہانگیر میرزا اور تنبل آئے۔ رجب[4] کے مہینے کا آخر تھا۔ جب اُنہوں نے مجھ سے ملازمت حاصل کی درجوبات مقرر ہوئی تھی اُسکا عہد اور پیمان کر لیا۔ جہانگیر میرزا کو آخشی کی طرف رخصت دی گئی۔ اور میں اندجان میں آ گیا۔ اندجان میں آتے ہی میں نے تنبل کے چھوٹے بھائی خلیل وغیرہ کو جو قید تھے رہائی دی۔ اور سب کو خلعت دیکر رخصت کر دیا۔ اُنہوں نے بھی ہمارے امراء اور مصاحبوں کو (جو مقید تھے جیسے طغائی بیگ۔ دوست محمد۔ میر شاہ قوچین۔ سیدی بیگ۔ قاسم عجب۔ پیر ویس اور میرم دیوان) رہا کر کے بھیدیا۔

علی دوست کا فروغ اندجان میں آنے کے بعد علی دوست کا اور ہی ڈھنگ ہو گیا جو لوگ

[1] تخم ۱۲ [2] پشغاران ۱۲ [3] اور قلعۂ پشغاران میں اترا ۱۲ [4] آخر فروری سنہ ۱۵ء

مصیبتوں اور جھگڑوں میں میرے رفیق تھے اُن سے بُرے سلوک کرنے لگا۔ پہلے تو خلیفہ کو نکالا۔ پھر ابراہیم سارد اور ویس لاغری کو بے سبب اور بیگناہ ماخوذ کرکے اُن کا گھربار لوٹ لیا۔ اور اُنکو اُن کے علاقوں سے نکالدیا۔ آخر قاسم بیگ کی بھی خبر لی۔ ظاہر میں یہ ارتلا لیا کہ خلیفہ اور ابراہیم سارد خواجہ قاضی کے دوست ہیں۔ مجھ سے اُن کا بدلا لیں گے۔ اُسکا بیٹا محمد دوست تو بادشاہت ہی کے ڈھنگ برتنے لگا۔ اسکی مجلس وضیافت کا طریق۔ دربار کا قرینہ اور سامان آرائش بالکل بادشاہوں کا سا ہونے لگا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے تنبل کے برتے پر یہ حرکتیں کرنی اختیار کیں۔ مجھے بھی اتنا اقتدار اور اختیار نہ رہا کہ ان کو ایسی نامعقول حرکتوں سے روک سکوں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ تنبل جیسا دشمن ان کی حمایت پر میری بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ جو ان کا جی چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ کیا نازک موقع تھا کہ میں دم نہ مار سکتا تھا۔ اُس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں سے میں نے بڑی ذلت کی برداشت کی۔

پہلی شادی

عائشہ سلطان بیگم میرے چچا سلطان احمد میرزا کی بیٹی جس سے میرے باپ اور چچا کی زندگی میں منگنی ہو گئی تھی وہ خجند میں آ گئی۔ شعبان کے مہینے میں میں نے اُس سے شادی کی۔ اگرچہ ابتدا میں جبکہ نئی نئی شادی ہوئی ہے مجھے اُس سے بہت محبت تھی۔ مگر مارے شرم کے دسویں۔ پندرھویں۔ بیسویں دن میں اُس کے پاس جایا کرتا تھا۔ آخر خود ہی وہ محبت نہ رہی۔ اور حجاب اور زیادہ ہو گیا۔ مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میری والدہ خانم نے بہت دھمکایا اور بڑی دقتوں سے مجھے اُس کے پاس بھیجا۔

عاشق ہونا

اُردو بازار میں ایک لڑکا تھا۔ بابری نام جس میں ہمنامی کی بھی ایک مناسبت تھی۔ انہی دنوں میں مجھے اُسکے ساتھ عجیب لگاؤ پیدا ہو گیا۔ شعر

اُس پری وش پہ کیا ہوا شیدا ۔۔۔ بلکہ اپنی خودی بھی کھو بیٹھا

اس سے پہلے میں کسی پر فریفتہ نہ ہوا تھا۔ کسی سے مہر و محبت کی بات تک نہ کی تھی۔ بلکہ دل لگی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس زمانہ میں ایک آدھ شعر فارسی میں بھی کہا کرتا تھا۔ اُن میں سے ایک شعر یہ ہے

ہیچ کس چوں من خراب و عاشق و رسوا مباد ۔۔۔ ہیچ محبوبے چو تو بے رحم و بے پروا مباد

مگر حال یہ تھا کہ اگر کبھی بابری میرے سامنے آجاتا تھا تو مارے شرم کے میں نگاہ بھر کر اُس کی طرف نہ دیکھ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ اُس سے مل سکوں اور باتیں کرسکوں۔ اضطراب دل کی یہ حالت تھی کہ اُس کے آنے کا شکریہ تک ادا نہ کرسکتا تھا۔ یہ تو کہاں کہ نہ آنے کا گلہ زبان پر لاسکتا۔ اور زبردستی بُلانے کی تو مجال ہی کس کو تھی۔ اسی شیفتگی کے زمانہ میں ایک دن اپنے حشم و خدم کے ساتھ میں ایک گلی میں چلا جاتا تھا۔ دفعۃً بابری سے میرا آمنا سامنا ہو

میری عجیب حالت ہوئی۔ قریب تھا کہ اپنے آپے میں نہ رہوں۔ آنکھ اُٹھا کر دیکھنا یا بات کرنا تو ممکن نہ تھا بہت جھینپتا ہوا اور گھبراتا ہوا میں آگے بڑھ گیا۔ محمد صالح کی یہ بیت بے اختیار یاد آگئی ؎

شوم شرمندہ ہرگہ یار خود را در نظر بینم — رفیقاں سوئے من بینند و من سوئے دگر بینم

یہ بیت بالکل میرے حسب حال تھی۔ اُن دنوں میں عشق و محبت کا ایسا زور اور جوانی اور جنون کا انتہا غلبہ ہوا کہ کبھی کبھی ننگے سر ننگے پاؤں محلوں میں۔ باغوں میں اور باغیچوں میں ٹہلا کرتا تھا۔ نہ اپنے اور بیگانے کی طرف التفات تھا۔ نہ اپنی اور دوسرے کی پروا تھی۔ شعر

نہ تھا معلوم مجھ کو مجھے الفت میں پیش آیا — کسی کو کوئی دل دے تو یہی گت اُسکی ہوتی ہے

کبھی دیوانوں کی طرح اکیلا پہاڑ اور جنگل کھوندتا پھرتا تھا۔ کبھی باغوں اور محلوں میں کوچہ بکوچہ بھٹکتا پھرتا تھا۔ نہ پھرنے میں اور بیٹھنے میں اپنا اختیار تھا۔ نہ چلنے میں اور ٹھیرنے میں قرار تھا۔ شعر

اب بیٹھنے اُٹھنے کی بھی مجھ میں تو نہیں تاب — کیا اور تو ایدل مجھے بیتاب کرے گا

اسی سال میں سلطان علی میرزا اور محمد مزید ترخان کا بگاڑ ہوگیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترخانی بہت مقتدر و معتبر ہوگئے تھے۔ باقی تو در و بست۔ بخارا کو دبا بیٹھا تھا۔ یہانتک کہ بخارا کی آمدنی میں سے ایک حبہ کسی کو نہ دیتا تھا۔ محمد مزید ترخان بھی سمرقند کا بالکل مالک بن بیٹھا تھا۔ اس نے سارا ملک اپنے بیٹوں۔ متعلقوں اور عزیزوں کے لیے گھیر لیا تھا۔ شہر کی آمدنی سے جو تھوڑی سی رقم راتبہ کے طور پر مقرر کر دی گئی تھی اُس کے سوائے ایک پیسہ سلطان علی میرزا کو کسی طریقہ سے نہ پہنچتا تھا۔ سلطان علی میرزا جوان ہو گیا تھا۔ وہ اس طریقہ کا تحمل کب تک کرتا۔ اپنے رفیقوں کے بل پر محمد مزید ترخان کے درپے ہوا۔ محمد مزید ترخان اس بات کو تاڑ گیا۔ میرزا کو اور اُس کے نوکروں۔ چاکروں۔ متعلقوں۔ عزیزوں اور اُن امرا کو جو اُس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون۔ پیر احمد۔ اوزون حسن کا چھوٹا بھائی خواجہ حسین۔ قرابرلاس۔ صالح محمد اور بعض اور امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لیکر شہر سے باہر آگیا تھا۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود خاں نے محمد حسین دوغلت۔ احمد بیگ اور اپنے بہت سے مغلوں کو خان میرزا کے ہمراہ سمرقند کی طرف بھیجا تھا۔ حافظ بیگ دولدائی اور اُس کا بیٹا طاہر بیگ تو خان میرزا کے بیگ آتکہ ہی تھے۔ حسن نبیرہ۔ ہندو بیگ اور کچھ اور لوگ جو حافظ بیگ اور طاہر بیگ سے لگاؤ رکھتے تھے سلطان علی میرزا کے پاس سے بھاگ کر خان میرزا کے پاس چلے گئے۔ محمد مزید خان نے یہ کیا کہ لوگوں کو بھیجا۔ اور خان میرزا اور لشکر مغل کو بلایا۔ شادوار کی نواح میں آکر خان میرزا اور امرائے مغل سے ملاقات کی۔ چونکہ امرائے مغل کا محمد مزید بیگ اور

عزیزوں اور اُن سرداروں کو جو اس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون۔ پیر احمد۔ خواجہ حسین (اوزون حسن کا چھوٹا بھائی) قرابرلاس۔

ان لوگوں سے خوب میل جول نہ ہوا۔ بلکہ مغلوں نے محمد مزید ترخان کی گرفتاری کا ارادہ بھی کر لیا تھا مزید ترخان اور اس کے امرا اس چال کو سمجھ گئے۔ اور بہانہ کر کے مغلوں سے کنارہ کر گئے۔ ان کے الگ ہوتے ہی مغلوں کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے جب یہ لوگ یار ییلاق میں آ کر ٹھیرے تو سلطان علی میرزا سمرقند سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دفعۃً خان میرزا پر مغلوں کے لشکر پر آ پڑا۔ مغل بے لڑے بھاگ نکلے۔ آخر میں سلطان علی میرزا سے یہ ہی ایک عمدہ کام ہوا۔

مزید ترخان وغیرہ کی اشتعالک سے سمرقند جانا اور ناکام ہونا۔

محمد مزید ترخان اور سب لوگ نئی میرزا وغیرہ میرزاؤں سے یاوس ہو گئے تھے عبدالوہاب مغل کو جو اس سے پہلے میرے پاس تھا اور جسنے اندجان کے گھر جانے کے موقع پر خواجہ قاضی کا خوب ساتھ دیا تھا اور اپنی جان لڑا دی تھی میرے پاس بھیجا۔ اور مجھے اپنی مدد کے لیے بلایا میں خود اس معاملہ کے واسطے خراب و خستہ ہو رہا تھا۔ سمرقند ہی پر چڑھائی کرنے کے لیے جہانگیر میرزا سے صلح کر لی تھی۔ فوراً میر مغل کو جہانگیر میرزا کے پاس ڈاک چوکی میں آخشی بھیجا۔ اور آپ سمرقند کی جانب جانیکو آمادہ ہوا۔ ذیقعدہ کا مہینہ تھا جو سمرقند کی طرف لشکر کی روانگی ہوئی۔ چوتھے دن مقام قبا میں ہم پہنچے۔ ظہر کے وقت خبر آئی کہ تنبل کے چھوٹے بھائی خلیل نے آوش کا قلعہ چوری سے آ کر چھین لیا ہے۔ اسکا مفصل حال یہ ہے کہ اُن قیدیوں کو جنکا سردار تنبل کا چھوٹا بھائی خلیل تھا رہا کر دیا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تنبل نے خلیل کو اہل و عیال وغیرہ کے لانیکے واسطے جو اورکند[۱] میں تھے بھیجا تھا۔ یہ اس بہانہ سے اورکند میں آ کر ٹھیر گیا۔ لگا حیلے حوالے کرنے کہ آج آتا ہوں۔ کل آتا ہوں۔ جب میں مع لشکر سوار ہو گیا تو میدان صاف دیکھا اور آوش کو خالی پایا۔ راتوں رات چوری سے آ کر دفعۃً اوش کو لے لیا۔ یہ خبر ہم نے سُنی مگر ٹھیرنا اور اُس سے لڑنا کئی وجہ سے خلاف مصلحت دیکھا۔ اور سمرقند کی طرف ہم متوجہ ہو گئے۔ وہ وجوہات یہ تھیں کہ ایک تو میرے سارے سپاہی سامان جنگ درست کرنے کے لیے اپنے اپنے گھر مختلف مقامات میں چلے گئے تھے اور ہم سب صلح کے بھروسے پر دشمنوں کے فریبوں سے غافل اور بے خبر تھے۔ دوسرے علی دوست اور قنبر علی جیسے ہمارے دو بڑے سرداروں سے ایسی حرکتیں ظاہر ہو چکی تھیں کہ اُن پر اعتماد نہ رہا تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ تیسرے تمام امرائے سمرقند نے جنکا سردار محمد مزید ترخان تھا مغل عبدالوہاب کو میرے پاس میرے بلانیکو لیے بھیجا تھا۔ بھلا سمرقند جیسے پائے تخت کو چھوڑ کر اندجان جیسے چھوٹے سے ملک میں کون اوقات ضائع کرتا۔ میں تو قبا سے مرغینان میں آ گیا۔ مرغینان میں قوچ بیگ کے باپ سلطان احمد بیگ کو مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے میرے ہمراہ نہ ہو سکا۔ مرغینان ہی میں رہ گیا۔

[۱] اوزکند ۱۲

ہاں۔ قوچ بیگ اپنے دو ایک بھائیوں سمیت میرے ساتھ ہوگیا بین اسفرہ کے راستہ پر ہولیا مجھی نام ایک موضع ہے جو اسفرہ کے توابعات میں سے ہے آکر اترا اتفاقات حسنہ سے قاسم بیگ مع اپنی فوج کے اور علی دوست مع اپنی فوج کے اور سید قاسم اور بہت سے عمدہ سپاہی اسی رات مجھی کے مقام میں اس طرح جیسے کوئی ڈاک میں آتا ہے آئے اور میرے ساتھ ہولیے۔ یہاں سے چلے دشت خیان کا راستہ طے کرتے ہوئے پل خوبان سے پار ہو کر مقام اوراتیپہ میں ہم آئے قنبر علی اپنے علاقہ خجند سے تنبل کے پاس اُسپر بھروسہ کرکے فوج کشی کے باب میں گفتگو کرنے آختی آیا۔ جونہی وہ آختی میں آیا ویونہی تنبل نے اُسے قید کرلیا۔ اور اُس کے علاقہ پر چڑھائی کردی۔ ترکی مثل مشہور ہے

بھروسہ نہ کر دوست پر اپنے تو — کہ بھر دیگا وہ بھُس تری کھال میں

جس وقت قنبر علی کو ایک جائے سے دوسری جائے لیجارہے تھے اُس وقت رستہ میں سے وہ پیادہ پا ہزار دقتوں سے بھاگ نکلا۔ اور ہم مقام اوراتیپہ ہی میں تھے کہ ہم سے آملا۔ اوراتیپہ ہی میں خبر آئی کہ شیبانی خاں قلعہ بوسی میں باقی ترخان کو زیر کرکے بخارا کی طرف روانہ ہوا ہے۔

ہم اوراتیپہ سے بیلاغ بورکہ ہوتے ہوتے سنگراز میں آئے۔ سنگراز کے داروغہ نے قلعہ حوالے کردیا۔ چونکہ قنبر علی تباہ اور برباد ہو کر آیا تھا اس لیے اُس کو تو سنگراز میں چھوڑا اور ہم آگے بڑھے۔ جب ہم مقام یورت خان میں اُترے تو امرائے سمرقند نے جنکا سردار محمد مزید ترخان تھا آکر ملازمت کی۔ سمرقند کی تسخیر کے باب میں میں نے اُن سے مشورہ کیا۔ سب نے کہا کہ خواجہ یحیےٰ بھی پادشاہ کا خواستگار ہے۔ اگر خواجہ اس بات پر جم جائے تو سمرقند بڑی آسانی سے بے کھٹکے ہاتھ آجائیگا۔ اس خیال سے کئی بار خواجہ یحیےٰ کے پاس بات چیت کرنے کے لیے آدمی بھیجے۔ خواجہ نے مجھے سمرقند میں بُلالینے کے باب میں کوئی پختہ جواب نہ بھیجا۔ مگر کوئی ایسی بات بھی نہ کہی کہ جس سے میں مایوس ہو جاؤں۔ یورت خان سے کوچ کیا اور مقام درغم کے قریب میں اُترا ہی تھے خواجہ یحیےٰ کے پاس محمد علی کتابدار کو بھیجا۔ وہ جواب لایا کہ آئیے شہر حاضر ہے۔ شام ہوتے ہی ہم درغم سے سوار ہو کر شہر کی طرف چلے۔ سلطان محمود دولدائی۔ سلطان محمد دولدائی کا باپ یورت خان سے بھاگ کر دشمنوں پاس چلا گیا اور اُن کو اس ارادہ کی خبر کردی۔ جب یہ بھید اُن پر کھل گیا تو جو خیال ہمنے کیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ ناچار ہم اُلٹے پھر آئے اور درغم کے پاس آن اُترے۔

اورامرار کا آنا اور علی دوست کا جانا

ابراہیم سارو منکلیغ نے جو سب سے زیادہ میرا مورد عنایت تھا اور جس زمانہ میں یار یلاق تھا اُس زمانہ میں علی دوست نے اُسکو برباد کرکے نکال دیا تھا میرے بیٹے محمد یوسف کے ساتھ آکر ملازمت حاصل کی

لکھا ہے قلمی نسخے میں چوبان ہے ۱۲ سے یار یلاق کا دار الملک یہی مقام ہے ۱۲ سے جان لیڈن کے ہاں یہ فقرہ (اور مجھ سے

غرض میرے تمام امراء اور مصاحبین علی دوست بیگ جن کے خلاف تھا جن میں سے اُسنے بعض کو جلاوطن بعض کو تاراج اور بعض کو برباد کر دیا تھا) ایک ایک کرکے سب میرے پاس آگئے۔ اب علی دوست کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ تنبل کے بل پر مجھ کو اور میرے دولتخواہوں کو بہت تنگ کیا تھا اور ستایا تھا اس لیے مجھ کو اس مردک سے نفرت ہوگئی تھی۔ وہ بھی مارے ڈر کے اور مارے شرمندگی کے میرے پاس نہ ٹھیر سکا مجھ سے اُس نے رخصت چاہی۔ میں نے بھی خوشی سے بے تامل رخصت دیدی۔ علی دوست اور محمد دوست دونوں رخصت لیتے ہی تنبل کے پاس چلے گئے اُس کے مقرب ہوگئے اور دونوں نے بہت سی بُرائیاں اور بغاوتیں میرے ساتھ کیں۔ دو ایک برس کے بعد علی دوست کے ہاتھوں میں سرطان پھوڑا ہوگیا اور وہ اُسی سے مرگیا۔ محمد دوست اُزبکوں کے پاس آگیا تھا۔ اگرچہ اُزبکوں میں چلے آنے سے اُس کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اُسکا چلا آنا اُس کے حق میں بُرا نتھا۔ مگر وہ وہاں سے بھی نمکحرامی کرکے بھاگ گیا اور اندجان کے پہاڑوں میں فتنہ و فساد برپا کرتا رہا۔ آخرکار ازبکوں نے پکڑ کر اُس کو اندھا کر دیا۔ یہ مثل سچ ہے کہ فلاں شخص کے نمک نے اُسکی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شیبانی خاں بخارا لیتا ہے

اُن دونوں کے رخصت دینے کے بعد میں نے غوری برلاس کو کچھ فوج کے ساتھ بخارا کی طرف سُن گُن لینے کے واسطے بھیجا معلوم ہوا کہ شیبانی خاں نے بخارا کو لے لیا۔ اور وہ سمرقند کی جانب چلا آتا ہے۔ میں اُس نواح میں اپنا ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیش[1] کی طرف چلا گیا۔ امرائے سمرقند کے گھر بھی اکثر کیش میں تھے۔ کیش میں آنے کے بعد دو ایک ہفتے گزرے تھے جو خبر آئی کہ سلطان علی میرزا نے سمرقند شیبانی خاں کے حوالے کر دیا۔ اسکا مفصل حال یہ ہے کہ سلطان علی مرزا کی ماں زہرہ بیگی آغا نے اپنی نادانی اور بیوقوفی سے خفیہ شیبانی خاں پاس آدمی بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر شیبانی خاں مجھ سے نکاح کرلے تو میرا بیٹا سمرقند اُس کو دیدیگا لیکن شیبانی خاں[2] سمرقند لینے کے بعد سلطان علی میرزا کے باپ کا ملک پھر اُسکو دیدے۔ اِس کارروائی سے یوسف ارغون واقف تھا بلکہ اُسی غدار نے یہ سمجھائی تھی۔

سنہ ۹۰۶ ہجری کے واقعات

شیبانی خاں کا سمرقند میں آنا اور علی میرزا کا قتل ہونا

شیبانی خاں اس عورت کے وعدہ پر چلا آیا اور باغ میدان میں آن اُترا[3] سلطان علی میرزا نے یہ کیا کہ نہ کسی امیر۔ سردار۔ ملازم اور سپاہی کو خبر کی نہ کسی سے صلاح لی۔ دوپہر کے قریب صرف تھوڑے سے چھوڑ بڑے

[1] سمرقند کے شمال میں پہاڑوں کے اس طرف قلعہ ہے ۱۲

[2] لیکن شیبانی خاں اُسکے باپ کا ملک لینے کے بعد سمرقند علی میرزا کو دیدے ۱۲

[3] مطابق ۲۰ جولائی سنہ ۱۵۰۰ء

خانگی ملازموں کے ساتھ چار راہہ دروازہ سے باہر نکل باغ میدان میں شیبانی خاں پاس آگیا۔ شیبانی خاں میرزا سے کچھ اچھی طرح نہ ملا۔ ملاقات کے بعد اپنے سے بہت نیچی جگہ بٹھایا۔ خواجہ یحییٰ نے جو میرزا کے جانے کی خبر سُنی تو گھبرا گیا۔ خواجہ سے سوائے اِسکے اور کچھ نہ بن پڑی کہ وہ بھی شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ شیبانی خاں نے ملاقات کے وقت خواجہ کی تعظیم نہ دی۔ اور شکایت آمیز باتیں کیں۔ جب خواجہ چلنے لگا تو شیبانی خاں خواجہ کی تعظیم کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ خواجہ علی کا بیٹا خان علی پائی مقام رباط خواجہ میں تھا۔ اپنے میرزا کے نکل آنیکی سُنتے ہی وہ بھی شیبانی خاں کے پاس آگیا۔ اس کمبخت عورت نے جو ناقص العقل تھی خاوند کرنیکی ہوس میں اپنے بیٹے کی عزت کو اور گھر بار کو برباد کر دیا۔ شیبانی خاں نے اُسکی ذرا پروا نہ کی بلکہ اُسکو حرم اور شربت کے برابر بھی نہ سمجھا۔ سلطان علی میرزا بھی اپنے معاملہ میں حیران اور اپنے چلے آنے سے بہت پشیمان تھا۔ اُس کے بعض مقربوں نے یہ کیفیت دیکھکر چاہا کہ میرزا کو لے بھاگیں۔ مگر سلطان علی میرزا راضی نہوا۔ چونکہ موت آہی گئی تھی اس لیے اُس سے نہ بچ سکا۔ تیمور سلطان کے پاس چلا گیا۔ چار پانچ دن بعد مرغزار قلبہ میں اُس کو قتل کر ڈالا۔ وہ اس ناپائدار اور جانیوالی جان کے لیے بدنام ہوکر مرا کیونکہ ایک عورت کے کہنے میں آگیا۔ اور نیکناموں کے زُمرے سے نکل گیا۔ ایسے شخص کے حالات اس سے زیادہ نہ لکھنی چاہیں اور ایسی بُری حرکتیں اس سے زیادہ کوئی سن بھی نہیں سکتا۔ سلطان علی میرزا کے قتل کرنیکے بعد خان نے جان علی کو بھی میرزا کے پاس بھیجدیا۔ چونکہ خواجہ یحییٰ سے شیبانی خاں خائف تھا اسلیے خواجہ کو دونوں بیٹوں خواجہ محمد ذکریا اور خواجہ باقی سمیت خراسان چلے جانے کی رخصت دیدی۔ مگر پیچھے پیچھے کچھ اُزبک بھی گئے۔ اُنہوں نے حضرت خواجہ کو مع دونوں لڑکوں کے نواح خواجہ کار زون[1] میں شہید کر دیا۔ شیبانی خاں کہا کرتا تھا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا بلکہ قنبر علی[2] اور کپک بے نے کیا ہے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ"۔ جب کسی پادشاہ اور خان کے امراء ایسا کام بے اُس کے پوچھے کچھے کریں تو پھر اُسکی پادشاہی اور خانی ہی کیا۔

کیش کا چھوڑنا

جونہی ازبکوں نے سمرقند پر قبضہ کیا وونہی ہم بھی کیش سے حصار کی طرف چلے گئے۔ محمد مزید ترخان اور امرائے سمرقند مع اپنے متعلقوں اور بال بچوں کے ہمارے ساتھ چلے۔ علاقہ چغانیان کے مرغزار میں پہنچنے کے بعد محمد مزید ترخان اور سمرقند کے امراء ہم سے علیحدہ ہوکر خسروشاہ پاس چلے گئے اور اُس کے نوکر ہوگئے۔ ہماری یہ حالت ہوگئی کہ ہم شہر اور ملک سے محروم۔ نہ کہیں ہمارے رہنے کا موقع نہ جانے کا ٹھکانا۔ گو خسروشاہ نے ہمارے خاندان سے بہت کچھ بُرائیاں کی تھیں مگر ناچار اُسی کے ملک میں سے جانا پڑا۔ مجھے ایک خیال تھا کہ ملک قراتگین[3] اور الاتی[4] کے راستہ سے ہوتے ہوئے اپنے چھوٹے خان دادا الچہ خان کے پاس چلنا چاہیے۔ مگر یہ خیال پورا نہ ہوا۔

[1] کار زون ۱۲
[2] قنبر بے۔ جو شخص بہت ملازم اور معتقد ہوتا ہے وہ لفظ بے سے مخاطب کیا جاتا ہے اور سردار سمجھا جاتا ہے ۱۲
[3] قلمی نسخہ میں قرتگین ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہے کہ اس موقع پر ملک کاشغر کے پہاڑوں میں سے گزرے ہونگے پھر الاتاغ پہاڑوں کے مشرق میں گئے ہونگے۔ یہ پہاڑ کاشغر اور مغلستان کو اوش اور کاشان وغیرہ سے جدا کرتے ہیں ۱۲
[4] جان لیڈن نے متن میں تو الاتی کا نام نہیں لکھا مگر نوٹ میں فارسی نسخوں کے حوالہ سے لکھا ہے ۱۲

کھمرود سے بہت اونچی جانب پھر کر سرہ تاق[۱] اور ایاپی کے اوپر سے ہمارا چلنا ہوا۔ جب ہم نونداک کی نواح میں پہنچے تو خسرو شاہ کا ایک نوکر آیا۔ نو گھوڑے اور نو پارچے اپنے آقا کی طرف سے اُسنے نذر کیے۔ کھمرود کی گھاٹی میں ہم پہنچے۔ اُس وقت شیر علی چہرہ خسرو شاہ کے بھائی ولی کے پاس چلا گیا۔ دوسرے دن قوچ بیگ الگ ہو گیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ درۂ کھمرود[۲] میں آکر ہم اوپر کی جانب چلے۔ ان تنگ راستوں۔ گڈھب گڑھوں اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بہت سے گھوڑے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہے۔ تین چار منزلیں کرکے ہم سرہ تاق کی گھاٹی پر پہنچے۔ گھاٹی اور کس بلا کی گھاٹی! میں نے کبھی ایسی ڈھلوان اور تنگ گھاٹی نہیں دیکھی تھی۔ اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور گڈھب گڑھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہوا تھا۔ بڑی تشویش اور صعوبت کے ساتھ ان خطرناک تنگیوں اور گڑھوں سے نکل کے اور نہایت رنج و مشقت اُٹھانیکے بعد اونچی اونچی تنگ اور مُہلک گھاٹیوں کو طے کرکے قان کی نواح میں پہنچنا ہوا۔ قان کی پہاڑوں میں بڑی جھیل ہے جسکا محیط تخمیناً کوس بھر ہوگا۔ نہایت خوبصورت جھیل ہے۔ اس مقام پر خبر آئی کہ ابراہیم ترخان قلعۂ شیراز میں ہی۔ اور اُسنے قلعہ کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ یار ییلاق کے علاقہ کے قلعونکو بھی قنبر علی اور ابو القاسم کوہ بر درست کرکے وہاں ہو بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں خواجہ دیدار میں تھے۔ جب اُزبکوں نے سمرقند لیا ہے تو یہ خواجہ دیدار میں نہ ٹھیر سکے۔ اور یار ییلاق میں چلے آئے۔ میں نے مقام قان کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑا اور مقام کسود کی طرف رُخ کیا۔ ملک قان مہمان نوازی۔ سخاوت۔ خدمتگزاری اور انسانیت میں مشہور تھا۔ جس زمانہ میں سلطان حسین میرزا نے حصار چھینا ہے اُس زمانہ میں سلطان مسعود میرزا اپنے چھوٹے بھائی بائسنغر میرزا پاس سمرقند میں اسی راستہ سے گیا تھا۔ ملک قان نے ستر اسی گھوڑے اُسکی نذر کیے تھے اور بہت خاطر و مدارات کی تھی۔ میرے لیے ایک صرف ایک مریل سا بھیجدیا اور آپ نہ آیا خدا کی قدرت ہے۔ جب ہم پر وقت پڑا ہے تو جو لوگ سخاوت میں مشہور تھے وہ خسیس ہو گئے اور جو لوگ با مروّت تھے وہ مروّت کو بھول گئے۔ خسرو شاہ بھی بہت ہی سخی و کریم مشہور تھا۔ بدیع الزمان میرزا کے ساتھ اُسنے کیسی خدمتگزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اُسنے بہت انسانیت و سخاوت برتی۔ دو دفعہ ہم کو اُسکے ملک سے گزرنیکا موقع ہوا۔ ابنائے جنس تو درکنار جو بات ہمارے ادنے نوکر کے ساتھ کرنی چاہیے تھی وہ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بلکہ ہمارے نوکروں کے برابر بھی ہمکو نہ سمجھا۔

کی کسکے ساتھ اے دل اہل جہاں نے نیکی ۔۔۔ جو آپ ہی بُرا ہو اُس سے امید کیسی

اس خیال سے کہ شاید کسود کے قلعہ میں اُزبک ہوں قان سے نکلتے ہی کہیں دم نہ لیا اور قلعۂ کسود کو جا گھیرا۔ لیکن قلعہ پہلے ہی ویران تھا۔ مدت سے کوئی اُس میں نہ تھا۔ وہاں سے چلکر ہم دریائے کوہک کے کنارے پر آن اُترے۔ مقام یاری کے موڑ سے بذریعۂ پُل دریائے کوہک کے پار ہوئے۔ قاسم بیگ کے زیر حکم بعض امراء کو قلعۂ رباط خواجہ کی طرف بھیجا تاکہ اُسکو دھوکے سے فتح کر لیا جائے۔ ہم یاری اور

[۱] جان لیڈن نے صرف سرہ تاق ہی لکھا ہے۔ ایاپی نہیں لکھا ۱۲ [۲] کھمرود کا پہاڑ ملک حصار کے پیچھے کی جانب ہے ترتاق تک پہنچا ہے جہاں

خانگی ملازموں کے ساتھ چار راہہ دروازہ سے باہر نکل باغ میدان میں شیبانی خاں پاس آ گیا۔ شیبانی خاں میرزا سے کچھ اچھی طرح نہ ملا۔ ملاقات کے بعد اپنے سے بہت نیچی جگہ بٹھایا۔ خواجہ یحیٰے نے جو میرزا کے جانے کی خبر سُنی تو گھبرا گیا۔ خواجہ سے سوائے اِسکے اور کچھ نہ بن پڑی کہ وہ بھی شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ شیبانی خاں نے ملاقات کے وقت خواجہ کی تعظیم نہ دی۔ اور شکایت آمیز باتیں کیں۔ جب خواجہ چلنے لگا تو شیبانی خاں خواجہ کی تعظیم کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ خواجہ علی کا بیٹا خان علی پابائی مقام رباط خواجہ میں تھا۔ اپنے میرزا کے نکل آنیکی سُنتے ہی وہ بھی شیبانی خاں کے پاس آ گیا۔ اس کمبخت عورت نے جو ناقص العقل تھی خاوند کرنیکی ہوس میں اپنے بیٹے کی عزت کو اور گھربار کو برباد کر دیا۔ شیبانی خاں نے اُسکی ذرا پروا نہ کی بلکہ اُسکو حرم اور شربت کے برابر بھی نہ سمجھا۔ سلطان علی میرزا بھی اپنے معاملہ میں حیران اور اپنے چلے آنے سے بہت پشیمان تھا۔ اُس کے بعض مقربوں نے یہ کیفیت دیکھکر چاہا کہ میرزا کو لے بھاگیں۔ مگر سلطان علی میرزا راضی نہوا۔ چونکہ موت آ ہی گئی تھی اس لیے اُس سے نہ بچ سکا۔ تیمور سلطان کے پاس چلا گیا۔ چار پانچ دن بعد مرغزار قلبہ میں اُس کو قتل کر ڈالا۔ وہ اس ناپائیدار اور جانیوالی جان کے لیے بدنام ہو کر مرا کیونکہ ایک عورت کے کہنے میں آ گیا۔ اور نیکناموں کے زمرے سے نکل گیا۔ ایسے شخص کے حالات اس سے زیادہ نہ لکھنے چاہییں اور ایسی بُری حرکتیں اس سے زیادہ کوئی سن بھی نہیں سکتا۔ سلطان علی میرزا کے قتل کرنیکے بعد خان نے جان علی کو بھی میرزا کے پاس بھیجدیا۔ چونکہ خواجہ یحیٰے سے شیبانی خاں خائف تھا اسیلیے خواجہ کو دونوں بیٹوں خواجہ محمد ذکریا اور خواجہ باقی سمیت خراسان چلے جانے کی رخصت دیدی۔ مگر پیچھے پیچھے کچھ اُزبک بھی گئے۔ اُنہوں نے حضرت خواجہ کو مع دونوں لڑکوں کے نواح خواجہ کارزون میں شہید کر دیا۔ شیبانی خاں کہا کرتا تھا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا بلکہ قنبر علی اور کپک بے نے کیا ہے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ"۔ جب کسی پادشاہ اور خان کے امرا ایسا کام بے اُس کے پوچھے کریں تو پھر اُسکی پادشاہی اور خانی ہی کیا۔

کیش کا چھوڑنا

جونہی ازبکوں نے سمرقند پر قبضہ کیا وونہی ہم بھی کیش سے حصار کی طرف چلے گئے۔ محمد مزید ترخان اور امرائے سمرقند مع اپنے متعلقوں اور بال بچوں کے ہمارے ساتھ چلے۔ علاقہ چغانیان کے مرغزار میں پہنچنے کے بعد محمد مزید ترخان اور سمرقند کے امرا ہم سے علیحدہ ہو کر خسروشاہ پاس چلے گئے اور اُس کے نوکر ہو گئے۔ ہماری یہ حالت ہو گئی کہ ہم شہر اور ملک سے محروم۔ نہ کہیں ہمارے رہنے کا موقع نہ جانے کا ٹھکانا۔ گو خسروشاہ نے ہمارے خاندان سے بہت کچھ بُرائیاں کی تھیں مگر ناچار اُسی کے مُلک میں سے جانا پڑا۔ مجھے ایک خیال تھا کہ ملک قراتگین اور آلائی کے راستہ سے ہوتے ہوئے اپنے چھوٹے خان دادا الچہ خان کے پاس چلنا چاہیے۔ مگر یہ خیال پورا نہ ہوا۔

پہاڑوں میں سے گزرے ہونگے پھر الالائی پہاڑ شغل کے مشرق میں گئے ہونگے۔ یہ پہاڑ کاشغر اور مغلستان کو اوش اور کاشان وغیرہ سے جدا

کمرود سے بہت اونچی جانب پھر کر سرہ تاق[1] اور ایانی کے اوپر سے ہمارا چلنا ہوا۔ جب ہم نونداک کی نواح میں پہنچے تو خسرو شاہ کا ایک نوکر آیا۔ نو گھوڑے اور نو پارچے اپنے آقا کی طرف سے اُسنے نذر کیے۔ کمرود کی گھاٹی میں ہم پہنچے۔ اُس وقت شیر علی چہرہ خسرو شاہ کے بھائی ولی کے پاس چلا گیا۔ دوسرے دن قوچ بیگ الگ ہو گیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ درۂ کمرود[2] میں آکر ہم اوپر کی جانب[3] چلے۔ ان تنگ راستوں۔ گڈھب گڑھوں اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بہت سے گھوڑے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہے۔ تین چار منزلیں کرکے ہم سرہ تاق کی گھاٹی میں پہنچے۔ گھاٹی اور کس بلا کی گھاٹی! میں نے کبھی ایسی ڈھلوان اور تنگ گھاٹی نہیں دیکھی تھی۔ اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور گڈھب گڑھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہوا تھا۔ بڑی تشویش اور صعوبت کے ساتھ ان خطرناک تنگیوں اور گڑھوں سے نکل کے اور نہایت رنج و مشقت اُٹھانیکے بعد اونچی اونچی تنگ اور مُہلک گھاٹیوں کو طے کرکے قان کی نواح میں پہنچنا ہوا۔ قان کی پہاڑوں میں بڑی جھیل ہے جسکا محیط تخمیناً کوس بھر ہوگا۔ نہایت خوبصورت جھیل ہے۔ اس مقام پر خبر آئی کہ ابراہیم ترخان قلعۂ شیراز میں ہے۔ اور اُسنے قلعہ کو خوب مضبوط کرلیا ہے۔ یار یلاق کے علاقہ کے قلعونکو بھی قنبر علی اور ابو القاسم کوہ بر درست کرکے وہاں ہو بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں خواجہ دیدار میں تھے۔ جب اُزبکوں نے سمرقند لیا ہے تو یہ خواجہ دیدار میں نہ ٹھیر سکے۔ اور یار یلاق میں چلے آئے۔ میں نے مقام قان کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑا اور مقام کسود کی طرف رُخ کیا۔ ملک قان مہمان نوازی۔ سخاوت خدمتگزاری اور انسانیت میں مشہور تھا۔ جس زمانہ میں سلطان حسین میرزا نے حصار چھینا ہے اُس زمانہ میں سلطان مسعود میرزا اپنے چھوٹے بھائی بائسنغر میرزا پاس سمرقند میں اسی راستہ سے گیا تھا۔ ملک قان نے ستر اسّی گھوڑے اُسکی نذر کیے تھے اور بہت خاطر و مدارات کی تھی۔ میرے لیے ایک صرف ایک مریل سا بھیجدیا اور آپ نہ آیا خدا کی قدرت ہے۔ جب ہم پر وقت پڑا ہے تو جو لوگ سخاوت میں مشہور تھے وہ خسیس ہو گئے اور جو لوگ با مروّت تھے وہ مروّت کو بھول گئے۔ خسرو شاہ بھی بہت ہی سخی و کریم مشہور تھا۔ بدیع الزمان میرزا کے ساتھ اُسنے کیسی خدمتگزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اُسنے بہت انسانیت و سخاوت برتی۔ دو دفعہ ہم کو اُسکے ملک سے گزرنیکا موقع ہوا۔ ابنائے جنس تو درکنار جو بات ہمارے ادنے نوکر کے ساتھ کرنی چاہیے تھی وہ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بلکہ ہمارے نوکروں کے برابر بھی ہمکو نہ سمجھا ؎

کی کسکے ساتھ اے دل اہل جہاں نے نیکی ۔۔۔ جو آپ ہی بُرا ہو اُس سے امید کیسی

اس خیال سے کہ شاید کسود کے قلعہ میں اُزبک ہوں قان سے نکلتے ہی کہیں دم نہ لیا اور قلعۂ کسود کو جا گھیرا۔ لیکن قلعہ پہلے ہی ویران تھا۔ مدت سے کوئی اُس میں نہ تھا۔ وہاں سے چلکر ہم دریائے کوہک کے کنارے پر آن اُترے۔ مقام یاری کے موڑ سے بذریعۂ پُل دریائے کوہک کے پار ہوئے۔ قاسم بیگ کے زیر حکم بعض امراء کو قلعۂ رباط خواجہ کی طرف بھیجا تاکہ اُسکو دھوکے سے فتح کرلیا جائے۔ ہم یاری اور

[1] جان لیڈن نے صرف سرہ تاق ہی لکھا ہے۔ ایانی نہیں لکھا ۱۲ [2] کمرود کا پہاڑ ملک حصار کے نیچے کی جانب سے تر تاق تک پہنچا ہے جہاں

کوہ شقار خانہ[۱] سے نکل یار یلاق میں آئے۔ جو سردار رباط خواجہ کی طرف گئے تھے وہ فصیل کے نیچے ٹھیرے۔ سیڑھیاں لگاتے وقت یا تو یہ لوگ خود سمجھ گئے یا اُن کو سمجھا دیا گیا کہ قلعہ فتح ہونا دشوار ہے۔ یہ لوگ اُلٹے پھر آئے۔ قنبر علی جو سنگزار[۲] میں تھا ہم سے آکر ملا۔ ابوالقاسم کوہ بر اور ابراہیم ترخان نے اپنے چند معتبر ملازم میری خدمت میں بھیجے۔ اور اخلاص ظاہر کیا۔

یار ایلاق سے سمرقند جانا اور ناکام آنا۔

یار یلاق کے دیہات سے ہم قلعہ اسفندک میں آئے۔ اُس وقت شیبانی خاں خواجہ دیدار کی نواح میں پڑا ہوا تھا۔ اُسکے ساتھ تین چار ہزار اُزبک تھے اور اسی قدر وہ فوج جمع ہو گئی تھی جو مختلف مقامات کی تھی۔ خان وفا میرزا[۳] کو اُسنے سمرقند کا داروغہ کر دیا تھا جو پانچ چھ سے آدمیوں کے ساتھ سمرقند پر قبضہ کیے ہوئے تھا۔ حمزہ سلطان اور مہدی سلطان اپنی اپنی فوجیں لیے ہوئے سمرقند کے قریب۔ قورو غ بدنہ میں پڑے ہوئے تھے۔ میرے پاس اچھے بُرے کُل دو سے چالیس آدمی تھے۔ سب سرداروں اور افسروں سے مشورت لی گئی۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ شیبانی خاں نے ابھی سمرقند لیا ہے۔ ابھی تک شہر والوں کو اُس سے اور اُسکو شہر والوں سے دلچسپی نہیں ہوئی ہے۔ اس موقع پر اگر ہم کچھ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر شہر پر سیڑھیاں لگا کر چُپ چُپاتے ہم چڑھ جائیں اور اُس پر قبضہ کر لیں تو سمرقند والے چونکہ ہم ہی میں سے ہیں سوائے ہماری مدد کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ اُزبکوں کے لیے ہم سے لڑنے سے تو رہے۔ سمرقند ہاتھ آجانے کے بعد جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا۔ یہ صلاح کرکے ظہر کی نماز کے بعد یار یلاق سے چل کھڑے ہوئے۔ اوّل شب میں اکثر راستہ چلتے رہے اور آدھی رات کو یورت خان میں جا پہنچے۔ یہ سُنکر کہ شہر والے ہشیار ہیں اس رات شہر کے قریب نہ گئے۔ یورت خان ہی سے اُلٹے پھر آئے۔ صبح ہو گئی تھی کہ خواجہ رباط سے نیچے کی طرف دریائے کوہک سے پار ہو پھر یار یلاق میں آگئے۔ ایک دن اسفندک کے قلعہ میں مصاحبوں میں سے دوست ناصر۔ نویان کوکلتاش۔ قاسم کوکلتاش۔ خان قلی۔ کریم داد۔ شیخ درویش۔ خسرو کوکلتاش اور میرم ناصر وغیرہ سب حاضر تھے اور میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے کہا آؤ حکم تو لگائیں کہ خدا کے فضل سے ہم سمرقند کو کب تک لے لیں گے۔ بعض نے کہا بہار کے موسم میں لے لینگے (اس وقت پائیز[۴] کا مہینہ تھا) کسی نے کہا مہینہ بھر میں۔ بعض نے کہا چالیس دن میں۔ بعض نے کہا بیس[۲۰] دن میں۔ نویان کوکلتاش نے کہا کہ ہم چودہ[۱۴] دن میں لے لیں گے۔ خدا نے اسکا کہا پورا کیا۔ چودہ ہی دن میں ہمنے سمرقند کو فتح کر لیا۔

خواب دیکھنا

اُنہی دنوں میں میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ آئے ہیں میں اُن کے استقبال کے لیے اُٹھا ہوں۔ خواجہ آکر بیٹھ گئے ہیں۔ خواجہ کے سامنے دسترخوان بچھایا۔ شاید پُر تکلف نہ ہونے کے سبب سے حضرت کے دل میں کچھ خیال آیا ہو۔ ملا بابا

[۱] یا زدار خانہ ۱۲
[۲] جان لیڈن نے متن میں تو سنگزار لکھا ہے اور نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ نام سنگزار یا سنگرار دونوں طرح کئی بار لکھا جا چکا ہے۔ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کونسا صحیح ہے۔ جو نسخے فارسی کے ہمنے دیکھے ہیں اُن میں ہر جگہ سنگزار ہی لکھا دیکھا اور لفظ کی ترکیب سے بھی سنگزار ہی صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی وہ مقام جہاں کنکر پتھر بہت ہوں جیسے گلزار وغیرہ ۱۲
[۳] جان وفا میرزا ۱۲
[۴] فارسی مہینوں میں سے ایک مہینے کا نام ۱۲

میری طرف دیکھکر اشارہ کرتا ہے۔ میں بھی اشارہ سے جواب دیتا ہوں کہ میرا قصور نہیں ہے۔ دستر خوان بچھانے والے کا قصور ہے۔ خواجہ سمجھ گئے اور یہ عذر قبول کرکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں پہنچانے کے واسطے ساتھ ہوا۔ اسی مکان کے دالان میں میرے سیدھے بازو کو یا اُلٹے بازو کو پکڑ کر اس طرح اُٹھاتے ہیں کہ میرا ایک پاؤں زمین سے اونچا ہوگیا۔ اور ترکی میں فرماتے ہیں "شیخ مصلحت بیردی"۔ اُس کے چند روز ہی بعد میں نے سمرقند فتح کرلیا۔

سمرقند پر یورش اور اُسکا فتح ہونا

دو ایک دن کے بعد قلعۂ اسفندک سے قلعۂ وسمند میں آنا ہوا۔ اگرچہ ایک دفعہ نواحِ سمرقند میں پہنچ گئے تھے اور دشمنوں کو چوکنا کرکے واپس آگئے تھے مگر پھر خدا پر بھروسہ کیا اور وہی خیال پیشِ نظر رکھکر وسمند سے ظہر کی نماز کے بعد سمرقند پر بھنے ہلّا کردیا۔ خواجہ ابوالمکارم بھی میرے ساتھ تھا۔ آدھی رات گئے ہم خیابان میں پل مغاک پر پہنچے۔ میں نے ستّر اسّی عمدہ آدمی مع سیڑھیوں کے آگے روانہ کیے تاکہ غارِ عاشقاں کے سامنے سے سیڑھیاں لگاکر چڑھ جائیں۔ جو لوگ دروازۂ فیروزہ میں ہیں اُن سے دروازہ چھین لیں اور ہمارے پاس آدمی بھیجیں۔ یہ لوگ گئے اور غارِ عاشقاں کے سامنے سے سیڑھیاں لگاکر اس طرح چڑھ گئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ پھر دروازۂ فیروزہ میں آئے جہاں فاضل ترخان تھا۔ یہ فاضل ترخان ترخانی سرداروں میں سے نہیں تھا بلکہ ترکستان کے ترخانی سوداگروں میں سے تھا۔ ترکستان میں شیبانی خاں کی خدمت کرکے ذی رتبہ ہوگیا تھا۔ یہ لوگ فاضل ترخان پر ٹوٹ پڑے اُس کو مع اُسکے کئی نوکروں کے قتل کرڈالا۔ دروازے کے قفل کو تبر سے توڑ ڈالا اور دروازہ کھولدیا۔ اُن کے وہاں پہنچتے ہی میں بھی دروازۂ فیروزہ سے اندر داخل ہوگیا۔ ابوالقاسم کوہ بر خود تو اس موقع پر نہ آیا تھا۔ مگر اپنے چھوٹے بھائی احمد قاسم کو اپنے تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ اُس نے بھیجدیا تھا۔ ابراہیم ترخان کا کوئی آدمی نہ تھا۔ ہاں شہر میں گھس جانے اور خانقاہ میں ٹھیرنے کے بعد احمد ترخان نامی اُس کا چھوٹا بھائی کچھ آدمی ساتھ لیے ہوئے آیا۔ شہر والے ابھی سوتے تھے۔ البتہ دوکاندار اپنی دوکانوں پر سے ہمیں دیکھکر اور پہچانکر دعائیں دینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام شہر والوں کو خبر ہوگئی۔ ہمارے ساتھیوں اور شہر والوں کو عجب طرح کی خوشی اور مسرت تھی۔ لوگوں نے ازبکوں کو گلی کوچوں میں پتھروں اور لکڑیوں سے اس طرح مار ڈالا جسطرح دیوانے کتّوں کو مار ڈالتے ہیں۔ تخمیناً چار سو یا پانچ سو ازبک اسی طرح مارے گئے۔ شہر کا حاکم جان وفائی ایرکین خواجہ یحییٰ کے مکان میں تھا۔ وہ شیبانی خاں کے پاس بھاگ کر چلا گیا۔ میں دروازہ میں گھستے ہی مدرسہ اور خانقاہ کی طرف آیا تھا۔ اور خانقاہ کی محراب میں ٹھیرا تھا صبح ہونے تک چاروں طرف شور و غل رہا۔ بعض اکابرِ شہر اور دوکاندار جن کو معلوم ہوگیا خوشی خوشی مبارکبادیں دیتے ہوئے آئے۔ کھانے وغیرہ کی

میں سے جو حاضر تھا وہ لائے اور دعائیں دینے لگے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ ازبکوں نے دروازۂ آہنی پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں وہ جم کر لڑ رہے ہیں۔ میں فی الفور سوار ہو کر دروازۂ آہنی کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ کوئی پندرہ (۱۵) بیس (۲۰) آدمی ہونگے۔ مگر نئے فتح شدہ شہر کے لفنگے جو ازبکوں کو کونے کونے ڈھونڈتے پھرتے تھے میرے پہنچنے سے پہلے انکو آہنی دروازہ سے باہر نکال چکے تھے۔ شیبانی خاں نے جو یہ خبر سنی تو گھبرا کر سورج نکلتے ہی سو ڈیڑھ سو آدمیوں کو ساتھ لے دروازۂ آہنی پر آ موجود ہوا۔ قابو میں آ ہی گیا تھا۔ لیکن میرے ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا۔ شیبانی خاں نے دیکھا کہ کچھ کام نہیں چلنے کا۔ دم بھر نہ ٹھیرا اور اُلٹا پھر گیا۔

شہر کے باہر قیام کرنا

یہاں سے پلٹ کر میں بستان سرائے میں آن اُترا۔ شہر کے اکابر۔ اشراف اور بڑے بڑے لوگ آئے۔ مجھ سے ملے اور سب نے مجھے مبارکباد دی۔ تقریبًا ایک سو چالیس برس تک سمرقند ہمارے خاندان کا دارالسلطنت رہا ہے۔ یہ اجنبی لٹیرا خدا جانے کہاں سے آ گھسا تھا۔ اور مالک بن بیٹھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے گیا ہوا ملک پھر عنایت کیا۔ اور ہمارا اُلٹا کھسٹا شہر پھر ہمارے قبضہ میں آ گیا۔ سلطان حسین میرزا نے بھی ہرات کو اسی طرح غفلت دیکھ کر فتح کیا تھا جس طرح میں نے اب سمرقند کو لیا ہے مگر اندازہ شناس اور اہلِ انصاف پر روشن ہے کہ اُس کام میں اور اس کام میں بڑا فرق ہے۔ اُسکا لینا اور تھا اور اِسکا لینا اور ہے۔ اوّل تو یہ کہ سلطان حسین میرزا بہت طاقتور۔ نہایت تجربہ کار اور بڑی عمر کا بادشاہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اُسکا مقابل یادگار محمد میرزا سترہ اٹھارہ برس کا ناآزمودہ کار لڑکا تھا۔ تیسرے یہ کہ دشمن کے ہاں سے میر علی میر آخور[۱] نے جو ساری باتوں سے واقف تھا میرزا کے پاس آدمی بھیجے اور عین غفلت میں اُس کو بُلایا۔ چوتھے یہ کہ میرزا کا مقابل قلعہ میں نہ تھا۔ باغ زاغان[۲] میں تھا۔ جس وقت سلطان حسین میرزا نے ہرات لیا ہے اُس وقت یادگار میرزا اور اُسکے ساتھی شراب خواری کے ایسے عادی تھے کہ اُس رات کو بھی یادگار محمد میرزا کے دروازہ پر جو تین پہرہ دار تھے وہ بھی تو میرزا کی طرح نشہ میں چور تھے۔ پانچویں اسی غفلت کی حالت میں جس کا ذکر ہوا ہے حملہ آور نے پہلی ہی بار میں فتح پائی۔ میں سمرقند لینے کے زمانہ میں کُل اُنیس (۱۹) برس کا تھا۔ نہ اس قدر معاملات سے واقف تھا۔ نہ صاحبِ تجربہ تھا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقابل شیبانی خاں جیسا ترقی یافتہ۔ گرگِ باراں دیدہ اور گھاگ آدمی تھا۔ تیسرے یہ کہ سمرقند میں سے کسی نے مجھ سے سازو باز نہ کی تھی۔ مانا کہ شہر والے دل سے میرے ساتھ تھے مگر شیبانی خاں کے ڈر سے کوئی کان نہ ہلا سکتا تھا۔ چوتھے یہ کہ میرا دشمن قلعہ میں تھا۔ میں نے قلعہ بھی لیا اور دشمن کو بھی بھگایا۔ پانچویں یہ کہ پہلی بار جو سمرقند پر حملہ کرنیکے لیے آیا تو اُلٹا دشمن کو چوکنّا کر گیا۔ باوجود اس کے اب دوسری دفعہ آیا اور خدا کے حکم سے شہر کو فتح کر لیا۔ اس کہنے سے میری غرض کسی کی حقارت کرنی نہیں ہے۔ یہ ایک واقعی بات تھی جو بیان کی گئی۔ اور اس لکھنے سے اپنی شیخی کرنی

۱؎ طویلہ کا داروغہ ۱۲ ۲؎ کوؤں کا باغ ۱۲

میرا مقصود نہیں ہے۔ جو سچ تھا وہ لکھدیا۔ شعراء نے اس فتح کی بہت سی تاریخیں لکھی تھیں۔ اُن میں سے ایک بیت یاد رہ گئی ہے ؎

باز گفتہ خرد کہ تاریخش — فتح بابر بہادر است بدان (۹۰۵)

شادوار وغیرہ علاقجات کے لوگوں کا طرفدار ہونا

سمرقند کی فتح کے بعد تومان شادوار۔ تومان سغد اور اَوْر توماموں کے قلعوں کے لوگ آگے پیچھے میرے پاس آنے شروع ہوئے۔ بعضے قلعوں میں سے تو اُزبکوں کے آدمی مارے ڈر کے خود نکل بھاگے۔ بعض قلعہ والوں نے اُزبکوں کو مار کر نکال دیا۔ اور ہمارے طرفدار ہوگئے۔ بعض نے اپنے قلعہ داروں کو قید کرکے ہماری خاطر قلعوں کو مستحکم کرلیا۔ اِسی زمانہ میں شیبانی خاں کے اور اُزبکوں کے اہل و عیال مع اسباب ترکستان سے آگئے۔ شیبانی خاں خواجہ دیدار اور علی آباد کی نواح میں پڑا ہوا تھا۔ اب جو قلعہ والوں کا قلعوں کو حوالے کردینا اور لوگوں کا اس طرح میری طرف رجوع ہونا اُس نے دیکھا تو وہ بخارا کی طرف چلا گیا۔ عنایتِ الٰہی سے تین چار مہینے میں سُغد اور سیلان کار[1] قلعے میرے قبضہ میں آگئے۔ باقی ترخان بھی موقع دیکھکر قرشی کے قلعہ میں آگیا۔ قرشی اور خزار[2] دونوں اُزبکوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قراکول کو بھی ابوالحسن میرزا کی فوج نے مرو سے آکر دبالیا۔ اس وقت میں اقبالمندی کے ساتھ کامیاب ہو رہا تھا۔

اہل و عیال وغیرہ کو سمرقند میں بُلانا۔ لڑکی پیدا ہوئی

میرے چلے آنیکے بعد اندجان سے میری مائیں۔ اہل و عیال مع اسباب وغیرہ بڑی دقت اور مصیبت سے اوراتیپہ میں آگئے تھے۔ میں نے آدمی بھیجکر سب کو سمرقند میں بُلالیا۔ انہی دنوں میں سلطان احمد میرزا کی بیٹی عائشہ سلطان بیگم (جو میری پہلی بیوی تھی) کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اُس کا نام فخر النسا بیگم رکھا۔ میری پہلونٹی کی اولاد یہی تھی۔ اس وقت میری عمر اُنیس ۱۹ برس کی تھی۔ چلّہ ہی کے اندر یہ لڑکی مرگئی۔

سرحدی امراء سے مدد چاہنی

سمرقند کی فتح کے بعد سرحد اور گرد و نواح کے بادشاہوں۔ سرداروں اور امیروں کے پاس مدد طلب کرنیکے لیے متواتر میرے ایلچی اور ہرکارے گئے اور آئے۔ بعض نے تو باوجود تجربہ کار ہونے کے آنکھ چرائی۔ اور بعض نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ اُنسے بے ادبیاں اور رنجشیں واقع ہوگئی تھیں جان کرکائی دی۔ جنہوں نے کمک بھیجی وہ معتدبہ نہ تھی۔ چنانچہ ہر ایک کا حال اپنے اپنے موقع پر لکھا جائیگا۔ اس دوبارہ سمرقند لینے کے زمانہ میں علی شیر بیگ زندہ تھا۔ ایک دفعہ اُس کا خط بھی آیا تھا۔ جسکے جواب میں میں نے بھی اُسکو خط لکھا تھا۔ اور خط کی پشت پر ترکی کا ایک شعر لکھ بھیجا تھا۔ اُس کے جواب آنے تک یہاں معاملہ درہم برہم ہوگیا۔ شیبانی خاں نے جب سمرقند لیا ہے تو ملا بنائی کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اُس زمانہ سے وہ شیبانی خاں کے ساتھ

[1] سیلان کار یا میاں کالی۔ یہ ملک دوستی کے قریب کوہک کے دونوں جانب واقع ہے ۱۲ [2] جان لیڈن کے ترجمہ میں خزار ہے۔ خزار اور قرشی

رہتا تھا۔ پھر میں نے جو سمرقند فتح کیا تو چند روز بعد مُلّا سمرقند میں آگیا۔ قاسم بیگ نے اُس سے بدظن ہو کر اُس کو شہر سبز بھیجدیا۔ چونکہ وہ ایک قابل آدمی تھا اور اُس سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوئی تھی۔ اِس لیے چند روز بعد میں نے پھر اُسے سمرقند میں بُلا لیا۔ وہ ہمیشہ غزلیں اور قصیدے لکھا کرتا تھا۔ اُسنے نوا کے مقام میں ایک غزل میرے نام پر لکھکر پیش کی تھی۔ اُسی زمانہ میں ایک رباعی کہکر گزرانی۔ وہ رباعی یہ ہے۔ رباعی

نہ غلہ مرا کزو توانم نوشید — نہ مہمل غلہ تا توانم پوشید
آنرا کہ نہ خوردن است نے پوشیدن — در علم و ہنر کجا تواند کوشید

میں اُن دنوں میں ایک آدھ بیت کہا کرتا تھا۔ پوری غزل نہ کہتا تھا۔ میں نے یہ رباعی ترکی میں لکھی اور اُس کو بھیجی۔ رباعی۔

ہر کام ترے دل کے موافق ہوگا — ملجائیگا سب کچھ ترا ایسا سمجھا
چھُپ جائیگا جسم اور بھر جائیگا گھر — کپڑا غلہ تجھے ملیگا اتنا

مُلّا نے اس کے بعد رباعی کے پہلے مصرعہ کے قافیہ کو ردیف کر دیا۔ اور دوسرے قافیہ میں ایک اور رباعی لکھکر پیش کی۔ رباعی

ہوگا شہ بحر و بر ہمارا مرزا — مہمل ہی اگر ہمیں کچھ انعام ملا
اور اپنی طبیعت سے ممیّز ہوگا — تو اُس سے چلیگا کس طرح کام اپنا

اسی زمانہ میں خواجہ ابوالبرکہ فراقی شہر سبز سے آیا تھا اُس نے کہا "تم کو اُسی قافیہ میں کہنی چاہیے تھی"۔ وہ رباعی خواجہ ابوالبرکہ نے لکھی۔

معاملات کا سنور کر بگڑنا

اس جاڑے میں میرے معاملات نہایت ترقی پر تھے۔ اور شیبانی خاں کے تنزّل پر۔ مگر اس اثنا میں دو ایک واقعے بہت بُرے ہوئے جن لوگوں نے مرو سے آکر قراکول پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اُسکو نہ تھام سکے۔ قراکول پھر ازبکوں کے ہاتھ آگیا۔ دبوسی کے قلعہ میں ابراہیم ترخان کا چھوٹا بھائی احمد ترخان تھا۔ شیبانی خاں نے دبوسی کو آگھیرا۔ جب تک کہ ہم لشکر جمع کریں اور مقابلہ کے قابل ہوں شیبانی خاں نے حملہ کرکے قلعہ چھین لیا۔ اور خوب قتل عام کیا۔ سمرقند لینے کے زمانہ میں میرے ساتھ کُل دو سو چالیس آدمی تھے۔ پانچ چھ مہینے میں فضل الٰہی سے اتنی فوج ہو گئی کہ شیبانی خاں جیسے شخص سے سرپل کے مقام پر کیسی بھاری لڑائی ہوئی جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا۔ گرد و نواح والوں میں سے صرف خاں کے پاس سے ایوب بیگ چک اور قشقہ محمود بیگ چار سے پانچ سے آدمی ساتھ لیے ہوئے مدد کے لیے آگئے تھے۔ اور جہانگیر میرزا کی جانب سے تنبل کا چھوٹا بھائی دو سے آدمیوں کے ساتھ آگیا تھا۔

جیسے فارسی میں غلہ۔ ملہ۔ اُردو میں غلہ ولہ۔ ملہ جو غلہ کا مہمل ہے وہ ایک قسم کا کپڑا بھی ہوتا ہے جس کا کاگزی رنگ ہوتا ہے۔ بس شاعر کہتا ہے

افسوس ہے کہ سلطان حسین میرزا جیسے تجربہ کار بادشاہ کے پاس سے جس سے زیادہ شیبانی خاں کے کوتک کوئی نہ جانتا تھا ایک آدمی نہ آیا۔ بدیع الزماں میرزا نے بھی خبر نہ لی خسرو شاہ نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ بہت برائیاں کی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور مجھ سے اُس کا دم بند ہوتا تھا کسی کو نہ بھیجا۔

شیبانی خاں سے مقابلہ اور شکست کھا کر سمرقند چھوڑنا۔

شوال[۵۱] کے مہینے میں شیبانی خاں سے نبرد آزمائی کے لیے میں باغ نو میں آیا۔ پانچ چھ دن لشکر جمع کرنے اور سامانِ جنگ تیار کرنے کے واسطے باغ نو میں ٹھہرنا پڑا۔ باغ نو سے میں سوار ہوا۔ کوچ در کوچ چلا اور مقامِ پُل سے گزر کر آن اُترا۔ لشکر کے گرد خندق اور لکڑی کے کٹہرے سے خوب احتیاط کر دی گئی۔ شیبانی خاں اُدھر سے مقابلہ کے واسطے چلا۔ اور نواحِ خواجہ کاردزن میں آٹھیرا۔ دونوں لشکروں میں تخمیناً ایک فرسنگ کا فاصلہ ہوگا۔ چار یا پنج دن تک انہی مقاموں میں پڑے رہے۔ اور ہمارے آدمی اِدھر سے اور دشمن کے آدمی اُدھر سے نکلتے اور کسی قدر لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ ایک دن دشمن کی فوج بہت آگے بڑھ آئی۔ اُس دن اچھی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب نہ آیا۔ ہماری طرف والوں میں سے ایک نشان بردار نے یہ بُری حرکت کی کہ بھاگ نکلا اور خندق میں آگیا۔ کہتے ہیں کہ وہ نشان سیدی قرابیگ[۵۲] کا تھا۔ سیدی قرابیگ اگرچہ ڈینگیا تو بہت تھا مگر تلوار کا ہیٹا تھا۔ اسی موقع پر شیبانی خاں نے ایک رات شبخون مارنا چاہا۔ ہمارے لشکر کا گرد اولا کٹہرے اور خندق سے مضبوط کر دیا گیا تھا۔ دشمن کچھ نہ کر سکا۔ خندق کے کنارے پر سواروں نے غل شور مچایا اور تھوڑے سے تیر مار کر اُلٹے پھر گئے۔ اب میں نے لڑائی کے انتظام میں پوری توجہ اور کوشش کی۔ قنبر علی میرا مددگار تھا۔ باقی ترخان دو ہزار آدمیوں کے ساتھ پہلے کیش میں آیا پھر دو روز بعد ہم سے آن ملا۔ سید محمد[۵۳] دغلت میرزا پہلے ہی سے ہزار پانسے آدمیوں کے ساتھ میرے خان دادا کی طرف سے میری مدد کے لیے مقام دیول[۵۴] میں جو سولہ کوس پہ ہے آگیا تھا۔ وہ بھی دوسرے دن ہم سے آملا۔ اس عمدہ موقع پر ذرا میں نے لڑنے میں جلدی کی

بہ تندی سبکدست بردن بہ تیغ
بہ دنداں گزد پشت دستِ دریغ

میں نے لڑائی میں اُس دن اس لیے جلدی کی کہ ستارۂ یولدوز[۵۵] دونوں لشکروں کے بیچ میں تھے۔

---

۵۱ مطابق ۲۰ اپریل ۱۵۰۱ء ۱۲ ۵۲ قرابیگ ۱۲

۵۳ جان لیڈن نے متن میں (سید محمد دغلت میر کا بیٹا) اور نوٹ میں (میرزاد) لکھا ہے ۱۲

۵۴ دُبل ۱۲

۵۵ جان لیڈن نے سساہزیولدوز لکھا ہے۔ یہ آٹھ ستاروں کا نام ہے ۱۲

اگر وہ دن گزر جاتا تو تیرہ چودہ دن تک وہ دشمن پر مبارک ہوتے۔ یہ لحاظ بالکل لغو تھے حقیقت میں بموقع جلدی کر بیٹھا۔ صبح ہی مقابلہ کرنے کے لیے جنگی لباس پہن لیا۔ گھوڑوں پر ساز ڈال۔ جرنغار۔ برنغار۔ قول اور ہراول سے لشکر کو مرتب کرکے میدان کی طرف چلا۔ برانغار میں ابراہیم سارد۔ ابراہیم جانی۔ ابوالقاسم کوہ بر اور بعض اور امراء تھے۔ جرانغار میں محمد مزید ترخان ابراہیم ترخان اور امرائے سمرقند یعنی سلطان حسین ارغون۔ قرابرلاس۔ پیر احمد اور خواجہ حسین تھے۔ قول میں قاسم بیگ اور بعض ملازمانِ خاص تھے۔ ہراول میں قنبر علی سلاخ۔ بندہ علی خواجہ علی میر شاہ قوچین۔ سید قاسم ایشک آغا۔ خالدار (بندہ علی کا چھوٹا بھائی)۔ قوچ بیگ حیدر قاسم بیگ[1] (قاسم بیگ کا بیٹا) تھے۔ اور جس قدر عمدہ اور اونچے سپاہی اور میرے مصاحب تھے وہ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ ادھر سے ہم تیار ہو کر نکلے۔ اُدھر سے دشمن بھی صفیں باندھ نمودار ہوا۔ اُسکے برانغار میں محمود سلطان۔ جانی بیگ سلطان۔ تیمور سلطان۔ اور جرانغار میں حمزہ سلطان۔ مہدی سلطان اور بعض اور سلطان تھے۔ دونوں لشکروں کی مٹھ بھیڑ ہوتے ہی دشمن کے برانغار کا اوج ہمارے بائیں سے چکر کھا کر ہماری پشت پر چلا۔ میں نے بھی اپنا مُنہ اُسکی طرف پھیر لیا۔ ہمارا ہراول جس میں تمام ہوشیار۔ تجربہ کار۔ تلوریے اور اچھے اچھے جوان و سردار مقرر ہوئے تھے۔ دست راست پر رہ گیا۔ ہمارے[2] آگے کوئی نہ رہا۔ باوجود اسکے اُن لوگوں کو جو آگے بڑھے تھے ہم نے مارتے مارتے اور بھگاتے بھگاتے اُنکے قول میں جا دھنسایا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شیبانی خاں سے اُس کے ہمراہیوں میں سے بعض بڈھے سردار چلا اُٹھے کہ شیبانی! بھاگنا چاہیے۔ اب ٹھہرنے کا موقع نہ رہا۔ مگر وہ استقلال کے ساتھ جما رہا۔ دشمن کے برانغار نے ہمارے برانغار کو ہزیمت دیکر پیچھے سے ہم پر حملہ کیا۔ چونکہ ہمارا ہراول سیدھے ہاتھ کی طرف رہ گیا تھا اس لیے ہمارا آگا کھل گیا تھا۔ پس آگے اور پیچھے سے غنیم کی فوج حملہ کرکے لگی تیر مارنے۔ مغلوں کا لشکر جو کمک کے لیے آیا تھا اُس نے دشمن سے لڑنے کے بدلے اُلٹا ہمارے ہی لوگوں کو لوٹنا اور گھوڑوں پر سے گرانا شروع کیا۔ ہمیشہ سے ان کمبخت مغلوں کی عادت یہی ہے کہ اگر فتح پائیں تو جھٹ دشمنوں کو لوٹنے لگیں اور اگر شکست کھائیں تو اپنی ہی طرف والوں پر ہاتھ صاف کریں۔ دشمن کی فوج جو سامنے تھی اور جس نے کئی بار سخت حملے کیے تھے اُسکو مار کر ہٹا دیا گیا۔ پھر[3] وہ سب سا نوٹے ہو گئے۔ سامنے سے بھی حملہ ہوا۔ اور جو دشمن کی فوج عقب میں آگئی تھی اُس نے بھی پیچھے سے حملہ کرکے نشان پر تیر برسانے شروع کیے۔ غرض آگے اور پیچھے سے سب نے ہلا کر کے ہماری فوج کے پاؤں

[1] حیدر قاسم ۱۲ [2] اور بمشکل اُن میں سے کچھ میرے ساتھ رہ گئے ۱۲ [3] دوبارہ سب سا نوٹے ہو گئے اور حملہ کیا۔ دشمن کی فوج کے اُس حصہ نے جو اسی وقت ہمارے عقب پر چڑھ آیا تھا ہماری فوجوں پر تیر برسانے شروع کیے ۱۲

آگھیر دیے۔ لڑائی کے وقت ازبکوں میں ایک تو تولغمہ[1] بہت بڑی بات ہے۔ اُن کی کوئی لڑائی تولغمہ بغیر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ آگے پیچھے سردار و سپاہی سب تیر برساتے ہوئے جلو ریز آتے ہیں۔ اور جب شکست کھاتے ہیں تو اسی طرح جلو ریز اُلٹے پھر جاتے ہیں۔ میرے ساتھ اُس وقت دس پندرہ آدمی رہ گئے تھے۔ دریائے کوہک قریب تھا۔ میرے برانغار کا اوج دریا پر پہنچ گیا تھا۔ ہم بھی دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ دریا پر پہنچتے ہی آدمی اور گھوڑے لباس و ساز سمیت دریا میں کود پڑے۔ آدھے سے زیادہ دریا میں پایاب چلنا ہوا۔ اسکے بعد گہرا پانی تھا۔ ایک تیر[2] کے پرتاب تک مع لباس و ساز گھوڑے تیرا کر پار ہو گئے۔ دریا سے نکلنے کے بعد گھوڑوں کے جنگی ساز کاٹ ڈالے اور اُن کو ڈپٹایا۔ جب دریا سے شمال کی طرف نکل گئے تو دشمن سے دور ہو گئے۔ مگر اکیلے دوکیلے کو لوٹنے والے اور ننگا کرنیوالے یہی کمبخت مغل تھے۔ ابراہیم ترخان کو اور بہت سے عمدہ سپاہیوں کو مغلوں ہی نے لوٹ لیا۔ گھوڑوں سے نیچے گرا دیا اور مار ڈالا۔

بعض سرداروں کا بھاگنا اور بعض کا ساتھ دینا

دریائے کوہک کے شمال کی طرف بڑھ کر قلبہ کی نواح میں دریا سے پار ہوا۔ دو غاروں کے درمیان میں شیخ زادہ دروازہ سے نکل میں ارک میں آگیا۔ اس لڑائی میں ہمارے بڑے بڑے سردار چیدہ چیدہ جوان اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان میں ابراہیم ترخان۔ ابراہیم سارد۔ ابراہیم جانی۔ یہ عجیب بات ہے کہ تینوں سردار ابراہیم نام کے ایک لڑائی میں تلف ہوئے۔ ابوالقاسم کوہ بر (حیدر قاسم بیگ کا بڑا بیٹا)۔ خدا بیردی نشاندار۔ خلیل (سلطان احمد تنبل کا چھوٹا بھائی جسکا ذکر کئی دفعہ ہو چکا ہے) اِس لڑائی میں کام آئے۔ انکے علاوہ اور بہت لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ بھاگے ہوؤں میں سے محمد مزید[3] ترخان۔ خسرو شاہ کے پاس حصار اور قندز چلا گیا۔ قنبر علی سلاخ مغل نے بھی جسکو میں نے اپنی مہربانی اور پرورش سے بڑا سردار بنا دیا تھا باوجود ان رعایتوں کے ایسے نازک وقت میں میرا ساتھ نہ دیا۔ آتے ہی سمرقند سے اپنے گھر بار کو لیکر خسرو شاہ پاس چلدیا۔ بعض سردار اور سپاہی جیسے کریم داد۔ خدا داد ترکمان۔ جانکہ[4] کوکلتاش اور ملا بابا ساغرچی[5] اوراتیبہ چلے گئے۔ ملا بابا اُس زمانہ میں میرا نوکر نہ تھا۔ بطور مہمانوں کے تھا۔ البتہ شیرم طغائی وغیرہ مع اپنے ہمراہیوں کے میرے ساتھ سمرقند میں آئے۔ مشورہ کرکے ہم سب نے اپنا مرنا جینا قلعۂ سمرقند ہی میں ٹھان لیا۔ اور قلعہ کو

[1] تولغمہ۔ دشمن کے بازو کی طرف مڑ نا ۱۲ [2] قلمی نسخہ میں "ایک گز بھر" لکھا ہے ۱۲ [3] محمد درویش خاں (مطبوعہ نسخہ ۱۲ [4] خانکہ کوکلتاش ۱۲ [5] بشاغوی ۱۲

مضبوط کرنے میں ہم مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے تو یہ کیا اور میری والدہ صاحبہ اور بہنوں نے یہ کیا کہ قلعہ میں آتے ہی اپنا مال اسباب اور نوکر چاکر تو اوراتیبہ میں بھجدیے اور آپ جریدہ تھوڑی سی آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں رہ گئیں۔ کچھ اسبکے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کڑی سہنے اور سختی جھیلنے کے وقتوں میں ان صاحبوں نے ایسا ہی ہلکاپن اور دوئی برتی ہے۔

سمرقند میں محصور ہوکر لڑنا اور شکست کھاکر سمرقند چھوڑنا

دوسرے دن خواجہ ابوالمکارم۔ قاسم بیگ اور تمام مقرب سرداروں کو جو لائق صلاح تھے جمع کرکے مشورت کی۔ بعد مشورے کے یہ بات ٹھیری کہ قلعہ کا انتظام کیجیے اور مرنا ہو تو۔ جینا ہو تو یہیں رہیے۔ میں اور قاسم بیگ مع فوج خاص کے کمک کے واسطے مقرر ہوئے۔ اسی واسطے ہم شہر کے بیچوں بیچ مدرسۂ الغ بیگ میرزا کے دروازہ کی بڑی محراب میں سفید خیمہ[1] نصب کرکے ہو بیٹھے۔ دوسرے سرداروں اور سپاہیوں کے لیے شہر کے دروازوں پر اور شہر کے گرد فصیل پر مورچے تقسیم کر دیے گئے۔ دو تین دن بعد شیبانی خاں آیا اور شہر سے کسی قدر دور آن اترا۔ شہر کے لفنگے اور اوباش گلی گلی اور کوچہ کوچہ سے علٰحدہ علٰحدہ جتھے بنا کر لفنگانہ نعرے مارتے ہوئے مدرسے کے دروازے پر آئے اور جوش و خروش کے ساتھ لڑنے کے لیے آگے بڑھے شیبانی خاں لڑنیکے لیے سوار تو ہو گیا تھا مگر قلعہ کے قریب بھی نہ آسکا۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ شہر کے اوباش اور لفنگے جنہوں نے کبھی تیر و تلوار کا زخم نہ کھایا تھا۔ حملہ کا زور اور لڑائی کا ہنگامہ نہ دیکھا تھا۔ اس طریقہ سے دلیر ہو گئے۔ اور دور دور تک پیشقدمی کرنے لگے۔ اگر آزمودہ کار لوگوں نے اُن کو ان بیہودہ پیشقدمیوں سے روکا تو لگے اُن پر طعن کرنے۔ ایک دن شیبانی خاں نے آہنی دروازہ کی طرف حملہ کیا۔ شہر کے لفنگوں کا ہواؤ تو کھل ہی گیا تھا ہمیشہ کی طرح دلیری سے دور تک مقابلہ کے لیے چلے گئے۔ ان کے پیچھے میں نے سواروں کی ایک ٹکڑی انکی بازگشت روکنی کیلیے روانہ کی۔ ملازمان خاص۔ مقربین اور کوکلتاشوں میں سے نویان کوکلتاش۔ قل نظر طغائی۔ اور مزید وغیرہم اشتر گردن[2] کی طرف نکل آئے تھے۔ اُدھر سے دو تین اُزبکوں نے اُن کی طرف گھوڑے ڈالے۔ قل نظر سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ جس قدر اُزبک تھے پیدل ہو کر حملہ آور ہوئے شہر کے لفنگوں کے پاؤں اُنہوں نے اُکھیڑ دیے اور ہٹاتے ہٹاتے دروازۂ آہنی میں اُنکو دھکیل دیا قوچ بیگ اور میر شاہ قوچین خواجہ خضر کی مسجد کے ایک طرف چھپے کھڑے رہے۔ پیدلوں سے

---

[1] سفید خیمہ ایک قسم کا پبلک خیمہ ہوتا تھا جو ہیڈ کوارٹر میں نصب کیا جاتا تھا ۱۲

[2] شتر گردن (اونٹ کی گردن) اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر کی طرف پانی چڑھے اور چڑھکر دوسری طرف جاری ہو جائے۔ جیسے دلّی کے قلعہ میں ہے اور وہاں اُسکو شتر گلو کہتے ہیں ۱۲

میدان صاف کرنیکے بعد خواجہ خضر کی مسجد کی طرف دشمن کے سوار انکے مقابلہ میں آئے۔ قوچ بیگ نے حملہ کرکے اُن اُزبکوں کے جو آگے بڑھ آئے تھے مارے تلواروں کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ اور ایسا نمایاں کام کیا جس کو سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بھگوڑوں کو اپنے بھاگنے کی پڑ رہی تھی۔ کیسا تیر مارنا اور کس کا لڑنا۔ میں دروازے کے اوپر سے تیر برسا رہا تھا اور میرے ساتھی بھی تیروں کی بوچھار کر رہے تھے۔ ان اوپر کے تیروں کی بھرمار نے دشمنوں کو خواجہ خضر کی مسجد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ وہیں سے اُلٹے پھر گئے۔ ہمارا قاعدہ تھا کہ محاصرہ کے زمانہ میں روزرات کو قلعہ کی فصیل پر ہم نگہبانی کے لیے پہرا دیا کرتے تھے۔ کبھی میں[1] کبھی قاسم بیگ اور کبھی کوئی سردار یا کوئی مقربین میں سے گشت کیا کرتا تھا۔ دروازۂ فیروزہ سے دروازۂ شیخ زادہ تک فصیل کے اوپر ہم گھوڑے پر پھر سکتے تھے اور اور جگہ پیدل ہوجاتے تھے۔ ایک ہی پھیرے میں شام سے صبح ہوجاتی تھی۔ ایک دن شیبانی خاں نے دروازۂ آہنی اور دروازۂ شیخ زادہ کے بیچ میں حملہ کیا۔ میں کمک پر تھا۔ یہاں لڑائی پڑتے ہی ادھر آموجود ہوا۔ دروازۂ گازرستان[2] اور دروازۂ سوزنگران کا کچھ دھیان نہ رکھا۔ اُسی دن دروازۂ شیخ زادہ کے اوپر سے میں نے ایک چلتے ہوئے سفید گھوڑے کو ایسا تاک کر تیر مارا کہ تیر لگتے ہی وہ مرگیا۔ اس عرصہ میں دشمنوں نے اس قدر زبردست حملہ کیا کہ شتر گردن کے قریب سیدھے فصیل کے نیچے آگئے۔ ہم یہاں لڑائی میں مشغول ہوکر دوسری طرف سے غافل ہوگئے۔ شیبانی خاں نے پچیس چھبیس سیڑھیاں ایسی چوڑی کہ جن پر دو تین آدمی ساتھ ہی چڑھ جائیں تیار کرکے سات سو آٹھ سو چیدہ جوانوں کو ان سیڑھیوں کے ہمراہ دروازۂ آہنگران اور دروازۂ سوزن گران کی درمیانی فصیل کے سامنے پوشیدہ مقرر کردیا۔ اور خود دروازۂ آہنگران[3] اور دروازۂ شیخزادہ کے بیچ میں دھاوا کیا۔ ہم سب تو اس طرف لڑائی میں مصروف رہے۔ اُس طرف کے مورچے غیر محفوظ ہوتے ہی چھپے ہوئے لوگ جھٹ پٹ کمینگاہ سے نکل دروازہائے مذکورہ کی درمیانی فصیل پر محمد مزید ترخان کی حویلی کے روبرو سیڑھیاں لگاکر ایک دفعہ ہی چڑھ آئے۔ یہاں قوچ بیگ اور محمد قلی قوچین مع اپنی اپنی فوجوں کے اور ایک اور گروہ کے متعین تھے۔ یہ فوج محمد مزید ترخان کی حویلی میں پڑی ہوئی تھی۔ دروازۂ سوزنگران میں قرابرلاس کا مورچہ تھا۔ دروازۂ گازرستان میں شیرم طغائی اور اُس کے بھائیوں اور قتلق خواجہ کوکلتاش کا مورچہ تھا۔ چونکہ لڑائی دوسری طرف

---

[1] جان لیڈن کے ترجمہ میں "میں" کا لفظ نہیں ہے ۱۲ [2] دھوبی دا ڑہ دروازہ + سوئی والوں کا دروازہ ۱۲

[3] لوہاروں کا دروازہ ۱۲

تھی۔ اس لیے اُن مورچوں کے تمام سپاہی بے فکر ہو کر اپنے اپنے کاموں کے لیے تتر بتر ہو گئے تھے
کوئی اپنے گھر چلا گیا تھا اور کوئی بازار چلا گیا تھا۔ صرف مورچوں کے سردار دو دو تین تین
چھوکروں اور نوکروں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ باایں ہمہ قوچ بیگ۔ محمد قلی قوچین۔ شاہ صوفی بیگ
اور ایک اور شخص نے بڑی جرأت و بہادری کی۔ دشمن کے سپاہی کچھ تو فصیل پر آ گئے تھے
اور کچھ چڑھ رہے تھے کہ یہ چاروں سردار (جن کا ذکر ہوا) جھپٹ کر وہاں جا پہنچے لڑ لڑتی
اور مارتے مارتے دشمنوں کو دیوار کے نیچے اُتار دیا۔ اور نوک دُم بھگا دیا۔ قوچ بیگ نے
سب سے بڑھ کر عمدہ کام کیے۔ اُسکا قابلِ قدر اور نمایاں ایک کام یہ تھا کہ اس محاصرہ کے
زمانہ میں دو دفعہ اُسنے دادِ مردانگی دی تھی۔ قرابرلاس دروازۂ سوزنگران کے مورچہ پر
اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بھی خوب جما رہا۔ قتلق خواجہ کوکلتاش اور قلی نظر میرزا دروازۂ گازرستان
والے مورچہ میں تھے۔ یہ بھی تھوڑے ہی سے آدمیوں کے ساتھ یہاں خوب ڈٹے رہے۔
اور تعاقب کر کے اچھی طرح لڑتے رہتے[1]۔ پھر ایک دفعہ قاسم بیگ حملہ کرنیکے لیے تھوڑی سی
فوج کے ساتھ دروازۂ سوزنگران سے باہر نکل آیا۔ مقام خواجہ کفشیر تک اُزبکوں کا پیچھا کر کے
کئی اُزبکوں کو گرایا اور اُن کے سر کاٹ لایا۔ اب غلّہ کاٹنے کا وقت آ گیا تھا لیکن شہر
میں کوئی نئے اناج کا ایک دانہ نہ لایا۔ اور محاصرہ کی مدّت نے طول کھینچا۔ لوگ بھوکے مرنے
لگے۔ یہ نوبت پہنچی کہ غریب غربا کتوں اور گدھوں کے گوشت کھانے لگے۔ گھوڑوں کیلیے دانہ
گھاس جو کا نام نہ رہا تو گھوڑوں کو درختوں کے پتے کھلانے لگے۔ اس موقع پر یہ تجربہ ہوا
کہ سب پتوں میں شہتوت اور قرایغاچ[2] کے پتے گھوڑوں کو زیادہ موافق آتے ہیں۔
بہت لوگوں نے خشک لکڑیوں کی چھیلن پانی میں بھگو کر گھوڑوں کو کھلائی۔ تین چار مہینے
تک شیبانی خاں شہر کے پاس نہ پھٹکا۔ دور ہی دور سے شہر کے گرد ادھر اُدھر جائے
بدلتا رہا۔ ایک دن کوئی آدھی رات گئے جبکہ لوگ عین غفلت میں تھے دروازۂ فیروزہ کی جانب
آیا اور نقارے بجا کر حملہ کرنے کا غل مچانے لگا۔ میں اُس وقت مدرسہ میں تھا۔ بہت ہی تردد
اور خوف پیدا ہوا۔ اسکے بعد اُسنے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ہر رات آتا۔ نقارے بجاتا حملہ کا
غل مچاتا اور ایک ہل چل ڈال دیتا۔ ہرچند میں[3] نے چاروں طرف ایلچی اور آدمی بھیجے مگر کسی نے
بھی مدد نہ بھیجی۔ بھلا جس وقت میں طاقتدار تھا اور شکست و نقصان کا نام نہ تھا جب اُس وقت
کسی نے بات نہ پوچھی تو اس بُرے وقت میں کوئی کیوں خبر لیتا۔ ان صاحبوں کی امید پر

[1] جان لیڈن نے یہ فقرہ اور لکھا ہے (حملہ بالکل بیکار ہو گیا) ۱۲ [2] سیاہ لکڑی ۱۲ [3] اطراف کے
تمام شہزادوں اور سرداروں ۱۲

قلعہ میں ٹھیرنا بیہودہ ہوتی تھی۔ اگلوں کا قول ہے کہ قلعہ بچانے کے لیے ایک تو سر کی حاجت ہے دوسرے دو ہاتھوں کی۔ تیسرے دو پاؤں کی۔ سر سردار ہے۔ دونوں ہاتھ دو کمکیں ہوتی ہیں جو دو طرف سے آتی ہیں۔ دونوں پاؤں پانی اور خوراک کا وہ ذخیرہ ہیں جو شہر میں ہو۔ جو ہمارے اطراف و جوانب میں تھے ہم نے اُن سے مدد چاہی مگر جن سے مجھے کمک کی امید تھی اور وہ میرے گرد و نواح میں تھے اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیال میں تھا۔ سلطان حسین میرزا جیسے جوانمرد۔ صاحب تجربہ بادشاہ نے میری مدد نہ کی اور نہ میرا دل بڑھانے کے لیے کوئی ایلچی بھیجا۔ بلکہ شیبانی خاں پاس کمال الدین حسین گازرگہی کو محاصرہ کے زمانہ میں ایلچی بنا کر بھیجا۔ تنبل اندجان سے بشکنت کی نواح تک آ گیا۔ احمد بیگ وغیرہ خان کو تنبل کے مقابلہ میں لائے۔ لک لکان اور چار باغ ترک کی نواح میں دونوں کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اور بے لڑے بھڑے دونوں پلٹ گئے۔ سلطان محمود خاں سپاہی نہ تھا۔ فن سپاہ گری سے بالکل عاری تھا جب تنبل کا اور خان کا یہاں مقابلہ ہوا ہے تو خان کی بزدلی کا حال کھل گیا۔ احمد بیگ تھا تو اُجڈ مگر دو لتخواہ اور بہادر تھا۔ اپنے اُسی اُجڈپن کے ساتھ کہہ بیٹھا کہ یہ تنبل چیز ہی کیا ہے۔ جس سے اتنا ڈرتے ہو گھبراتے ہو۔ اگر تم کو اُسی دیکھ کر خوف آتا ہے تو اپنی آنکھیں بند کر کے اُس کے سامنے آ جاؤ۔

سنہ ۹۰۶ہجری کے واقعات

سمرقند چھوڑ کر تاشکند جانا

محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا۔ نہ کہیں سے رسد آئی۔ نہ کسی نے مدد بھیجی۔ آخر کار فوج اور رعیت کے دل ٹوٹ گئے۔ ایک ایک دو دو نے شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا۔ شیبانی خاں محصورین کے دق ہونے کو سمجھ گیا۔ اور غارۂ[2] عاشقاں میں آن اُترا۔ میں بھی شیبانی خاں کے روبرو کوئے پایاں[3] میں ملک محمد میرزا کے مکانوں میں آ گیا۔ انہی دنوں میں اوزون حسن[4] جو جہانگیر میرزا کی بغاوت میں سرغنہ اور سمرقند سے میرے نکلنے کا باعث تھا اور جس نے بعد میں بہت چند فتنے اور فساد برپا کیے تھے (جنکا بیان ہو چکا ہے) وس پندرہ آدمیوں کو لیے ہوئے شہر میں آیا۔ اب شہر والوں اور سپاہیوں کی عسرت اور تکلیف بے انتہا ہو گئی تھی۔ میرے مصاحب اور معتبر لوگ فصیل کود کود کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ امرا میں سے ویس شیخ اور

---

[1] ۱۰ر جولائی سنہ ۱۵۰۰ع ۱۲ [2] غارہ عاشقاں کے نواح ۱۲ [3] نیچی گلی ۱۲ [4] اوزون حسن بن خواجہ حسین ۱۲

وہیں بابری کود کر بھاگ نکلے۔ میں سب طرف کی کمک سے مایوس ہو گیا۔ کہیں سے امید نہ رہی۔ اوّل تو خوراک اور گودام کی پہلے ہی کمی تھی۔ اور جتنا تھا اب وہ بھی نبڑ گیا۔ کہیں سے رسد بھی نہ آئی۔ اسی موقع پر شیبانی خاں نے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اگر کسی طرف سے کوئی امید ہوتی یا کھانے کو پاس ہوتا تو صلح کی گفتگو کون سنتا۔ مجبوراً ایک[1] طرح کی صلح کر لی۔ آدھی رات آئی ہوگی جو اپنی والدہ خانم کو ساتھ لیکر شیخ زادہ دروازہ سے میں نکل کھڑا ہوا۔ دو عورتیں اور بھی ساتھ نکلیں۔ ایک بیچکا حنیفہ[2] دوسری منکلیک[3] کوکلتاش۔ میری بڑی بہن خانزادہ بیگم اسی بھگڑ میں رہ گئیں اور شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئیں۔ اندھیری رات تھی۔ سغد کی بڑی بڑی نہروں میں پھنسکر ہم راستہ بھول گئے۔ آخر بڑی مشکل سے صبح ہوتے خواجہ دیدار سے نکلے اور سنتوں کے وقت پشتہ قاربوغ پر جا پہنچے۔ پشتہ قاربوغ کے شمال سے چل کر موضع خوذک[4] کے نیچے نیچے ہوتے ہوئے ایلاق اوتی کی طرف جانیکے لیے ہم روانہ ہوئے۔ راستے میں قنبر علی اور قاسم بیگ کے ساتھ گھوڑے دوڑائے گئے۔ میرا گھوڑا آگے نکل گیا۔ میں نے ٹیڑھے ہو کر اور مڑ کر دیکھا کہ ان کے گھوڑے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں۔ گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا تھا۔ زین الٹ گیا۔ میں سر کے بھل زمین پر گر پڑا۔ اگرچہ میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن شام تک میری عقل بے ٹھکانے رہی۔ یہ عالم اور واقعات گزشتہ آنکھوں کے سامنے اور دل میں خواب و خیال کی طرح آتے تھے اور مٹ جاتے تھے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا کہ ہم ایلاق اوتی میں جا اترے ایک گھوڑا ذبح کیا اور گوشت کے تکّے کر کے کباب لگائے۔ تھوڑی دیر گھوڑوں کو آرام دیا۔ پھر ہم سوار ہو گئے۔ صبح ہونے سے پہلے موضع خلیلہ میں ہم آئے۔ خلیلہ سے دزخ[5] میں پہنچے۔ اس زمانہ[6] میں وہاں حافظ محمد بیگ دولدائی کا بیٹا اور طاہر دولدائی تھے۔ نہایت فربہ گوشت اور میدہ کی روٹیاں وہاں خوب سستی تھیں۔ میٹھے خربوزے اور عمدہ انگور ڈھیروں تھے۔ ایسی نا یسری کے بعد یہ ارزانی اور ایسی آفت کے بعد یہ امن نصیب ہوا شعر

وہ ساری مصیبت گئی اور تنگی ملا خوب آرام اور گوشت روٹی

(شعر) موت کا خوف اٹھ گیا دل سے بھوک کی آگ ہو گئی کافور

اپنی عمر بھر میں ہم کو نہ کبھی ایسا لطف آیا تھا اور نہ کبھی امن و ارزانی کی اتنی قدر ہوئی تھی سچ ہے

---

[1] یہ تو مجمل ہے اور جان لیڈن نے کھول کر لکھا ہے کہ شہر خالی کر دینے پر صلح کر لی ۱۲ [2] بیچکا خلیفہ ۱۲
[3] منگلیق ۱۲ [4] خزدک ۱۲ [5] جان لیڈن کے متن میں دزک او. نوٹ میں جزخ لکھا ہے ۱۲
[6] اس زمانہ میں حافظ محمد بیگ دولدائی کا بیٹا طاہر دولدائی وہاں کا حاکم تھا ۱۲

کہ عسرت کے بعد عشرت کی بڑی لذت آتی ہے۔ اور محنت کے بعد فراغت کی بہت قدر ہوتی ہے۔ ساری عمر میں پانچ چار دفعہ اسی طرح تکلیف کے بعد راحت اور محنت کے بعد فراغت میسّر ہوئی ہے لیکن یہ پہلا ہی موقع تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے اور بھوک کی بلا سے رہائی پاکر امن اور ارزانی کی راحت اور خوشی نصیب ہوئی ہے۔ غرض ورخ میں تین چار دن تک استراحت کی۔ اس کے بعد اوراتیبہ جانیکا قصد ہوا۔

ساغرج جانا

مقام ساغرج[1] راستہ سے تھوڑی دور ہٹا ہوا ہے۔ چونکہ میں ایک مدت تک وہاں رہا تھا اس لیے چلتے چلتے وہاں کی بھی سیر کرلی۔ وہ آتون جو بہت مدت سے میری والدہ خانم کے پاس رہتی تھی اور اس ہڑبوم میں گھوڑوں کی کمی کے سبب سے مجبوراً سمرقند میں رہ گئی تھی ناگاہ قلعہ ساغرج میں نظر آئی۔ اس سے بات چیت کرنیکے بعد معلوم ہوا کہ سمرقند سے یہاں تک بیچاری پیدل آئی تھی۔ میری چھوٹی خالہ خوب[2] نگار خانم کا انتقال ہو گیا تھا۔ اوراتیبہ میں میرے پاس اور خانم کے پاس یہ سناونی آئی۔ دادی جان بھی اندجان میں فوت ہو گئی تھیں۔ یہیں اُن کی بھی خبر آئی۔ اتان[3] جان میرے ناناجان[4] کے مرنے کے بعد اپنی ماؤں[5] اور چھوٹے بھائی بہنوں یعنی شاہ بیگم۔ سلطان محمود خان۔ سلطان[6] نگار خانم اور دولت سلطان خانم سے نہ ملی تھیں اور اُن سے تیرہ چودہ برس تک بچھڑی رہیں۔ انہی عزیزوں اور قریبوں سے ملنے کے لیے وہ تاشکند کی طرف روانہ ہوئیں۔ محمد حسین میرزا سے صلاح کرکے میں نے موضع دہکت میں جو توابعات اوراتیبہ سے ہے قشلاق کرنے کی ٹھیرائی۔ اسباب وغیرہ سمیت میں دہکت میں آیا اور اسباب کو وہیں چھوڑ کر چند روز بعد میں بھی شاہ بیگم اور اپنے خان دادا وغیرہم سے ملنے کے لیے تاشکند پہنچا۔ شاہ[7] بیگم اور خان دادا سے ملا۔ تھوڑے دن وہاں رہا۔ والدہ صاحبہ کی سگی بہن مہر[8] نگار خانم بھی جو سب میں بڑی تھیں سمرقند سے چلی آئیں۔ میری والدہ بیمار ہو گئیں اور ایسی بیمار ہو گئیں کہ بچنے کی امید نہ تھی۔ حضرت خواجگان[9] خواجہ بھی سمرقند سے نکل کر فرکت میں آ گئے تھے۔ میں فرکت گیا اور خواجہ سے ملا۔ میری استدعا تھی کہ خان دادا براہ مہربانی وشفقت کچھ ملک اور علاقہ مجھے دیں۔ اُنہوں نے مجھے اوراتیبہ

---

[1] بشاغر ١٢ [2] خوب نگار خانم سلطان محمد حسین کورگان دوغلت کی بیوی تھیں جن کے پاس اس وقت اوراتیبہ تھا ١٢ [3] قتلق نگار خانم ١٢ [4] یونس خان ١٢ [5] یعنی سوتیلی مائیں ١٢ [6] سلطان محمود میرزا کی بیوی اور شاہ بیگم کی بیٹی ١٢ [7] شاہ بیگم کی سب میں چھوٹی بیٹی ١٢ [8] سلطان احمد میرزا سابق بادشاہ سمرقند کی بیوی ١٢ [9] خواجہ کا خواجہ ١٢

عنایت کیا۔ مگر محمد حسین میرزا نے حوالہ نہ کیا۔ معلوم نہیں کہ اُس نے خود ہی نہیں دیا یا حضرت کا ایما نہ تھا۔ بہر حال تھوڑے دن بعد میں مقام دہکت[1] میں آگیا۔

دہکت کا بیان

دہکت اوراتیبہ کے پہاڑی مواضعات میں سے ہے۔ یہ موضع ایک اونچے پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس پہاڑ سے نکلتے ہی ملک میسی آجاتا ہے۔ اُس ملک کے باشندے گو تاجیک[2] ہیں مگر ترکوں کی طرح بھیڑوں اور گھوڑیوں کے ریوڑ کے ریوڑ رکھتے ہیں۔ دہکت میں جس قدر بھیڑیں ہیں اُن کا تخمینہ چالیس[4] ہزار کا کیا جاتا ہے۔ یہاں کسانوں کے مکانوں میں ٹھیرنا ہوا۔ میں وہاں کے ایک چودھری کے ہاں اُترا۔ یہ شخص تقریباً ستر اسی برس کا آدمی تھا۔ اُس کی ماں بھی اب تک زندہ تھی۔ یہ عورت بڑی عمر رسیدہ تھی۔ کوئی ایک سو گیارہ برس کی ہوگی۔ امیر تیمور جب ہندوستان میں آئے ہیں تو اُس کے عزیزوں میں سے ایک شخص اُن کے لشکر میں تھا۔ یہ بات بڑھیا کو یاد تھی۔ کبھی کبھی وہ کہانی کے طور پر بیان کیا کرتی تھی۔ اسی دہکت میں اسی عورت کے اپنے پیٹ کے بچے پوتا پوتی۔ پروتا پروتی اور سیر وتا سروتی سب ملکر چھیانوے[96] آدمی اس وقت زندہ تھے۔ اور مرے ہوؤں سمیت دو سو آدمی بیان کیے جاتے تھے۔ اسکا ایک پروتا اس وقت پچیس چھبیس[25] [26] برس کا جوان تھا۔ جس کی ڈاڑھی سیاہ تھی۔ جب میں دہکت میں تھا تو دہکت کے پہاڑوں میں ہمیشہ پیدل سیر کیا کرتا تھا۔ بیشتر ننگے پاؤں پھرتا تھا۔ ننگے پاؤں پھرتے پھرتے پاؤں ایسے سخت ہوگئے تھے کہ پہاڑ اور پتھریلی زمین میں فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی سیر کی اثناء میں ایک دن عصر اور مغرب کے بیچ میں ہمنے دیکھا کہ ایک پگڈنڈی پر ایک شخص گائے لیے چلا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ یہ راستہ کدھر جاتا ہے؟ اُس نے کہا۔ گائے کی طرف دیکھو اور اُسی سے نظر نہ ہٹاؤ۔ تم کو خود معلوم ہوجائیگا کہ یہ راستہ کدھر نکلتا ہے۔ خواجہ اسد نے ہنسی سے کہا "اگر گائے خود راستہ بھول جائے تو ہم کیا کریں؟" اسی جاڑے میں بہت سے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مار دھاڑ میں نہ پھر سکتے تھے اندجان جانے کی رخصت مانگی۔ قاسم بیگ نے باصرار عرض کیا کہ یہ لوگ جاتے ہیں۔ کوئی ملبوس خاص جہانگیر میرزا کے لیے ضرور بھیجیے۔ میں نے اپنی ٹوپیوں میں سے ایک قاقم کی ٹوپی میرزا کو بھیجی۔ قاسم بیگ نے پھر بہ تکرار عرض کیا کہ تنبل کو بھی کچھ بھیجد یجیے

---

[1] قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں اس جا تحکت اور دھکت لکھا ہے مگر انہی نسخوں میں اول دہکت لکھا تھا اور جان لیڈن کی ترجمہ میں ہر جگہ دہکت ہی لکھا ہے اسلیے میرے نزدیک دہکت ہی صحیح ہے ۱۲

[2] یہاں کے تاجیک کسان یا گنوار ہیں۔ انکی زبان فارسی ہے۔ یہ لوگ انکی اولاد میں سے ہیں جو اگلے ترکوں کے حملوں سے پیشتر یہاں رہتے تھے ۱۲

توکیا مضائقہ ہے۔ اگرچہ میرا دل نہ چاہتا تھا مگر قاسم بیگ کے بعد ہونے سے نویان[1] کوکلتاش سے ایک بڑی تلوار جو اُسنے اپنے لیے سمرقند میں بنوائی تھی لیکر تنبل کو بھیجدی۔ خدا کی قدرت ہے کہ یہی تلوار آخر میرے سر پر پڑی۔ چنانچہ سالِ آیندہ کے واقعات میں لکھا جائے گا۔ کئی دن بعد میری نانی اآں ایسن دولت بیگم جو اس بھگڑ میں سمرقند رہ گئی تھیں اپنے متعلقوں۔ اپنے اسباب اور چند ننگوں اور بھوکوں سمیت میرے پاس آگئیں۔ اسی جاڑے میں شیبانی خاں دریائے خجند کی برف کھوندتا ہوا شاہرخیہ اور بشکنت کے علاقہ میں آیا۔ اور اُسکو تاراج کرنے لگا۔ اس خبر کے سُنتے ہی میں نے اپنے ساتھیوں کی کمی پر ذرا خیال نہ کیا۔ اور میں فوراً سوار ہوکر خجند کے اُن پایابی دیہات کی طرف روانہ ہوگیا جو مقابل ہشتک کے سامنے واقع ہیں۔ غضب کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ اِس نواح میں ہادرویش[2] کی ہوا تھمتی ہی نہیں۔ اور جھکڑ کی چلتی رہتی ہے۔ آجکل ایسی ٹھنڈی تھی کہ ان دو تین دن میں ہمارے دو تین آدمی جاڑے کی شدت سے مرگئے۔ مجھے وہاں نہانے کی احتیاج ہوئی۔ ایک نہر پر جس کے کناروں پر تمام برف جمی ہوئی تھی مگر بیچ میں پانی کے بہاؤ کے سبب سے برف نہ تھی اُتر کر نہایا۔ سولہ غوطے لگائے۔ پانی کی سردی بدن میں بیٹھ گئی۔ دوسرے دن خجند کے سامنے برف پر سے دریائے خجند کے پار ہوئے۔ اور دوسرے دن بشکنت میں پہنچے۔ لیکن شیبانی خاں نواح شاہرخیہ[3] کو لوٹ مار کر چلدیا تھا۔ اُن دنوں میں ملا حیدر کا بیٹا عبدالمنان بشکنت کا حاکم تھا۔ جس زمانہ میں میں سمرقند میں تھا اُس زمانہ میں عبدالمنان کا ایک چھوٹا بھائی مومن نام ناکارہ اور پریشان میرے پاس سمرقند میں آیا تھا۔ میں نے کسی قدر اُس کی پرورش کی تھی۔ معلوم نہیں کہ نویان کوکلتاش نے سمرقند میں اُس کے ساتھ کیا بدسلوکی کی تھی جس کا بل وہ دل میں رکھتا تھا۔

نویان کوکلتاش کا مرنا

اُزبکوں کی لُٹیری فوج کے چلے جانے کی خبر سُننے کے بعد میں نے خان کے پاس آدمی بھیجا اور بشکنت سے کوچ کرکے موضع آہنگران میں تین چار دن تک توقف کیا۔ ملا حیدر کے چھوٹے بیٹے مومن نے سمرقند میں ملاقات ہوجانے کی وجہ سے نویان کوکلتاش اور احمد قاسم وغیرہ کی دعوت کی۔ میں تو بشکنت سے چلا گیا۔ اور یہ سب بشکنت میں ٹھیر گئے۔ یہ جلسہ ایک کھڈ پر ہوا تھا جو موضع شام سیرکت میں

[1] نویان کوکلتاش اس وقت حضرت کے ہمراہ تھا ۱۲ [2] ہادرویش وہ جنگل ہے جو کند بادام اور خجند کے بیچ میں مرغینان کے مغرب میں ہے اور جہاں ہوا کے ہمیشہ جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ اسکا مفصل بیان قصبۂ کند بادام کے ذکر میں لکھا گیا ہے ۱۲ [3] جان لیڈن نے شاہرخیہ لکھا ہے ۱۲

جو آہنگران کے توابع میں سے ہے جا اُترا۔ دوسرے دن خبر آئی کہ نویان کوکلتاش نشہ میں کھڈ پر سے گر کر مر گیا۔ حق نظر کو جو اُس کا سگا ماموں تھا بہت سے آدمیوں کے ہمراہ وہاں بھیجا۔ یہ لوگ موقعِ واردات پر گئے اور تحقیقات کے بعد نویان کو بشکنت میں دفن کرکے واپس آئے۔ ان لوگوں نے اُس مقام سے جہاں یہ جلسہ تھا ایک تیر کے فاصلہ پر ایک گہرے کھڈ کے اندر نویان کی لاش کو پڑا ہوا دیکھا۔ بعض کو گمان ہوا کہ مومن نے نویان سے سمرقند والے کینہ کا بدلہ لیا ہے۔ مگر کسی کو پورا تحقیق نہ ہوا۔ مجھ کو اس واقعہ کا بہت ہی رنج ہوا۔ اتنا رنج کسی کے مرنے کا نہیں ہوا تھا۔ آٹھ دن تک میں برابر روتا رہا۔ اُس کے مرنے کی تاریخ "فوت شد نویان" ہاتھ آئی تھوڑے دن بعد پلٹ کر میں دہکت میں آگیا۔

مسیحا کی طرف جانا

بہار کے موسم میں خبر آئی کہ شیبانی خاں اوراتیبہ پر چڑھ آیا ہے۔ چونکہ دہکت پست زمین میں تھا اس لیے آب بردن اور آمانی سے گزر کر ہم کوہستان مسیحا میں چلے آئے۔ آب بردن ایک قریہ ہے جو مسیحا کی انتہا پر واقع ہے۔ اس آب بردن سے نیچے کی جانب ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ پر ایک قبر ہے۔ چشمہ کی بالائی طرف مسیحا کا علاقہ ہے۔ اور نشیبی جانب بلغر کا۔ اس چشمہ کے کنارے پر جو پتھر تھا اُس پر میں نے یہ اشعار کندہ کرادیے۔ مثنوی۔

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت ۔۔۔ بسر چشمۂ شد بسنگی نوشت
برین چشمہ چوں ما بسے دم زدند ۔۔۔ برفتند تا چشم برہم زدند
گرفتیم عالم بہ مردی و زور ۔۔۔ ولیکن نبردیم با خود بہ گور

اس کوہستان میں پتھروں پر اشعار اور کتبے کندہ کرنے کی بہت رسم ہے۔ ان ہی دنوں میں جبکہ میں مسیحا میں تھا۔ ملا ہجری[1] شاعر نے حصار سے آکر ملازمت حاصل کی۔ اُس زمانہ میں میں نے یہ مطلع لکھا تھا ؎

ترا نقشہ مصور سے کبھی پورا نہیں کھنچتا ۔۔۔ تجھے سب روح کہتے ہیں پر اُس سے بھی ہی تو بڑھ کر

شیبانی خاں اوراتیبہ کی نواح میں آیا اور لوٹ مار کرکے چلدیا۔ جن دنوں میں وہ اوراتیبہ کی نواح میں تھا۔ میں نے اپنے لشکر کی کمی اور بے سامانی پر کچھ خیال نہ کیا۔ گھربار کو مسیحا میں چھوڑا۔ اور خود آب بردن اور آمانی سے نکل پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا دہکت کی نواح میں آگیا۔ ارادہ تھا کہ صبح جھٹپٹے کے وقت لکھے ہو کر جو بس چلے اور جو بن پڑے اُس میں کمی نہ کیجیے مگر چونکہ شیبانی خاں جلدی سے چلدیا تھا اس لیے ہم بھی اُسی پہاڑی راستہ سے مسیحا میں آگئے

[1] ہجری ۱۲

دل میں آیا کہ یوں پہاڑوں میں ٹکرانا بے سود ہے۔ نہ گھر در نہ ملک۔ نہ چین نہ آرام۔ اِس سے بہتر یہ ہے کہ خان کے پاس تاشکند چلے چلیں۔ قاسم بیگ وہاں چلنے پر راضی نہ ہوا۔ غالباً اُسکو اس لیے وہاں چلنے میں اندیشہ ہوا کہ قرابولاق میں لوٹ مار کے انتظام کے خیال سے اُسنے تین چار مغلوں کو قتل کر دیا تھا۔ جیساکہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ہر چند میں نے اصرار کیا مگر اُسنے نہ مانا۔ وہ تو اپنے بھائیوں اور ہمراہیوں سمیت مجھ سے علٰحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔ اور میں آبُردن کے پہاڑ سے نکل خان کے پاس تاشکند کی طرف روانہ ہوا۔ اسی زمانہ میں تنبل لشکر جمع کر کے مرغزار آہنگراں پر چڑھ آیا۔ اس وقت تنبل کے اہلِ لشکر میں سے محمد دُغلت (جو محمد حصاری مشہور تھا)۔ سلطان حسین دُغلت (جو اسکا چھوٹا بھائی تھا) اور قنبر علی سلاخ نے بالاتفاق تنبل کے خلاف میں سازش کی۔ مگر تنبل پر یہ راز فاش ہوتے ہی یہ لوگ وہاں ٹھیر نہ سکے۔ اور بھاگ کر خان کے پاس آ گئے۔ بقرعید ہمیں شاہرخیہ میں ہوئی ہم یہاں ذرا نہ ٹھیرے اور سیدھے تاشکند میں خان کے پاس چلے آئے۔ میں نے یہ رباعی معمولی قافیہ میں کہی تھی۔ مگر مجھے اس کے قافیہ کی صحت میں کسی قدر شک تھا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں مصطلحات شعر سے میں اچھی طرح واقف نہ تھا۔ خان تھا تو طبیعت دار آدمی اور شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ مگر اُس کی غزل جیسی چاہیے ویسی نہ ہوتی تھی۔ میں نے یہ رباعی خان کو سُنائی اور اپنا تردد بھی عرض کیا۔ اُس نے کوئی ایسا شافی جواب نہ دیا جس سے دل کو تسلی ہو جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خان بھی کلام کے حُسن و قبح سے کم واقف تھا۔ وہ رباعی یہ ہے ؎

آفت زدہ کو پوچھتا ہے کب کوئی — آوارہ وطن کو خاک حاصل ہو خوشی
اس بیوطنی سے کیوں نہ ہو مجھ کو الم — غربت میں تو سعد ما بھی خوش ہو نہ کبھی

آخر میں معلوم ہوا کہ ترکی زبان میں تا دال سے اور غین قاف اور کاف سے قافیہ کے موقع پر آپس میں بدل جاتے ہیں۔

تنبل اوراتیبہ میں آیا

چند روز کے بعد تنبل اوراتیبہ پر چڑھ آیا۔ یہ سُنتے ہی خان نے بھی تاشکند سے فوج کشی کی بشکنت اور سام سیرک کے بیچ میں فوج کے دائیں بائیں صفیں ہالہ کی صورت میں قائم کیں۔ اور مغلوں نے اپنے قاعدہ کے موافق یوں نشان باندھے۔ خان گھوڑے سے نیچے اُتر کھڑا ہوا۔ نشان[2] کو لا کر خان کے آگے کھڑا کیا۔

[1] راستہ سے ۱۲ [2] جان لیڈن میں یہاں یہ فقرہ ہے (گھوڑوں کی دُموں کے نو نشان اس کے سامنے کھڑے کیے) یہ جھنڈے قطاس سے اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ مثلث جھنڈے پر قطاس کو باندھتے ہیں۔ قطاس پہاڑی گائے بیل کی دُم کا ہوتا ہے یہ دُم بالکل گھوڑے کی دُم کے مشابہ ہوتی ہے۔ جس گائے یا بیل کی یہ دُم ہے اُس کی پیٹھ

(دیکھو صفحہ آئندہ)

ایک مغل ایک گائے کے ہاتھ کی ہڈی کو ایک سفید لنبے سوتی کپڑے سے باندھکر اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے نے تین سفید لنبے کپڑے نشان کی قطاس کے نیچے باندھکر نشان کی لکڑی کے نیچے سے نکالے۔ کپڑوں میں سے ایک کپڑے کا کونا خان اپنے پاؤں سے نیچے دباکر کھڑا ہو گیا۔ انہی کپڑوں میں سے دوسرے کپڑے کا کنارہ جو اسی طرح ایک نشان میں باندھا گیا تھا میں اپنے پاؤں کے نیچے دباکر کھڑا ہو گیا۔ تیسرے کپڑے کا کنارہ سلطان محمد خانیکہ[1] یونہی دباکر کھڑا ہو گیا۔ پھر جس مغل نے ان کپڑوں کو باندھا تھا گائے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر مغلی زبان میں کچھ تقریر کی اور اثنائے تقریر میں اکثر نشان کی طرف دیکھتا رہا اور اشارہ کرتا رہا۔ خان نے اور سب کھڑے ہونیوالوں نے نشان کی طرف عنبر افشانی کی ایک دفعہ ہی ساری تُرہیاں اور نقارے بجنے لگے جتنے سپاہی صف بستہ کھڑے تھے دفعتاً [...]ن کے نعرے مارنے لگے۔ تین بار یہ رسم ادا کی۔ پھر سب سوار ہو گئے۔ اور نعرے مارتے ہوئے گھوڑے اڑانے لگے۔ چنگیز خان نے جو قاعدے مقرر کیے تھے وہ اب تک مغلوں میں [...]ری ہیں پھر برانغار والا برانغار میں۔ جرنغار والا جرنغار میں اور قول والا قول میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر جو باپ دادا کے وقت سے مقرر تھی جا کھڑا ہوا۔ معمول ہے کہ جو لوگ بہت عزت دار اور بھروسے کے ہوتے ہیں وہ برانغار اور جرانغار کے اوج یعنی فوج کے کناروں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ برانغار والوں میں سے قوم چراس اور بیک چک باہم اس بات پر جھگڑ پڑے کہ اوج میں کون رہے۔ اس وقت چراس کا سردار قشقہ محمود تھا جو بڑا بہادر تھا۔ اور قوم بیک چک (جو قوموں میں ایک نامی قوم ہے) کا سردار ایوب یعقوب تھا۔ دونوں قومیں اوج کے لیے ایسی جھگڑیں کہ تلواریں کھینچ گئیں۔ آخر ظاہراً یہ مصالحت ہو گئی کہ ایک اُن میں سے جرگا میں اعلیٰ جگہ اور دوسری لڑائی میں صف بندی کے وقت اوج میں کھڑی ہو۔ دوسرے دن سام سیرک کی نواح میں لشکر نے جرگا ڈالکر شکار کھیلا۔ پھر آگے چلے اور چار باغ براق میں آکر اترے۔ اسی منزل میں آج میں نے پہلے پہل ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۹) اور پیٹ پر جھنڈولے اور لمبے بال ہوتے ہیں۔ اس دم کو کبھی گھوڑوں کی گردن میں آرائش یا رتبہ کے نشان کے لیے لٹکاتے ہیں۔ یہ پہاڑی گائے یا بیل ایسا طاقتور ہوتا ہے کہ اکثر پہاڑی لوگ اُن پہاڑی نالوں سے جو زور سے گرتے ہیں اُسکی دُم پکڑ کر پار ہو جاتے ہیں۔ غالباً جس طرح ہندوستان میں بعض جھنڈوں پر مور کے پر باندھتے ہیں اسی طرح مغل ان جھنڈوں پر گائے کی دُم باندھتے ہونگے۔ اور اسکو قطاس کہتے ہونگے ۱۲

[1] سلطان محمود خان کا بیٹا ۱۲

[2] یہ ایک طرح کا شکار ہے جو سردار اور بادشاہ بڑی شان و شوکت سے کھیلا کرتے تھے۔ اس میں کبھی کئی کئی میل کا حلقہ باندھا جاتا تھا۔ اس شکار کا بیان چنگیز خان اور امیر تیمور کی تاریخوں میں لکھا ہے ۱۲

ساری غزل لکھی۔ اُس غزل کا مطلع یہ ہے ؎

روح سا ہم کو نہ دنیا میں وفادار ملا
راز داں کوئی بھروسے کا نہیں دل کے سوا

اس غزل کے سات شعر ہوئے۔ پھر جو غزل لکھی اسی ترتیب سے لکھی۔ یہاں سے کوچ بہ کوچ دریائے خجند کے کنارہ پر پہنچے۔ ایک دن سیر کرنے گئے اور دریا کے پار جا کے آش پکائی۔ سرداروں اور سپاہیوں کو خوب جلسے اُڑوائے۔ آج ہی میرے کمر بند کا طلائی حلقہ چوری گیا۔ دوسرے دن خان قلی[1] بیان قلی اور محمد ویس بھاگ کر تنبل کے پاس چلے گئے۔ سب کو گمان ہوا کہ وہ حرکت انہی سے صادر ہوئی تھی۔ مگر تحقیق نہیں ہوا۔ احمد قاسم کوہ بر بھی اجازت لیکر اوراتیبہ چلا گیا۔ اس جانے کے بعد پھر وہ نہ آیا۔ اور تنبل کے پاس چلا گیا۔

۹۰۸ ہجری (مطابق ۷ جولائی ۱۵۰۲ء) کے واقعات

مصیبت پڑنی خان کی یہ یورش بہت ہی بیفائدہ تھی۔ نہ قلعہ لیا نہ دشمن کو زیر کیا گئے اور چلے آئے۔ میں جتنے دن تاشکند میں رہا اُتنے دن میں نے بیحد تنگی اور مصیبت اُٹھائی۔ نہ ملک قبضہ میں تھا نہ پھر اُس کے ملنے کی امید تھی۔ نوکر چاکر اکثر چلے گئے تھے۔ جو کچھ پاس رہ گئے تھے وہ مفلسی کے سبب سے میرے ساتھ ساتھ پھر سکتے تھے۔ جب میں ماموں جان کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو کبھی ایک آدمی اور کبھی دو آدمی ساتھ ہوتے تھے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس موقع پر کوئی غیر نہ تھا۔ سب اپنے جگری تھے۔ ماموجان کو آداب کیا اور شاہ بیگم کے پاس چلا آیا۔ اپنے گھر کی طرح آزادی کے ساتھ ننگے سر ننگے پاؤں چلا آیا کرتا تھا۔ آخر ایسی سرگردانی اور اس بے گھرے ہونے سے میں تنگ آگیا۔ اور زندگی سے بیزار ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسی سختی کے جینے سے جدھر سینگ سمائے اُدھر چلا جاؤں۔ اور ایسا چھپ جاؤں کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ لوگوں کے سامنے ایسی ذلت و بدحالی میں رہنے سے بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اتنی دور نکل جاؤں جہاں مجھے کوئی نہ پہچانے یہ سوچکر خطا[2] جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ مجھے بچپن سے ملک خطا کی سیر کا شوق تھا مگر سلطنت اور تعلقات کے سبب سے نہ جا سکتا تھا۔ اب سلطنت جاتی رہی۔ والدہ۔ اُن کی ماں اور بھائی سب ایک جائے ہو گئے ہیں۔ جو سیر کرنے کے موافع تھے وہ جاتے رہے۔ اور

---

[1] جان لیڈن کے ترجمہ میں (جان قلی بیان قلی اور سلطان محمود ویس) لکھا ہے ۱۲ [2] شمال چین ۱۲

سارے اندیشے رفع ہوگئے، میں نے خواجہ ابوالمکارم کی معرفت سب سے یہ بات کہی کہ شیبانی خاں جیسا دشمن پیدا ہوگیا ہے۔ مغلوں کو اور ترکوں کو اس سے یکساں مضرت پہنچے گی۔ ابھی تک اُسنے ان قوموں کو پورے طور سے زیر نہیں کیا ہے۔ اور اُس کی طاقت نہیں بڑھی ہے۔ اس وقت میں اُسکا تدارک کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بزرگوں کا قول ہے ؎

امروز بکُش چو می تواں کُشت　　آتش چو بلند شد جہاں سوخت
مگزار کہ زہ کُند کماں را　　دشمن چو بہ تیر می تواں دوخت

چوبیس[۲۴] پچیس[۲۵] برس سے کیچک خاں یعنی چھوٹے ماموں اور بڑے ماموں میں بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور میں نے کبھی بہ چھوٹے ماموں کو نہیں دیکھا تھا۔ اچھا ہے کہ میں بھی چھوٹے ماموں سے ملوں۔ اور دونوں میں باعث ملاقات بھی ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اس بہانے یہاں سے چلا جاؤں۔ اب بالکل دل میں ٹھان لی کہ مغلستان اور طرغان چلیے۔ پھر کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ میں نے اس منصوبہ سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ کسی پر ظاہر کرسکتا تھا۔ اس لیے اپنی والدہ سے بھی اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ اور نہ اُن لوگوں سے جو میرے ساتھی تھے اور طرح طرح کی امیدوں سے میرے ساتھ مصیبتیں جھیلتے پھرتے تھے۔ خواجہ ابوالمکارم نے جب یہ باتیں شاہ بیگم اور بڑے خان دادا سے کہیں تو پہلے اُن کی مرضی پائی گئی۔ پھر سمجھے کہ شاید مواسات نہ کرنے سے مکرّر رخصت چاہی ہے۔ اس وجہ سے اُنہوں نے رخصت دینے میں ذرا تامّل کیا۔ اتفاقاً انہی دنوں میں چھوٹے خان دادا کے پاس سے ایک آدمی آیا اور صحیح خبر لایا کہ چھوٹے خان آتے ہیں۔ میرا منصوبہ یونہی رہ گیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی آیا اور اُس نے بیان کیا کہ خان موصوف قریب آگئے ہیں۔ شاہ بیگم چھوٹے خان دادا کی چھوٹی بہنیں سلطان نگار خانم و دولت نگار خانم سلطان محمد خانیکہ اور میرزا خان سب مل کر ماموں کیچک خاں کی پیشوائی کرنے کو گئے۔ تاشکند اور سیرام کے درمیان میں یغما ایک گانوں ہے۔ اور اور کئی گانوں ہیں جن میں ابراہیم اتا اور اسحاق اتا کی قبریں ہیں۔ ہم ان دیہات تک گئے۔ ہم یہ نہ جانتے تھے کہ کیچک خاں اسی وقت آجائیں گے۔ ہم تو انجانی سے سیر کرنے کے لیے سوار ہوگئے تھے۔ دفعۃً خان سے آمنا سامنا ہوگیا۔ میں آگے بڑھا۔ جونہی میں گھوڑے پر سے اُترا وہی کیچک خاں دادا مجھے پہچان گئے۔ بہت ہی گھبرائے۔ شاید یہ خیال دل میں ہوگا کہ کسی جائے میں اُتر کر بیٹھوں اور یہ پورے ادب قاعدہ کے ساتھ مجھ سے ملے۔ میں نے یہ کیا کہ جھٹ پٹ اُن کے پاس پہنچ گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور گو کسی رسم کے

---

[۱] ایک فارسی نسخہ میں یہ ہے (پھر میرا خیال پورا ہوجائے گا)۱۲

ادا کرنے کا موقع نہ تھا مگر گھوڑے سے اُترتے ہی میں گھٹنوں کے بل جُھکا اور بغلگیر ہوا۔ وہ بہت ہی سٹپٹائے اور جھینپے۔ فوراً سلطان سعید خاں اور بابا خان سلطان سے کہا کہ گھوڑوں پر سے اُترو اور جُھک کر انسے ملو۔ خان کے بچّوں میں سے یہی دونوں ہمراہ آئے تھے۔ دونوں تیرہ چودہ برس کے ہونگے۔ ان دونوں سے ملنے کے بعد سب سوار ہو کر شاہ بیگم پاس آئے۔ ماموں کیچک خاں شاہ بیگم سے اور سب بیگموں سے ملے۔ بغلگیر ہوئے۔ بیٹھے اور اپنی اپنی رام کہانیاں آدھی رات تک کہتے سُنتے رہے۔ دوسرے دن چھوٹے ماموں نے مغلوں کی رسم کے موافق خلعت۔ اپنے ہتھیار اور اپنے خاصے کا گھوڑا مع زین مجھے عنایت کیا۔ خلعت میں یہ چیزیں تھیں۔ مغلی ٹوپی مقتول[۱] دار چکن کے کام کی اطلس خطائی کی الخالق اور پرانی وضع کی تور خطائی جس میں پتھر کی ایک تختی اور ایک تھیلی لگی ہوئی تھی۔ تھیلی کے گرد تین چار چیزیں انگوٹھیوں کی وضع کی جن کو عورتیں عطردان اور بٹوے کی طرح گلوں میں لٹکاتی ہیں لٹکی ہوئی تھیں۔ اسی طرح اُلٹی طرف بھی اسی ترکیب کی تین چار چیزیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں سے سب تاشکند کی طرف روانہ ہوئے۔ بڑے ماموں بھی تاشکند سے تین چار فرسنگ پیشوائی کیلیے آئے اور ایک مقام پر شامیانہ کھڑا کرکے ٹھیرے۔ چھوٹے خان سامنے سے آئے جب قریب آگئے تو بڑے خان کو اُلٹے ہاتھ کی طرف سے خان کے پیچھے پھر کر آگے آئے اور اُترے۔ آداب گاہ پر پہنچے تو نو دفعہ جُھکے[۲] پھر آکر بغلگیر ہوئے۔ بڑے خان بھی چھوٹے خان کے پاس آتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور چمٹ گئے۔ بہت دیر تک لپٹے کھڑے رہے۔ الگ ہونیکے بعد بھی چھوٹے خان نو دفعہ جُھکے پیشکش اور سوغاتیں گزرانی کے وقت بھی بہت سی دفعہ جُھکے۔ پھر آکر بیٹھ گئے۔ چھوٹے خان کے سارے ہمراہی بڑی طمطراق سے مغلوں کی رسم کے موافق آراستہ تھے۔ مغلی ٹوپیاں سروں پر تھیں۔ چکن کے کام کی خطائی اطلس کی الخالقیں پہنے ہوئے تھے۔ مغلوں کی رسم کے موافق ترکش لگائے ہوئے سبز ساغری زین کسے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے۔ چھوٹے خان تھوڑے سے آدمی ساتھ لائے تھے۔ یہ سب ہزار سے زیادہ اور دو ہزار سے کم ہونگے۔ ہمارے چھوٹے ماموں ایک خاص ڈھنگ کے آدمی تھے۔ تلوار کے دھنی تھے۔ بڑے قوی مضبوط اور جوانمرد تھے۔ سارے ہتھیاروں میں تلوار پر غش تھے اور اُس پر بھروسا رکھتے تھے۔ اُنکا قول تھا

[۱] سونے کے تاروں کا کام۔ شاید اس سے مراد کارچوبی یا زردوزی کام ہو ۱۲ [a] ہندوستان میں کیری اور عطردان دونوں چیزیں لٹکاتے ہیں۔ یہ اصل میں ہم مغلوں ہی کا رواج ہے۔ بٹوا گلے میں لٹکانے کی رسم بھی وہیں کی ہے ۱۲

[۲] یا زانو کے بل بیٹھے ۱۲

کرشش پر[1]۔ پیازی۔ کبستن۔ تبرزین اور تبرتیشہ[2] اگر لگے تو ایک جائے زخم دے۔ اور تلوار لگے تو سر سے پاؤں تک کام کر جائے۔ اپنے بھروسے کی تیز تلوار کو کبھی اپنے سے علحدہ نہ کرتے تھے۔ وہ تلوار اُن کی کمر میں لگی رہتی تھی۔ یا اُن کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ چونکہ ملک کے کنارہ اور گوشہ میں اُنہوں نے پرورش پائی تھی اس لیے کسی قدر درشت گو اور گنوار آدمی تھے۔ جب میں چھوٹے ماموں کے ساتھ واپس آیا ہوں تو اُسی آرائش اور ہیئت سے تھا جس کا بیان اوپر ہوا ہے۔ خواجہ ابو المکارم بڑے خان دادا کے ساتھ آیا تھا۔ اُسنے مجھے نہ پہچانا۔ پوچھنے لگا کہ یہ کونسے سلطان ہیں؟ میں نے بات کی تو وہ پہچان گیا۔

دونوں خان کا اخشی پر چڑھائی کرنا اور بابر کو آگے روانہ کرنا

تاشکند آتے ہی اُنہوں نے سلطان احمد تنبل پر فوج کشی کر دی۔ کندزلیک اور آمانی[3] کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ جلکۂ آہنگران میں پہنچتے ہی چھوٹے خان کو اور مجھ کو آگے روانہ کر دیا۔ رآیان[5] کے پہاڑ کو طے کرکے نواح زیرقان اور کرسان[6] میں دونوں خان پھر آملے۔ نواحِ کرسان[7] میں ایک دن لشکر کا جائزہ لیا۔ تیس ہزار سوار کا تخمینہ ہوا۔ جو دیہات ہمارے سامنے تھے اُن میں سے خبر آئی کہ تنبل بھی اپنی فوج کو جمع کرکے اخشی میں آگیا ہے۔ دونوں خانوں نے مشورہ کیا اور یہ بات قرار دی کہ لشکر میں سے کچھ فوج میرے ساتھ کر دی جائے۔ میں دریائے خجند سے عبور کرکے اوش اور اوزکند کی طرف بڑھوں اور اُس کے پیچھے[8] جا پہنچوں۔ یہی بات قرار پا گئی۔ ایوب بیگ چک کو مع اُس کی قوم کے۔ جان حسن نارین[9] کو مع اُس کے نارینوں کے۔ محمد حصاری دغلت[10]۔ سلطان حسین دغلت اور سلطان احمد میرزا دغلت کو مع اُسکے دغلتوں کے میرے ہمراہ کیا۔ قنبر علی ساریق پاش[11] میرزا انبارچی[12] کو بھی اس لشکر کا سردار مقرر کرکے ساتھ کر دیا۔ اسم مقام کرسان[13] میں دونوں صاحبوں سے رخصت ہوئے۔ نواحِ بیکان[14] میں سیرھی کی ذریعہ سے

---

[1] کرشش پر (ایک قسم کا عصا ہے جس کے چھ پہلو ہوتے ہیں)۔ پیازی (یہ بھی عصا ہے جو نہایت سخت ہوتا ہے) کبستن (ایک قسم کی برچھی ہے)۔ تبرزن (وہ بسولا جو لڑائی کا ہتھیار ہے) تبرتیشہ (کلہاڑا) ۱۲

[2] نسخۂ مطبوعہ میں تبر و تیشہ ہے ۱۲ [3] بانی کے راستہ سے ۱۲ [4] روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ دونوں خان نے ۱۵ محرم مطابق ۲۱ جولائی سنہ ۱۵۰۲ء میں تاشقند چھوڑا تھا۔ یہ روانگی بابر کی حمایت اور تنبل کے دفعہ کرنیکے لیے تھی ۱۲ [5] ڈایاں ۱۲ [6] جان لیڈن نے (دزقان اور قرسان) لکھا ہے۔ قلمی نسخہ میں دزیرمان اور گرمان لکھا ہے ۱۲ [7] قرسان ۱۲ [8] قریب ۱۲ [9] بارین [10] جان لیڈن کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد حصاری غلت وغیرہ تینوں غلت تو ساتھ ہوئے مگر اُنکی قوم ہمراہ نہیں آئی ۱۲ [11] ندرمر ۱۲ [12] خان تان۔ کارنن ۱۲ [13] قرنان ۱۲ [14] سقان ۱۲

دریائے خجند کو عبور کیا۔ پھر رباط خوقان سے چلکر ہم نے مقام قبا کو فتح کیا اور رباط الالیوق
کے راستہ سے اوش پر چڑھائی کر دی۔ صبح کے وقت اوش والے بالکل غافل تھے کہ ہم وہاں جا پہنچے۔
وہاں والوں سے کچھ نہ بن پڑا۔ اوش ہمارے حوالہ کر دیا۔ اہلِ ملک بالطبع میری طرف مائل تھے۔ مگر
تنبل کے خوف سے اور مجھ سے دور ہونے کے باعث سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جونہی میں اوش میں
آیا وونہی اندجان کے مشرق اور جنوب کے پہاڑوں اور میدانوں سے تمام قومیں اُمنڈ آئیں۔
اوزکند جو اگلے زمانہ میں فرغانہ کا دار السلطنت تھا اُسکا قلعہ بہت عمدہ ہے اور سرحد پر واقع
ہے۔ وہاں والوں نے بھی میری اطاعت اختیار کر کے ایک آدمی بھیجا اور اظہار اطاعت کیا۔
چند روز بعد مرغینانیوں نے بھی اپنے حاکم کو مار کر نکالدیا اور مجھ سے مل گئے۔ دریائے خجند سے
اندجان کی جانب جتنے قصبے تھے سوائے اندجان کے سب کے باشندے میرے مطیع ہو گئے۔
اُس وقت اگرچہ اتنے قلعے میرے قبضہ میں آ گئے تھے اور ایسا فتنہ و فساد ملک میں بپا ہو گیا تھا
مگر تنبل کے مغز کا کیڑا نہ جھڑا۔ آخشی اور کرسان کے بیچ میں اپنے لشکر کے سوار اور پیادوں سمیت
بڑے خان اور چھوٹے خان کے مقابلہ میں آموجود ہوا۔ خندق اور شاخ بند سے اپنے لشکر کی
حفاظت کر کے ہو بیٹھا۔ کئی دفعہ جانبین میں ہلکی ہلکی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب اور مغلوب ہوتا ہوا
معلوم نہ ہوا۔ چونکہ اطراف اندجان کے اہلِ ملک اکثر میرے تابع ہو گئے تھے اس لیے اندجان والے
بھی دل سے میرے خواستگار تھے مگر موقع نہ پاتے تھے۔

اندجان کی فتح کی کوشش کیجاتی ہے

میرے دل میں آئی کہ کسی دن رات کو اندجان کے قریب
جایئے اور کوئی آدمی بھیجکر وہاں کے امرا و شیوخ سے کچھ
باتیں کیجیے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ہمیں کسی طرف سے بُلا لیں۔ یہ خیال کر کے میں اوش سے سوار ہوا۔
اور آدھی رات آئی ہو گی کہ اندجان سے ایک کوس کے فاصلہ پر چل دختران کے سامنے آکر ٹھیرا۔
قنبر علی بیگ اور کئی سرداروں کو آگے بھیجا اور سمجھا دیا کہ شہر میں خفیہ آدمی بھیجو اور شیوخ و امرا
سے باتیں کر لو۔ ہم ان سرداروں کے آنے کے انتظار میں اُسی طرح گھوڑوں پر سوار کھڑے رہے۔
ہم میں سے کوئی اونگھ رہا تھا۔ کسی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ شاید تین پہر رات گزری ہو گی کہ ایک دفعہ ہی
غل غپاڑے کے ساتھ طبلِ جنگ کی آواز آئی۔ ہمارے ساتھی نیند میں تو تھے ہی۔ نہ اُنہوں نے
دشمنوں کی کمی بیشی پر خیال کیا اور نہ ایک نے دوسرے کی خبر لی۔ دفعۃً سب کے سب بھاگ نکلے۔

---

۹۱ رباط الالیوق ۱۲ ۹۲ اوزکند ۱۲ ۹۳ قرنان ۱۲ ۹۴ جان لیڈن نے متن میں
(جلد خزان) اور نوٹ میں بحوالہ ترجمۂ فارسی چل دختران لکھا ہے ۱۲ ۹۵ وہ نقارہ جو فوج کے
ساتھ گھوڑے پر ہوتا ہے ۱۲

مجھے بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ ان لوگوں کو اکھٹا کروں۔ مگر میں باغیوں کی طرف چلا۔ میر شاہ قوچین۔ بابا شیر زاد اور دوست ناصر میرے ساتھ چلے۔ ہم چاروں کے علاوہ سب بھاگ گئے۔ ہم تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ وہ لوگ تیر مارتے ہوئے اور غل مچاتے ہوئے ہم پر آپڑے۔ ایک سوار جو تشقہ گھوڑے پر تھا میرے قریب آگیا۔ میں نے ایک تیر مارا۔ تیر گھوڑے کے لگا۔ گھوڑا فوراً مر گیا۔ وہ لوگ ذرا ٹھیر گئے۔ یہ تینوں آدمی جو میرے ہمراہ تھے کہنے لگے کہ اندھیری رات ہے دشمنوں کی تعداد معلوم نہیں اور لشکر سارا بھاگ گیا۔ ہم چار سے کتنے آدمی مارے جائیں گے۔ یہاں سے چل دیجیے۔ پہلے بھاگے ہوؤں کو سمیٹیے اور پھر لڑیے۔ ہم دوڑے اور اپنے لوگوں میں پہنچے۔ ہر چند چابک تک مارے اور ٹھیرانا چاہا مگر کوئی نہ ٹھیرا۔ آخر ہم ہی چاروں اُلٹے پھرے اور تیر مارنے لگے۔ اُدھر والے ذرا ٹھیر گئے۔ جب دو ایک دفعہ ہم کو اُنہوں نے دیکھا کہ تین چار آدمیوں سے زیادہ نہیں ہیں تو پھر وہ ہمارے تعاقب میں اور گرانے میں مشغول ہوئے۔ اسی طرح تین چار دفعہ اپنے لوگوں کو میں نے ٹھیرانا چاہا۔ جب کوئی نہ رُکا تو ناچار انھی تینوں کے ساتھ پلٹ کر ایسے تیر مارے کہ دشمنوں کا مُنہ پھیر دیا۔ دشمن تین کوس برابر پشتہ قراتون[1] اور پشاسون کے سامنے تک ہم لوگوں کا تعاقب کرتے رہے۔ جب ہم پشتہ کے پاس پہنچے تو مبشر[2] اور محمد علی ملے۔ میں نے کہا کہ یہ گنتی کے آدمی ہیں۔ آؤ ہم ان سے سلٹ لیں۔ جب ہم نے اُن کی طرف گھوڑے ڈپٹائے تو وہ ٹھیر گئے۔ اس کے بعد ہمارے جو لوگ بھاگ گئے تھے اور متفرق ہوگئے تھے اِدھر اُدھر سے جمع ہو کر آنے لگے۔ اس بھگڑ میں بعض اچھے اچھے سپاہیوں نے پیچھے مُڑ کر نہ دیکھا اور سیدھے آوش پہنچے۔ یہ بات یوں ہوئی کہ ایوب بیگ چک کے تومان میں سے کچھ مغل ہم سے جُدا ہو کر لوٹ مار کرنے اندجان کی نواح میں آئے تھے۔ ہمارے لشکر کا جو غل سُنا تو دبکے ہوئے آگے آئے۔ اور پلول میں غلطی ہوگئی۔ یہ پلول دو قسم پر ہے۔ ایک تو قومی ہوتی ہے۔ مثلاً بعض قوم میں لفظ "دروانہ" بعض میں لفظ "توقبائی" اور بعض قوم میں لفظ "لولو" مقرر کر لیتے ہیں۔ دوسری یہ کہ تمام لشکر میں لڑائی کے وقت دو لفظ پلول کے قرار پا جاتے ہیں تاکہ معرکۂ جنگ میں جس وقت دو آدمی آپس کے ملیں اُس وقت کوئی ایک لفظ مقرر کہے اور دوسرا جواب میں دوسرا لفظ معہود کہے۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ اپنے اور دشمن کے آدمی میں شناخت ہو جائے۔ اور یگانہ و بیگانہ میں تمیز رہے۔ اُس یورش میں پلول کے الفاظ "تاشکند" اور "سیرام" تھے۔ یعنی اگر ایک "تاشکند" کہے تو دوسرا "سیرام"۔ اور اگر ایک "سیرام" کہے تو دوسرا "تاشکند"۔ اس موقع پر خواجہ محمد علی سب سے آگے تھا۔ مغل تاشکند تاشکند کہتے ہوئے آئے۔

[1] خرابوک۔ جان لیڈن نے دونوں نام یہ لکھے ہیں (خرابوق و شباموم) ١٢ [2] محمد علی مبشر ١٢

خواجہ محمد علی جو تاجیک تھا گھبرا کر جواب میں "تاشکند" "تاشکند" کہنے لگا مغل اس خلاف جواب سے باغی تصور کرکے شور و غل مچانے لگے اور طبل جنگ بجا کر تیر برسانے لگے۔ اسی غلط شور و غل سے ایک دفعہ ہی ہم تتر بتر ہوگئے۔ میرا منصوبہ پورا نہ ہوا۔ پھر میں آوش ہی میں واپس آگیا۔

اندجان پر چڑھائی

جب ہم سے شہر والے۔ میدانی اور کوہستانی رجوع ہوگئے تو تنبل اور اس کے ہمراہی بیدل اور عاجز ہوگئے۔ اس کے پانچ چھ دن بعد اس کا لشکر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھاگنے لگا۔ جو لوگ اس کے پاس سے بھاگ آئے تھے وہ بیان کرنے لگے کہ تنبل میں کچھ دم نہیں رہا ہے۔ اب تین چار دن میں کھل جائیگا کہ وہ تباہ ہوگیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں اندجان جانے کے لیے تیار ہوا۔ اندجان میں تنبل کا چھوٹا بھائی سلطان محمد گل بیگ[1] تھا۔ ہم توتلوق[2] کے راستہ سے چلے۔ اندجان[3] کے جنوب کی طرف سے مقام باکان[4] سے فوج کی ایک ٹکڑی ظہر کے وقت روانہ کی اور میں خود اس کے پیچھے پیچھے چل کر پشتہ عیش کے دامنہ میں جو جاکان کی طرف سے آیا۔ قراولوں نے خبر دی کہ سلطان محمد گل بیگ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ باغات اور محلات کے باہر پشتہ عیش کے دامنہ میں نکل آیا ہے۔ ہماری فوج کی وہ ٹکڑی جو آگے روانہ ہوئی تھی ابھی جمع نہ ہونے پائی تھی۔ میں نے اس کے جمع ہونے کا انتظار نہ کیا اور میں فوراً دشمن کی طرف قدم بڑھائے ہوئے روانہ ہوگیا۔ گل بیگ[6] کے ساتھ پانچ سو آدمیوں سے زیادہ ہونگے۔ اگرچہ میری فوج زیادہ تھی مگر اہل لشکر متفرق ہو رہے تھے مقابلہ کے وقت شاید اتنی ہی فوج میرے پاس بھی ہو۔ ترتیب اور صف بندی کا کچھ خیال نہ کیا۔ باگیں اٹھائے ہوئے میں غنیم کے سر پر جا دھمکا۔ ہمارے پہنچتے ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور تلوار کے دو دو ہاتھ بھی نہ ہونے پائے کہ وہ بھاگ نکلے۔ ہمارے لوگ دروازہ جاکان تک دشمنوں کو مارتے اور گراتے ہوئے گئے۔ جب ہم دشمن کو شکست دیتے ہوئے آبادی کے قریب محلۂ خواجہ کتہ میں پہنچے تو شام ہوگئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ بہت جلد میں دروازہ پر پہنچ جاؤں لیکن بوڑھے اور تجربہ کار امرا میں سے ناصر بیگ (دوست بیگ کے باپ) اور قنبر علی بیگ وغیرہ نے عرض کیا کہ شام ہوگئی ہے۔ اندھیرے میں شہر کے پاس پہنچنا عقل کے خلاف ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی قدر ہٹ کر ٹھیر جائیں۔ صبح ہوتے ہی سوائے اس کے کہ یہ لوگ شہر ہم کو دیدیں اور کیا کرسکتے ہیں؟ ان تجربہ کار امرا کے کہنے میں آکر ہم وہاں سے پلٹ آئے۔ اگر اس وقت شہر کے دروازہ پر ہم جا پہنچتے تو بیشک و شبہ شہر ہمارے ہاتھ آجاتا۔

ف۱ تبلبہ (نسخہ مطبوعہ) ۱۲ ف۲ شہتوت بن۔ توت بمعنی شہتوت۔ وق بمعنی بن ۱۲ ف۳ جان لیڈن نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے (اندجان کی طرف سے میں نے فوج کی ایک رسدمان ٹکڑی روانہ کی) ۱۲ ف۴ خاکان۔ جاکان ۱۲ ف۵ تبلبہ ۱۲ ف۶ تبلبہ ۱۲

جوئے جاکان سے ہٹنا

عشا کا وقت تھا جو جاکان کی ندی سے اُتر کر رباط قوروں[1] گاؤں کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ اگرچہ تنبل[2] کی بربادی کی خبر اندجان میں پہنچ گئی تھی مگر ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہم چوک گئے۔ جوئے خاکان جیسے مضبوط مقام کو تو درست کرکے نہ ٹھیرے۔ دریا سے اُتر کر رباط قوروں گاؤں[3] کے پاس چٹیل میدان میں جا اُترے۔ روند نہیں۔ چوکی پہرہ نہیں۔ اُس پر طرّہ یہ کہ بےخبر ہو کر سو رہے۔ صبح ہونے ہی کو تھی اور ہمارے لوگ میٹھی نیند میں پڑے اینڈ رہے تھے کہ اتنے میں قنبر علی دوڑتا ہوا اور چلاتا ہوا آیا کہ غنیم آگیا ہے اُٹھو! اُٹھو! وہ یہ کہتا ہوا بلا توقف چلا گیا۔ میرا قاعدہ تھا کہ امن کے زمانہ میں بھی میں ہمیشہ کپڑے پہنے ہوئے سویا کرتا تھا۔ میں جلدی سے اُٹھتے ہی تلوار و ترکش لگا سوار ہو گیا۔ نشان بردار کو نشان درست کرنے کی بھی فرصت نہ ہوئی۔ وہ یونہی نشان کی لکڑی ہاتھ میں لیے ہوئے سوار ہو گیا۔ جس طرف سے کہ دشمن چلا آتا تھا اُسی جانب ہم چلے۔ اول دہلہ میں دس پندرہ ہی آدمی میرے ہمراہ تھے۔ ایک تیر کے پرتاب پر ہم آئے ہونگے کہ غنیم کے اگلے دستہ فوج سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ اس وقت میرے ساتھ کوئی دس آدمی ہونگے۔ ہم اُن پر جھپٹے تیر مارتے ہوئے اور جو آگئے تھے اُن پر حملہ کرکے اُنکو پسپا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے کوئی ایک تیر کے فاصلہ تک ہم پہنچے ہونگے کہ غنیم کے قُول سے جا بھڑے۔ سلطان احمد تنبل تخمیناً سو آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ تنبل مع ایک آدمی کے صفِ لشکر کے سامنے کھڑا ہوا حکم دے رہا تھا۔ "انکو مارو۔ انکو مارو"۔ مگر اُس کی فوج کچھ ایسی حالت میں کھڑی ہوئی تھی کہ گویا اس شش و پنج میں ہے کہ بھاگ جائیں یا نہ بھاگیں۔ اس وقت میرے ساتھ صرف تین آدمی رہ گئے تھے۔ ایک دوست ناصر۔ دوسرا میرزا قُلی کوکلتاش اور تیسرا کریم داد خدا داد ترکمان۔ ایک تیر جو اُس وقت میری چٹکی میں تھا میں نے تنبل کے خود پر مارا۔ پھر میں نے ترکش پر ہاتھ ڈالا۔ میرے خان دادا نے ایک تیر خاردار سبز لکڑی کا مجھ کو دیا تھا۔ وہی ہاتھ میں آیا۔ اُس کو مارتے ہوئے میرا جی دکھا۔ میں نے اُس کو پھر ترکش میں ڈالدیا۔ اس نکالنے اور ڈالنے میں اتنی دیر لگی جتنی دیر میں دو تیر مارے جائیں۔ دوسرا تیر چلّہ میں رکھکر میں آگے چلا۔ یہ تینوں ہمراہی بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میرے سامنے جو دو آدمی آئے اُن میں ایک تنبل تھا۔ وہ بھی آگے بڑھا۔ بیچ میں ایک شاہ راہ تھی۔ میں شاہراہ کے اس جانب سے اور وہ اُس طرف سے آیا یہیں ہم دونوں کا مقابلہ یوں ہوا کہ میرا سیدھا ہاتھ دشمن کی طرف اور تنبل کا سیدھا ہاتھ میری طرف ہو گیا۔ تنبل کے پاس گھوڑے کی زرہ کے علاوہ سارا سامانِ جنگ تھا۔ میرے پاس تلوار اور

---

[1] زورق ۱۲ [2] اگرچہ ہم سن چکے تھے کہ تنبل برباد ہو گیا ہے اور اندجان کی طرف بھاگ گیا ہے ۱۲ [3] زورق ۱۲

تیر کمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے کمان کو کان تک کھینچکر ایک تیر جو میرے ہاتھ میں تھا تنبل کو مارا۔ اُس وقت ایک تیر شیبہ میری سیدھی ران میں لگا اور وار پار ہو گیا۔ میرے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی تنبل نے جھپٹ کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ اُسپر مارا کہ میرا سر سُن ہو گیا۔ اگرچہ ٹوپی کا تو ایک تار نہ کٹا مگر میرا سر اچھی طرح زخمی ہو گیا۔ میں نے تلوار صاف نہ کی تھی۔ وہ کسی قدر زنگ آلودہ ہو گئی تھی اُس کے نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ بہت سے دشمنوں میں میں اکیلا گھر گیا۔ اب ٹھیرنے کا موقع نہ تھا۔ میں نے گھوڑے کی باگ اُلٹی پھیری۔ ایک اور تلوار کا ہاتھ میرے تیروں پر پڑا۔ میں سات آٹھ قدم اُلٹا پھرا ہونگا کہ پیدل سپاہیوں میں سے تین آدمی آئے اور میرے ساتھ ہو گئے۔ میرے بعد تنبل نے دوست ناصر کے بھی تلوار ماری۔ ایک تیر کے پرتاب تک لوگ میرے پیچھے پیچھے آئے۔ اُلغ چاکان[51] شاہ ایک بڑی اور گہری ندی ہے ہر جائے سے پایاب نہیں ہے۔ خدا کی عنایت سے ہم سیدھے ندی کے اُس مقام پر آ گئے جہاں سے ندی پایاب تھی۔ ندی کے پار ہوتے ہی دوست ناصر کا گھوڑا جو تھک گیا تھا گر پڑا۔ ہم نے ٹھیر کر اُسے پھر سوار کیا۔ اور قرابوق[52] و فراغینہ کے بیچ میں جو ٹیلے ہیں اُنکو یکے بعد دیگرے طے کرتے ہوئے غیر راستہ سے اوش کی طرف ہم چلے۔ جس وقت ہم ان ٹیلوں سے نکل رہے تھے اُس وقت مزید طغائی آکر ہمارے ہمراہ ہو گیا۔ اُسکے بھی سیدھے پاؤں میں ران کے نیچے کی طرف تیر لگا تھا۔ اگرچہ وہ وار پار نہ ہوا تھا۔ لیکن اوش تک وہ بڑی تکلیف سے پہنچا۔ اس لڑائی میں ہمارے اچھے اچھے آدمیوں کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ناصر بیگ۔ محمد علی۔ مبشر۔ خواجہ محمد علی۔ خسرو کوکلتاش اور نعمان چہرہ یہیں کام آئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے بڑے سپاہی بھی مارے گئے۔

دونوں ماموؤں سے اندجان کے قریب ملنا

دونوں خان تنبل کا تعاقب کرتے ہوئے اندجان کی نواح میں اُترے۔ خان کلاں شکارگاہ کے کنارہ پر میری نانی ایسن دولت بیگم کے باغ میں جس کو قوش تنکیریان[53] کہتے ہیں خیمہ زن ہوا۔ خان خورد لنگر بابا توکل[54] کے قریب اُترا۔ میں دو دن کے بعد اوش سے آیا۔ خان کلاں سے قوش تنکیریان میں ملاقات کی۔ خان سے ملتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ جو مقامات میرے قبضہ میں تھے وہ خان خورد کو دیدیے گئے ہیں۔ مجھ سے یہ عذر کیا کہ شیبانی خاں جیسے دشمن نے سمرقند جیسے شہر کو چھین لیا ہے اور وہ روز بروز مقتدر ہوتا جاتا ہے۔ اسی مصلحت سے ہم خان خورد کو اتنی دور دینے

[51] اریغ جاکان شاہ ۱۲ اُلغ خاکان شاہ ۱۲ ۔ [52] قراوک ۱۲، خراوق ۱۲ ۔ [53] تنکیریان یعنی پرندوں کی چکّی ۱۲
[54] یعنی خانقاہ بابا توکل ۱۲

لائے ہیں۔ چونکہ خان خورد کے قبضہ میں یہاں کوئی جگہ نہیں ہے اور اُس کا ملک دور ہے اسلیے خجند کے جنوب میں جتنا ملک۔ اندجان تک ہے خان خورد کو دینا چاہیے تھا تاکہ وہ یہاں اپنی چھاؤنی ڈالے۔ دریائے خجند کے شمال سے آخشی تک کے ملک کو مجھے دینے کا وعدہ کیا اور یہ اقرار کیا کہ اس ملک پر پورا قبضہ ہوجائے تو سمرقند کا سدقہ فتح کرکے تمہیں دیدینگے۔ پھر سارا فرغانہ خان خورد کا ہوجائےگا۔ غالبًا یہ ساری باتیں میرے دھوکا دینے کی تھیں۔ کام نکلنے کے بعد یہ وعدہ پورا ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں کیا کرسکتا تھا۔ خواہی نخواہی راضی ہوگیا خان کلاں کے پاس سے اٹھ کر میں خان خورد سے ملنے گیا۔ راستہ میں قنبر علی بیگ جو سلاخ مشہور ہے میرے پاس آکر کہنے لگا کہ آپنے دیکھا! ان لوگوں نے ابھی سے ہمارا ملک دبا لیا۔ ان سے آپ کا کوئی کام نہیں نکلنے کا۔ اس وقت آوش۔ مرغینان۔ اوزکند وغیرہ اور قومیں آپ کے تحت میں ہیں۔ ابھی آوش چلیے۔ تمام قلعوں کا انتظام کیجیے۔ سلطان احمد تنبل پاس آدمی بھیجیے۔ اس سے ملجاییے۔ مغلوں کو مار کر نکال دیجیے اور ملک کو دونوں بھائی ملکر بانٹ لیجیے میں نے کہا کہ خان میرے سگے اور اپنے ہیں۔ مجھ کو ان کے ساتھ ایسا کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ مجھ کو تنبل پر حکومت کرنے سے ان کی اطاعت کرنی بہتر ہے۔ اُس نے دیکھا کہ میری بات کا اثر نہ ہوا۔ اس کہنے سے پشیمان ہوا اور اُلٹا پھر گیا۔ میں جاکر اپنے ماموں چھوٹے خان سے ملا۔ پہلی دفعہ جو میں اُن سے ملا تھا تو اچانک چلا گیا تھا۔ اُن کو گھوڑے پر سے اُترنے تک کا موقع نہ ملا تھا۔ اس سبب سے اُس ملاقات میں میری پوری تعظیم نہ ہوئی تھی۔ اب کی بار جونہی میں قریب پہنچا وونہی خان اپنے خیمہ کی رسیوں کے باہر تک دوڑ کر نکل آیا۔ میرے پاؤں میں تیر کا جو زخم تھا تو عصا ٹیکتا ہوا بڑی دقت سے میں چلتا تھا۔ خان دوڑ کر مجھ سے بغلگیر ہوئے اور یہ کہتے ہوئے "بھئی تم بڑے بہادر ہو" میرا بازو پکڑ کر خیمہ میں لیگئے۔ چھوٹا سا خیمہ استادہ تھا۔ چونکہ دور اور سخت ملک میں ہوش سنبھالا تھا اس لیے خیمہ اور نشست گاہ بے تکلف سپاہیوں کی سی تھی۔ خربوزے۔ انگور اور اصطبل کا اسباب غرض سارا کرکری خانہ اسی خیمہ میں پھیلا ہوا تھا جس میں خود بیٹھے تھے۔

خان کے جرّاح کا علاج

میں خان خورد کے پاس سے اُٹھ کر اپنے لشکر میں آیا[1]۔ خان نے میرے زخم کے معالجہ کے لیے اپنے جرّاح اتیکہ بخشی نامی کو بھیجا۔ مغل جرّاح کو بھی بخشی[2] کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا کامل جرّاح تھا۔ جس کا بھیجا نکل جاتا تھا اسکو بھی

[1] یہاں لیڈن میں یہ فقرہ یوں ہے (خان نے اپنے خاص جرّاح کو میرے زخم کے معائنہ کے لیے بھیجا ۱۲

[2] بخشی ۱۲

دوا دیتا تھا۔ رگوں میں کیسا ہی زخم آئے بہت آسانی سے اُسکا علاج کرتا تھا۔ بعض زخموں پر مرہم کی طرح دوا لگاتا تھا۔ اور بعض موقع پہ دوا کھلاتا تھا۔ میری ران کے زخم پر میووں کے چھلکے جو خشک کیے ہوئے تھے باندھے اور زخم میں بتّی رکھی۔ جیسے بتّے ہوتے ہیں[۵۱] ایسی دوا بھی ایک مرتبہ کھلائی۔ اُس کا بیان تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا مُٹھی کی برابر ہڈی چورا چورا ہوگئی تھی۔ میں نے وہاں کا گوشت چیر کر ہڈی کی ساری کرچیاں نکالیں اور اُس کی جگہ ایک پسی ہوئی دوا بھر دی۔ وہ دوا ہڈی کی جگہ مثل ہڈی کے ہوگئی اور ٹانگ کو آرام ہوگیا۔ اپنے ایسے عجیب وغریب علاجوں کے جن سے ہمارے ملک کے جرّاح بالکل ناواقف ہیں بہت سے تذکرے کرتا رہا۔ تین چار دن کے بعد قنبر علی اُن باتوں کے کہنے سے جو مجھ سے کہی تھیں خوف زدہ ہوکر بھاگا اور اندجان پہنچا۔

نوکند اور کاشان پر چڑھائی

چند روز کے بعد دونوں خانوں نے مشورہ کیا اور ایوب بیگچک کو مع اُس کے تومان کے۔ حسین[۵۲] نارین[۵۳] کو مع تومان نارین کے اور ساریق باش میرزا کو سردار لشکر کرکے میرے ہمراہ کیا۔ اور مجھے آخشی روانہ کیا۔ یہ لشکر ہزار دو ہزار آدمی کا تھا۔ آخشی میں تنبل کا چھوٹا بھائی شیخ بایزید تھا۔ اور کاشان میں شہباز قارلوق[۵۴] تھا۔ مگر ان دنوں میں شہباز قلعۂ نوکند کے سامنے آن پڑا تھا۔ ہم آتا کے سامنے سے چپکے سے دریائے خجند کو عبور کرکے نوکند کی طرف شہباز پر حملہ کرنے کے لیے تیز تر روانہ ہوئے صبح ہونے سے پہلے ہم نوکند میں پہنچ گئے تھے۔ اُس وقت امرا نے عرض کیا گمان غالب ہے کہ شہباز ہمارے قصد سے واقف ہوگیا ہے۔ مناسب ہے کہ لشکر کی صفیں آراستہ کرکے آہستگی کے ساتھ ہم آگے بڑھیں۔ اس مشورہ کے بموجب ہم بہت آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ شہباز حقیقت میں غافل تھا۔ جس وقت ہم اُس کے نزدیک پہنچے ہیں اُس وقت وہ ہوشیار ہوا۔ اور باہر سے بھاگ کر قلعہ میں چلا گیا۔ اکثر اسی طرح ہوا ہے کہ غنیم کو ہوشیار خیال کرکے تساہل کیا ہے۔ اور موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ تجربہ اسی کا نام ہے۔ چاہیے کہ قابو پانے کے وقت کوشش فروگزاشت نہ کیجائے۔ ورنہ پچھتانا پڑتا ہے اور پھر پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ صبح کو قلعہ کے گرد کچھ لڑائی ہوئی۔ لیکن میں جم کر نہ لڑا۔ لوٹ مار کرنے کے لیے نوکند کو چھوڑ پہاڑوں کی طرف پشخاران کے قریب ہم چلے گئے۔ شہباز قارلوق موقع اور وقت غنیمت سمجھا۔ نوکند سے بھاگ کر کاشان چلا گیا۔ ہم جو پلٹ کر آئے تو نوکند میں ٹھیرے۔ ان دنوں میں ہمارے لشکر نے اِدھر اُدھر کئی بار لوٹ مار کی۔

---

۵۱ جیسے رگیں ہوتی ہیں ایسی دوا ایک مرتبہ کھلائی ۱۲ ۵۲ جان حسین میرزا ۱۲ ۵۳ بارین ۱۲
۵۴ قاربوق ۱۲

ایک بار آخشی کو تاراج کر ڈالا۔ دوسری دفعہ کاشان والوں کو جا لوٹا۔ شہباز اور اوزون حسن کا بھتیجا بیٹا میرم دونوں مقابلہ کے لیے نکلے۔ لڑے اور اُنہوں نے شکست کھائی۔ میرم وہیں مارا گیا۔

قلعۂ پاپ کو چھیننا آخشی کے قلعوں میں سے قلعۂ پاپ[1] ایک جنگی قلعہ ہے۔ قلعہ والوں نے اُس کو مضبوط کر کے میرے پاس آدمی بھیجا۔ میں نے سید قاسم کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں بھیجا۔ آخشی کے اوپر کی جانب جو گاؤں ہیں اُن کے سامنے دریا[2] سے اُتر کر یہ لوگ قلعۂ پاپ میں پہنچے۔ تھوڑے دن کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اس وقت ابراہیم چاپوق طغائی۔ احمد قاسم کوہ بر۔ قاسم خسکہ[3] ارغون اور شیخ بایزید آخشی میں تھے۔ تنبل نے ان سرداروں کو کوئی دو سو چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک رات عین غفلت میں قلعۂ پاپ کی طرف بھیجا۔ سید قاسم نے کچھ احتیاط نہ کی تھی۔ غافل پڑا سوتا تھا وہ لوگ قلعہ کے پاس پہنچے۔ سیڑھیاں لگا کر چڑھے۔ دروازہ لے لیا اور پل تختہ لگا کر ستر اسی عمدہ آدمی اندر گھس آئے۔ اتنے میں سید قاسم کو خبر ہوئی۔ وہ نیند ہی میں شبخوابی کپڑے پہنے ہوئے دوڑا۔ پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ تیر مارنے شروع کیے۔ مارتے مارتے دشمنوں کو باہر نکال دیا۔ کئی کے سر کاٹ لیے اور میرے پاس بھیجے۔ اگرچہ اُسکو ایسا غافل سو رہنا نہ چاہیے تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ ایسے بہادر اور اونچے سپاہیوں کو مار کے نکال دینا بڑی جوانمردی کی بات تھی۔

آخشی میں جانا اس عرصہ میں دونوں خان شہر اندجان کے محاصرہ میں مشغول رہے۔ شہر والے اُن کو شہر کے پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ شہر میں سے سواروں کی ٹکڑیاں اکثر باہر آتی تھیں اور خفیف سی لڑائی ہو جاتی تھی۔ آخشی سے شیخ بایزید نے دولتخواہی کا اظہار کر کے آدمی بھیجا۔ اور مجھ کو کوشش کے ساتھ بُلایا۔ اس بُلانے سے اُس کی غرض یہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانہ سے مجھے دونوں خان سے الگ کر دے۔ میرے الگ ہو جانے کے بعد دونوں خان پھر یہاں نہ ٹھیر سکتے تھے۔ یہ بُلانا اُس کے بڑے بھائی تنبل کی صلاح سے تھا۔ دونوں خان سے میرا الگ ہونا اور ان سے متفق ہو جانا ناممکن تھا۔ میں نے دونوں خان سے اس بلانے کی اطلاع کی۔ اُنہوں نے فرمایا کہ جاؤ اور جس طرح ہو سکے بایزید کو پکڑ لو مگر ایسا مکر و فریب کرنا خصوصاً اُس شخص کے ساتھ جس سے عہد کیا ہو میرا طریقہ نہ تھا۔ بھلا مجھ سے

[1] پاب ۱۲ [2] شاید یہ دریا دریائے کاشان ہوگا ۱۲ [3] قاسم جانگہ ارغون ۱۲

ایسی بدعہدی کیونکر ہو سکتی۔ البتّہ یہ میرے بھی دل میں آیا کہ بہرطور آخشی میں جا پہنچوں۔ تاکہ شیخ بایزید تنبل سے ٹوٹ کر میرے ساتھ ہو جائے اور شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جو میری سلطنت کے لیے مفید ہو۔ میں نے بھی ایک آدمی بھیجا۔ اُس نے عہد و پیمان کر کے مجھے آخشی میں بُلایا۔ میں حسب الطّلب گیا۔ شیخ میری پیشوائی کے لیے آیا۔ میرے چھوٹے بھائی ناصر میرزا کو بھی ساتھ لایا۔ اور ہم کو آخشی میں لے گیا۔ قلعۂ سنگین میں میرے باپ کے محل میں سے ایک کمرہ میرے ٹھیرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ میں وہاں جا اُترا۔

دونوں خان کا اندجان سے بھاگنا

تنبل نے شیبانی خاں سے رجوع کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی بیگ تیلبہ کو بھیجکر اور اظہار اطاعت کر کے اُس کو اپنی مدد کے لیے بُلایا تھا۔ انہی دنوں میں شیبانی خاں نے لکھا کہ میں آتا ہوں۔ شیبانی خاں کے آنے کی خبر سُنتے ہی دونوں خان گھبرا گئے۔ اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور دونوں نے اندجان کا محاصرہ چھوڑ دیا۔ خان خرد خود تو عدل اور دینداری میں مشہور تھے لیکن اُن مغلوں نے جن کو اُنہوں نے اوش و مرغینان وغیرہ شہروں میں (جو میرے قبضہ میں آ گئے تھے) تعینات کیا تھا خلافِ امید ظلم اور زیادتیاں کی تھیں۔ اس سبب سے جونہی دونوں خان اندجان سے ہٹے وونہی اوش و مرغینان وغیرہ والوں نے بلوہ کر کے مغلوں کو جو قلعوں میں تھے لوٹا۔ پکڑا۔ مارا اور نکالدیا۔ دونوں خان بھی وہیں تو دریائے خجند سے نہ اُترے۔ مرغینان اور کند بادام کے راستہ سے پلٹ کر مقامِ خجند سے دریا کے پار ہوئے۔ تنبل ان کے پیچھے پیچھے مرغینان تک پہنچا۔ میں اس وقت بہت متردد تھا۔ نہ تو ٹھیرنے میں یہاں والوں پر اعتماد تھا۔ نہ بلاوجہ بھاگنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

جہانگیر میرزا کا آنا۔ شیخ بایزید کی گرفتاری۔ تنبل سے مقابلہ

ایک دن صبح ہی جہانگیر میرزا تنبل سے الگ ہو مرغینان سے بھاگ کر میرے پاس چلے آئے۔ جس وقت میرزا آئے ہیں تو میں حمّام میں تھا۔ میں اُسی وقت اُن سے ملا۔ اُس وقت شیخ بایزید کے بھی چھکّے چھوٹے ہوئے تھے۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ میرزا نے اور ابراہیم بیگ نے صلاح دی کہ شیخ بایزید کو گرفتار کر لینا اور قلعہ پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ حقیقت میں موقع یہی تھا مگر میں نے کہا کہ میں نے عہد کر لیا ہے۔ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ شیخ بایزید قلعہ میں چلا گیا۔ پُل پر کسی کو معیّن کرنا لازم تھا۔ مگر ہم نے ایک آدمی بھی وہاں نہ مقرر کیا۔ یہ ساری غلطیاں ناتجربہ کاریوں کا نتیجہ تھیں۔ سویرا ہی تھا جو تنبل دو تین ہزار مسلح سپاہیوں کو ہمراہ لیے ہوئے پُل پر سے اُتر قلعہ میں آ گیا۔ اوّل تو اصل میں میرے پاس جمعیّت ہی کم تھی۔ اُسپر جب میں آخشی میں آیا تو کچھ لوگ قلعوں پر۔ کچھ اضلاع کی حکومت پر

اور کچھ تحصیل کے لیے ہر طرف بھیج دیے تھے۔ میرے پاس آخشی میں سو آدمیوں سے کسی قدر زیادہ رہ گئے ہونگے۔ اسی قلیل فوج کو لیے ہوئے جو میرے پاس تھی سوار ہو کر میں ہر گلی کوچہ کے سرے پر آدمی معین کر رہا تھا۔ اور سامانِ جنگ کے درست کرنے میں مصروف تھا کہ اتنے میں تنبل کے پاس سے شیخ بایزید۔ قنبر علی اور محمد دوست صلح کرنے کے لیے دوڑے ہوئے آئے۔ جن لوگوں کو جہاں لڑائی کے لیے مقرر کیا تھا وہیں انکو ٹھیرا کر میں مشورہ کرنے اپنے باپ کے مقبرہ میں آیا۔ میں نے جہانگیر میرزا کو بھی بُلا لیا۔ محمد دوست تو چلا گیا۔ شیخ بایزید اور قنبر علی میرے ہمراہ رہ گئے۔ ہم مقبرہ کے جنوبی دالان میں بیٹھے ہوئے مشورہ کر رہے تھے کہ جہانگیر میرزا اور ابراہیم چاپوق[۱] نے ان کے گرفتار کرنے کا منصوبہ کیا۔ جہانگیر میرزا نے میرے کان میں کہا کہ انکو پکڑ لینا چاہیے۔ میں نے کہا کہ جلدی نہ کرو۔ اب پکڑنے کا وقت نہیں رہا۔ توقف کرو۔ شاید سیدھی آنکھوں کوئی ایسی بات نکل آئے جو مفید ہو۔ کیونکہ یہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں۔ اُس پر یہ باوصف کثرت قلعہ میں اور باوجود قلت ہم شہر میں[۲]۔ شیخ بایزید اور قنبر علی تو مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔ جہانگیر میرزا نے ابراہیم بیگ[۳] کی طرف دیکھ کر اس کام سے منع کرنیکا اشارہ کیا۔ نہ معلوم کہ وہ اُلٹا سمجھا یا دیدہ و دانستہ ایسا کر بیٹھا۔ بہرحال اُسنے شیخ بایزید کو پکڑ لیا۔ جو سپاہی وہاں موجود تھے سب نے لپٹ لپٹا کر ان دونوں کا سرتا برتا کر لیا صلح اور مصلحت سب دھری رہ گئی۔ اِن دونوں کو پہرہ میں سپرد کیا اور ہم لڑنے کے لیے سوار ہوئے۔ شہر کی ایک سمت میں نے جہانگیر میرزا کے سپرد کی۔ میرزا کے پاس فوج کم تھی۔ میں نے کچھ اپنے آدمی اُن کی کمک کے لیے متعین کیے۔ سب سے پہلے میں میرزا کی طرف گیا۔ جائے جائے ناکہ بندی کرتا ہوا پھر میں دوسری طرف آیا۔ شہر کے بیچ میں ایک کھلا ہوا صاف میدان تھا۔ وہاں بھی سپاہیوں کا ایک غول معین کر دیا تھا۔ دشمن کے بہت سے پیادوں اور سواروں نے حملہ کر کے ہمارے ان آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور ایک تنگ گلی میں دھنسا دیا۔ اُسی وقت میں وہاں جا پہنچا۔ پہنچتے ہی میں نے گھوڑا ڈپٹایا۔ دشمن کی فوج مقابلہ نہ کر سکی۔ اور بھاگ نکلی۔ میں سب کو گلی سے بھگا کر میدان میں لا رہا تھا اور تلواریں مار رہا تھا کہ کسی نے میرے گھوڑے کے پاؤں میں تیر مارا۔ میرا گھوڑا جھک کر اُچھلا۔ اور میں دشمنوں میں زمین پر آ رہا۔ میں جھٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بھی ایک تیر مارا۔ صاحب قدم[۳] کے پاس ایک مریل سا گھوڑا تھا۔

---

[۱] ابراہیم چاپوق ۱۲ [۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کھلا ہوا بے چار دیواری قلعہ کے پہلو میں ہوگا ۱۲ [۳] فارسی نسخوں کی عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ مگر جان لیڈن نے یوں ترجمہ کیا ہے (کابل نامی ایک خدمتگار جو ایک مریل سے گھوڑے پر سوار تھا) ۱۲

وہ اُس پر سے اُتر پڑا۔ اُس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ اور وہاں کچھ آدمی معین کر کے دوسرے کوچہ کی طرف چلا گیا۔ سلطان محمد ویس نے میرے گھوڑے کا جو بُرا حال دیکھا تو خود اُتر پڑا اور اپنا گھوڑا مجھے دیدیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ اُسی وقت قنبر علی بیگ (قاسم بیگ کا بیٹا) زخم خوردہ جہانگیر میرزا کے پاس سے آیا۔ اور کہنے لگا بہت دیر ہوئی کہ جہانگیر میرزا پر دشمنوں نے بڑا سخت حملہ کیا۔ اُن کے پاؤں اکھیڑ دیے۔ آخر وہ نکل بھاگے۔ یہ سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اسی حال میں سید قاسم بھی جو قلعۂ پاپ میں تھا آ گیا۔ اس وقت اسکا چلا آنا بڑا ہی بیموقع ہوا۔ ایسا مضبوط قلعہ اگر اس وقت قبضہ میں رہتا تو بہت مفید ہوتا۔ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ وہ کسی قدر زخمی تھا۔ نہ معلوم اُس زخم کے سبب سے یا اُس کا دل ہی چھوٹ گیا تھا کافی جواب نہ دے سکا۔ ایک خیال آیا کہ پل پر سے اُتریے اور پھر اُس کو توڑ کر اندجان چلدیجیے۔ بابا شیرزاد نے اس موقع پر بڑا کام کیا۔ اُسنے کہا کہ اسی دروازہ پر حملہ کر کے ہم کو نکلنا چاہیے۔ بابا شیرزاد کے کہنے سے دروازہ کی طرف ہم چلے۔ خواجہ میر میراں۔ نے بھی اس وقت بہادرانہ باتیں کیں۔ جب ہم کوچہ میں آئے تو سید قاسم اور دوست ناصر باقی خیز[1] سے لڑنے لگے جب ہم بھی رُک گئے۔ خوب لڑے۔ میں۔ ابراہیم بیگ۔ اور میرزا قلی کوکلتاش اُنکے آگے تھے۔ دروازہ کے سامنے پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ شیخ بایزید کپڑوں پر فرجی پہنے ہوئے تین چار سواروں کے ساتھ دروازہ میں سے آ رہا ہے۔ جو تیر میری شست میں تھا میں نے اُسکو کھینچکر مارا وہ اُس کی گردن کو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ میرا نشانہ پورا بیٹھا۔ وہ دروازہ میں آتے ہی اُس کوچہ کی طرف جو سیدھے ہاتھ کی طرف تھا گھبرا کر بھاگا۔ ہم نے بھی اُس کا پیچھا کیا۔ صبح کو جب شیخ بایزید اور اُس کے ہمراہیوں کو میری مرضی کے خلاف گرفتار کیا تھا تو جہانگیر میرزا کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ میرزا کے آدمی بھاگتے وقت شیخ بایزید کو بھی اپنے ساتھ لے نکلے۔ ایک بار اُن کا ارادہ ہوا کہ اُس کو مار ڈالیں۔ مگر خوش قسمتی سے چھوڑ دیا۔ مارا نہیں۔ یہ اُسنے رہائی پاکر دروازہ کی طرف آیا۔ اور دروازہ میں گھستے ہی میرے روبرو ہوا۔ میرزا قلی کوکلتاش نے ایک پیادہ کے پیازی کا ہاتھ دیا۔ میرزا قلی کے نکل جانے کے بعد دوسرے پیادہ نے ابراہیم بیگ کی طرف تیر کا نشانہ باندھا۔ ابراہیم بیگ "ہے ہے" کہکر غل مچاتا ہوا اور اُسے ڈراتا ہوا آگے بڑھا۔ وہی تھا کہ اتنے فاصلہ سے جتنا دالان اور ڈیوڑھی میں ہوتا ہے اُسی نے ایک تیر میرے مارا جو میری بغل میں لگا۔ میں قلماقی زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے دو پتر سے چھد کر کٹ گئے۔ وہ تو تیر مار کر بھاگا

[1] باقی خیز ۱۲

اور میں نے اُس کے پیچھے سے ایک تیر مارا۔ اتفاقاً اُسی وقت ایک پیادہ فصیل پر بھاگا جاتا تھا۔ میرے اس تیر نے اُس کی ٹوپی کو کنگورہ میں چپکا دیا۔ ٹوپی تو یونہی کنگورے میں چپکی ہوئی لٹکتی رہی۔ اور وہ پگڑی اپنے ہاتھ پر لپیٹتا ہوا بھاگ گیا۔ اُسی گلی میں جہاں شیخ بایزید گیا تھا ایک اور سوار میرے پہلو میں سے جا رہا تھا۔ میں نے اُس کی کنپٹی میں تلوار کی نوک سے ایک ہول ماری۔ وہ ٹیڑھا ہو گیا۔ گھوڑے پر سے گرنے ہی کو تھا کہ گلی کی دیوار کے سہارے سے سنبھل گیا اور بڑی مشکل سے بھاگ کر بچ گیا۔ جتنے پیادے اور سوار دروازہ میں تھے اُن کو منتشر کر کے دروازہ اُن سے لے لیا گیا۔ اب تدبیر کا کام نہ رہا تھا۔ اس لیے کہ دشمن کے دو تین ہزار آدمی ہتیار بند قلعہ میں تھے۔ ہماری یہ کیفیت کہ ہم سو انتہا دو سو آدمی قلعہ سے باہر شہر میں۔ اسکے علاوہ جہانگیر میرزا کو بھگائے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی جتنی دیر میں دودھ جوش ہوتا ہے۔ میرے آدھے آدمی میرزا کے ہمراہ باہر چلے گئے تھے۔ بااینہمہ ناتجربہ کاری سے دروازہ پر ہم ٹھیرے رہے۔ اور جہانگیر میرزا کے پاس اس واسطے آدمی بھیجا کہ اگر میرزا قریب ہو تو چلا آئے۔ تاکہ ایک دفعہ پھر ہم حملہ کریں لیکن اس کا موقع نہیں رہا تھا۔ ابراہیم بیگ نے یا تو اس سبب سے کہ اُسکا گھوڑا تھک چکا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ زخمی تھا مجھ سے کہا کہ میرا گھوڑا بیکار ہے محمد علی مبشر کا ایک نوکر سلیمان نامی تھا۔ فی الفور بغیر اس کے کہ کوئی کہے وہ اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور اپنا گھوڑا ابراہیم بیگ کو اُس نے دیدیا۔ بیشک اُس نے بڑی مروت کا کام کیا جس وقت کہ ہم اُس دروازہ میں کھڑے تھے اُس وقت کیچک علی (جواب کول کا شقدار[1] ہے) نے بڑی بہادری کی۔ اُن دنوں میں وہ سلطان محمد ویس کا ملازم تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ اور بھی اُس[2] نے عمدہ کام کیا تھا۔ جہانگیر میرزا پاس جو آدمی گیا تھا اُس کے آتے تک ہمکو دروازہ میں ٹھیرنا پڑا۔ وہ آیا اور اُس نے کہا کہ جہانگیر میرزا کو گئے ہوئے دیر ہوئی۔ اب کھڑے رہنے سے کیا فائدہ تھا۔ ہم بھی چل کھڑے ہوئے۔ بیشک جتنا ٹھیرے تھے وہ بھی بیکار تھا۔ میرے ساتھ بیس تیس آدمی رہ گئے ہونگے۔ ہمارے چلتے ہی دشمن کے بہت سے آدمی ہمارے تعاقب میں دوڑے۔ ہم پُل پختہ سے نکلے ہی تھے کہ غنیم کے آدمی شہر سے پُل پختہ کی طرف آن پہنچے۔ قاسم بیگ کے بیٹے بندہ علی بیگ (حمزہ بیگ کے نانا) نے ابراہیم بیگ سے چلا کر کہا کہ ہمیشہ شیخیاں بگھارا کرتا تھا۔ ذرا تو ٹھیر۔ ہمارے تیرے تلوار کے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ ابراہیم بیگ میرے پہلو میں تھا اُسنے جواب دیا کہ آ۔ روکتا کون ہے؟ ارے بیوقوف! اس شکست کے وقت پر دباتا ہے۔ یہ کیا دبانے کا

---

[1] شقدار حاکم ضلع ہوتا تھا۔ مگر وہ فوجی حاکم بھی ہوتا تھا ۱۲

[2] جان لیڈن نے لکھا ہے کہ:- یوزی کے مقام پر عمدہ کام کیا تھا ۱۲

محل ہے۔ دیر لگانے اور ٹھیرنے کا موقع نہ تھا۔ ہم باگیں اُٹھائے ہوئے چلے گئے۔ دشمن کے آدمی ہمارے پیچھے لپکے ہوئے اور ہمارے لوگوں کو گراتے ہوئے چلے آتے تھے۔ گنبد چمن ایک مقام ہے آخشی سے ایک شرعی فاصلہ پر۔ وہاں سے ہم نکلے ہی تھے کہ اتنے میں ابراہیم بیگ نے مدد کے لیے چلاکر مجھے آواز دی۔ میں نے پیچھے مُڑ کے دیکھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ شیخ بایزید کے ایک غلام نے ابراہیم بیگ کو آلیا ہے۔ میں نے فوراً باگ موڑی۔ جان قلی[۱] بیان قلی میرے پہلو میں تھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا وقت پلٹنے کا ہے؟ یہ کہکر میرے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور اور زیادہ قدم بڑھا دیا۔ مقام سنگ تک دشمن ہمارے اکثر آدمیوں کو گراتے رہے۔ سنگ آخشی سے دو شرعی کے فاصلہ پر ہوگا۔ جب[۲] ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمن کا کوئی آدمی پیچھے نظر نہ آیا۔ ہم دریائے سنگ کے اوپر کی جانب بڑھے چلے گئے۔ اس وقت ہم آٹھ آدمی رہ گئے تھے۔ دوست ناصر۔ قنبر علی قاسم بیگ۔ جان قلی بیان قلی۔ مرزا قلی کو کلتاش۔ شاہم ناصر۔ عبدالقدوس سیدی قرا۔ خواجہ حسینی اور آٹھواں میں۔ لوگوں کی گزرگاہ سے دور کھڈوں میں ایک بٹیا دریا کے اوپر کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اُسی تنہائی کے راستہ سے دریا کے اوپر اوپر ہم چلے۔ اور دریا کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑ ایک اور خشکی[۳] کے راستہ پر آگئے۔ عصر کے قریب ہم کھڈوں میں سے میدان میں نکل آئے۔ میدان میں دور سے ایک سیاہی نمودار ہوئی۔ ہمراہیوں کو ایک آڑ کی جگہ ٹھیرا کر میں خود پیدل ہوا۔ ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اور تجسس کرنے لگا۔ اتنے میں بہت سے سوار ہمارے پیچھے کی طرف سے پشتہ پر دوڑ کر چڑھ آئے۔ میں یہ تحقیق نہ کر سکا کہ وہ کم ہیں یا زیادہ۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو وہاں سے چلدیے۔ جو سوار پیچھا کیے ہوئے آئے تھے وہ کل بیس یا پچیس ۲۵ کے قریب ہونگے۔ اور ہم آٹھ آدمی تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر ہم اوّل سے یہ جان جاتے کہ وہ اتنے ہیں تو ہم خوب اُن کی خبر لیتے۔ ہم نے خیال کیا کہ انکی مدد کے لیے کوئی دستہ فوج تعاقب میں ضرور ہوگا۔ اس وجہ سے ہم بھاگے چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ بھاگے ہوئے بہت ہی کیوں نہوں اور پیچھا کرنیوالے تھوڑے سے مگر بھگوڑے مقابلہ نہیں کر سکتے چنانچہ مشہور ہے ع

صفِ مغلوب را ہوئے بسند است

ف۱ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں خان قلی اور بیان قلی دو آدمی لکھے ہیں۔ اور جان لیڈن نے ہمارے مطابق ایک کا نام لکھا ہے۔ چنانچہ آگے بھی ایسا ہی ہے ۱۲

ف۲ جب ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمنوں کے زیادہ آدمی پیچھا کرتے ہوئے نظر نہ آئے ۱۲

ف۳ تنگ راستہ ۱۲

جان قلی[1] نے کہا کہ یہ ترکیب اچھی نہیں ہے۔ اس طرح تو دشمن ہم سب کو پکڑ لیں گے۔ آپ اور میرزا قلی کوکلتاش سب میں سے دو عمدہ گھوڑے چن لیں اور قوس[2] بنا کر باگیں اُٹھائے چلے جائیں شاید اس ترکیب سے آپ نکل جائیں۔ اُس نے ٹھیک بات کہی تھی۔ اس لیے کہ جب لڑائی نہ ہوئی تو یہی سہی۔ نکلجانا ممکن تھا۔ مگر اُس وقت اپنے ساتھیوں میں سے ایک کا بھی پیدل چھوڑ دینا مجھے گوارا نہ ہوا۔ مگر آخرکار خود ایک ایک کرکے سب رہ گئے۔ یہ گھوڑا جس پر میں سوار تھا لگا سستی کرنے۔ جان قلی گھوڑے پر سے اُتر پڑا۔ اور اُس نے اپنا گھوڑا مجھے دیدیا۔ میں اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جان قلی میرے گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ اسی حالت میں شاہم ناصر۔ عبدالقدوس سیدی قرا کو جو پیچھے رہ گئے تھے دشمنوں نے گھوڑوں پر سے گرا دیا۔ جان قلی بھی پیچھے رہ گیا۔ اُس کی مدد اور حمایت کرنیکا وقت نہ تھا۔ جہاں تک گھوڑوں کی طاقت دیکھی وہاں تک دوڑائے چلے گئے۔ جس کا گھوڑا بیکار ہوتا گیا وہ رہتا گیا۔ دوست بیگ کا گھوڑا بھی تھک کر رہ گیا۔ اور جس گھوڑے پر میں سوار تھا وہ بھی سستی کرنے لگا۔ قنبر علی نے اپنا گھوڑا دیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ قنبر علی میرے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا۔ اور پیچھے رہ گیا۔ خواجہ حسینی لنگڑا تھا۔ وہ پشتوں کی طرف بھاگ گیا۔ اب صرف میں اور میرزا قلی کوکلتاش رہ گئے۔ ہمارے گھوڑوں میں قوس بنا کر اُڑانے کا دم نہ رہا تھا۔ مگر ہم پوئیا کیے ہوئے چلے گئے۔ میرزا قلی کا گھوڑا بھی کمی کرنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تجھ کو اکیلا چھوڑ کر کہاں جاؤں؟ جلد آ۔ ہمارا تیرا ایک ہی جگہ مرنا جینا بہتر ہے۔ میں بار بار میرزا قلی کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور آگے بڑھتا جاتا تھا آخر میرزا قلی نے کہا کہ میرا گھوڑا تھک چکا ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ کرینگے تو رہجائینگے اور پکڑے جائیں گے۔ آپ جائیے۔ شاید آپ نکل جائیں۔ اُس وقت میری عجیب حالت ہو گئی میرزا قلی بھی پیچھے رہ گیا۔ اور میں اکیلا ہو گیا۔ دشمنوں میں سے دو آدمی نظر آئے ایک بابا سیرامی تھا۔ دوسرا بندہ علی۔ دونوں میرے پاس آ گئے۔ میرا گھوڑا تھک گیا تھا۔ پہاڑ بھی کوئی کوس بھر کے فاصلہ پر ہو گا۔ میں ایک چھوٹی سی ٹیکری پر پہنچا۔ مجھے خیال آیا کہ گھوڑا بیکار ہو چکا ہے اور پہاڑ ذرا دور ہے! کہاں جاؤں؟ کوئی بیس[3] تیر میرے ترکش میں رہ گئے تھے۔ اُتر کر اسی ٹیکری پر بیٹھ جاؤں۔ اور جب تک تیر ہیں مارتا رہوں؟ پھر دل میں آیا کہ شاید پہاڑ تک جا پہنچوں۔ اور پہاڑ کے قریب پہنچنے کے بعد کچھ تیر اپنے کمربند میں گھرس کر پہاڑ پر چڑھ جاؤں۔ مجھے اپنی تیز روی پر بھی بہت اعتماد تھا۔ میں اس دُھن میں

---

[1] خان قلی ۱۲ [2] یہ کوئی خاص طریق ہے کہ اُس طرح گھوڑوں کو دوڑاتے ہونگے۔ جان لیڈن نے متن میں اس کو دُلکی لکھا ہے اور نوٹ بھی دیا ہے مگر ہم اُس نوٹ کو نہ سمجھ سکے ۱۲

آگے بڑھا۔ میرے گھوڑے میں دوڑنے کا دم نہ رہا تھا۔ دونوں پیچھا کرنے والے ایک تیر کی زد پر آن پہنچے۔ میں نے بھی اپنے تیر بچائے اور نہ مارے۔ وہ بھی بچتے رہے اور زیادہ میرے قریب نہ آئے۔ لیکن اسی طرح پیچھے لگے ہوئے چلے آئے۔ مغرب کے وقت میں پہاڑ کے پاس پہنچا۔ ایک دفعہ ہی اُنہوں نے للکار کر کہا کہ یوں بھاگ کر کہاں جاتے ہو؟ ناصر مرزا تو اُنکے پاس گرفتار ہی تھا۔ جہانگیر میرزا کو بھی پکڑ لائے ہیں۔ اُن کی ان باتوں سے میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خوف کی وجہ یہ تھی کہ اگر ہم سب پکڑے گئے تو بڑے اندیشہ کا مقام ہے۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا اور سیدھا پہاڑ کی طرف ہو لیا۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ پھر اُنہوں نے کچھ باتیں کرنی شروع کیں۔ اب کی بار اوّل کی نسبت کسی قدر نرمی سے بولے اور گھوڑوں پر سے اُتر کے باتیں کرنے لگے۔ میں نے اُن کی ایک نہ سُنی۔ آگے بڑھا چلا گیا۔ اب میں درے کے اوپر چڑھا چلا جاتا ہوں۔ عشا کے وقت تک چلتا ہی رہا۔ آخر پہاڑ کی ایک بڑی چٹان کے پاس جو خاصی ایک مکان کے برابر تھی پہنچا۔ میں اُس کے پیچھے کی جانب گیا۔ اور ایسے ڈھلوان پشتوں کی چڑھائی کے راستہ پر پہنچا جہاں گھوڑے کا قدم نہ ٹک سکتا تھا۔ وہ لوگ بھی گھوڑوں پر سے اُتر پڑے۔ اور اب نہایت ادب اور نرمی سے باتیں کرنے لگے۔ کہنے لگے۔ رات اندھیری ہے۔ رستہ ہے نہیں۔ یوں کہاں تک ٹکراتے پھروگے؟ دونوں نے قسم کھائی کہ آپ کو سلطان احمد بیگ بادشاہ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا مجھے یقین نہیں آتا۔ میرا وہاں جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم کو کوئی بڑی خدمت کرنی منظور ہے تو خدمت کرنے کا ایسا موقع جواب ہے برسوں میں بھی میسّر نہیں ہوتا۔ مجھے ایک ایسا راستہ بتا دو جس سے میں دونوں خانوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ تمہاری خواہش سے بڑھ کر تمہارے ساتھ میں سلوک کرونگا۔ یہ نہیں کرتے تو جدھر سے آئے ہو اُدھر چلے جاؤ۔ جو کچھ قسمت میں ہوگا وہ ہو رہیگا۔ یہ بھی ایک عمدہ خدمت ہے۔ وہ کہنے لگے کاش ہم نہ آتے۔ جب ہم آگئے ہیں تو ایسے بُرے وقت میں آپ کو چھوڑ کر ہم کس طرح پلٹ جائیں۔ اگر آپ وہاں نہیں چلتے تو جہاں جی چاہے چلیے۔ ہم آپ کے ساتھ حاضر ہیں۔ میں نے کہا کہ عہد کرو۔ اُنہوں نے حلف اور قسم کے ساتھ عہد کیا۔ مجھے ذرا اطمینان ہوا۔ میں نے اُنسے کہا کہ اسی گھاٹی کے قریب ایک چوڑا راستہ لوگوں نے مجھے بتایا تھا۔ اُسی راستہ سے چلو۔ اگرچہ اُنہوں نے عہد کر لیا تھا مگر مجھے اُن پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ اِس لیے میں نے اُنہیں آگے رکھ لیا اور آپ پیچھے ہو لیا۔ کوئی دو کوس چلے تھے کہ ایک بڑے دریا پر پہنچے۔ میں نے کہا کہ جس کشادہ گھاٹی کے راستہ کا میں نے ذکر کیا تھا یہ وہی نہ ہو۔ اُنہوں نے بالاستبعاد کہا کہ وہ راستہ

ابھی بہت دور ہے۔ مگر اُن میں وہ راستہ بہی تھا۔ اُنہوں نے مجھے جھانسا دیا تھا۔ آدھی رات تک چلے اور پھر ایک ندی پر پہنچے۔ اُس وقت اُنہوں نے کہا کہ ہم بھول گئے۔ بیشک درۂ کشاد[1] کا راستہ پیچھے رہ گیا۔ میں نے کہا کہ پھر اب کیا کرنا چاہیے؟ کہنے لگے کہ یہاں سے تھوڑی دور آگے غوا کی سڑک ہے۔ وہی سڑک فرکت کو بھی جاتی ہے۔ اُسی راستہ پر ہم ہو لیے۔ چلتے چلتے پچھلے پہر دریائے کرنان[2] پر جو غوا سے بہتا ہوا آتا ہے پہنچے۔ بابا سرامی نے کہا کہ تم یہاں ٹھیرو۔ میں غوا کا راستہ دیکھکر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ میدان میں کئی آدمی اسی راستہ سے چلے آتے ہیں۔ ادھر سے چلنا نہیں ہوسکتا۔ یہ سُنکر میں گھبرایا اس لیے کہ ملک کے تو منجھ میں ہوں۔ صبح قریب ہے۔ اور منزلِ مقصود دور ہے۔ میں نے کہا کہ کوئی جگہ بتاؤ جہاں دن کو چھپ رہیں۔ جب رات ہو گی تو گھوڑوں کے لیے کچھ لے دیکر دریائے خجند سے پار ہو دریا کے اُس جانب خجند چلے چلیں گے۔ کہنے لگے یہاں ایک پشتہ ہے۔ وہاں ہم چھپ سکتے ہیں۔ بندہ علی کرنان کا داروغہ تھا۔ کہنے لگا کہ ہم اور ہمارے گھوڑے اب بھوکے نہیں رہ سکتے۔ میں کرنان جاتا ہوں۔ جو کچھ ملتا ہے وہ لاتا ہوں۔ ہم نے اِدھر سے کرنان کی طرف رُخ کیا۔ کرنان سے کوس بھر کے فاصلہ پر ہم ٹھیر گئے بندہ علی گیا اور اُس کو بہت دیر لگی۔ صبح ہوتی چلی آتی تھی اور اُس مردک کا پتہ نہ تھا۔ اب میں بہت ہی گھبرایا۔ دن نکل آیا تھا کہ بندہ علی دوڑا ہوا آیا۔ گھوڑوں کے لیے تو کچھ نہ لایا مگر تین روٹیاں لایا۔ ہم تینوں نے ایک ایک روٹی بغل میں مار لی۔ اور جلدی سے اُس پشتہ کے پاس پہنچ گئے جہاں ہم نے چھپنا چاہا تھا۔ گھوڑوں کو تو نیچے اُس جائے باندھ دیا جہاں پانی کے بہاؤ نے گڑھے ڈالدیے تھے۔ اور ترائی تھی۔ اور ہم خود اوپر چڑھ کر ہر ایک ایک طرف جا بیٹھا۔ اور پہرہ دینے لگا۔ دوپہر کے قریب ہم نے دیکھا کہ احمد توشجی[3] چار سواروں کے ساتھ غوا سے آخشی کی جانب جا رہا ہے۔ ایک خیال آیا کہ اس کو بلائیے اور وعدہ وعید کر کے اس سے گھوڑے لیجیے۔ کیونکہ ہمارے گھوڑے بالکل بے دم ہو گئے تھے۔ ایک شبانہ روز سے تو وہ دوڑ دھوپ میں تھے۔ اسپر اُن کو دانہ گھانس بھی میسّر نہ ہوا تھا۔ مگر پھر دل نے نہ مانا اور اُن لوگوں پر پورا بھروسہ نہ ہوا۔ ہم نے آپس میں صلاح کی کہ یہ لوگ رات کو کرنان میں ٹھیرنے والے ہیں۔ رات کو ہم انکے گھوڑے چُرا لائیں تاکہ یہاں سے کسی دوسری جگہ جا پہنچیں۔ دوپہر کو اتنی دور یہ جہاں تک نظر پہنچتی ہے یہ معلوم ہوا

[1] معلوم نہیں کہ اس درہ کا نام کشاد ہے یا کشاد اس کی صفت کہی ہے۔ اوپر کے بیان سے دونوں باتیں پائی جاتی ہیں ۱۲ [2] کرسان ۱۲ [3] توشجی۔ شکاری ۱۲

کہ گھوڑے پر کوئی چیز چمک رہی ہے۔ ہم کچھ نہ پہچان سکے کہ یہ کیا چیز ہے۔ اصل میں وہ محمد باقر بیگ تھا جو آخشی میں ہمارے ساتھ تھا۔ آخشی سے بھاگتے وقت جس کا جدھر سینگ سمایا وہ اُدھر چلا گیا۔ محمد باقر بیگ اِس طرف آنکلا تھا۔ اور اپنے آپ کو چھپائے پھرتا تھا۔ بندہ علی اور بابا سیراجی نے کہا کہ دو دن سے گھوڑے بھوکے ہیں۔ سبزہ زار میں چلکر گھوڑوں کو گھانس چرنے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ ہم وہاں سے سوار ہوئے۔ سبزہ زار میں آٹھیرے اور گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ عصر کا وقت تھا کہ جس پشتہ پر ہم چھپے تھے اُس پر ایک سوار جاتا ہوا نظر آیا۔ میں پہچان گیا کہ قادر بردی ہے (جو غوا کے بڑے آدمیوں میں سے تھا) ہمراہیوں سے کہا قادر بردی کو بُلا لو۔ اُنہوں نے بُلا لیا۔ ہم اُس سے ملے۔ حالات دریافت کرنے کے بعد میں نے اُس کے ساتھ عنایت و وعید کر کے گھانس کاٹنے کی درانتی۔ کلہاڑی۔ دریا سے پار ہونیکا سامان۔ گھوڑوں کے لیے دانہ۔ اپنے لیے کھانا اور نیز ممکن ہو تو ایک گھوڑا لانے کے لیے بھیجا۔ اور میعاد لگائی کہ عشا کے وقت تک یہ سب چیزیں یہیں لے آ۔ مغرب کے بعد ہم نے دیکھا کہ ایک سوار کرنان سے غوا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اُس سے پوچھا کون ہے؟ اُس نے ہمیں جواب دیا۔ وہ محمد باقر بیگ ہی تھا۔ کل جہاں چھپا تھا وہاں سے نکل کر دوسری جگہ چھپنے جاتا تھا۔ اب اُس نے ایسی آواز بدلی کہ اگرچہ مدتوں میرے پاس رہا ہے مگر میں ذرا نہ پہچان سکا۔ اگر اُس کو پہچان لیتا اور اپنے ساتھ لے لیتا تو بہتر تھا۔ اُس کے چلے جانے سے بڑا اندیشہ پیدا ہوا۔ قادر بردی غوائی سے جتنی دیر وہاں ٹھیرنے کا وعدہ کیا تھا اُتنی دیر ہم نہ ٹھیر سکے۔ بندہ علی نے کہا کہ کرنان کے گرد چھپنے کے قابل باغ بہت سے ہیں۔ وہاں کسی کو ہمارا گمان بھی نہ ہوگا۔ وہاں چل کر قادر بردی کے پاس کسی کو بھیجدیا جائیگا۔ وہ وہیں چلا آئیگا۔ اِس خیال سے سوار ہو کر ہم کرنان کی نواح میں آئے۔ جاڑے کا موسم تھا۔ سردی خوب پڑ رہی تھی۔ ایک پُرانی دُنبے کی پوستین جس کے اندر واہیات سا اونی استر بھی لگا ہوا تھا کہیں سے میرے لیے لے آئے۔ میں نے وہ پہن لی۔ کسی سے ایک پیالہ آش[۵] یمدان کا جو ارزن کے آٹے کی ہوتی ہے لے آئے۔ میں نے اُسی کو پی لیا۔ بڑی تسکین ہوئی۔ میں نے بندہ علی سے پوچھا کہ قادر بردی کے پاس تو نے کسی کو بھیجا؟ اُس نے کہا ہاں بھیجا ہے۔ حقیقت میں ان کمبخت نمک حرام گنواروں نے اتفاق کر کے قادر بردی کو آخشی میں تنبل کے پاس بھیجا تھا۔ میں ایک ایسے مکان میں جس کی چہار دیواری تھی چلا آیا۔ اور آگ سُلگا کر ایک لحظہ بھر سو رہا۔

کرنان میں چھپنا ان مردکوں نے پہلے کچھ آپس میں منصوبہ کیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ

[۵] چینا ۱۲

جب تک قادر بردی کی خبر معلوم نہ ہو ہم کو اس نواح سے کہیں اور نہ جانا چاہیے۔ مگر جس مکان میں ہم ہیں وہ بیچوں بیچ میں ہے۔ اسی نواح کی انتہا میں باغیچے ہیں۔ اور اُن میں مکانات تھیا اگر ہم وہاں چلے چلیں گے تو کسی کو ہمارا گمان بھی نہ ہوگا۔ اُسی آدھی رات کو ہم سوار ہوئے اور ایک باغ میں گئے۔ جو نواح کی انتہا میں تھا۔ بابا سیرامی کوٹھے پر چڑھ گیا۔ اور اِدھر اُدھر کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ دوپہر ہوگئی ہوگی کہ وہ کوٹھے پر سے نیچے اُترا۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یوسف داروغہ آتا ہے۔ مجھے نہایت خوف ہوا۔ میں نے کہا کہ دریافت تو کر۔ کیا وہ میری خبر سُنکر آتا ہے وہ باہر گیا۔ کچھ باتیں کرکے آیا اور کہنے لگا۔ یوسف داروغہ کہتا ہے کہ آخشی کے دروازہ پر ایک سپاہی مجھے ملا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ بادشاہ کرنان میں فلاں مقام پر ہیں۔ میں نے کسی سے یہ ذکر نہیں کیا۔ اُس سپاہی کو ولی خزانچی کے ساتھ جو لڑائی میں میرے ساتھ آیا تھا ایک جگہ میں نے قید کر دیا ہے۔ اور میں تمہارے پاس دوڑا ہوا آیا ہوں۔ امراء کو اس بات کی کچھ خبر نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ تو کیا خیال کرتا ہے؟ کہنے لگا کہ سب آپ کے نوکر ہیں۔ وہ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کو بادشاہ کریں۔ آپ کو چلنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ اتنی ہڑبومچی اور اس قدر لڑائیاں ہوئیں۔ اب میں کس بات پر بھروسہ کرکے چلوں۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دفعتہً یوسف آگیا اور جھک کر ادب کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ سے کیا چھپاؤں سلطان احمد بیگ کو تو آپ کی خبر نہیں ہے۔ ہاں شیخ بایزید کو آپ کا حال معلوم ہوگیا ہے اور اُس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھے سناٹا آگیا۔ سچ یہ ہے کہ دنیا میں جان کے خوف سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ سچ سچ کہو۔ اگر کچھ اور پیش آنیوالا ہے تو میں وضو کر لوں۔ یوسف نے قسمیں کھائیں مگر اُس کی قسموں کو باور کون کرتا۔ میں نے دیکھا کہ میری روح تحلیل ہوئی جاتی ہے۔ میں اُٹھا اور باغ کے ایک کونے میں گیا۔ دل میں سوچا کہ اگر کوئی سو برس یا ہزار برس تک جیے مگر پھر آخر مرنا ہے۔

سنہ ۹۱۰ ہجری کے واقعات

اندجان چھوڑ کر کابل جانا

ماہ محرم میں خراسان جانے کے لیے ملک فرغانہ سے نکلکر ایلاق ایلاک میں جو ملک حصار کے ایلاقوں میں سے ہے میں آیا۔ اسی پڑاؤ میں تیئیسواں سال مجھے شروع تھا کہ میں نے ڈاڑھی مُنڈوائی۔ جو لوگ ایک امید پر میرے ساتھ پھرتے تھے وہ چھوٹے بڑے سب مل کر دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ ان میں اکثر پیدل تھے۔ بہت سوں کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں۔ کوئی ننگے پاؤں تھا۔ اور کسی کے پاؤں میں

موزے تھے۔ بے نفلسی اس درجہ کی تھی کہ ہمارے پاس فقط دو خیمے تھے۔ میرا خیمہ میری والدہ کے لیے لگا دیتے تھے۔ میرے لیے ہر پڑاؤ پر ایک چھولداری کھڑی کر دیتے تھے۔ میں اُس میں ہو بیٹھتا تھا۔ اگرچہ خراسان جانے کا ارادہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی یہاں والوں سے اور خسرو شاہ کے نوکروں سے ایک امید تھی۔ روزمرہ کوئی نہ کوئی آتا تھا اور اہلِ ملک اور قبیلوں کی طرف سے ایسی گفتگو کرتا تھا جس سے ڈھارس بندھ جاتی تھی۔ انہی دنوں میں ملا بابا ساغرچی جسے خسرو شاہ پاس بھیجا تھا آیا۔ اُس نے خسرو شاہ کی طرف سے کوئی بات ایسی نہ بیان کی جس سے تسلی ہوتی۔ مگر ہاں اقوام کی طرف سے پیغام لایا۔ مقام املاک سے تین چار منزل چل کر مقام خواجہ عماد میں جو حصار کی نواح میں سے ہے اُترنا ہوا۔ اسی منزل میں محب علی تورچی خسرو شاہ کے پاس سے آیا۔ خسرو شاہ اگرچہ سخاوت اور مروت میں مشہور تھا لیکن دو مرتبہ اُس کے ملک میں سے ہم کو گزرنے کا اتفاق ہوا۔ جیسی آدمیت کہ وہ ادنے آدمی سے کرتا تھا ہمارے ساتھ نہ کی۔ بہرحال چونکہ اہلِ ملک اور قبیلوں سے نا امیدی نہ تھی اس لیے ایک ایک دن ہر منزل میں مقام ہوتا تھا۔ شیرم طغائی جس سے بڑا سرداران دنوں میں میرے ہاں کوئی نہ تھا۔ خراسان جانا نہ چاہتا تھا۔ اور مجھ سے الگ ہونے کا اُس کو خیال تھا جس وقت کہ پل پر میں نے شکست کھائی ہے اُس وقت بھی اُس نے اپنے گھر بار کو الگ کر دیا تھا۔ اور آپ تنہا ہو کر قلعہ بچانے کے لیے رہ گیا تھا۔ بیمروت آدمی تھا۔ کئی دفعہ اُس نے یہی حرکت کی تھی۔ ہم مقام قبادیان میں جب پہنچے تو خسرو شاہ کے چھوٹے بھائی باقی چغانیانی نے جو شہر صفا اور ترمذ پر قابض تھا۔ خطیب قرشی کو بھیجا۔ اور دوستی ظاہر کر کے ہماری ہمراہی اختیار کی۔ میں نے یہ تدبیر سوچی کہ یوں تو کام نہ چلا اور ملک توران تقدیر سے ہاتھ نہ آیا۔ اب شاہ اسمٰعیل صفوی سے مدد لینی چاہیے۔ ایواج کے راستہ سے دریائے آمو کے پار ہو چغانیانی سے ملاقات کی۔ باقی چغانیانی ترمذ سے آیا۔ باقی کے گھر والوں اور اسباب کو دریا سے اُتروا کر اُس کو اپنے ہمراہ لیا اور کہمرد و بامیان کی طرف ہم روانہ ہوئے۔ یہاں ان دنوں میں باقی کا بیٹا احمد قاسم جو خسرو شاہ کا بھانجا تھا حاکم تھا۔ ارادہ ہوا کہ اجر نام قلعہ میں جو کہمرد کے مضافات سے ہے اہل و عیال کو رکھ کر اور وہاں کا انتظام کر کے پھر جو مصلحت ہوگی اور مناسب ہوگا وہ کرینگے۔ جب مقام ایبک میں ہم پہنچے تو یار علی بلال (جس نے ابتدا میں میرے پاس خوب کارگزاری کی تھی اور ان بھگڑوں میں مجھ سے الگ ہو کر خسرو شاہ کے پاس رہنا اختیار کر لیا تھا) کچھ آدمیوں سمیت بھاگ کر آیا جو خسرو شاہ کے پاس جو مغل تھے اُن کی طرف سے اُس نے دولتخواہانہ باتیں عرض کیں۔ درۂ اندان میں پہنچتے ہی قنبر علی بیگ جس کو قنبر علی سلاخ بھی کہتے ہیں آن ملا۔ تین چار منزلیں چل کر کہمرد پہنچے۔

اور قلعۂ اجر میں قیام کیا۔ یہیں جہانگیر میرزا کا نکاح سلطان محمود خاں کی بیٹی سے جو خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھی اور میرزاؤں کی حیات میں جہانگیر میرزا کی منگیتر ہوگئی تھی کر دیا۔ اسی اثناء میں باقی بیگ نے کئی بار میرے گوش گزار کرایا کہ ایک ملک میں دو بادشاہوں کا اور ایک لشکر میں دو سرداروں کا رہنا تفرقہ و ویرانی کا باعث اور فتنہ و پریشانی کا سبب ہوتا ہے سعدی کا قول ہے "دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو پادشاہ در اقلیمے نگنجند" ؎

نیم نانے گر خورد مردِ خدائے — بذلِ درویشاں کند نیمے دگر

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ — ہمچناں در بندِ اقلیمے دگر

یہ امید ہے کہ آجکل میں خسرو شاہ کی فوج اور حشم و خدم حضور کے تابع ہو جائیں گے۔ اُن میں فتنہ پرداز لوگ بہت ہیں۔ جیسے ایوب بیگ کے بیٹے۔ اور اَور لوگ۔ جنہوں نے میرزاؤں میں جھگڑے ڈلوائے ہیں۔ اس وقت جہانگیر میرزا کو خوشی خوشی خراسان کی طرف رخصت کر دینا مناسب ہے کل کو ندامت اور پشیمانی نہ ہوگی۔ میری یہ عادت نہ تھی کہ اپنے بھائی اور عزیز گو میرے ساتھ بے ادبیاں کریں میں اُن کو تکلیف پہنچاؤں۔ مانا کہ جہانگیر میرزا میں اور مجھ میں ملک اور آدمیوں کی وجہ سے مدتوں تک سخت تناقض رہا لیکن اب وہ سب کو چھوڑ چھاڑ میرے ساتھ چلا آیا۔ میرا سگا ہے۔ عزیز ہے۔ تابعدار ہے۔ اور اس وقت اُس سے ایسی حرکت بھی ظاہر نہیں ہوئی جو باعث کدورت ہو۔ باقی بیگ نے بہتیرا عرض کیا مگر میں نے نہ مانا۔ بیشک آخر وہی ہوا جو باقی بیگ نے کہا تھا۔ وہی مفسد یوسف ایوب اور بہلول ایوب میرے پاس سے بھاگے۔ جہانگیر میرزا کے پاس گئے۔ جھگڑے مچائے۔ اور جہانگیر میرزا کو مجھ سے علیحدہ کر کے خراسان لیگئے۔ انہی دنوں میں سلطان حسین میرزا کے پاس سے بڑے لنبے چوڑے مضمون کے خطوط بدیع الزمان میرزا پاس۔ میرے پاس خسرو شاہ پاس۔ اور ذوالنون بیگ پاس آئے۔ وہ خط میرے پاس اب تک موجود ہے۔ مضمون یہ تھا کہ سلطان احمد میرزا۔ سلطان محمود میرزا اور سلطان علی میرزا نے جس وقت اتفاق کر کے مجھ پر چڑھائی کی ہے اُس وقت میں نے دریائے مرغاب کے کنارہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ میرزا قریب آئے۔ اور کچھ نہ کر سکے۔ اُلٹے پھر گئے۔ اب جو اُزبک متوجہ ہے تو میں مرغاب کے کنارے کا بندوبست کرتا ہوں۔ بدیع الزمان میرزا بلخ اور شبرغان کے قلعوں کا انتظام اپنے معتبر آدمیوں سے کر کے خود مقام گرزوان۔ درہ زنگ اور اُس جانب کے پہاڑوں کا بندوبست کر لیں۔ چونکہ اس نواح میں میرے آنے کی خبر اُن کو ہوگئی تھی اِس لیے مجھے لکھا تھا کہ تم کہمرد۔ اجر اور اُس طرف کی پہاڑ کی تلیٹی کا بندوبست کر لو۔ خسرو شاہ حصار اور قندز کے

قلعوں میں تو اپنے معتبر آدمی مقرر کرے اور خود مع اپنے چھوٹے بھائی ولی کے بدخشاں اور ختلان کے پہاڑوں کا انتظام کرے۔ اس ترکیب سے ازبک بے نیل مرام الٹا پھر جائیگا۔ سلطان حسین میرزا کے یہ خطوط باعث ناامیدی ہوئے۔ کیونکہ تیموریہ خاندان میں آج عمر میں۔ لشکر میں اور ملک میں اُس سے بڑا اور بہادر دوسرا بادشاہ نہیں ہے۔ ناامید یہ تھی کہ متواتر ایلچی اور نامہ بر آکر تاکیداً حکم پہنچائیں گے کہ ترمذ۔ کلفت۔ اور کرکی کے گھاٹوں پر پل باندھنے کے اسباب اور کشتیاں تیار رکھو۔ گھاٹوں کی خوب احتیاط کرو۔ ان باتوں سے اُن لوگوں کی ہمت بندھ جاتی جو اس مدت میں ازبکوں کے ہاتھ سے شکستہ دل ہو گئے تھے جبکہ سلطان حسین میرزا جیسا شخص (جو امیر تیمور کا جانشین ہو اور اتنا بڑا بادشاہ ہو وہ غنیم پر فوجکشی نہ کرے بلکہ اس کے بدلے اپنے مقامات کا انتظام کرے تو لوگوں کو کیا امید رہے۔ ہمارے پاس جس قدر لوگ ہیں وہ بھی اور اُن کے گھوڑے بھی ننگے۔ بھوکے اور مرے ہوئے۔ خیر میں نے یہ کیا کہ باقی چغانیانی۔ اُس کے بیٹے احمد قاسم اور اور ہمراہیوں کے گھربار اور اسباب کو آجر میں چھوڑا۔ اسی لشکر کو لے نکل کھڑا ہوا۔ خسرو شاہ کے مغلوں نے متواتر آدمی بھیجے کہ ہم نے آپ کی اطاعت اختیار کر لی۔ ہمارے تمام قبائل اشکلش اور قلعوں میں آگئے ہیں۔ آپ بہت جلد ہمارے پاس آجائیں۔ خسرو شاہ کے اکثر ملازم تباہ ہو کر آپ کے مطیع ہوتے جاتے ہیں۔ انہی دنوں میں خبر آئی کہ شیبانی خاں نے اندجان لے لیا۔ حصار اور قندز پر فوجکشی کی ہے۔ خسرو شاہ قندز سے بھاگ گیا۔ وہ ساری فوج کے ساتھ کابل جاتا ہے۔ قندز سے خسرو شاہ کے نکلتے ہی ملا محمد ترکستانی نے جو خسرو شاہ کا معتبر ملازم تھا قندز کا بندوبست کر لیا ہے۔ جس وقت ہم شیمون کے راستہ سے سرخاب چلے اُس وقت مغلوں کے تین چار ہزار خانہ دار جنکو خسرو شاہ سے تعلق تھا اور جو حصار اور قندز میں تھے مع اپنے اسباب وغیرہ کے آئے اور ہمارے ساتھ ہو گئے۔

قنبر علی جسکا ذکر اکثر ہوا ہے بڑا بیہودہ تھا۔ اُسکے اطوار باقی بیگ کو پسند نہ آئے۔ باقی بیگ کی خاطر سے اُس کو علٰحدہ کر دیا۔ اُسکا بیٹا عبدالشکور اُسی زمانہ سے پھر جہانگیر میرزا کا نوکر ہو گیا۔ خسرو شاہ مغلوں کا ہمارے ساتھ ہو جانا سُنکر گھبرا گیا۔ مجبور ہو کر اپنے داماد یعقوب بیگ کو ایلچی کرکے بھیجا۔ اور ہماری اطاعت ظاہر کی۔ درخواست کی کہ اگر معاہدہ ہو جائے تو میں حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ باقی چغانیانی میری سرکار میں مختار تھا۔ اگرچہ میری خیرخواہی کا دم بھرتا تھا مگر اپنے بھائی کا بھی پاس کر گیا۔ اُس نے تجویز کی کہ اُس کی جان کو بھی امان دیجائے اور جتنا مال وہ لینا چاہے مزاحمت نہ ہو۔ یہی معاہدہ ہو گیا۔ اجازت دینے کے بعد یعقوب اور ہم لوگ دریائے سرخ سے کوچ کر کے وہاں اُترے جہاں دریائے اندراب اور دریائے سرخ آپس میں ملتے ہیں۔ دوسرے دن

کہ ماہ ربیع الاوّل کا اوسط تھا دریائے اندراب سے میں نے جریدہ عبور کیا اور نواحِ دوشی میں ایک بڑے چنار کے درخت کے نیچے میں بیٹھا۔ ادھر سے خسرو شاہ بڑے طمطراق سے آیا۔ اور دستور کے موافق دور سے اُتر پڑا۔ سامنے آتے ہی تین دفعہ زانو مارا۔ اور پلٹتے وقت بھی تین ہی دفعہ زانو مارا۔ مزاج پُرسی اور پیشکش حاضر کرنے کے وقت ہر بار زانو مارتا رہا۔ جہانگیر میرزا اور میرزا خان کے ساتھ بھی یہی برتاوا کیا۔ بُڈھا بوبک رجو مردک، مدّتوں اپنے تئیں لیے رہا اور سوائے اس کے کہ اپنے نام کا خطبہ نہ پڑھوایا سلطنت کے سارے لوازم رکھتا تھا) پچیس[۲۵] چھبیس[۲۶] دفعہ برابر زانو مارنے۔ آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں خوب تھکا۔ قریب تھا کہ گر پڑے کئی برس کی امیری اور سلطنت ساری ناک کے راستہ نکل گئی۔ ملنے اور پیشکشوں کے لینے کے بعد میں نے حکم دیا کہ بیٹھو۔ کوئی گھڑی بھر بیٹھا۔ اِدھر اُدھر کی گپ شپیں ہوتی رہیں۔ باوجود نامرد اور نمکحرام ہونے کے باتیں بھی اُس کی لغو اور بے مزہ تھیں۔ حال تو یہ کہ اُس کے اعتباری اور اعتمادی نوکروں کی ٹولیاں کی ٹولیاں اُسکی آنکھوں کے سامنے ہمارے پاس آگئیں۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ مردود یا تو بادشاہ بنا پھرتا تھا یا اس قدر ذلیل و خوار ہو گیا۔ اسپر بھی عجب عجب طرح کی باتیں اُس کے مُنہ سے نکلیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے اُس کے آدمیوں کے جُدا ہونے سے اسکی دلداری کی۔ اس کے جواب میں کہنے لگا کہ یہ لوگ چار مرتبہ اسی طرح میرے پاس سے چلے گئے ہیں اور پھر آگئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ میں نے اُس کے چھوٹے بھائی ولی کو پوچھا کہ وہ کب آئیگا۔ اور دریائے آمو کے کونسے گھاٹ سے اُتریگا۔ کہنے لگا کہ جہاں سے اُترنیکا موقع دیکھیگا خود چلا آئیگا کیونکہ دریا کی طغیانی سے گھاٹ پلٹ جاتے ہیں۔ اور یہ مثل مشہور ہے۔ "آں گزر را آب بُرد"۔ خدا تعالٰے نے اُس کی بربادی کی فال اُسی کے مُنہ سے نکلوائی۔ دو ایک گھڑی کے بعد میں سوار ہوا اور اپنے لشکر میں آیا۔ جہاں وہ ٹھیرا ہوا تھا وہاں وہ چلا گیا اُسی دن سے چھوٹے بڑے۔ اچھے بُرے امرا اور نوکر مع مال و اسباب کے اُس سے الگ ہو ہو کر میرے پاس آنے لگے۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے وقت تک ایک چڑیا اُس کے پاس نہ رہی۔ قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممن تشآء تعزّ من تشآء وتذلّ من تشآء بیدک الخیر انّک علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔ خدا کیسا قادر ہے! اُس نے ایسے بڑے شخص کو جو بیس تیس ہزار آدمی کا آقا تھا قہلقہ (جسکو بند آہنی بھی کہتے ہیں) سے ہندوکش (جو مُلک سلطان محمود میرزا کے تحت و تصرّف میں تھا) تک کے ملک کا مالک تھا جسکے ایک تحصیلدار حسن برلاس نام (جو بوڑھا مردک ایلاق باب ولبج سے زبردستی تحصیل کیا کرتا تھا) نے مجھکو دھکے دیکر نکالا تھا۔ ڈیڑھ دن میں ہم جیسے دو ڈھائی سو مفلسوں اور محتاجوں کے سامنے ایسا ذلیل اور بے بس کر دیا

کر نہ اُس کو کسی آدمی پر اختیار رہا اور نہ اپنی جان و مال پر۔ جس دن میں خسرو شاہ سے ملکر آیا ہوں اُسی رات میرزا خان میرے پاس آیا اور اُس نے اپنے بھائی کے خون کا دعوے کیا۔ ہم میں کئی آدمی ایسے ہی مدعی تھے۔ فی الواقع شرعًا اور عرفًا بھی لازم تھا کہ ایسا مجرم اپنے کیے کی سزا پائے مگر چونکہ عہد ہو گیا تھا خسرو شاہ کو آزاد کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جس قدر لیجا سکے اپنا اسباب لیجائے۔ اونٹوں اور خچروں کی چار قطاریں سونے اور چاندی کے اسباب اور جواہر سے بھری ہوئی اُس کے پاس تھیں۔ ان سب کو وہ لے گیا۔ شیرم طغائی کو اُس کے ساتھ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ خسرو شاہ کو غوری و دہانہ کے راستہ سے خراسان کی طرف پہنچا دے۔ اور خود کھمرد جا کر ہمارے گھر بار کو لے آئے۔ اس کے بعد اُس مقام سے کابل کی طرف کوچ کیا۔ مقام خواجہ زید میں آکر ٹھیرے۔ آج ہی اُزبکوں کے چابقوچی نے آکر دوشی کی نواح کو لوٹنا شروع کیا۔ سید قاسم ایشک آقا اور محمد قاسم کوہ بر وغیرہ اُن کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے۔ ان لوگوں نے جا کر اُن کی خوب خبر لی۔ کئی آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ اسی مقام پر خسرو شاہ کے اسلحہ خانہ کو تقسیم کیا۔ سات سے آٹھ سے جوشن اور گرز تھے۔ خسرو شاہ کے اسباب میں سے یہی یہاں رکھا گیا تھا یہی ہاتھ لگا۔ اور اسباب نہ تھا۔ خواجہ زید سے تین چار منزلیں چلکر غوربند میں ہم پہنچے جس وقت ہم شہر اسیر میں آکر اُترے اُس وقت ہم کو خبر لگی کہ شیرکہ ارغون (جو مقیم ارغون کے امرائے ذی اقتدار میں سے تھا) دریائے باران کے کنارہ پر لشکر لیے ہوئے پڑا ہے۔ مگر اُس کو ہمارا حال معلوم نہیں ہے۔ جو کوئی بچھیرا سے عبدالرزاق میرزا کے پاس (یہ میرزا ان دنوں میں کابل سے بھاگ کر نواحِ لمغان میں افغانوں کے ایک سردار پاس چلا گیا تھا) جاتا ہے اُس کو نہیں جانے دیتا۔ اس خبر کے سُنتے ہی دو نمازوں کے درمیان میں ہم نے وہاں سے کوچ کر دیا۔ رات بھر چلتے رہے۔ ہو پیان کے گھاٹ سے اُترے۔ پہاڑ پر جب پہنچے تو جنوب کی طرف نشیب میں ایک چمکتا ہوا ستارہ دکھائی دیا۔ میں نے کہا کہ یہ سہیل تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سہیل ہے۔ میں نے کبھی سہیل نہ دیکھا تھا۔ باقی چغانیانی نے یہ شعر پڑھا ؎

توسہیلی تا کجا تابی و کے طالع شوی　　چشم تو بر ہر کہ می افتد نشانِ دولت است

آفتاب ایک نیزہ پر آیا ہوگا کہ ہم درۂ سنجد میں آن اُترے۔ کچھ فوج قراولی کے لیے آگے بھیجی گئی تھی قراباغ کے نیچے ابکری کے نواح میں پہنچتے ہی اُسنے شیرکہ پر حملہ کر دیا۔ اور تھوڑی بہت جنگ کے بعد اُس کو گرفتار کر لیا۔ شیرکہ ستر اسی آدمیوں کے ساتھ ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ خسرو شاہ جب اپنے ایل و الوس کو چھوڑ قندز سے کابل جانے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا تو اُس کی فوج اور ایل و الوس کی پانچ چھ جماعتیں تھیں۔ بدخشانیوں کی ایک جماعت تھی۔ ایک جماعت سیدم علی دربان کی

تھی۔ جو ہزارہ وغیرہ میں تھا۔ یہ سب اسی مقام پر آکر ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ایک اور جماعت یوسف ایوب اور بہلول ایوب کی یہیں ہمارے پاس آئی۔ کچھ لوگ ختلان سے خسرو شاہ کے چھوٹے بھائی ولی کے ساتھ ہوئے۔ ایلا الجق و قاشال کا ایک گروہ اور چند قبیلے قندز میں ٹھیرے تاکہ کوتل سے نکلجائیں۔ کچھ قبائل پیچھے مقام سرآب میں رہ گئے۔ اتنے میں ولی پیچھے سے آیا۔ بعض فرقوں نے اُس کا راستہ روکا۔ اور مقابلہ کیا۔ ولی کو شکست ہوئی۔ ولی شکست کھا کر اُزبک کے پاس پہنچا۔ شیبانی خاں کے حکم سے سمرقند کے بازار میں ولی قتل کر دیا گیا۔ جو لوگ بچے وہ گئے گھٹے پکڑے ہوئے قبیلوں کے ساتھ اسی منزل میں ہمارے پاس آئے۔ سید یوسف بیگ اُغلاقچی بھی اُنہی کے ساتھ حاضر ہوا۔ اور راقسرائی میں جو قرا باغ کے کنارہ پر ہے اُترا۔ خسرو شاہ کے لوگ ظلم و زیادتی کرنے کے عادی تھے۔ ہر وقت بندگان خدا پر ظلم کرنے لگے۔ آخر سید علی دربان کے ایک عمدہ ملازم کو اس جرم میں کہ اُسنے کسی کی گھی کی ہنڈیا چھین لی تھی محل کے دروازہ پر پکڑوا بلوایا اور حکم دیا کہ اس کو لکڑیاں مارو۔ نو لکڑیوں میں اُسکا دم نکل گیا۔ اس سزا دینے سے سب کانپ گئے۔ اسی منزل میں کابل چلنے اور نہ چلنے کی صلاح کی۔ سید یوسف بیگ وغیرہ کی رائے ہوئی کہ جاڑے کا موسم قریب ہے۔ اب تو لمغان چلنا چاہیئے۔ وہاں پہنچکر جو مناسب ہوگا وہ کرینگے۔ باقی چغانیانی وغیرہ کی رائے ہوئی کہ کابل چلنا مصلحت ہے۔ آخر کابل چلنا قرار پایا۔ یہاں سے کوچ کیا اور مقام قوروق میں اُترے۔ اس منزل میں میری والدہ مع ہمراہیوں کے جو کہمرد میں رہگئی تھیں بڑی مصیبتوں سے آئیں۔ ان کے واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ شیرم طغائی کو خسرو شاہ کے خراسان پہنچانے کے لیے ساتھ بھیجا تھا اور کہدیا تھا کہ خسرو شاہ کو خراسان کی طرف روانہ کرکے ہمارے لوگوں کو لے آئے۔ جس وقت یہ سب درہ کے منہ پر پہنچے اُس وقت شیرم بے اختیار ہو گیا۔ اور خسرو شاہ اُس کے ساتھ تھا۔ میرو اور احمد قاسم (خسرو شاہ کا بھانجا) کہمرد میں تھے۔ خسرو شاہ نے احمد قاسم کو کہلا بھیجا کہ وہاں جو لوگ ہیں اُن کا سرنا بزنا کر لو۔ باقی چغانیانی کے بہت سے مغل ملازم کہمرد میں ہمارے گھر والوں کے ہمراہ تھے۔ اُنہوں نے خفیہ شیرم سے کہلا بھیجا کہ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو گرفتار کر لیا جائے۔ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو یہ حال معلوم ہو گیا۔ درۂ آجر کے قریب جو راستہ ہے دونوں وہاں سے بھاگ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ مغلوں کی غرض اس سازش سے یہ تھی کہ اُنسے الگ ہو جائیں۔ جو لوگ ہمارے گھر والوں کے ساتھ تھے وہ خسرو شاہ کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ اور درۂ آجر سے باہر نکل آئے جس وقت یہ لوگ کہمرد میں پہنچے سائی قانچی والے باغی ہو گئے۔ انہوں نے راستہ گھیر لیا۔ باقی بیگ کے اکثر اہل و الوس وغیرہ کو لوٹ لیا۔ بایزید کا چھوٹا بیٹا کم سن تھا۔ اُس کو پکڑ لیا۔ وہ تین چار برس بعد کابل میں آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے گھر والے لٹے کھٹے قبچاق کوتل کے راستہ سے جہاں سے میں آیا تھا قوروق میں ہمارے پاس پہنچے۔ ہمنے یہاں سے کوچ کیا۔ بیچ میں ایک منزل کرکے مرغزار چالاک میں ٹھیرے اور مشورہ کیا۔ کابل کے محاصرہ کرلینے کی تجویز قرار پائی۔ یہاں سے چلے۔ میں اپنے ہمراہیوں سمیت جو قول میں تھے حیدر تقی کے باغ اور قل بایزید بکاول کے مقبرہ کے درمیان میں اترا۔ جہانگیر میرزا برنغار کو لیے ہوئے ہمارے بڑے چار باغ کے پاس ٹھیرا۔ ناصر میرزا جرنغار سمیت اُس مرغزار میں مقیم ہوا جو کور خانہ قتلق قدم کے پیچھے ہے۔ مقیم (حاکم کابل) کے پاس ہمارا آدمی گیا اور باتیں کیں۔ کبھی وہ عذر کرتا تھا اور کبھی نرم نرم باتیں کرنے لگتا تھا۔ اُس کو ایک خیال تھا اور اسی سبب سے وہ ٹال رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب ہمنے شیرکہ کو گرفتار کیا ہے تو اُس نے اپنے باپ اور بڑے بھائیوں کے پاس آدمی دوڑائے۔ اپنے بڑے بھائی سے اُسکو امید تھی۔ ایک دن میں نے حکم دیا کہ قول۔ برنغار اور جرنغار کی تمام فوج ہتیار اور سامان سے درست ہو کر شہر کے بہت قریب جائے اور اندر والوں کو ذرا دھمکائے۔ جہانگیر میرزا برنغار کو لیے ہوئے کوچہ باغ کی طرف بڑھا۔ قول کے آگے کی طرف دریا تھا۔ میں قول کو لیکر کور خانہ قتلق قدم کی طرف سے ایک ٹیلہ پر جو پشتہ سے اونچا ہے آچڑھا۔ ابراول والے قتلق قدم کے پُل پر جھپٹ کر چلے گئے۔ اس موقع پر سپاہیوں نے یہ دلیری کی کہ دروازۂ چرم گران تک جا پہنچے کچھ لوگ مقابلہ کے لیے آئے تھے۔ وہ بھاگ نکلے اور قلعہ میں جا گھسے۔ ارک کے نیچے ایک بلند مقام کے قریب بہت سے اہل کابل سیر کرنے نکل آئے تھے۔ مقابلہ والے جو بھاگے تو بہت گرد اُڑی۔ اور بلندی پر سے لوگ گر پڑے۔ پُل اور دروازہ کے بیچ میں زمین کھود کر حریف نے ایک گلی بنا دی تھی۔ اور اُس کو خس پوش کر دیا تھا۔ سلطان علی چپاق اور کچھ سپاہی حملہ کرتے وقت اُس میں گر پڑے۔ برنغار کے دو ایک جوانوں نے جو کوچہ باغ کی طرف سے آئے تھے دو دو ہاتھ تلوار کے بھی کیے۔ چونکہ لڑائی کا حکم نہ تھا اس لیے اتنا ہی کرکے اُلٹے پھر آئے۔

فتح کابل

قلعہ والے بہت ہی ڈرے اور لگے دل چُرانے مقیم نے امرا کو بیچ میں ڈالا۔ اور شہر حوالہ کرکے اطاعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ باقی بیگ چغانیانی کے توسط سے اُسنے ملازمت حاصل کی۔ میں نے بھی اُس پر بہت عنایت و مہربانی کی۔ اور اُسکا اطمینان کیا۔ یہ بات قرار پائی کہ کل اپنے آدمیوں اور مال اسباب کو شہر سے نکال لے اور شہر حوالہ کر دے۔ خسرو شاہ کے لوگ لوٹ مار کے خوگر تھے۔ اس واسطے میں نے مقیم کے مال و اسباب کی حفاظت کے لیے جہانگیر میرزا اور ناصر میرزا وغیرہم کو معین کیا۔ تاکہ مقیم کو اور اُس کے متعلقوں کو مع اسباب کابل سے بحفاظت نکالدیں۔ مقیم کے قیام کرنیکے لیے ٹیتہ کا مقام مقرر کیا۔ دوسرے دن دونوں میرزا اور امرا شہر کے دروازہ پر گئے۔ وہاں خلقت کا بہت ہجوم دیکھا۔ مجھے کہلا بھیجا کہ آپ آئیے۔ آپ کے سوائے کوئی انکو

نہیں روک سکتا۔ آخر میں خود پہنچا۔ چار پانچ آدمیوں کو تیروں سے مار ڈالا اور ایک کو قتل کروایا۔ شور و غل دب گیا۔ مقیم اپنے متعلقوں سمیت صحیح سلامت چلا آیا۔ اور پیتہ پر جا اترا۔ ربیع الآخر کے آخر میں اللہ تعالے نے کابل و غزنی اور اس کے توابعات کو بے لڑے بھڑے مسخر کرا دیا۔

ملک کابل کا بیان

کابل کا علاقہ اقلیم چہارم میں سے ہے اور ملک کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں لمغانات۔ پشاور۔ کاشغر اور ہندوکش کے بعض علاقے ہیں۔ مغرب میں کوہستان ہے۔ جس میں کرنو اور غور ہے۔ شمال میں قندز اور اندراب کا ملک ہے جو ہندوکش پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ جنوب میں فرمل۔ نغز۔ بنو اور افغانستان ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور لمبوترا ہے۔ اسکا طول مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ ارد گرد پہاڑ ہے۔ اسکا قلعہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ قلعہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ چونکہ اس پہاڑی کی چوٹی پر شاہ کابل نے ایک مکان بنایا تھا اس لیے اس پہاڑی کا نام شاہ کابل مشہور ہو گیا ہے۔ یہ پہاڑی تنگی آورین سے شروع ہوتی ہے۔ اور تنگی دہ یعقوب تک تمام ہو جاتی ہے۔ اس کا گرداولا ایک میل کا ہوگا۔ اس پہاڑ کے سارے دامنہ میں باغات ہیں میرے چچا الغ بیگ میرزا کے زمانہ میں ویس آتکہ نے اسی پہاڑ کے دامنہ میں ایک نہر نکالی تھی دامنہ کے سارے باغات میں یہ نہر پھرتی ہے۔ نہر کی انتہا پر ایک مقام ہے۔ اس کا نام کلکتہ ہے بستان مقام ہے۔ یہاں آکر میں نے بہت ہی لطف اٹھایا۔ از راہ مذاق خواجہ حافظ شیرازی کا ایک شعر تصرف کرکے یہاں پڑھا گیا۔ ؎

اے خوش آں وقت کہ بے پا و سر ایامے چند
ساکن کلکتہ بودیم بہ بدنامے چند

قلعہ کے جنوب میں اور شہر کابل کے مشرق میں ایک بڑا تالاب ہے جس کا دور ایک میل شرعی کا ہوگا۔ شہر کی جانب تین چھوٹے چشمے اور ہیں۔ ان میں سے دو کلکتہ کی نواح میں ہیں۔ ایک چشمہ پر خواجہ شمسو نام ایک مزار ہے۔ دوسرے چشمہ پر خواجہ خضر کی قدمگاہ ہے۔ یہ دونوں مقام کابلیوں کی سیرگاہیں ہیں۔ ایک چشمہ مقام خواجہ عبدالصمد کے سامنے ہے۔ اس کو خواجہ روشنائی کہتے ہیں۔ شہر کابل سے ایک بنی گاہ نکلتی ہے جس کو عقابین کہتے ہیں۔ اس سے علٰحدہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ارک کابل اسی پہاڑی پر ہے۔ قلعہ ارک کے شمال میں ہے۔ یہ ارک نہایت بلند ہے۔ اور ہوادار مقام ہے۔ اسی بڑے تالاب کے گرد تین مرغزار ہیں۔ ایک کو سینگ دوسرے کو سونک قورغان اور تیسرے کو چالاک کہتے ہیں۔ یہ سب نیچے کی جانب ہیں۔ سرسبز ہو کر یہ مرغزار بہت ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بہار کے موسم میں باد شمال ہمیشہ چلتی رہتی ہے۔ اسکو باد پرّاں کہتے ہیں۔ ارک میں شمال کی طرف کھڑکیوں دار مکان بہت ہی عمدہ بنے ہوئے ہیں۔

ملا محمد طالب معمائی نے کابل کی تعریف میں یہ شعر بدیع الزمان میرزا کے زمانہ میں کہا تھا ۵

بخور در ارک کابل مے بگرداں کاسہ پے در پے
کہ ہم کوہ است ہم دریا و ہم شہر است و ہم صحرا

کابل کی تجارت

اہل عرب جس طرح سوائے ملک عرب کے سب کو عجم کہا کرتے ہیں اُسی طرح ہندوستانی ہندوستان کے علاوہ ملکوں کو خراسان کہتے ہیں۔ ہندوستان اور خراسان کے بیچ میں خشکی میں دو بندر ہیں۔ ایک کابل دوسرا قندھار۔ فرغانہ۔ ترکستان۔ سمرقند۔ بخارا۔ بلخ۔ حصار اور بدخشاں سے کابل میں قافلے آتے ہیں۔ خراسان سے قندھار میں آتے ہیں۔ یہ ملک گویا خراسان اور ہندوستان میں ایک واسطہ ہے۔ تجارت کی عمدہ منڈی ہے۔ اگر سوداگر روم اور خطا جائیں تو اُتنا ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جتنا یہاں اُٹھاتے ہیں۔ سال بہ سال آٹھ ہزار گھوڑے کابل میں آتے ہیں۔ ہندوستان سے بھی پندرہ بیس ہزار آدمیوں کے قافلے کابل میں آتے ہیں۔ ہندوستان سے غلام۔ سفید کپڑا۔ قند۔ مصری۔ شکر اور عقاقیر وغیرہ اسباب لاتے ہیں۔ بہت سے سوداگر ایسے ہیں کہ تگنے اور چوگنے نفع سے بھی خوش نہیں ہوتے۔ کابل میں خراسان۔ عراق۔ روم اور چین کا اسباب ملجاتا ہے۔ اور ہندوستان کا تو یہ بندر ہی ہے۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک دونوں یہاں سے قریب ہیں۔ کابل سے ایک دن کے راستہ پر وہ ملک ہے جہاں ہمیشہ برف رہتی ہے۔ شاید کوئی ایسی گرمی کا موسم آجاتا ہو جس میں وہاں برف نہ رہتی ہو۔ کابل سے قریب علاقوں میں گرم سیر اور سرد سیر میووں کی کثرت سے پیداوار ہے۔

کابل کی آب وہوا

کابل کی ہوا بڑی لطیف ہے۔ ایسی ہوادار جگہ دوسری نہیں معلوم ہوتی۔ گرمی کی راتوں میں بغیر پوستین پہنے نیند نہیں آتی۔ جاڑے میں برف کثرت سے پڑتی ہے۔ مگر اُس کی ٹھنڈ بہت نہیں ہوتی۔ سمرقند اور تبریز ہوا کی عمدگی میں مشہور ہیں۔ لیکن اُن کی سردی ستم کی ہوتی ہے۔

میوے

کابل اور اُس کے مواضعات میں سرد سیر میووں میں سے انگور۔ انار۔ سیب۔ زرد آلو۔ بہی۔ امرود۔ شفتالو۔ آلوبالو۔ بادام اور چار مغز منوں پیدا ہوتے ہیں۔ آلوبالو کے درخت میں نے منگوا کر بوائے ہیں۔ نہایت عمدہ آلوبالو اُن میں لگے۔ وہ اب تک خوب پھل رہے تھے۔ گرم سیر میوے جیسے نارنج۔ ترنج۔ املوک۔ گنا۔ لمغانات سے لاتے ہیں۔ نیشکر کی زراعت میں نے کرائی ہے۔ چلغوزہ بجزاد سے آتا ہے۔ اور بہ افراط آتا ہے۔ نواح کابل میں بھی اچھا ہوتا ہے۔ اس ملک میں شہد بہت پیدا ہوتا ہے۔ مگر غزنی کے پہاڑوں کے سوا اور کہیں سے نہیں آتا۔ بہی

اور آلو بھی عمدہ ہوتا ہے۔ کھیرا بھی نادر ہوتا ہے۔ ایک قسم کا انگور ہوتا ہے۔ اُس کو آب انگور کہتے ہیں۔ وہ نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ اس کی شراب بہت تیز ہوتی ہے خواجہ خان سعید پہاڑ کے دامنہ کی شراب تیزی میں مشہور ہے۔ ہم تو اب تقلیداً یہ تعریف کر رہے ہیں۔ ع

لذت مے مست داند ہوشیاراں را چہ حظ

زراعت

کابل کے علاقہ میں زراعت اچھی نہیں ہوتی۔ اس کی عمدہ زراعت چوتھائی اور پانچواں حصہ ہے۔ یہاں خربوزہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اگر خراسانی تخم بویا جاتا ہے تو کسی قدر بُرا نہیں ہوتا۔

مرغزار

کابل کے اطراف میں چار عمدہ مرغزار ہیں۔ مشرق اور شمال کے گوشہ میں مرغزار سمونک قورغال ہے۔ کابل سے کوئی دو کوس ہوگا۔ اچھا سبزہ زار ہے۔ اسکی گھانس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ مکھیاں وہاں کم ہوتی ہیں۔ مغرب اور شمال کے بیچ میں مرغزار چالاک ہے۔ یہ مرغزار کابل سے کوس بھر ہوگا۔ بڑا مرغزار ہے۔ یہاں کی مکھیاں بہار کے موسم میں گھوڑوں کو بہت ستاتی ہیں۔ مغرب میں مرغزار دیورتن ہے۔ یہ دو مرغزار ہیں۔ ایک کو مرغزار تپہ کہتے ہیں اور دوسرے کو قوتی۔ اگر یہ حساب رکھا جائے تو پانچ مرغزار ہو جائیں گے۔ یہ دونوں مرغزار کابل سے ایک کوس شرعی پر ہیں۔ اور مختصر سے مرغزار ہیں۔ وہاں کی گھانس گھوڑوں کو بہت موافق ہے مکھیاں اُن میں نہیں ہوتیں۔ کابل کے مرغزاروں میں ان جیسے مرغزار نہیں ہیں۔ مشرق میں ایک مرغزار ہے۔ اس کو سیاہ سنگ کہتے ہیں۔ دروازہ چرم گران ہے اور اس مرغزار کے بیچ میں قتلق قدم کا کورخانہ ہے۔ چونکہ موسم بہار میں یہاں مکھیاں کثرت سے ہوتی ہیں اس لیے اس کی حفاظت کم کیجاتی ہے۔ اس کے متصل مرغزار کمری بھی ہے اس اعتبار سے کابل کے گرد چھ مرغزار ہوئے۔ مگر مشہور چار ہی ہیں۔

نواح کے پہاڑ اور راستے۔

کابل ایک مضبوط مقام ہے۔ اس ملک میں غنیم کا جلدی سے چلا آنا ذرا مشکل ہے۔ کابل۔ بدخشاں۔ بلخ اور قندز کے بیچ میں کوہ ہندوکش ہے۔ اس پہاڑ سے سات راستے جاتے ہیں۔ تین راستے پنج شیر سے ہیں سب سے بلند پہاڑ خواک ہے۔ اس سے کم کوہ طول ہے۔ اس سے نیچا کوہ بازارک ہے۔ سب میں عمدہ طول ہے۔ مگر کسی قدر اُس کا راستہ لمبا ہے۔ عجب نہیں کہ اسی سے اسکا نام طول ہو گیا ہو۔ سب سے سیدھا بازارک ہے۔ ان دونوں میں ہو کر مقام سراب میں اُترتے ہیں۔ چونکہ موضع پارندی میں یہ پہاڑ تمام ہو جاتا ہے اس لیے سراب کے لوگ

اِس کو کوتل بارندی کہتے ہیں۔ ایک راستہ پروان کا ہے۔ کوہ کلاں اور پروان کے بیچ میں سات پہاڑ اور ہیں۔ ان کو ہفت وبچ کہتے ہیں۔ اندراب سے دو راستے جاتے ہیں۔ اور کوہ کلاں کے نیچے دونوں ایک ہو کر ہفت وبچ کے راستہ سے پروان میں آجاتے ہیں۔ یہ بڑا کٹھن راستہ ہے۔ اور تین راستے غور بند میں ہیں۔ پروان کے راستہ کے نزدیک پہاڑ کا راستہ ایک مرغزار تک ہے۔ جو مقام دلیان اور خنجان میں اُتر کر آتا ہے۔ ایک راستہ شیر تو پہاڑ کا ہے۔ گرمی کے موسم میں اس پہاڑ سے اُتر کر بامیان اور سابقان کے راستہ سے جاتے ہیں اور جاڑوں میں آب درہ کے راستہ سے جاتے ہیں۔ جاڑوں میں چار یا پانچ مہینے تک سب راہیں بند ہوتی ہیں۔ شیر تو کے راستہ سے اس پہاڑ پر ہوتے ہوئے درۂ آب کے راستہ میں چلتے ہیں۔ جو راستہ خراسان کا ہے وہ قندھار سے آتا ہے۔ یہ ہموار سڑک ہے۔ یہاں کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ ہندوستان کی طرف کے چار راستے ہیں۔ ایک راستہ لمغانات سے ہے۔ اس میں خیبر کے پہاڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ دوسرا راستہ بنگش کا ہے۔ تیسرا راستہ نغز کا ہے۔ چوتھا راستہ فرمل سے ہے۔ ان راستوں میں بھی تھوڑی بہت پہاڑیاں ہیں۔ دریائے سندھ کے تین گھاٹوں سے اُتر کر ان راستوں میں آتے ہیں۔ جو لوگ نیلاب کے گھاٹ سے اُترتے ہیں وہ لمغانات کے راستہ سے آتے ہیں۔ جاڑے میں دریائے کابل۔ دریائے سندھ اور دریائے سوات کے مقام اتصال کے بالائی گھاٹ سے اُترنا پڑتا ہے۔ میں جو ہندوستان آیا ہوں تو اکثر ان دریاؤں کے گھاٹوں سے اُترا ہوں۔ اس دفعہ جو میں نے آکر سلطان ابراہیم کو شکست دی اور ہندوستان فتح کیا تو نیلاب کے گھاٹ سے کشتی کے ذریعہ سے اُترا ہوں۔ یہاں کے علاوہ کسی مقام پر دریائے سندھ سے بغیر کشتی کے پار نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ بن کوٹ کے گھاٹ سے بنگش میں آتے ہیں اور جو بارہ کے گھاٹ سے اُترتے ہیں وہ فرمل کے راستہ سے غزنی میں آتے ہیں۔ اگر دشت کے راستہ سے چلتے ہیں تو قندھار جا پہنچتے ہیں۔

قومیں کابل کے علاقہ میں مختلف قومیں بہت ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں اتراک و اعراب وغیرہ قومیں بستی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں تاجیک ہیں۔ بعض دیہات اور مقامات میں پشتوی۔ پراچہ۔ تاجیک۔ ترک اور افغان آباد ہیں۔ غزنی کے پہاڑوں میں ہزارہ اور نوکدری ہیں۔ ہزارہ میں بعض قومیں مغلی بولی بولتی ہیں۔ جو کوہستان مابین شرق و شمال ہے وہ ملک کافرستان ہے۔ جیسے کتور اور کیرک۔ جنوب میں افغانستان ہے۔

زبانیں اس ملک میں عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتو۔ پراچی۔ کیری۔

کتوری اور لمغانی وغیرہم گیارہ بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شاید کسی ملک میں اس قدر مختلف قومیں آباد ہوں اور اتنی متغائر زبانیں بولی جاتی ہوں۔

اضلاع یہ مُلک چودہ تومانوں پر منقسم ہے۔ (سمرقند اور بخارا میں اور اُس کے نواح میں تومان اُس حصّہ ملک کو کہتے ہیں جو ایک بڑے علاقہ کے تحت میں ہو۔ اندجان۔ کاشغر۔ چین اور ہندوستان میں اُس کو پرگنہ کہتے ہیں)۔ اگرچہ دیجور۔ پشاور اور ہشتغر کے علاقے پہلے کابل کے تحت میں تھے۔ مگر آجکل بعض اُن میں سے افغانوں نے ویران کردیے ہیں۔ اور بعض افغانوں کے تصرّف میں ہیں۔ اب وہ ایسے ہیں کہ اُن کو مُلک نہیں کہہ سکتے۔ کابل کا شرقی علاقہ لمغانات ہے۔ اس میں پانچ تومان اور دو بلوک ہیں۔ لمغان[1] کا بڑا تومان نیکنہار ہے۔ (بعض تاریخوں میں اس کو نیکر ہار بھی لکھا ہے) اس کا صدر مقام آدینہ پور ہے۔ جو کابل سے تیرہ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ کابل اور نیکنہار میں بڑا سخت راستہ ہے۔ تین چار جگہ چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ دو تین جگہ تنگ گھاٹیاں ہیں۔ خلجی اور افغانوں کے سارے ڈاکو اسی میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ اُس زمانہ میں یہ مقامات بالکل ویران تھے۔ قوروق سائی اور قرانو کے انتہا میں میں نے آبادی کرائی۔ اس سبب سے راستہ میں امن ہوگیا۔ گرم سیر اور سردسیر ملک کے بیچ میں ایک پہاڑ حائل ہے۔ جس کو بادام چشمہ کہتے ہیں۔ اس پہاڑ میں کابل کی جانب برف پڑتی ہے۔ اور قوروق و لمغان کی طرف برف نہیں پڑتی۔ اس پہاڑ سے نکلتے ہی دوسرا عالم نظر آتا ہے۔ ندیاں اور طریق کی باغ اور وضع کے۔ جانور کچھ اور صورت کے۔ آدمیوں کی رسم و راہ دوسری۔ نیکنہار میں نو ندیاں بہتی ہیں۔ وہاں چانول اور گیہوں عمدہ پیدا ہوتا ہے۔ نارنج۔ ترنج اور انار کثرت سے ہوتا ہے۔ قلعہ آدینہ پور کے پاس جنوب کی طرف ایک بلندی پر سنہ ۹۱۴ھ میں میں نے ایک باغ لگایا۔ اُس کا نام باغ وفا رکھا۔ یہ باغ ندی کے کنارے پر ہے۔ ندی باغ اور قلعہ کے بیچ میں بہتی ہے۔ جس سال میں نے بہار خان کو شکست دی ہے اور لاہور و دیبالپور کو فتح کیا ہے اُس سال کیلے کے درخت یہاں لاکر بوائے۔ سب درخت لگ گئے۔ اس سے پہلے سال میں گنّا بھی بویا گیا تھا۔ عمدہ گنّا ہوا تھا۔ ان گنّوں میں سے کچھ بدخشاں اور بخارا بھیجے گئے تھے۔ اس کی زمین اونچی ہے۔ آب رواں قریب ہے۔ اس کی ہوا جاڑوں میں معتدل ہوتی ہے۔

---

[1] ضیاء الملّۃ والدین امیر عبدالرحمٰن خان والی کابل کی سوانح عمری ہمارے زمانہ میں لکھی گئی ہے اُس کے ضمیمہ سوم میں امیر ممدوح اور گورنمنٹ ہند کی خط کتابت جو سنہ ۱۸۹۵ء میں ہوئی ہے درج ہے۔ ان چٹھیوں میں لمکان۔ لگان۔ ننگر ہار لکھا ہے ۱۲

باغ کے اندر ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ سارے باغ میں اسی پشتہ پر سے پانی جاتا ہے۔ جو چارچمن اس باغ میں ہے وہ اسی ٹیلہ پر ہے۔ باغ کے جنوبی و مغربی حصّہ کے بیچ میں ایک وہ دردہ حوض ہے۔ اس کے گرد چاروں طرف نارنج اور انار کے درخت ہیں۔ حوض کے گرد چھوٹی چھوٹی تین نہریں ہیں۔ اصل باغ یہی مقام ہے۔ جس وقت نارنج پک کر زرد ہوتے ہیں اُس وقت نہایت عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ یہ باغ اچھا تیار ہوا ہے ننگنہار اور بنگش کے بیچ میں جنوب کی طرف کوہ سفید ہے۔ اس پہاڑ میں سوار نہیں چل سکتا۔ نہ اس سے کوئی ندی جاری ہے۔ یہاں برف بھی ہمیشہ رہتی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اسی سبب سے اس کا نام کوہ سفید رکھ دیا ہو۔ یہاں سے نیچے کے مقاموں میں کبھی برف نہیں پڑتی۔ بلغ اور پہاڑ میں اتنا فاصلہ ہے کہ بیچ میں ایک لشکر اُتر سکے۔ اس پہاڑ کے دامنہ میں عمدہ اور ہوادار مقامات بہت ہیں۔ اس کا پانی ایسا سرد ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔ آدینہ پور کے جنوب میں دریائے سُرخ ہے۔ قلعہ بلندی پر ہے۔ اور ندی کی طرف چالیس پچاس گز تک پہاڑ چلا گیا ہے۔ اُس کے شمال میں ایک پہاڑی ہے۔ یہ قلعہ بہت مضبوط ہے۔ یہی پہاڑ نیکنہار اور لمغانات کے بیچ میں ہے۔ جب کابل میں برف پڑتی ہے تو اس پہاڑ کی چوٹی پر بھی برف پڑتی ہے۔ لمغانات والے اس پہاڑ پر برف پڑنے سے جان جاتے ہیں کہ کابل میں برف پڑ رہی ہے۔ جہاں سے کہ کابل سے ان لمغانات میں آتے ہیں اگر قوروق سائی میں آئیں تو ایک اور راستہ کوتل دیری سے اور بولان سے ہوتا ہوا لمغانات کی طرف نکلتا ہے۔ دوسرا راستہ قوروق سائی سے آخر میں قراتو۔ اولوق پور۔ آب باران اور کوتل مادپیخ سے ہوتا ہوا لمغانات کو جاتا ہے۔ اور اگر نجراؤ سے آئیں تو بدراد اور قرنا بکریق سے ہوتے ہوئے کوتل مادپیخ میں نکل آتے ہیں۔ اگرچہ لمغان کے پانچ تومانوں میں سے ایک نیکنہار بھی ہے۔ لیکن لمغان یہی تین تومان سمجھے جاتے ہیں جن میں سے ایک تومان علیشنگ ہے۔ جس کا شمالی حصّہ ہندوکش سے ملا ہوا ہے۔ اُس میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ اور سب برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ سارا پہاڑ کافرستان کا ہے۔ کافرستان کے بہت قریب علیشنگ کے علاقہ میں سے مقام میل ہے۔ علیشنگ کی ندی میل سے ہی نکلتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السّلام کے باپ مہترلام کی قبر تومان علیشنگ ہی میں ہے۔ (بعض تاریخوں میں مہترلام کو ملک ملکان لکھا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہاں والے بعض موقع پر کاف کو غین بولتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے اس مُلک کو لمغان کہتے ہوں)۔ دوسرا تومان النگار ہے۔ کافرستان کے قریب النگار کے

علاقہ میں سے مقام کورا ہے۔ النگار کی ندی یہیں سے نکلتی ہے۔ یہ دونوں ندیاں علیشنگ اور النگار سے ہوتی ہوئی باہم ملجاتی ہیں۔ اور ملکر تومان منداور سے پرلے سرے پر آب باران میں جاملتی ہیں۔ جو دو بلوک اوپر بیان ہوئے ہیں اُن میں سے ایک درۂ نور ہے۔ یہ تنگ مقام ہے۔ اس زمانہ میں درہ بینی گاہ کے اوپر ہے۔ اس کے دونوں طرف ندی ہے۔ اس کا پایہ اتنا ہے کہ راستہ چل سکتے ہیں۔ نارنج۔ ترنج اور گرم سیر میوے یہاں بہت ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں کھجور کے درخت بھی ہیں۔ ندی کے کناروں پر جو پہاڑ کی چوٹی کے دونوں طرف ہیں درخت ہی درخت ہیں۔ املوک کے درخت کثرت سے ہیں۔ اس میوہ کو ترکوں کی بعضی قومیں قرالیمش کہتی ہیں۔ یہ میوہ جتنا درہ نور میں ہوتا ہے اُتنا اور کہیں نہیں ہوتا۔ یہاں انگور بھی پیدا ہوتا ہے۔ سارے انگور درخت پر لگتے ہیں۔ لمغانات میں درۂ نور کی شراب مشہور ہے۔ وہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو ارتہ تاشی اور دوسری کو سوہان تاشی کہتے ہیں۔ ارتہ تاشی زرد ہوتی ہے۔ اور سوہان تاشی سُرخ خوش رنگ ہوتی ہے۔ ارتہ تاشی میں نشہ زیادہ ہے۔ لیکن جیسی شہرت ہے ویسی نہیں ہے ان پہاڑوں کے دروں کی چوٹیوں پر بندر کثرت سے ہوتے ہیں۔ یہاں والے پہلے سوّر پالا کرتے تھے۔ میرے زمانہ میں کوئی نہیں پالتا۔ ایک اور تومان کنیر۔ نورکل اور کر ہے۔ یہ تومان لمغانات سے کسی قدر الگ ہے۔ ملک کی سرحد پر کافرستان میں واقع ہے۔ اگرچہ اور تومانوں سے چھوٹا نہیں ہے۔ لیکن اس کی آمدنی جو کم ہے تو اوروں سے اسکو چھوٹا جانتے ہیں۔ دریائے چغانی سرائے مشرق و شمال کے بیچ میں سے کافرستان میں بہتا ہوا اور اس ملک سے گزرتا ہوا بلوک کامہ میں دریائے باران سے جاملتا ہے اور مشرق کی طرف چلا جاتا ہے۔ نورکل اس دریا کے مغرب میں ہے۔ اور کونر مشرق میں۔ میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جہاد کیا ہے۔ اور مقام کنز سے ایک کوس شرعی اوپر جاکر انتقال فرمایا ہے۔ حضرت کے مُرید جنازہ یہاں سے ختلان لیگئے ہیں۔ اور جہاں انتقال ہوا ہے اب وہاں ایک مزار بنا ہوا ہے۔ سنہ ۹۲۰ھ میں جب میں نے چغانی سرائے کو فتح کیا ہے تو اس مقام کی زیارت بھی کی ہے۔ یہاں نارنج۔ ترنج۔ کرنج کثرت سے ہوتے ہیں۔ کافرستان سے یہاں شراب لاتے ہیں۔ جو بہت تیز ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ ایک عجیب بات بیان کرتے ہیں۔ جو بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ مگر متواتر سننے میں آئی ہے۔ اس تومان کی انتہا میں جو مقام ہے اُس کو تمیہ کندی کہتے ہیں۔ اُس کے آخر درہ تور اور اتر کا علاقہ ہے۔ اس تمیہ کندی سے اوپر اوپر کنیر۔ نورکل۔ بجور۔ سوات وغیرہ کے پہاڑ ہیں۔ اِن

سب میں یہ رسم ہے کہ جو عورت مرتی ہے اُس کو ایک تختہ پر ڈال دیتے ہیں اور چاروں طرف سے تختہ کو پکڑ کر اُٹھاتے ہیں۔ اگر پارسا ہوتی ہے تو ان اُٹھانے والوں میں خودبخود اس درجہ کی حرکت پیدا ہوتی ہے کہ اگر سنبھلے نہ رہیں تو مُردہ تختہ پر سے گر پڑے۔ اور جو عورت پارسا نہیں ہوتی تو حرکت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ بات کچھ یہیں والوں نے بیان نہیں کی بلکہ بجور وغیرہ کے تمام پہاڑیوں نے متفق اللفظ بیان کی۔ حیدر علی بجوری جو حاکم بجور تھا اور جس نے اس ملک کا اچھا انتظام کیا تھا جب اُس کی ماں مری ہے تو نہ وہ رویا۔ نہ اُسنے عزاداری کی رسم ادا کی۔ نہ سیاہ لباس پہنا۔ لوگوں سے کہا کہ اس کو تختہ پر ڈال دو۔ اگر حرکت نہ پیدا ہو تو میں لاش جلوا دونگا۔ تختہ پر ڈالتے ہی حرکت معہود لاش میں پیدا ہوگئی۔ یہ سُنکر اُس نے ماتمی کپڑے بھی پہنے اور عزاداری بھی کی۔ دوسرا بلوک چغان سرائے ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کافرستان کے سرے پر واقع ہے۔ کافرستان جو قریب ہے تو یہاں کے لوگ گو مسلمان ہیں مگر کافروں کی بہت رسمیں برتتے ہیں۔ ایک بڑی ندی جس کو دریائے چغان کہتے ہیں۔ چغان سرائے کے مشرق و شمال سے (جو بجور کے پیچھے ہے) آتی ہے۔ مغرب کی جانب سے کافرستان کے مقام پیچ میں سے بہتا ہوا ایک اور چھوٹا دریا اُس میں ملجاتا ہے چغان سرائے میں زرد رنگ کی شراب بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن درۂ نور کی شرابوں سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ چغان سرائے میں انگور وغیرہ نہیں ہوتے۔ دریائے کافرستان کے بالائی حصہ سے پیچ میں لائے جاتے ہیں۔ جب میں نے چغان سرائے کو فتح کیا ہے تو پیچ کے کافروں نے یہاں والوں کی بہت کمک کی تھی۔ کافروں میں شراب کا رواج اس قدر ہے کہ ہر شخص کے گلے میں شراب کی چھاگل لٹکی رہتی ہے۔ پانی کی جگہ شراب ہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

کامہ گو کوئی علٰحدہ جگہ نہیں ہے۔ نیکنہار ہی کے توابع میں سے ہے۔ مگر اس کو بھی بلوک کہتے ہیں۔ ایک تومان نجراؤ ہے۔ کابل کے مشرق و شمال کی جانب کوہستان میں واقع ہے۔ اس کے پیچھے تمام کافرستان کا پہاڑ ہے۔ یہ ایک اچھے گوشہ کا مقام ہے۔ اس میں انگور وغیرہ میوے افراط سے ہوتے ہیں۔ شراب بھی کثرت سے ہوتی ہے۔ یہاں کی شراب جوشیدہ ہوتی ہے۔ یہاں جاڑے میں جانوروں کو بہت اُڑاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ شرابخوار۔ بے نماز۔ بیوقوف اور کافر وش ہیں۔ پہاڑوں میں انار۔ چلغوزہ۔ چوب بلوط اور ننجک کی کثرت ہے۔ اسکے درخت نشیبی مقامات میں ہوتے ہیں۔ نجراؤ سے بالائی مقاموں میں اصلا نہیں ہوتے۔ یہ درخت گویا ہندوستان کے درختوں میں سے ہیں۔ ان ساری پہاڑیوں میں چلغوزہ کی لکڑی چراغ کا کام دیتی ہے۔ یہ لکڑی شمع کی طرح روشن رہتی ہے۔ اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ نجراؤ کے

پہاڑوں میں سوباہ پرّاں ہوتی ہے۔ یہ ایک جانور ہے گلہری سے بہت بڑا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں رانوں کے بیچ میں ایک پردہ ہوتا ہے۔ چمگادڑ کے پر کا سا اُس کا رنگ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر نیچے کی جانب گز بھر کے قریب یہ جانور اُڑ جاتا ہے۔ میں نے اس کا اُڑنا نہیں دیکھا۔ ہاں یہ دیکھا کہ ایک درخت سے وہ لپٹی ہوئی تھی۔ اُچھلی اور پرندہ کی طرح بازو کھول کر جھٹ سے نیچے آگئی۔ اس کوہستان میں توجہ جانور ہوتا ہے۔ اس کو بوقلمون کہتے ہیں۔ سر سے دُم تک پانچ چھ طرح کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ کبوتر کی گردن جیسا براق۔ اور کبک دری کے برابر قد و قامت میں ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ہندوستان کی کبک دری یہی ہو۔ وہاں والوں نے بیان کیا کہ جاڑے کے موسم میں یہ جانور دامنۂ کوہ میں اُڑتا پھرتا ہے۔ اگر اس کو اُڑاؤ اور یہ انگوروں کے تختہ پر سے اُڑ جائے تو پھر نہیں اُڑ سکتا۔ وہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ نجراؤ میں ایک چوہا ہوتا ہے۔ اُس کا نام موش مشکیں ہے۔ اس میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ یہ چوہا میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔

ایک تومان پنج شیر ہے۔ مقام پنج شیر سر راہ واقع ہے۔ کافرستان یہاں سے بہت قریب ہے۔ ڈاکوؤں کی آمد و رفت پنج شیر ہی میں سے ہے۔ کفار کے قریب ہونے سے لوگ ادھر کم آتے ہیں۔ اب کے جو میں نے ہندوستان کو فتح کیا ہے تو کافروں نے پنج شیر میں آکر لوگوں کو بہت ستایا اور قتل کیا۔ ایک تومان غوربند ہے۔ دارالملک میں بند کوتل کو کہتے ہیں غور کی طرف اسی پہاڑ میں سے جاتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے غوربند مشہور ہو گیا ہو۔ درہ کے سرے پر ہزارہا مکان ہیں۔ اس تومان میں چند گاؤں ہیں۔ یہاں کی آمدنی بہت ہی کم ہے۔ کہتے ہیں کہ غوربند کے پہاڑوں میں چاندی اور لاجورد کی کان ہے۔ پہاڑ کے دامنہ میں دس گاؤں آباد ہیں۔ اوپر کی طرف متہ کچہ اور پروان ہیں۔ نیچے کی جانب بارہ تیرہ گاؤں ہیں۔ سارے دیہات میں میوہ پیدا ہوتا ہے۔ انہی دیہات میں شراب بنتی ہے۔ اس زمانہ میں خواجہ سعید خان کی شرابیں سب سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ تمام دیہات دامنہ میں اور پہاڑ کے اندر اور اوپر واقع ہیں اس لیے محاصل اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا۔ ان دیہات کے آخر کی طرف پہاڑ کے دامنہ میں پہاڑ اور دریائے باران کے مابین دو قطعے ہموار جنگل کے واقع ہیں۔ ایک کو کرہ تاریان کہتے ہیں۔ دوسرے کو دشت شیخ۔ گرمی کے موسم میں کاجنگین مالہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اتراک وغیرہ کے قبیلے یہاں آتے ہیں۔ اس دامنہ میں کئی طرح کا لالہ پیدا ہوتا ہے۔ میں نے ایک بار گنتی کروائی بتیس تینتیس طرح کا لالہ گننے میں آیا۔ ایک قسم کا لالہ ہوتا ہے کہ اُس میں کسی قدر گلاب کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اُس کو

لالہ گلبو کا خطاب دیا۔ دشت شیخ کے ایک قطعہ میں یہ لالہ ہوتا ہے۔ دوسری جگہ نہیں ہوتا۔
اسی دامنہ میں پروان سے نیچے کی جانب لالۂ صد برگ ہوتا ہے۔ وہ بھی اُس قطعہ میں ہوتا ہے
جو غوربند کے تنگ مقاموں سے نکلنے کے بعد واقع ہے۔ ان دونوں جنگلوں کے
بیچ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ میں ایک توپ پڑی ہوئی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی
سے نیچے تک۔ اس کو خواجہ ریگ رواں کہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس توپ میں سے نقارہ
اور ڈھول کی آواز آتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دیہات بھی کابل کے علاقہ میں ہیں۔
کابل کے جنوب مغرب میں ایک بڑا پہاڑ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس پہاڑ پر ایک سال کی
برف دوسرے سال تک رہتی ہے۔ کوئی برس ایسا نہ ہوتا ہوگا کہ جس میں اس سال کی برف
اگلے سال تک نہ رہتی ہو۔ کابل کے برف خانوں میں اگر برف ہو چکتی ہے تو اسی پہاڑ سے
لائی جاتی ہے۔ اور پانی ٹھنڈا کرکے پیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ کابل سے ایک میل شرعی کے
فاصلہ پر ہے۔ کوہ بامیان اور یہ پہاڑ دونوں بڑے پہاڑ ہیں۔ دریائے ہیرمند۔ سندھ۔
دوعامہ قندر اور بخاب اسی پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک دن میں ان چاروں
دریاؤں سے پانی پی سکتے ہیں۔ یہاں کے دیہات اکثر پہاڑ کے دامنہ میں ہیں۔ یہاں
انگور بلکہ ہر قسم کا میوہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ ان مواضعات میں استالف اور
اشترغج کے برابر کوئی موضع نہیں ہے۔ الغ بیگ میرزا ان دونوں موضعوں کو خراسان
فرمایا کرتے تھے۔ پغمان ان دونوں کے قریب ہے۔ مگر اُس کی آب و ہوا کو ان سے کچھ
نسبت نہیں ہے۔ جس پہاڑ پر برف ہوتی ہے وہ کوہ پغمان ہے۔ استالف جیسا مقام تو
کہیں نہ ہوگا۔ ان مواضع کے بیچ میں ایک بڑی ندی ہے۔ جس کے دونوں طرف
سرسبز اور پُرفضا باغات ہیں۔ اس کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔
پانی صاف بہت ہے۔ اس مقام پر ایک بڑا باغ ہے جس کو الغ بیگ میرزا نے تو
زبردستی چھین لیا تھا۔ مگر میں نے اُس کے مالکوں کو قیمت دیکر وہ باغ لے لیا۔ باغ کے
باہر چنار کے بڑے بڑے درخت ہیں۔ اُن کے سایہ کے نیچے سبزہ زار اور صاف مقامات
ہیں۔ باغ میں ایک نہر ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس نہر کے کنارہ پر چنار وغیرہ کے درخت
بہت ہیں۔ پہلے یہ نہر ٹیڑھی بنگڑی تھی۔ میں نے اسکو درست کروایا۔ اب بہت ہی عمدہ ہوگئی ہے۔ اس موضع کے
بہت آخر میں جنگل سے کوئی ڈیڑھ کوس بلندی کی طرف پہاڑ کے دامنہ میں ایک چشمہ ہے۔ اسکو خواجہ سیاران
کہتے ہیں۔ اس چشمہ کے اطراف میں کئی قسم کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ چشمہ کے قریب چنار کے درخت بہت ہیں
اُن کا سایہ بڑا عمدہ ہے۔ پشتہ کے اوپر جو پایان کوہ ہے وہاں بلوط کے درخت بہت ہیں۔

ان دو قطعوں کے سوا پہاڑ کی مغربی سمت میں۔ بلوط کے درخت مطلق نہیں ہوتے۔
چشمہ کے سامنے جو دشت کی جانب ہے ارغواں زار ہے۔ اس ملک میں یہی ایک
ارغوان زار ہے۔ اور کہیں نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ یہ تین قسم کے درخت تین بزرگوں کی
کرامت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو سیاران کہتے ہیں۔ اس چشمہ کی
گرد والے کی تیڑھ نکلوا کر میں نے اس کو دہ در دہ بنوا دیا۔ اس کی چاروں حدیں سیدھی
اور درست ہو گئی ہیں۔ گُل ارغوان کھلنے کے زمانہ میں اس مقام پر وہ کیفیت ہوتی ہے
کہ دنیا بھر میں کہیں نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں زرد ارغوان بھی ہوتا ہے۔ اور پہاڑ کے
دامنہ میں سُرخ ارغوان کے پھول بھی کھلتے ہیں۔ اس چشمہ کے مغرب و جنوب کے
بیچ میں ایک درہ سے پانی کا ایک جھرا جاری ہے۔ میں نے حکم دیا کہ یہاں سے ایک
نہر نکالی جائے۔ یہاں سے یہ نہر پشتہ کے اوپر سیاران کے جنوب و مغرب کی طرف
بنائی گئی۔ پشتے کے اوپر ایک گول چبوترہ بھی میں نے بنوایا۔ اس کی تاریخ کا مادّہ
”جوئے خوش“ ہاتھ آیا۔ ایک تومان لہوکر ہے۔ اس کا بڑا قصبہ مقام چرخ ہے۔
حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ العزیز یہیں کے رہنے والے تھے۔ ملّا عثمان
بھی چرخی ہیں۔ مقام سجاوند لہوکر ہی کے مواضعات میں سے ہے۔ خواجہ احمد اور
خواجہ یونس اِسی سجاوند کے رہنے والے تھے۔ چرخ میں باغات بہت ہیں لہوکر
کے اَور مقامات میں باغ نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے اوغانشال ہیں (کابل میں
اوغان شال ہی بولتے ہیں۔ غالباً یہ لفظ افغان شعار ہو جس کو اوغان شال کہنے لگے)۔
ایک مُلک غزنی ہے۔ بعض اس کو تومان کہتے ہیں۔ سبکتگین۔ سلطان محمود اور اُس کی اولاد
کا دارالسلطنۃ غزنی تھا۔ بعض اس کو غزنین بھی کہتے ہیں۔ سلطان شہاب الدین
غوری کا پایۂ تخت بھی یہی تھا۔ اس سلطان شہاب الدین کو طبقاتِ ناصری وغیرہ
تاریخوں میں معز الدین لکھا ہے)۔ یہ مُلک اقلیم سوم میں سے ہے۔ زابلستان اِسی
ملک سے مُراد ہے۔ بعض نے قندھار کو بھی زابلستان ہی میں داخل رکھا ہے۔ یہ مقام
کابل سے مغرب کی طرف چودہ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ اگر اس راستہ سے صبح سویرے ہی
چلیں تو ظہر و عصر کے مابین یا عصر کے وقت کابل میں پہنچ جاتے ہیں۔ آدینہ پور کا راستہ
تیرہ فرسنگ کا ہے۔ مگر ایسا بُرا راستہ ہے کہ ہرگز ایک دن میں طے نہیں ہو سکتا۔ یہ
ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کی ندی میں چار پانچ جھروں کے برابر پانی ہوگا۔ شہر غزنی
اور پانچ چار اور مقامات اسی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ تین چار موضعوں میں کاریز سے

سیرابی ہوتی ہے۔ کابل کے انگور سے غزنی کا انگور اچھا ہوتا ہے۔ غزنی کے خربوزے بھی کابل کے خربوزوں سے عمدہ ہیں۔ سیب بھی اچھے ہوتے ہیں۔ ان سیبوں کو ہندوستان لیجاتے ہیں۔ زراعت یہاں مشکل سے ہوتی ہے۔ جتنی زمین بوتے اور جوتتے ہیں اُس میں ہر سال نئی مٹی ڈالتے ہیں۔ لیکن کابل کی زراعت سے یہاں کی زراعت کی آمدنی زیادہ ہے۔ روئین بوئی جاتی ہے اور اُس کو ہندوستان لیجاتے ہیں۔ اہل غزنی کی آمدنی کا عمدہ اور بڑا ذریعہ روئین ہے۔ یہاں کے دیہاتی افغان اور ہزارہ قوم کے لوگ ہیں۔ کابل کی نسبت غزنی میں اکثر ارزانی رہتی ہے۔ مخلوق حنفی مذہب۔ نیک اعتقاد اور مسلمان ہے۔ ایسے لوگ ان میں بہت ہیں جو تین تین مہینے تک روزے رکھتے ہیں۔ ان کی عورتیں بڑی پردہ دار اور گوشہ نشین ہیں۔ ملا عبدالرحمن غزنی کے بڑے بزرگ شخص ہوئے ہیں۔ دانشمند آدمی تھے۔ ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے تھے۔ پرہیزگار اور متدین تھے۔ جس سال ناصر میرزا کا انتقال ہوا ہے اُسی سال اُن کا بھی انتقال ہوا ہے۔ سلطان محمود کی قبر بھی یہیں ہے۔ جہاں سلطان کی قبر ہے۔ اُس کو روضہ کہتے ہیں۔ غزنی میں روضہ ہی کا عمدہ انگور ہوتا ہے۔ سلطان محمود کی اولاد میں سے سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں بھی غزنی ہی میں ہیں۔ ان کے علاوہ اور مزارات متبرکہ غزنی میں بہت ہیں۔ جس سال میں نے کابل لیا ہے تو اُسی سال افغانستان میں کہت اور بنوں دشت کو لوٹتا مارتا مقام دکی سے ہوتا ہوا ابستارہ کے کنارہ کنارہ میں غزنی میں آیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ غزنی میں ایک مزار ہے کہ اگر اُس پر درود پڑھو تو وہ ہلنے لگتا ہے۔ میں نے جاکر اُس کو دیکھا۔ قبر ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ آخر کھُل گیا کہ وہاں کے مجاوروں کی چالاکی ہے۔ قبر کے اوپر ایک چلپہ بنایا ہے۔ جس وقت وہ چلپہ پر جاتے ہیں چلپہ ہلنے لگتا ہے۔ چلپہ کے ہلنے سے قبر بھی ہلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ جنبش ایسی ہے جیسے کشتی میں بیٹھنے والو کو کنارہ چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے مجاوروں کو وہاں سے الگ کھڑا کر دیا پھر بہتیرا درود پڑھا مگر قبر کو حرکت نہیں ہوئی۔ میں نے حکم دیا کہ چلپہ قبر پر سے اُکھیڑ ڈالو۔ اور گنبد بنادو۔ مجاوروں کو دھمکا دیا اور منع کر دیا کہ ایسی حرکت نہ کیا کرو۔ غزنی چھوٹا سا شہر ہے۔ تعجب آتا ہے کہ جن بادشاہوں کے تحت میں ہندوستان اور خراسان رہا ہے اُنہوں نے ایسی چھوٹی سی جائے کو اپنا دارالسلطنت کیوں بنایا۔ سلطان محمود غازی کے وقت میں یہاں تین چار بند تھے۔ دریائے غزنی کا ایک بڑا بند دریا سے تین فرسنگ شمال مغرب کی جانب سلطان مرحوم کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی بلندی تخمیناً

چالیس پچاس گز اور لمبائی تقریباً تین سو گز ہوگی۔ دریا کو یہاں جمع کرکے حاجت کے موافق کھیتوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ علاء الدین جہاں سوز جب اس ملک پر قابض ہوا تو اُس نے اس بند کو ویران کر دیا۔ سلطان کی اولاد کی قبریں جلا دیں۔ شہر غزنی کو اُجاڑ دیا۔ رعیت کو دھڑی دھڑی کرکے لوٹا اور قتل کیا۔ غرضکہ ویران کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ جب ہی سے یہ بند ویران پڑا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان فتح کیا اُسی سال اس بند کے بنانے کے لیے خواجہ کلاں کو بہت سا روپیہ دیکر بھیجا عنایتِ الٰہی سے امید ہے کہ پھر یہ بند تیار ہو جائے۔ دوسرا بند سخن ہے۔ غزنی کے مشرق کی طرف شہر سے کوئی دو تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہوگا۔ مدت سے یہ بھی ایسا خراب پڑا ہے کہ بننے کے قابل نہیں رہا۔ تیسرا بند سردہ ہے۔ یہ بند درست ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ غزنی میں ایک چشمہ ہے۔ اگر اس میں نجاست ڈالدو تو اُسی وقت طوفان آجاتا ہے۔ اور برف برسنے لگتی ہے۔ ایک تاریخ میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب ہندوستان کے راجہ نے سبکتگین کے زمانہ میں غزنی کو جا گھیرا تو سبکتگین نے حکم دیا کہ اس چشمہ میں نجاست ڈالدو تاکہ طوفان آجائے اور برف گرنے لگے۔ اسی ترکیب سے غنیم نے محاصرہ چھوڑ دیا۔ میں نے بہت ڈھنڈوایا مگر اس چشمہ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ غزنی اور خوارزم کی سردی جہان میں ایسی ہی مشہور ہے جیسی عراقین۔ آذربائیجان بسلطانیہ۔ اور تبریز کی۔ ایک تومان کوہ ہے۔ یہ تومان کابل کے جنوب میں۔ اور غزنی کے جنوب و مشرق کے مابین میں ہے۔ اس میں اور کابل میں بارہ تیرہ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور غزنی سے آٹھ سات فرسنگ کا۔ اس میں آٹھ گاؤں ہیں۔ یہاں کا صدر مقام کرویز ہے۔ کرویز میں اکثر تمنزلے اور چومنزلے مکان ہیں۔ کرویز کچھ مستحکم مقام نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ ناصر میرزا سے باغی ہو گئے تھے اُسکو بہت تنگ کیا۔ اس تومان کے جنوب میں پہاڑ ہے۔ جس کو کوہ ترکستان کہتے ہیں۔ پہاڑ کے دامنہ میں ایک اونچی جگہ ایک چشمہ ہے۔ شیخ محمد سلطان کی قبر یہیں ہے۔ یہاں کے باشندے افغان ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ یہاں باغات نہیں ہیں۔ ایک تومان فرمل ہے۔ جو چھوٹا سا تومان ہے۔ اس میں سیب اچھا ہوتا ہے۔ ملتان اور ہندوستان میں یہیں سے سیب لیجاتے ہیں۔ افغانوں کی سلطنت کے زمانہ میں جو شیخ زادے ملکِ ہندوستان میں چڑھے بڑھے ہیں وہ شیخ محمد سلیمان کی اولاد میں سے فرملی ہی کے رہنے والے ہیں۔ ایک تومان بنگش ہے۔ اُس میں افغان ہی افغان بستے ہیں۔ اور سب ڈاکو ہیں۔ چونکہ یہ لوگ خیرا بجی۔ توک بابی۔ بوزنی اور لندر کی طرح ایک کنارہ میں

آباد ہیں۔ اس سبب سے پورا محاصل ادا نہیں کرتے۔ مجھ کو جو فتح قندھار۔ بلخ۔ بدخشاں اور ہندوستان کے بڑے بڑے کام پیش آگئے تو ملک بنگش کے انتظام کرنے کی ذرا فرصت نہ ملی۔ خدا تعالےٰ نے تھوڑا سا اطمینان عنایت کرے تو اُس ملک کا انتظام کروں۔ اور وہاں کے ڈاکوؤں کی خبر لوں۔ کابل کے بلوکوں میں سے ایک بلوک الاسائی ہے۔ جو نجراؤ سے دو میل شرعی کے راستہ پر ہے۔ نجراؤ سے مشرق کی طرف سیدھا راستہ آتا ہے جب مقام کورہ پر پہنچتا ہے تو الاسائی میں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے پہاڑ میں سے نکل جاتا ہے۔ اس جانب گرم سیر اور سرد سیر ملک میں یہی کورہ کا پہاڑ فاصل ہے۔ اس پہاڑ میں سرے ہی پر جانوروں کی گذرگاہ ہے۔ نجراؤ کی نواح کے رہنے والے چھپ کر بہت جانور پکڑتے ہیں۔ پہاڑ سے نکلنے کے مقاموں میں جائے جائے پناہ کی جگہ بنا رکھی ہے۔ جانور پکڑنے والے ان پناہ گاہوں میں پوشیدہ ہو بیٹھتے ہیں اور پانچ چھ گز کے فاصلہ سے ایک طرف جال بچھا دیتے ہیں۔ ایک جانب جال کو کنکروں کے نیچے چھپا دیتے ہیں۔ دوسری جانب آدھے جال میں تین چار گز کی لکڑی باندھ دیتے ہیں۔ لکڑی کا ایک سرا اُس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو پتھر کی آڑ میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ شخص پتھر کی اُن دراڑوں میں سے جن کو بنا لیا ہے تاکتا رہتا ہے۔ جونہی جانور جال کے قریب آیا اور اس نے لکڑی دھر گھسیٹی۔ جانور فوراً جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس ترکیب سے بہت جانور پکڑ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ اتنے جانور پکڑتے ہیں کہ ذبح کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اس ملک میں الہ سائی کے انار کی بہت شہرت ہے۔ گو وہ کچھ عمدہ نہیں ہوتا مگر یہاں تو اس سے بہتر انار نہیں ہے۔ یہاں کے اناروں کو تمام ہندوستان میں لیجاتے ہیں۔ اس ملک کا انگور بھی بُرا نہیں ہوتا۔ نجراؤ کی شرابوں سے الہ سائی کی شراب بہت تیز اور خوش رنگ ہوتی ہے۔ ایک بلوک بدراؤ ہے۔ جو الہ سائی کے پہلو میں ہے۔ اس میں میوہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں کے پہاڑی کافر ہیں۔ غلہ کی کاشت کرتے ہیں جس طرح خراسان اور سمرقند میں جنگلی قومیں اتراک اور ایماق ہیں۔ اسی طرح اس ملک میں ہزارہ اور افغان کی قومیں ہیں۔ ہزارہ قوم میں بڑی قوم ہزارہ مسعودی ہے۔ اور افغانوں میں مہمند بھی

کابل کی آمدنی

ملک کابل کی (مع لمغانات و صحرانشین کے) جمعبندی آٹھ لاکھ شاہرخیہ تشخیص ہوئی ہے۔

اطراف کے پہاڑ اور اُسکی نبات

کابل کے مشرقی اور مغربی پہاڑ یکساں ہیں۔ اندراب۔ خوست اور بدخشاں کے سارے پہاڑ سرسبز ہیں۔ اور

اُن میں چشمے بہت ہیں۔ پہاڑوں میں۔ رمنوں میں اور ٹیلوں پر برابر گھانس پیدا ہوتی ہے اکثر ایک قسم کی گھانس ہوتی ہے۔ جس کو بوتکہ کہتے ہیں۔ یہ گھانس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ اندجان کے علاقہ میں اس گھانس کو بوتکہ اوتی کہتے ہیں ہم کو اسکی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اس ملک میں معلوم ہوئی۔ چونکہ اس گھانس میں بوتہ نکلتا ہے اس لیے اسکو بوتہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی حصار۔ ختلان۔ سمرقند۔ فرغانہ۔ اور مغلستان کی طرح ایلاق ہیں۔ اگرچہ فرغانہ اور مغلستان کے ایلاقوں سے ان ایلاقوں کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ مگر اُسی طرح سے پہاڑ اور ایلاق ہیں۔ بجزاد۔ کوہستان لمغانات۔ سوات اور بجور میں انار۔ چلغوزہ۔ زیتون۔ بلوط اور جنجک کثرت سے ہوتا ہے۔ وہاں کی گھانس اس پہاڑ کی گھانس کے برابر نہیں ہے۔ وہاں گھانس ہوتی تو بہت ہے اور اونچی بھی ہوتی ہے مگر کس کام کی۔ گھوڑوں اور بکریوں کو ذرا موافق نہیں ہوتی۔ یہاں کے پہاڑ وہاں کے پہاڑوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور حقیر نظر آتے ہیں۔ مگر بڑے مضبوط پہاڑ ہیں۔ ان کے پشتے صاف اور ہموار ہیں۔ سارے پشتے اور پہاڑ پتھریلے ہیں۔ گھوڑا کہیں نہیں چل سکتا۔ ان پہاڑوں میں ہندوستان کے جانور جیسے طوطا۔ مینا۔ مور۔ لوجا۔ بندر۔ نیل گائے اور کوتہ پائے بہت ہوتے ہیں۔ ان جانوروں کے علاوہ اور قسم کے چرند و پرند ہوتے ہیں جو ہندوستان میں سُنے بھی نہیں گئے۔

کابل کے مغرب کے پہاڑ میں درہ زندان۔ صوف۔ گرزوان اور غرجستان ہے۔ یہ سارے پہاڑ ایک روش کے ہیں۔ یہاں گھانس کے رمنے میدانوں میں ہوتے ہیں۔ اُن پہاڑوں کی طرح پہاڑ اور پشتہ میں گھانس نہیں پیدا ہوتی۔ ویسی سبزہ زار بھی ان میں نہیں ہے یہاں کی گھانس گھوڑوں اور بکریوں کو موافق ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں ہموار اور گھوڑے دوڑانے کے قابل ہیں۔ یہیں کھیتیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان پہاڑوں میں ہرن بھی بہت ہوتے ہیں۔ دریاؤں کے بہنے کی جگہ مضبوط دروں میں سے ہے۔ اکثر مقامات ایک ہی طرح کے ہیں۔ ہرجائے سے نیچے نہیں اُتر سکتے۔ یہ عجب تماشہ ہے کہ سارے پہاڑوں میں تو پہاڑ کی چوٹیاں مضبوط ہوتی ہیں اور یہاں پشتے مضبوط ہیں۔ غور۔ کرتو اور ہزارہ کے بھی پہاڑ اسی طرز کے ہیں۔ میدانوں وغیرہ میں گھانس ڈھیروں ہوتی ہے۔ یہاں درخت کم ہیں جنگل کی لکڑی اچھی نہیں ہوتی۔ گھانس گھوڑوں اور بکریوں کو سزاوار ہے۔ ہرن کی کثرت ہے۔ ان پہاڑوں کے مضبوط مقام ان کے پشتے ہیں۔ یہ پہاڑ ویسے پہاڑ نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ خواجہ اسمٰعیل دوست۔ دکی اور افغانستان کے پہاڑ ہیں۔ یہ بھی سب ایک ڈھنگ کے ہیں۔ سب نیچے نیچے ہیں۔ ان میں گھانس کم ہوتی ہے۔ اور پانی ناقص۔ درخت کا نام نہیں۔ بدنما

اور بیکار پہاڑ ہیں۔ یہ پہاڑ وہاں والوں کے بہت مناسب ہیں۔ چنانچہ یہ مثل مشہور ہے۔ "لولما غوبچہ قوس لماس"۔ دنیا میں ایسا بیہودہ پہاڑ کم ہوگا۔ کابل میں سردی تو شدت کی ہوتی ہے۔ اور برف خوب پڑتی ہے۔

ایندھن

مگر ایندھن بھی اتنا قریب ہے کہ ایک دن میں آجاتا ہے۔ وہاں کا ایندھن جنجک بلوط۔ بادامچہ اور قرقند کی لکڑی کا ہوتا ہے۔ ان سب میں جنجاب بہت عمدہ ہے۔ اس کی لکڑی دھڑ دھڑ جلتی ہے۔ اس کے دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ چنگاریاں دیر تک سُلگتی رہتی ہیں۔ اس کی لکڑی گیلی بھی جل جاتی ہے۔ بلوط بھی اچھا ایندھن ہے۔ جلنے میں دھواں بہت ہوتا ہے۔ مگر بھڑک جاتا ہے۔ اس کا کوئلہ پائیدار ہوتا ہے۔ دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ بلوط کے درخت میں ایک عجب خاصیت ہے۔ اگر اُس کی ہری ٹہنی کو جلائیں تو سر سے پاؤں تک دھڑ دھڑ جلنے لگتی ہے۔ اور چٹ پٹ کی آواز دیتی ہے۔ اور ایک دفعہ ہی جل جاتی ہے۔ اِس درخت کا جلنا بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔ بادامچہ کی سب سے زیادہ کثرت ہے۔ اس کے جلانیکا رواج بہت ہے۔ اس کے کوئلہ کی آگ نہیں ٹھیرتی۔ قرقند کی لکڑی پر چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ گیلی سوکھی برابر جلتی ہے۔ غزنی میں اِسی کا ایندھن ہوتا ہے۔

خاص نواح شہر کابل کے پہاڑ

کابل کا شہر جن پہاڑوں میں واقع ہے وہ پہاڑ توراور بیچہ کے پہاڑوں جیسے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بہت مقام پر صاف اور چٹیل میدان ہیں۔ انہی میں اکثر گاؤں آباد ہیں۔ یہاں ہرن کا شکار کم ہے۔

جانور

تیر کے مہینے میں اور بہار کے موسم میں جہاں قشلاق اور ایلاق معین کرتے ہیں اُنکے راستوں میں لال ہرنوں کی ڈاروں کی ڈاریں ہوتی ہیں۔ شوقین لوگ سیلے ہوئے شکاری کُتوں کو لیجاتے ہیں اور ڈاروں کو گھیر کر شکار کھیلتے ہیں۔ سرخاب اور خاص کابل کی نواح میں گورخر بھی ہوتا ہے۔ سفید ہرن بالکل نہیں ہوتا۔ غزنی میں سفید ہرن کثرت سے ہوتے ہیں سفید ہرن جیسا غزنی میں فربہ ہوتا ہے ویسا کہیں کم ہوتا ہوگا۔ بہار کے موسم میں کابل نہایت عمدہ شکارگاہ ہے۔ پرند جانوروں کی ٹھیکی دریائے باران کے کنارہ پر ہے۔ اس لیے کہ مشرق کی طرف بھی تمام پہاڑ ہیں اور مغرب کی طرف بھی۔ اسی دریائے باران کے کنارے کے سامنے ایک بڑا پہاڑ ہے جس کو ہندوکش کہتے ہیں۔ سوائے اِس کے اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی طرف سے جانوروں کا گزر ہوتا ہے۔ اگر ہوا ہوتی ہے یا ہندوکش پہ کچھ ابر ہوتا ہے تو جانور نہیں اُڑ سکتے۔ سب کے سب دریائے باران کے میدان میں پڑے رہتے ہیں۔ اُس موقع پر یہاں والے بیشمار جانور پکڑتے ہیں۔ دریائے باران کے کنارہ پر جاڑے کے آخر میں مرغابیاں

بہت آتی ہیں۔ جو خوب موٹی تازی ہوتی ہیں۔ پھر کلنگ اور قرقرے وغیرہ بڑے بڑے جانور بیحد آجاتے ہیں۔

دریائے باران کے کنارہ پر پرندوں اور مچھلیوں کے شکار کھیلنے کی ترکیب

دریائے باران کے کنارہ پر کلنگوں کیلیے طناب ڈالتے ہیں۔ اور طناب سے بیشمار کلنگ پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں۔ قرقروں اور حوصلوں کو بھی اسی طرح پکڑتے ہیں۔ ایسے جانور غیر مکرر ہوتے ہیں۔ اس طناب سے پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے ایک مہین رسّی جو گز بھر کی ہوتی ہے تانتے ہیں۔ رسّی کے ایک سرے پر ایک گز اور دوسرے سرے کی طرف بیلدرد کی جس کو کسی شاخ سے بناتے ہیں خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ ایک لکڑی بالشت بھر لمبی اور کلائی کے برابر موٹی لیتے ہیں۔ اس لکڑی پر اُس رسّی کو گز کی طرف سے آخر تک لپیٹتے ہیں۔ رسّی کے تمام ہونے کے بعد بیلدرد کی کو جکڑ کر باندھتے ہیں۔ پھر اُس لکڑی کو لپیٹی ہوئی رسّی میں سے نکال لیتے ہیں۔ رسی اُسی طرح لپٹی ہوئی کھوکلی رہجاتی ہے۔ بیلدرد کی کو ہاتھ میں پکڑ کر جو جانور کہ سامنے سے اُڑتے ہوئے آتے ہیں اُنکی طرف گز کو پھینکتے ہیں۔ اگر جانور کی گردن پر وہ گز پڑ گیا تو جانور اُس میں لپٹ کر پھنس جاتا ہے۔ دریائے باران کے کنارے لوگ اسی طرح جانور پکڑتے ہیں۔ مگر یوں جانوروں کا پکڑنا بڑی محنت کا کام ہے۔ اس لیے کہ برسات کی اور اندھیری راتوں میں یہ شکار کھیلا جاتا ہے۔ ان راتوں میں یہ جانور درندوں کے ڈر سے صبح تک بیقرار رہتے ہیں۔ برابر اُڑتے پھرتے ہیں۔ اور زمین سے لگے ہوئے اُڑتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں ان کے اُڑنے کا راستہ بہتے ہوئے پانی پر سے ہوتا ہے۔ چونکہ اندھیرے میں پانی چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اسلیے ڈر کے مارے صبح تک اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔ اسی موقع پر جال بچھائے جاتے ہیں۔ میں نے بھی ایک مرتبہ ایک رات جال ڈلوایا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ جانور بھی ہاتھ نہ آئے۔ صبح کو ٹوٹی ہوئی رسّیوں سمیت جابجا جانور ملے۔ اور لوگ اُنہیں لے آئے۔ دریائے باران کے شکاری اسی طرح بگلے بھی بہت سے پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں ہی کے پر کلغیوں میں لگتے ہیں۔ عراق اور خراسان میں کابل سے جو اسباب جاتا ہے اُس میں ایک یہ کلغی بھی ہوتی ہے۔ ایک گروہ غلاموں کا ہے جو شکاری ہے۔ اُس کا پیشہ یہی ہے۔ ان لوگوں کے دو تین سو گھر ہونگے۔ امیر تیمور کی اولاد میں سے کوئی شہزادہ ان غلاموں کو لایا تھا۔ یہ لوگ گڑھے وغیرہ کھود کر اُن پر جال بچھاتے ہیں۔ اور اس ترکیب سے ہر قسم کا جانور پکڑتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس مقام کے تقریبًا سارے ہی باشندے ہر طریق سے جانور پکڑتے ہیں۔

دریائے باران سے مچھلیاں پکڑنے کی ترکیبیں۔

اسی موسم میں دریائے باراّن میں مچھلی بھی آتی ہے۔ ایک تو جال ڈال کر دوسرے چَج باندھ کر بہت مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایک اس ترکیب سے پکڑتے ہیں کہ جاڑے کے موسم میں قولاّن تویردغی ایک قسم کی گھانس پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ بڑھ جاتی ہے اور اُس میں پھول لگ کر بیج آجاتا ہے تو اس گھانس کے دس بارہ گٹھے اور کوکتشیباق کے بیس تیس گٹھے دریا پر لاتے ہیں۔ اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں۔ اور پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ جونہی اُن کو پانی میں ڈالتے ہیں وہ ہی خود بھی پانی میں اُتر پڑتے ہیں۔ اور مست مچھلیوں کو پکڑنا شروع کرتے ہیں۔ اور کہیں نشیب میں جہاں مناسب ہوتا ہے چَیغ باندھ دیتے ہیں۔ چیغ باندھنا اس کو کہتے ہیں کہ اُنگلی کے برابر نال کے چھچے لیکر اُن کو چیغ کی طرح بُنتے ہیں۔ اس چیغ کو وہاں رکھتے ہیں جہاں اوپر سے پانی گرتا ہے۔ اور اُس جائے گڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کے گرد پتھر چُن دیتے ہیں۔ اس چیغ پر سے پانی گرتا ہے اور آواز کرتا ہوا نیچے آتا ہے۔ نیچے آتے ہی اوپر چڑھ جاتا ہے۔ جو مچھلیاں نیچے آتی ہیں وہ چیغ کے اوپر رہ جاتی ہیں۔ اور مست مچھلیوں کو گھیر گھیر کر اس چیغ کی طرف لاتے ہیں۔ اس ترکیب سے الغاروں مچھلیاں پکڑ لیتے ہیں۔ دریائے گل بہار۔ دریائے پرواّن اور دریائے استالف میں سے اس طرح بہت مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ لمغاناّت میں جب جاڑا ہوتا ہے تو ویسی ہی طرح سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ جس مقام پر پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے اُس کے برابر جائے جائے گڑھے کرکے چولھوں کے پایوں کی طرح پتھر اُن گڑھوں پر رکھ دیتے ہیں۔ اُن پر اور پتھر چُن دیتے ہیں نیچے کی طرف جو پانی میں ہوتی ہے ایک دروازہ سا بنا دیتے ہیں۔ اور پتھر اس طرح چُنتے ہیں کہ جو چیز اس کے اندر آجائے وہ بغیر اسی دروازہ کے کسی اور جائے سے نکل ہی نہ سکے۔ ان چُنے ہوئے پتھروں کے اوپر سے پانی بہتا ہوا جاتا ہے۔ گویا اس طرح وہ مچھلیوں کے لیے ایک گھر بنا دیتے ہیں۔ جب جاڑے کے موسم میں مچھلیوں کی حاجت ہوتی ہے تو ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے کو کھولا اور چالیس پچاس مچھلیاں ایکبارگی لے آئے۔ ایک ایسا جال بھی بچھاتے ہیں کہ کسی خاص جگہ گڑھا کھود دیتے ہیں۔ اُس کے مُنہ کے علاوہ سب طرف پرال سے باندھ دیتے ہیں۔ اور اُس کے پانی پر پتھر رکھ دیتے ہیں اُسکے دروازہ پر چیغ جیسی ایک چیز بُن کر اور اُس کے دونوں سرے ایک جائے جمع کرکے باندھ دیتے ہیں۔ اور اُس کے بیچ میں ایک دوسری چیز چیغ ہی جیسی بُن کر مضبوط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا مُنہ چیغ کے برابر ہوتا ہے۔ اور اس کی درازی اگلی چیغ سے آدھی ہوتی ہے۔ اس کا اندرونی مُنہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اس اندرونی چیغ کے بیرونی مُنہ سے مچھلی اندر آجاتی ہے۔ بڑی چیغ کی

اندورن کو ایسا کر دیتے ہیں کہ مچھلی باہر نہ نکل سکے۔ درونی چیغ کے نیچے کے درونی مُنہ کو ایسا کر دیتے ہیں کہ اُس کے اوپر سے مُنہ سے جو مچھلی آئے اندر کے مُنہ سے ایک ایک چلی جائے۔ درونی مُنہ کی لکڑیوں کے سروں کو ایک جائے کر دیتے ہیں۔ مچھلی اس مُنہ سے ہوتی ہوئی بڑی چیغ میں آجاتی ہے۔ نکلنے کے مُنہ کو تو مضبوط ہی کر دیتے ہیں۔ پھر مچھلی باہر نہیں نکل سکتی۔ اگر پلٹے بھی تو اُن سینخوں کے سبب سے جو درونی چیغ خورد میں لگادی ہیں نہیں نکل سکتی۔ جن چیغوں کا بیان کیا ہے اُن کو جب ماہی خانہ کے مُنہ پر لگاتے ہیں تو ماہی خانہ کے سر کو کھول دیتے ہیں۔ اس کا گرداولا تو جا نو لو نکی پرال سے مضبوط کر دیتے ہیں۔ بس جتنی مچھلیاں پکڑنی منظور ہوتی ہیں اسی گڑھے میں پکڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی بھاگتی بھی ہے تو چونکہ دروازہ ایک ہے اس لیے چیغ میں ہی آجاتی ہے۔ وہیں اُس کو پکڑ لیتے ہیں۔ مچھلی پکڑنے کا ایسا طریق کہیں نہیں دیکھا۔ جب میں کابل فتح کرچکا تو چند روز بعد مقیم نے قندھار جانے کی اجازت لی۔ چونکہ عہد و پیمان ہو گیا تھا اس لیے سب آدمیوں اور مال متاع سمیت صحیح سلامت اُس کے باپ اور بھائی کے پاس جانے کی رخصت دیدی۔ ان کے چلتا کرنے کے بعد کابل اُنہی امرا پر جو مہمان تھے تقسیم کر دیا۔ یہ لوگ میرے ساتھ تکلیفوں اور مصیبتوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان میں سے کسی کو گاؤں کسی کو زمین وغیرہ دی گئی۔ ملک کسی کو نہیں دیا۔ کچھ اسی وقت نہیں بلکہ جس وقت خدا نے مجھ کو دولت عنایت کی میں نے مہمانوں اور اجنبی امرا وغیرہ کو بابریوں اور اندجانیوں سے بہتر سمجھا۔ مگر باوجود اس کے غضب یہ ہے کہ ہمیشہ لوگ مجھ پر طعن کرتے رہے کہ سوائے بابریوں اور اندجانیوں کے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کیا جاتا۔ خیر ترکی مثل مشہور ہے۔ دشمن کیا کچھ نہیں

اپنا اور خواب میں کیا کیا نظر نہیں آتا ؎

دروازۂ شہر را تواں بست　　　نتواں دہن مخالفاں بست

چونکہ حصار۔ سمرقند اور قندز وغیرہ سے قومیں اور قبیلے بہت سے آگئے تھے اس لیے یہی مناسب سمجھا کہ کابل تو چھوٹی سی جگہ ہے جہاں تلوار کا کام ہے۔ قلم کا کام نہیں ہے سب آدمیوں کو پرورش نہیں کیا جاسکتا۔ ان لوگوں کے اہل و عیال کو کچھ غلہ دیا جائے اور اطراف میں لشکر کشی کیجائے۔ یہ بات ٹھیرا کر کابل اور غزنی کے علاقوں سے تیس ہزار خروار غلہ تحصیل کیا۔ چونکہ کابل کی آمدنی اور پیداوار کو بے سمجھے یہ تحصیل کی اس لیے ملک میں خرابی پیدا ہو گئی۔ اسی موقع پر میں نے حصۂ بابری اختراع کیا۔ معلوم ہوا کہ ہزارہ سلطان مسعودی کے پاس گھوڑے اور بکریاں بہت ہیں۔ وہاں تحصیلداروں کو بھیجا گیا۔ چند روز کے بعد تحصیلداروں کے پاس سے

خبریں آئیں کہ ہزارہ قوم محصول نہیں دیتی اور سرکشی کرتی ہے۔ اس سے پہلے کئی بار غزنی اور کردیز کا راستہ بھی انہوں نے لوٹا تھا۔ ان وجوہات سے سلطان مسعودی کے ہزارہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور میدان کے راستہ سے راتوں رات کوتل چرخ ہوتا ہوا نماز کے وقت ہزارہ کی نواح کو جا مارا۔ خاطر خواہ لوٹ مار کے بعد وہاں سے تنگ سوراخ کے راستے اُلٹا پھر آیا۔ اور جہانگیر میرزا کو غزنی روانہ کیا۔

ہندوستان کی جانب پہلا حملہ

جب میں کابل میں آگیا تو دریا خاں کا بیٹا یار حسین بھیرہ سے میرے پاس حاضر ہوا۔ چند روز بعد میرا ارادہ فوج کشی کا ہوا۔ جو لوگ ملک کے حالات سے واقف تھے اُن سے اطراف وجوانب کا حال دریافت کیا۔ بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی۔ کسی نے بنگش کی طرف چلنا مناسب سمجھا۔ بعض نے ہندوستان کی صلاح دی۔ آخر ہندوستان پر یورش کرنے کی ٹھیری شعبان کے مہینہ میں جبکہ آفتاب برج دلو میں تھا کابل سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ بادام چشمہ اور جگدلک کے راستہ سے چھ منزلیں کرکے آدینہ پور میں جا پہنچے۔ گرم ملک اور نواح ہندوستان کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ یہاں پہنچتے ہی دوسرا عالم نظر آیا۔ چوپائے اور قطع کے۔ پرند دوسری وضع کے۔ قوموں اور قبیلوں کی رسمیں اور کچھ۔ ایک حیرت پیدا ہو گئی۔ اور حقیقت میں حیرت کی جائے ہے۔ ناصر میرزا جو پہلے سے اپنی جاگیر میں آگئے تھے آدینہ پور میں آکر اُنہوں نے ملازمت حاصل کی۔ ان کا گھر بار اور لشکر وہیں سے قشلاق کے لیے لمغانات میں آگیا تھا۔ ناصر میرزا کا لشکر اور جتنا ہمارا لشکر پیچھے رہ گیا تھا اُس کے لیے دو تین دن اس نواح میں ٹھیرنا پڑا۔ پھر سب کو ساتھ لے شاہی ندی کے انتہا کی طرف مقام قوس گنبد میں ہم اُترے۔ ناصر میرزا نے یہ کہکر کہ میں اپنے آدمیوں کو اپنی جاگیر میں سے کچھ دیدوں اور دو تین دن بعد چلا آؤں قوس گنبد سے رخصت چاہی اور وہیں رہگیا۔ میں قوس گنبد سے کوچ کرکے چشمۂ گرم پر خیمہ زن ہوا ہی تھا کہ تیکئے نامی کو جو قوم کاکیانی میں بڑا آدمی تھا اور ایک قافلہ کے ساتھ آیا تھا میرے پاس لائے۔ راستہ وغیرہ دریافت کرنے کی مصلحت سے میں نے اُس کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خیبر سے دو تین کوچ کے بعد جام میں اُترنا ہوا۔ گورک تیری کی بہت تعریف سُنی تھی۔ یہ مقام ہندوؤں اور جوگیوں کا مندر ہے۔ وہ لوگ دور دور سے آکر اِس مقام کی تیرتھ کرتے ہیں۔ سر اور ڈاڑھی مُنڈاتے ہیں۔ جام میں اُترتے ہی میں بکرام کی سیر کے لیے سوار ہوا۔ نواح بکرام کی سیر کی۔ یہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھنے میں آیا۔ ملک سعید بکرامی رہبر تھا۔ میں نے اُس سے گورک تیری کا حال

دریافت کیا۔ چھپکا ہو رہا۔ جب میں پلٹ کر لشکر کے قریب آیا تو اُس نے خواجہ محمد امین سے کہا کہ کورک تیری بکرام کے پاس ہی تھی۔ میں نے اس واسطے ذکر نہیں کیا کہ وہاں گڑھے بہت ہیں۔ وہ جائے بڑی تنگ ہے۔ اور خوفناک مقام ہے۔ خواجہ نے مجھ سے چغلی کھائی۔ اور اُسی وقت یہ حال بیان کر دیا۔ دن ہو چکا تھا۔ اور راستہ بھی دور تھا۔ میں اُس وقت نہ جا سکا۔ یہیں مشورہ کیا کہ دریائے سندھ سے عبور کریں۔ یا اور طرف سے چلیں۔ باقی چغانیانی نے عرض کیا کہ دریا سے عبور کرنا نہ چاہیے۔ یہیں کے مقامات میں سے کسی جائے ٹھیر کر کھت ایک جائے ہے وہاں چلنا چاہیے۔ وہاں کے لوگ مالدار اور آسودہ ہیں۔ وہ کئی کابلیوں کو بھی لایا۔ اُنہوں نے اُسی کے موافق بیان کیا۔ ہم نے اُسکا نام بھی نہ سُنا تھا۔ مگر جب ایک بڑے اور معتقد آدمی نے صلاح دی اور اُس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ بھی گزرانے تو دریا سے عبور کرنے کا اور ہندوستان چلنے کا قصد فسخ کر دیا۔ جام سے کوچ کر کے دریائے باران سے پار ہو محمد شیخ دامانی کے قریب آ ٹھیرے۔ اُن دنوں میں پشاور میں کاکیانی افغان تھے۔ ہمارے لشکر کے خوف سے وہ پہاڑ کے دامنہ میں جا چھپے۔ اس قوم کا سردار خسرو کاکیانی تھا۔ یہیں اُس نے آ کر ملازمت حاصل کی۔ راستہ وغیرہ دریافت کرنے کے لیے اس کو پیچھے آ کے ہمراہ کر دیا۔ آدھی رات گئے اس منزل سے چلے۔ آفتاب نکلنے تک محمد شیخ سے نکل چاشت کے وقت کھت کو جا مارا۔ گائیں اور بھینسیں بہت ہاتھ آئیں۔ بہت سے پٹھان بھی گرفتار ہوئے۔ جن کو قید رکھنا تھا اُن کو الگ کر لیا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ ان کے گھروں میں غلہ ڈھیروں تھا۔ فوج کے ایک دستہ نے دریائے سندھ کے کنارہ کو جا مارا۔ ایک رات وہ وہیں رہا۔ دوسرے دن ہمارے ساتھ آ ملا۔ باقی چغانی نے جتنا کہا تھا اتنا اہلِ لشکر کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ باقی اس سے بہت ہی شرمندہ ہوا۔ کھت میں دو شبانہ روز رہے۔ متفرق فوج کو اکھٹا کیا گیا۔ اور صلاح کی کہ اب کدھر چلیں۔ یہ بات قرار پائی کہ بنوں اور بنگش کی نواح کو لوٹتے ہوئے نغز یا فرمل کے راستہ سے پلٹ جانا چاہیے۔ دریا خاں کے بیٹے یار حسین نے جس نے کابل میں حاضر ہو کر ملازمت کی تھی استدعا کی کہ دلازاک۔ یوسف زئی اور کاکیانی قوموں کے نام فرمان لکھے جائیں کہ وہ لوگ میرے فرمانبردار رہیں۔ میں دریائے سندھ کے اُس جانب حضور کی تلوار چمکاتا ہوں۔ میں نے اُس کے موافق حکم دیدیا۔ اور کھت سے اُس کو رخصت کر دیا۔ کھت سے ہنگو یا کے راستہ سے بنگش کے اوپر کی طرف ہم چلے کھت اور ہنگو یا کے بیچ میں ایک درہ ہے جس کے دونوں جانب پہاڑ ہیں۔ راستہ درہ میں سے ہی

کوچ کرنے کے بعد درہ میں آتے ہی کھنت اور اس نواح کے سارے افغان اکھٹے ہو کر پہاڑوں پر جو درہ کے دونوں طرف ہیں آموجود ہوئے۔ لگے سواروں کو مارنے۔ اور غل مچانے۔ ملک ابوسعید بکرامی جس کو ان افغانوں کا حال خوب معلوم تھا اس یورش میں رہبر تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ یہاں سے آگے بڑھ کر سیدھی طرف ایک پہاڑ ہے۔ اگر افغان یہاں سے اُس پہاڑ پر آجائیں تو چونکہ وہ پہاڑ الگ نہیں ہیں اس لئے ہر طرف سے گھیر کر اُن کو ہم پکڑ سکتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔ افغان ہم سے لڑتے ہوئے اُسی پہاڑی پر آگئے۔ کچھ فوج کو حکم دیا گیا کہ ابھی اس گردنے کو جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ہے اپنے قبضہ میں کرلو۔ اور کچھ فوج کو حکم دیا کہ اِدھر اور اُدھر سے ہر شخص حملہ کرے اور ان افغانوں کو ان کے کردار کی سزا دے۔ جونہی ہمارے آدمیوں نے حملہ کیا وہ ہی اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ ایک وقت میں سوڈیڑھ سو افغانوں کو گھیر لیا۔ بہت سوں کے تو سر کاٹ لیے۔ اور بعض کو زندہ گرفتار کرلیا۔ افغانوں کا قاعدہ ہے کہ جب ہارتے ہیں تو غنیم کے آگے تنکا مُنہ میں لیتے ہیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارے آگے مثل تنکے کے ہیں۔ یہ رسم یہیں دیکھی۔ ہمارے سامنے بھی افغانوں نے عاجز ہو کر تنکے مُنہ میں لے لیے۔ جو زندہ گرفتار ہوئے تھے اُن کے لیے حکم دیا گیا کہ سب کو قتل کردو۔ اور اُن کے سروں سے اس منزل میں مینار چُن دو۔ دوسرے دن صبح کو یہاں سے کوچ کیا۔ اور ہنگو کی نواح میں آن اُترے۔ اس نواح کے سب افغانوں نے ایک پہاڑی پر سنگر بنا لیا تھا۔ (سنگر کا لفظ کابل میں آکر سُنا ہے۔ یہ لوگ پہاڑ پر جس جگہ کو مضبوط کرلیتے ہیں اُسکو سنگر کہتے ہیں)۔ سنگر کے پاس پہنچتے ہی افغانوں کو ہم نے مار لیا۔ سو دو سو متمردوں کے سر کاٹ دیے۔ ان سروں سے یہاں بھی مینار کھڑی کروادی۔ ہنگو سے چلے۔ اور ایک منزل کے بعد بنگش کے نیچے کی جانب بالاتنبل نام ایک جگہ ہے۔ وہاں اُترے۔ یہاں سے ہمارے لشکری اُن افغانوں کے لوٹنے اور مارنے کے لیے جو گرد نواح میں ہیں چلے گئے۔ بعض اہل لشکر ایک ہی سنگر سے جلد واپس آگئے۔ یہاں سے جو چلے تو کُدھب راستہ پر ہو لیے۔ بیچ میں ایک منزل کی۔ دوسرے دن نیچے کی طرف بہت جلد اُترے۔ تنگ اور دور و دراز راستہ سے نکل بنّوں میں پہنچے سپاہیوں اونٹوں اور گھوڑوں نے پہاڑ کی بلندی اور راستہ کی تنگی میں بیحد تکلیف اُٹھائی۔ جو مویشی لوٹی تھی وہ اکثر رہ گئی۔ شاہراہ سیدھے ہاتھ کی جانب دو کوس پر رہ گئی تھی۔ یہ راستہ سواروں کا نہ تھا۔ گڈریے مویشی کے ریوڑوں کو اس راستہ سے لیجایا کرتے ہیں۔ اسی سبب

یہ راستہ گوسفند لبیار کے نام سے مشہور ہے۔ (افغانی زبان میں راستہ کو بیار کہتے ہیں) رہبر ملک ابوسعید بکرامی تھا۔ اکثر اہل لشکر نے اس بے راہ روی کو ملک ابوسعید بکرامی کی کارروائی خیال کی۔ پہاڑ سے نکلتے ہی بنگش اور بنوں دکھائی دیے۔ یہ مقام صاف میدان ہے۔ اس کے شمال میں بنگش اور بنوں کا پہاڑ ہے۔ بنگش کی ندی بنوں سے ہوتی ہوئی آتی ہے۔ بنوں کا علاقہ اسی دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اس کے جنوب میں چوپارہ اور دریائے سندھ ہے۔ مشرق میں دینکوٹ ہے۔ مغرب میں دشت ہے جسکو داروتاک بھی کہتے ہیں۔ کرانی۔ کیوی۔ سور۔ عیسےٰ خیل اور نیازی قومونکے افغان اس ملک میں کھیت کیا کرتے ہیں۔ بنوں میں آتے ہی سُنا کہ جو قومیں میدان میں رہتی تھیں اُنھوں نے پہاڑوں میں سنگر بنا لیے ہیں۔ اور وہیں رہتی ہیں۔ جہانگیر میرزا کو افسر کرکے بھیجا گیا۔ یہ لوگ سنگر کیوی کی طرف گئے۔ اور طرفۃ العین میں اُس کو جا لیا۔ وہاں قتل عام کیا۔ بہت سے سر کاٹ لائے۔ اور بہت سا اسباب سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ بنوں میں بھی کلہ مینار چنوا دی گئی۔ اس سنگر کے فتح کرنے کے بعد کیوی قوم کا سربرآوردہ شادی خاں دانتوں میں تنکا پکڑ کر حاضر ہوا۔ قیدی اس کے حوالے کر دیے گئے۔ کھت پر چڑھائی کرنے کے وقت یہ بات ٹھیری تھی کہ بنگش اور بنوں کی نواح کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد نغزیا فرمل کی راہ سے واپس جایا جائیگا۔ جب بنوں کو لے چکے تو واقفکار لوگوں نے عرض کی کہ دشت قریب ہے۔ وہاں کے لوگ آسودہ ہیں۔ جگہ اچھی ہے۔ دشت پر حملہ کرنے اور اُسی راستہ سے چلنے کی صلاح ٹھیر گئی۔ صبح ہی وہاں سے کوچ کیا۔ اسی دریا کے کنارہ پر عیسےٰ خیل کے موضع میں اُترے۔ عیسےٰ خیل کے لوگ ہماری خبر سُنکر چوپارہ کے پہاڑوں میں بھاگ گئے تھے۔ اس موضع سے کوچ کیا۔ اور چوپارہ کے پہاڑ کے دامنہ میں جا اُترے۔ فوج کا ایک دستہ پہاڑ میں گیا۔ اور عیسےٰ خیل کے ایک سنگر کو اُس نے فتح کر لیا۔ بکریاں اور اسباب وغیرہ لوٹ لایا۔ اسی رات کو عیسےٰ خیل افغانوں نے شبخون مارنا چاہا۔ اس یورش میں احتیاط جو بہت کیجاتی تھی تو دشمن کچھ نہ کرسکے۔ اتنی احتیاط کیجاتی تھی کہ برانغار، جرانغار۔ قول اور ہراول جہاں اُترتا تھا ہر شخص مسلح اور پیادہ ہوکر لشکر کے گرد خیموں سے ایک تیر کے فاصلہ پر رات کو پہرا کرتا تھا۔ ہر رات کو اسی طرح سارے لشکر والوں کو باہر رہنا پڑتا تھا۔ سپاہیوں میں سے تین چار کو مشعلیں دیکر رات بھر باری باری سے لشکر کے گرد پھرایا جاتا تھا۔ میں بھی گشت لگاتا تھا۔ یہ حکم تھا کہ جو نہ نکلے اُس کی ناک کاٹ کر لشکر میں تشہیر کردو۔ برانغار میں جہانگیر میرزا۔ باقی چغانیانی۔ شیرم طغائی۔ سید حسین اکبر وغیرہ تھے۔ برانغار میں میرزا خان۔ عبدالرزاق میرزا اور قاسم بیگ وغیرہ تھے۔ قول میں

کوئی بڑا امیر نہ تھا۔ سب مصاحب ہی تھے۔ ہراول میں سید ایشک آقا۔ بابا اوغلی اور اللہ قلی تھا۔ لشکر کے چھ حصے کردیے تھے۔ ہر حصہ ایک رات دن تک نگاہبانی کرتا تھا۔
اس دامنہ سے مغرب کی طرف چلے۔ چونکہ دشت میں کوئی دریا ایسا نظر نہ آیا جسمیں پانی ہو اس لیے ایک خشک تالاب کے کنارہ پر اُترے۔ لشکر والوں نے ترائی کو کھود کھود کر اپنے گھوڑوں اور مویشی کے پینے پانی نکالا۔ یہ ایسا مقام ہے کہ گز یا ڈیڑھ گز کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اسی ترائی پر منحصر نہیں ہے۔ ہندوستان کی تمام ندیوں کے کناروں کا یہی حال ہے کہ گز بھر یا ڈیڑھ گز کھودا اور پانی نکل آیا۔ ہندوستان میں یہ عجیب بات ہے کہ سوائے دریا کے پانی نہیں جاری رہتا۔ اور اس کی ندیوں کے کناروں پر اسی طرح پانی نزدیک نکل آتا ہے۔ اس خشک ندی سے صبح ہی کوچ کیا۔ ظہر کے وقت دشت کے ایک موضع میں صرف جریدہ سوار پہنچے۔ کچھ فوج وہاں سے لوٹنے کے لیے گئی۔ اسباب مویشی اور سوداگروں کے گھوڑے لوٹ لائی اس رات کو صبح تک اور صبح سے دوسری شام تک لشکر کی بہیر۔ باربرداری کے اونٹ اور پیدل سپاہی سب آگئے۔ آج جو یہاں قیام کیا تو فوج کا ایک دستہ دشت کے دیہات میں گیا۔ اور بہت سی بکریاں وغیرہ لوٹ کر لایا۔ افغان سوداگروں کو مارکر بہت سا کپڑا۔ دوائیں۔ قند۔ مصری اور کھانے کا اسباب بھی لایا۔ افغانی سوداگروں میں خواجہ خضر نوخانی ایک مشہور اور بڑا سوداگر تھا۔ سیدی مغل نے اُس کو مارا اور وہ اُسکا سر کاٹ لایا۔ شیرم طغائی فوج کے پیچھے گیا۔ ایک افغان سے اُس کی مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ اُس نے ایک تلوار ماری جس سے اُس کی کلمہ کی اُنگلی کٹ گئی۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ دشت میں بمقام تیرک کے نزدیک اُترتا ہوا۔ وہاں سے چلے۔ اور دریائے کوتل کے کنارے پر ٹھیرے۔ دشت سے مغربی جانب دو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک سنگ سوراخ والی ہے جو تیرک سے قرمل کو آتی ہے۔ دوسری دریائے کوتل کے کنارے کنارے تیرک کو چھوڑتی ہوئی قرمل ہی کو آجاتی ہے۔ بعض نے کوتل والے راستہ ہی کو اچھا سمجھا۔ جس دن سے ہم دشت میں آئے کئی بار متواتر بارش ہوئی۔ دریائے کوتل خوب چڑھ گیا تھا۔ چنانچہ بڑی مشکل سے گھاٹ کی تلاش کی۔ اور ہم پار اُترے۔ جو لوگ راستہ سے واقف تھے اُنھوں نے عرض کی کہ کوتل کے رستہ میں اسی ندی سے کئی جائے اُترنا پڑیگا۔ سچ یہ ہے کہ اگر ایسا ہی چڑھاؤ ہے تو بڑی مشکل ہے۔ اس راستہ میں بھی تردد پیدا ہوا۔ ابھی کوئی بات قرار

نہیں پائی تھی کہ دوسرے دن کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ میرا خیال تھا کہ سر سواری اس بات کو ٹھیرالیں گے کہ کونسے راستہ سے چلنا چاہیے۔ عیدالفطر کا دن تھا۔ میں غسل کرنے لگا۔ جہانگیر میرزا اور امرا آپس میں گفتگو کرنے لگے بعض کہنے لگے کہ کوہِ غزنی جس کو کوہ مہتر سلیمان بھی کہتے ہیں دشت اور دوکی کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کی بینی گاہ سے جاسکتے ہیں۔ اگرچہ دو ایک منزل کی زیادتی ہے مگر راستہ سیدھا ہے۔ سب کی یہی رائے ہوئی۔ بینی گاہ کی طرف ہولیے۔ میرے نہانے سے فارغ ہونے تک اہلِ لشکر بینی گاہ کے برابر پہنچ گئے۔ اکثر دریائے گومل سے پار بھی ہوگئے تھے۔ راستہ سے واقفیت نہ تھی اُس کی دوری اور نزدیکی کو بے جانے بوجھے بیوقوفوں کی باتوں میں آکر ہم اس راستہ میں چلے آئے۔ عید کی نماز دریائے گومل پر پڑھی۔ اُس سال نوروز عید کے قریب ہی ہوا۔ صرف ایک دن کا فرق رہا۔ دریائے گومل کو چھوڑ جنوب کی طرف پہاڑ کے دامنہ میں چلے۔ کوئی دو کوس چلے ہونگے کہ تھوڑے سے افغان جن کے سر پر قضا کھیل رہی تھی دامنۂ کوہ میں جو پشتہ تھا اُس پر نمودار ہوئے۔ ہم نے اُن کی طرف گھوڑے ڈالے۔ بہت سے تو بھاگ گئے۔ اور کچھ نادانی سے چھوٹی پہاڑیوں پر جو دامنہ اور کمر کوہ میں تھیں ڈٹ گئے۔ ایک افغان ایک ٹیکری پر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری طرف نہ میدان تھا نہ جانے کا راستہ تھا۔ سلطان علی چناق اُدھر لپکا۔ اور اُس سے گتھ کر اُسے پکڑ لیا۔ قتلق قدم ایک افغان سے بھڑا۔ دونوں لپٹ گئے۔ اور لپٹے ہوئے دس بارہ گز پر جا پڑے۔ آخر قتلق قدم نے اُس کا سر کاٹ لیا۔ ایک پہاڑی پر کتہ بیگ کی ایک افغان سے مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ دونوں لپٹے ہوئے پہاڑ پر سے آدھے پہاڑ تک لڑھکتے ہوئے آئے۔ کتہ بیگ نے بھی اس کا سر کاٹ لیا۔ ان افغانوں میں سے بہت سے گرفتار ہوئے تھے۔ سب کو چھوڑ دیا گیا۔ دشت سے کوچ کیا۔ اور کوہ سلیمان کے دامنہ کو پکڑ کر جنوب کی طرف چلے۔ تین منزل کے بعد ایک چھوٹے سے قصبہ میں جو دریائے سندھ کے کنارہ کے بیلہ میں ہے اور ملتان سے متعلق ہے پہنچے۔ وہاں والے کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار ہوگئے۔ کچھ تیر کر بھی نکل گئے۔ اس گاؤں کے سامنے ایک ٹاپو تھا۔ جو لوگ بھگدڑ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ اُس ٹاپو میں نظر آئے۔ اہل لشکر اکثر مع گھوڑے اور ہتھیار دریا میں کود پڑے۔ کچھ تو تیر کر پار ہوگئے اور کچھ آدمی ڈوب گئے۔ میرے آدمیوں میں سے ایک قل احمد ارواق۔ ایک مہتر فراش اور جہانگیر میرزا کے آدمیوں میں سے ایک قاتی ماس ترکمان ڈوب گیا۔ اس ٹاپو میں سے کچھ کپڑا اور اسباب فوج کے ہاتھ لگا۔

اس نواح کے سارے رہنے والے کشتیوں میں بیٹھ دریائے سندھ سے اُس طرف چل دیے۔ جو لوگ اس ٹاپو کے سامنے سے نکلے تھے اس بھروسے پر کہ دریا کا پاٹ بڑا ہے تلواریں ہاتھ میں لے کنارہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور تلوار کے ہاتھ پھینکنے لگے ہماری فوج میں سے جو لوگ اُس ٹاپو کی طرف گئے تھے اُن میں سے قل بایزید بکاول اکیلا گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار اُن کے مقابلہ کے لیے دریا میں کود پڑا۔ ٹاپو کے اُدھر کا دریا دو حصے تھا اور اِدھر کا ایک حصہ۔ قل بایزید اپنے گھوڑے کو تیرا کر اُنکے مقابلہ میں ٹاپو سے ایک تیر کے فاصلہ پر جا پہنچا۔ پانی خناف زین تک ہوگا۔ تھوڑی دیر یہ ٹھیرا۔ غالباً اس نے اپنا اسباب درست کیا ہو۔ اس کے پیچھے کوئی کمک کو نہ پہنچا اور کمک کے پہنچنے کا اُس کو احتمال بھی نہ تھا۔ وہیں سے جھپٹ کر وہ اُن لوگوں کے سر پر جا دھمکا۔ دو تین ہی تیر مارے ہونگے کہ وہ لوگ بھاگ نکلے۔ سچ یہ ہے کہ اکیلے آدمی نے بلکمک کے دریائے سندھ جیسے دریا سے تیر کر جو غنیم کو بھگا دیا اور اُس کی جائے پر قبضہ کر لیا تو بڑا مردانہ کام کیا۔ دشمنوں کے بھاگنے کے بعد لشکر والے جا پہنچے۔ اُن کا کپڑا۔ مویشی اور اسباب لوٹ لائے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اُس کی خدمت اور بہادری کے جلدو میں جو اس سے کئی بار ظاہر ہوئی تھی اُس پر عنایت کی گئی تھی۔ اور باورچی گری سے اپنے خاصہ کی بکاولی کے مرتبہ پر میں نے اُسے پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کارگزاری سے مجھے اس کا پورا خیال ہو گیا۔ اور میں نے اُس پر پوری عنایت کی۔ چنانچہ آگے اس کا بیان آئیگا۔ فی الواقع وہ قابلِ رعایت و پرورش ہی تھا۔ یہاں سے کوچ کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر والوں نے متواتر حملوں میں اپنے گھوڑے تھکا دیے۔ وہاں کا مال بھی کچھ مال نہ تھا۔ نری گائیں گائیں تھیں۔ دشت میں تو کہیں سے بکریاں اور کہیں سے کپڑا وغیرہ اہلِ لشکر کے ہاتھ آیا بھی تھا۔ مگر دشت سے نکل کر سوائے گایوں کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ دریائے سندھ کے اس کنارہ کے سفر میں یہ حال ہوا کہ تین تین سے چار چار سے گائیں ایک ایک سپاہی کے پاس ہو گئیں۔ مگر جیسی لائے تھے زیادتی کے سبب سے ویسی ہی چھوڑ دینی پڑیں۔ تین منزل تک اسی دریا کے کنارہ پر چلنا ہوا۔ تین منزل کے بعد مزار پیر گاؤں کے سامنے دریائے سندھ سے علٰحدہ ہوئے۔ مزار پیر گاؤں میں اُترے۔ چونکہ بعض سپاہیوں نے وہاں کے مجاوروں کو ستایا تھا اس حیلے میں نے اُن میں سے ایک کو یہ سزا دی کہ ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ ہندوستان میں یہ مزار بہت متبرک ہے۔ اُس پہاڑ کے دامنہ میں ہے

جو کوہ سلیمان سے ملا ہوا ہے۔ یہاں سے کوچ کیا اور پہاڑ کے اوپر اُترے۔ یہاں سے چل کر ایک گاؤں میں جو ملک دُوکی کے علاقہ میں ہے فروکش ہوئے۔ اس منزل سے چلنے کے وقت شاہ بیگ کا ملازم فاضل کوکلتاش نام جو مقام اسوی کا داروغہ تھا بیس٢٠ سپاہیوں کے ساتھ قراولی کے لیے آیا تھا۔ اُس کو پکڑ لائے۔ اُس وقت تک اُس سے بگاڑ نہ تھا۔ ہتھیار اور گھوڑوں سمیت اُس کو چھوڑ دیا گیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے چوپالی کے قریب جو دُوکی کے علاقہ میں ہے آن اُترے۔ دریائے سندھ کے اُس طرف اگرچہ دریا کے کنارہ کے پاس بے آرام اور لڑتے بھڑتے رہے مگر گھوڑوں کے لیے دانہ گھانس کی کمی نہ تھی۔ گھوڑے بھوکے نہ رہے۔ دریائے سندھ سے بیر گاؤں کی طرف آئے تو سبز گھانس نہ ملی۔ اور جہاں دو تین منزلوں میں خوید زار تھا وہاں دانہ مطلق میسر نہ ہوا۔ انہی منزلوں سے گھوڑے تھکنے لگے۔ چوپالی سے چل کر جو منزل کی تو باربرداری کے جانور نہ ہونے سے میرا خیمہ وہیں رہ گیا۔ اسی منزل میں رات کو بارش ایسی ہوئی کہ چھولداریوں میں ساق تک پانی چڑھ گیا۔ کمبلوں کو بچھا بچھا کر اُن پر بیٹھے۔ ساری رات یونہی تکلیف سے گزر کر صبح ہوئی۔ دو ایک منزل کے بعد جہانگیر میرزا نے میرے کان میں کہا کہ مجھے کچھ علیحدہ عرض کرنا ہے۔ میں علیحدہ ہو گیا۔ کہنے لگا کہ باقی چغانی نے آکر مجھ سے کہا ہے کہ بادشاہ کو تو سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے پار چلتا کر دیتے ہیں اور تم کو تخت پر بٹھا دیتے ہیں۔ میں نے کہا اور کون کون اس مشورہ میں شریک تھا؟ اُس نے کہا اس وقت تو مجھ سے باقی بیگ ہی نے کہا ہے۔ اوروں کا حال مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ اوروں کو بھی تحقیق کرو۔ غالباً سید حسین اکبر۔ علی سلطان چہرہ اور بعض خسرو شاہی امراء وغیرہ ہونگے۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت جہانگیر میرزا نے بڑی اپنائیت برتی۔ جہانگیر میرزا نے یہ کام ویسا ہی کیا جیسا میں نے کہمرد میں کیا تھا۔ وہ بھی اسی کمبخت مردود کا اغوا اور فساد تھا۔ جب ہم اِس منزل سے چلے اور دوسری منزل میں اُترے تو لشکر والوں میں سے اُن لوگوں کو جن کے گھوڑے کام کے تھے جہانگیر میرزا کے ساتھ کیا۔ اور اُن افغانوں پر جو اس نواح میں رہتے تھے حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اسی منزل سے لشکریوں کے گھوڑے تھکنے لگے۔ بعض دن دو سو تین سو گھوڑے بیکار ہو گئے۔ اچھے اچھے سپاہی پیدل رہ گئے۔ محمد اوغلاقچی جو میری اردلی کا ایک اچھا سردار تھا اُس کے سارے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ وہ پیدل ہی آیا۔ غزنی تک گھوڑوں کا یہی حال رہا۔ تین منزل کے بعد جہانگیر میرزا افغانوں کے ایک گروہ کو لوٹ کر کچھ بکریاں لایا۔ دو ایک

منزل کے بعد ایک ٹھیرے ہوئے دریا کے پاس پہنچے۔ عجیب دریا دکھائی دیا۔ دریا کے اُس طرف کا جنگل نظر نہ آتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی آسمان سے ملا ہوا ہے۔ اُدھر کے پہاڑ اور پُشتے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے سراب کے پہاڑ اور پشتے معلق نظر آتے ہیں۔

وادیٔ کتہ داد۔ میدان زرمست اور رود غزنی کا جو پانی مرغزار قرآباغ سے ہوتا ہوا آتا ہے اور موسم بہار کی بارش کی سیلوں کا پانی جو زراعت سے بچ رہتا ہے وہ یہاں آکر جمع ہوجاتا ہے۔ کوئی کوس بھر دریا کی طرف چلے تھے کہ ایک اور عجیب تماشہ دکھائی دیا۔ یعنی اس دریا اور آسمان کے بیچ میں ہر وقت ایک سُرخ سی چیز دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب ہوجاتی ہے۔ قریب پہنچتے تک یہی نظارہ رہا۔ پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ باغلان قازیں ہیں دس بیس ہزار سے زیادہ ہونگی۔ اُڑنے اور پھڑپھڑانے کے وقت ان کے لال پر کبھی دکھائی دیتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ نہ صرف یہی جانور بلکہ ہر قسم کے جانور بیشمار اس دریا کے کنارے پر تھے۔ اُن کے انڈے ڈھیروں جابجا کنارہ پر پڑے ہوئے تھے۔ کچھ افغان ان جانوروں کے انڈے اُٹھانے آئے تھے۔ ہم کو دیکھکر بھاگے اور دریا میں کود پڑے۔ ہمارے آدمی کوس آدھ کوس اُن کے پیچھے دوڑکر چند افغانوں کو گرفتار کرلائے غرضکہ جتنا راستہ پانی میں طے کیا اُتنے راستہ میں برابر گھوڑوں کے تنگ تک پانی تھا۔ غالبًا ہموار زمین ہونے سے دریا گہرا نہ تھا۔ دشت کتہ داد کی ندی کے کنارہ پر جو ٹھیرے ہوئے دریا میں آکر ملتی ہے ہمارے ڈیرے پڑے۔ یہ ندی خشک ندی ہے۔ اس میں بالکل پانی کا نام نہیں ہوتا۔ میں کئی بار اس طرف سے گزرا ہوں۔ کبھی میں نے اس ندی میں پانی جاری نہیں دیکھا۔ لیکن اس دفعہ موسم بہار کی بارش کا یہاں اتنا پانی تھا کہ گھاٹ اصلا معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس ندی کا اگرچہ پاٹ بہت بڑا نہیں ہے مگر یہ عمیق بہت ہے۔ تمام گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا کر پار اُتارا۔ اور باقی سارے سامان کو رسّیوں سے باندھ کر کھینچا۔ یہاں سے اُترے تو کہنہ پانی کے راستہ سے ہوتے ہوئے اور سرودے کے بند سے گزرتے ہوئے غزنی میں ہم آئے۔ جہانگیر میرزا نے دو ایک روز مہمان رکھا۔ کئی بار آش کھلائی۔ بہت کچھ پیشکش کیا۔ اُس سال اکثر دریا چڑھاؤ پر تھے۔ چنانچہ دہ یعقوب کے دریا کا کوئی گھاٹ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے جو کشتی کوِل میں تیار کروائی تھی بگرامی کے سامنے دریائے دہ یعقوب میں ڈلوادی۔ اہلِ لشکر اسی کشتی میں بیٹھکر پار اُترے تھے۔ اسی سبب سے سجاو ندی کے پہاڑ سے ہوتے ہوئے کردیہ میں آئے۔ اور بگرامی سے کشتی میں بیٹھکر دریا سے پار ہوئے۔ ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ہم کابل میں آگئے۔ یوسف بیگ ہمارے

آنے سے چند روز پہلے درد قولنج میں مبتلا ہو کر مر چکا تھا۔ ناصر میرزا اپنے نوکر چاکر اور اپنی جاگیر کی خبر لینے کے لیے دو تین روز بعد حاضر ہونے کا وعدہ کرکے قوش گنبد سے رخصت ہو گیا تھا۔ جب ہم سے جُدا ہوا تو درۂ نور کے لوگوں کے کسی قدر سرکشی کرنے سے اپنی ساری فوج اُس نے درۂ نور کی طرف بھیجدی۔ درۂ نور کا قلعہ مضبوط تھا۔ بینی گاہ کوہ میں تھا۔ اور زمین شالی زار تھی جیسا کہ اوّل ذکر ہو چکا ہے۔ بس جو لشکر میرزا نے بھیجا تھا اُس کے سردار سیّد فضلی نے لشکر کی احتیاط نہ کی۔ بینی گاہ کے ایک تنگ مقام پر فوج کو منتشر کرکے بھیجدیا۔ درۂ نور والوں نے نکل کر فوراً اُس منتشر فوج کو ایسا دبایا کہ پھر وہ نہ ٹھیر سکی۔ اور بھاگ ہی نکلی۔ ان کے بہت لوگوں کو قتل کرکے گھوڑے اور ہتھیار اُنہوں نے لے لیے۔ جس لشکر کا سردار فضلی ہو اُس کا حال ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یا تو اس وجہ سے یا یہ کہ ناصر میرزا کے دل میں بدی آگئی۔ ہمارے پیچھے وہ نہ آیا اور رہ گیا۔ ایوب کے بیٹے یوسف اور بہلول جو شرارت۔ فتنہ پردازی۔ غرور اور تکبر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اُن میں یوسف کو النگار اور بہلول کو علیشنگ دیدیا گیا تھا۔ یہ دونوں بھی اپنے علاقوں کا انتظام کرکے ناصر میرزا کے ساتھ آنیوالے تھے۔ ناصر میرزا جو نہ آیا تو یہ بھی نہ آئے۔

اس جاڑے میں ایک مرتبہ ترکلانی کے افغانوں پر یورش کے لیے گیا۔ جتنے گروہ اور قبیلے اوپر کی طرف نیکنہار اور لمغانات سے آئے تھے اُن کو اُن کے دیہات کی طرف روانہ کیا اور میں خود آب باراں کے کنارہ پر آگیا۔ جس زمانہ میں ناصر میرزا دریائے باران کی نواح میں تھا اُس زمانہ میں اُس کو معلوم ہوا کہ بدخشانیوں نے اُزبکوں کو قتل کر ڈالا۔ اور سب ناصر میرزا کی طرف متفق ہو گئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیبانی خاں نے قندز قنبر علی کو دیدیا اور آپ خوارزم چلا گیا۔ قنبر علی نے محمد مخدومی کے بیٹے محمود کو بدخشانیوں کی استمالت کے لیے بدخشاں بھیجا۔ مبارک شاہ نے جو شاہان بدخشاں کی اولاد سے تھا بغاوت کی۔ اور مخدومی کے بیٹے کا مع چند اُزبکوں کے سر کاٹ لیا۔ قلعۂ ظفر کو جو پہلے شاق شور مشہور تھا ایک مضبوط قلعہ بناکر درست کر لیا۔ اور اُس کا نام قلعۂ ظفر رکھا۔ ایک شخص محمد قورچی خسرو شاہ کے قورچیوں میں سے تھا وہ خلیکان کا حاکم تھا۔ اُس نے روستاق صدر میں شیبانی خاں کو تھوڑے سے اُزبکوں سمیت قتل کر دیا۔ اور خلیکان کا انتظام کر لیا۔ ایک اُوزراغی نے جو امرائے شاہان بدخشان میں سے تھا زراغ میں بغاوت اختیار کی جہانگیر ترکمان خسرو شاہ کے بھائی ولی کا نوکر تھا وہ اس تباہی میں علٰحدہ ہوا۔ اور تھوڑے سے بھاگے ہوئے سپاہیوں وغیرہ کو لے ایک جانب کو بھاگ گیا۔ ناصر میرزا نے یہ خبریں سنکر

بدخشاں کی ہوس میں جذبۂ بے عقل اور کوتاہ اندیشوں کے اغوا سے اُن قوموں کو جو اُدھر سے آئی تھیں اُسی جانب مع اُن کے گھربار کے چلتا کیا۔ اور خود شیرتو اور درۂ آب کے راستہ سے اُس طرف روانہ ہوا۔ خسروشاہ اور احمد قاسم جو آجر سے بھاگ کے خراسان کی جانب جاتے تھے اثنائے راہ میں بدیع الزمان میرزا اور ذوالنون بیگ سے ملے۔ یہ سب ہری میں سلطان حسین میرزا پاس پہنچے۔ یہ لوگ میرزا سے مدتوں باغی رہے ہیں۔ طرح طرح کی بے ادبیاں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ میرزا کے دل پر ان کی طرف سے کیسے داغ ہونگے مگر سب میرے سبب سے اُس ذلت و خواری کے ساتھ جا کر میرزا سے ملے۔ کیا میں نے خسروشاہ کو اُس کے آدمیوں سے جُدا کرکے ایسا عاجز نہیں کیا؟ کیا میں نے ذوالنون کے بیٹے مقیم سے کابل نہیں چھینا؟ چاہیے تھا کہ یہ لوگ میرزا کو مُنہ نہ دکھاتے۔ بدیع الزمان میرزا تو اُن کی مٹھی میں تھا۔ اُن کے خلاف کوئی بات نہ کرسکتا تھا۔ خیر سلطان حسین میرزا نے اُن سب پر احسان کیا۔ اُن کی بُرائیاں ذرا اُن کے مُنہ پر نہ رکھیں۔ اور اُن کو انعام دیے۔ خسروشاہ نے تھوڑے دن کے بعد اپنے ملک کی طرف جانے کی رخصت چاہی۔ اور کہا کہ اگر میں جاؤنگا تو سارا ملک لے لونگا۔ چونکہ اُس کا یہ خیال لغو تھا اس لیے میرزا ٹالتا رہا۔ اُس نے مکرر رخصت چاہی۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو محمد برندق نے کیا مزے کا جواب دیا ہے۔ اُس نے کہا کہ تیس ہزار فوج اور سارے ملک پر قابض ہونے کے زمانہ میں تو نے کیا تیر مارا ہے جو اب چار سو پانسو آدمیوں سے اس ملک کو جس پر اُزبکوں کا قبضہ ہے لے سکیگا۔ غرض ہر چند نصیحت کی۔ اور معقول باتیں کیں۔ لیکن اُس کی قضا آگئی تھی۔ اُس نے ایک نہ سُنی۔ جانے ہی پر اڑ گیا۔ آخر میرزا نے اجازت دیدی۔ تین سو چار سو آدمیوں کے ساتھ سیدھا دہانہ کی سرحد میں آگھسا۔ اس موقع پر ناصر میرزا اِدھر سے بدخشاں جاتا تھا۔ خسروشاہ ناصر میرزا سے دہانہ کی نواح میں ملا۔ بدخشاں کے سرداروں نے ناصر میرزا کو تنہا بُلایا تھا۔ وہ خسروشاہ کا آنا نہ چاہتے تھے۔ ناصر میرزا نے بہت لونیاں لیں۔ مگر خسروشاہ سمجھ گیا۔ اور کوہستان کی طرف جانے پر راضی نہ ہوا۔ خسروشاہ کے دل میں تھا کہ ناصر میرزا کو کسی ترکیب سے مار کر ملک پر قابض ہوجاؤں۔ آخر حال کھُل گیا۔ اشکمش کی نواح میں دونوں سانوڈ کر آمادۂ جنگ ہوئے۔ اور الگ ہوگئے۔ ناصر میرزا تو بدخشاں کی طرف چلا گیا۔ اور خسروشاہ نے لنگ اور لاکی قوموں میں سے کچھ لوگ جمع کرلیے۔ وہ اچھے بُرے ہزار آدمیوں کے ساتھ قندز لینے کے خیال سے دو ایک فرسنگ کے فاصلہ سے خواجہ چارطاق میں آن اُترا۔ شیبانی

اندجان سے سلطان احمد تنبل کو گرفتار کرلیا۔ اور جونہی یہ حصار کی طرف چلا وہیں اس ملک کے امراء بے لڑے بھڑے بھاگ نکلے۔ شیبانی خاں حصار میں آیا۔ یہاں شیرم چہرہ کچھ فوج لیے ہوئے موجود تھا۔ گو ان کے امراء بھاگ گئے تھے مگر شیرم وغیرہ نے قلعۂ حصار کا انتظام کرلیا۔ شیبانی خاں نے حصار کا محاصرہ حمزہ سلطان اور مہدی سلطان کے ذمہ کیا۔ اور آپ قندز کی طرف آیا۔ قندز کو اپنے بھائی محمود سلطان کے سپرد کرکے خود نے بلا توقف خوارزم کی جانب حسین صوفی پر چڑھائی کی۔ ابھی یہ سمرقند نہ پہنچا تھا کہ اُسکا بھائی محمود سلطان قندز میں مرگیا۔ قندز قنبر علی کے سپرد کیا۔ خسرو شاہ کی چڑھائی کے وقت قنبر علی قندز میں تھا۔ قنبر علی نے حمزہ سلطان وغیرہ کے پاس جو حصار کی طرف رہ گئے تھے پے درپے آدمی بھیجے۔ اور اُن کو بُلایا۔ حمزہ سلطان دریائے آمویہ کے کنارہ پر آٹھیرا۔ اور اپنا لشکر مع اپنے بیٹوں اور امراء کے قندز بھیجدیا۔ اس فوج کے آتے ہی خسرو شاہ مقابلہ نہ کرسکا اور نہ تنبل حرامزادہ بھاگ سکا۔ حمزہ سلطان کی فوج نے ان کو گھیر لیا خسرو شاہ کے بھانجے احمد قاسم اور شیرم چہرہ وغیرہ کو قندز میں پکڑلائے۔ خسرو شاہ کا سرکاٹ کر شیبانی خاں کے پاس خوارزم میں بھیجدیا۔ جب خسرو شاہ قندز گیا تھا تو وہاں پہنچتے ہی یہاں اُس کے نوکروں چاکروں کے اطوار جیسا اُس نے کہا تھا بدل گئے۔ اکثر لوگ خواجہ ربواج وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ میرے پاس اُسی کے ملازم زیادہ تھے۔ اُن میں سے اچھے اچھے مغل سردار کھسک گئے۔ کیونکہ اُن سب میں ایکا ہوچکا تھا۔ خسرو شاہ کے قتل کی سُنتے ہی سب ایسے دھم ہوگئے جیسے آگ پر پانی پڑگیا۔

سنہ ۹۱۱ ہجری کے واقعات

والدہ کا انتقال محرم کے مہینے میں میری والدہ قتلق نگار خانم بیمار ہوئیں۔ فصد کھلوائی۔ لیکن اچھی نہ کھلی۔ ایک خراسانی طبیب تھا۔ اُسکو سید طبیب کہتے تھے۔ خراسانی طریقہ سے اُس نے ہندوانہ دیا۔ قضا ہی آگئی تھی۔ چھ دن کے بعد پیر کے دن اُن کا انتقال ہوگیا۔ دامنۂ کوہ میں اُلغ بیگ میرزا نے ایک باغ بنایا تھا جسکا نام باغ نوروزی تھا۔ اُس کے وارثوں کی اجازت سے اس باغ میں ہفتہ کے دن جنازہ لائے۔ میں نے اور قاسم کوکلتاش نے قبر میں اُتار کر دفن کیا۔ چھوٹے خان دادا ایلچہ خان اور نانی ایسن دولت بیگم کو میں نے یہ خبر کہلا بھیجی۔ چہلم کے قریب نانی شاہ بیگم دونوں خانوں کی ماں۔ خالہ مہر نگار خانم (سلطان احمد میرزا کی بیوی) اور محمد حسین کورگان دغلت بھی آگئے

سوگ تازہ ہوگیا۔ جدائی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد آش اور کھانا پکوا کر غریب غربا کو کھلایا۔ فاتحہ دلوائی۔ دلوں کو ذرا تسلی دی اور رنج دفع کیا۔

قندھار پر یورش

ان باتوں سے فارغ ہونے کے بعد باقی چغانیانی کے کہنے سننے سے قندہار پر لشکر کشی کی۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے کرتے مرغزار توس نادر میں ہم اُترے تھے کہ مجھے تپ چڑھی۔ بڑی شدت سے بخار ہوا۔ ایسی بیہوشی اور غشی تھی کہ گھڑی گھڑی مجھے چونکاتے تھے اور پھر آنکھ بند ہوجاتی تھی۔ پانچ چھ دن بعد ذرا افاقہ ہوا۔ اسی اثنا میں ایسا زلزلہ آیا کہ قلعہ کی فصیل۔ شہر کے مکانات اور پہاڑوں کی چوٹیاں اکثر جائے سے منہدم ہوگئی تھیں۔ لوگ تہ خانوں میں اور کوٹھوں پر مرے کے مرے رہ گئے۔ موضع لمغان کے تمام گھر مسمار ہوگئے۔ ستر اسی گھر والے تہ خانوں ہی میں مر کر رہ گئے۔ لمغان اور بیگ توت کے درمیان میں ایک قطع زمین کا تھا جس کا عرض ایک کتہ باش کے برابر ہوگا۔ وہ اُڑا اور اُڑ کر ایک تیر کے پرتاب پر جا پڑا۔ استر غنج سے وہ میدان تخمیناً سات فرسنگ ہوگا۔ جہاں سے زمین اُڑی تھی وہاں سے پانی کے چشمے نکل آئے۔ زمین اس قطع سے پھٹی تھی کہ کہیں تو بہت اونچی ہوگئی تھی اور کہیں ہاتھی کے برابر نیچی ہوگئی تھی۔ شگافتہ زمین میں بعض جگہ کوئی جا نہ سکتا تھا۔ بھونچال کے وقت سارے پہاڑوں کی چوٹیوں پر غبار اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت نوراللہ طنبورچی میرے پاس بیٹھا ہوا ساز بجا رہا تھا۔ ایک اور ساز بھی تھا۔ اسی وقت اس نے دونوں ساز دونوں ہاتھوں میں لے لیے۔ مگر ایسا بے قابو ہوگیا کہ ساز آپس میں ٹکرا گئے۔ جہانگیر میرزا مقامِ تیبہ میں ایک مکان کی چھت پر تھا۔ (یہ مکان اُلغ میرزا کے تعمیر کردہ مکانات میں سے تھا)۔ زلزلہ آتے ہی وہ نیچے کود پڑا۔ خدا نے خیر کی۔ کچھ چوٹ پھیٹ نہیں آئی۔ جہانگیر میرزا کے آدمیوں میں سے ایک شخص اسی کوٹھے پر تھا۔ بالاخانہ کی چھت اُس پر گری۔ لیکن خدا نے اُس کو بھی بال بال بچا دیا۔ تیبہ کے مکان اکثر گر پڑے۔ اُس دن تینتیس دفعہ بھونچال آیا۔ اور مہینہ بھر تک ایک دو مرتبہ روز آتا رہا۔ قلعہ کی فصیل وغیرہ جو ٹوٹ گئی تھی اُس کی مرمت کے لیے امراء اور فوج کو حکم دیا گیا۔ مہینہ بیس دن میں ساری شکست و ریخت کی درستی سے لوگ فارغ ہوگئے۔ طبیعت کی بدمزگی اور زلزلہ کے سبب سے قندھار جانے کا ارادہ ملتوی ہوگیا تھا۔ صحت پانے اور قلعہ کے درست ہوجانے کے بعد یہ قصد پھر مصمم ہوگیا۔ ابھی قندھار کا رُخ نہ کیا تھا اور کوہ و صحرا میں فوج نہ بڑھی تھی کہ ایک پشتے کے نیچے اُترے اور جہانگیر میرزا وغیرہ کو بلا کر اُن سے مشورہ کیا۔ قلات پر یورش کرنی

ٹھیری۔ جہانگیر میرزا اور باقی چغانیانی نے اس یورش کے باب میں بہت اصرار کیا۔ مقام ... میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیر علی چہرہ اور کنجک باقی دیوانہ کچھ فوج سمیت بھاگنا چاہتے ہیں۔ فوراً اُن کو قید کر لیا گیا۔ شیر علی چہرہ وہ شخص تھا کہ میرے پاس اور اوروں کے پاس اس ملک میں اور اُس ملک میں طرح طرح کے فتنے اور فساد اُس نے برپا کیے تھے اُسکو قتل کر دیا گیا۔ اوروں کے گھوڑے اور ہتیار لیکر چھوڑ دیا۔ قلات میں پہنچتے ہی باوجود بے سامانی کے حملہ کر دیا۔ خواجہ کلاں کا بڑا بھائی کنجک بیگ بڑا بہادر آدمی تھا۔ کئی مرتبہ میرے ساتھ رہ کر خوب لڑا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہ بہادر قلات کے اس برج کے پاس جا پہنچا جو مغرب وجنوب میں ہے۔ قریب تھا کہ اندر گھس جائے۔ اُسکی آنکھ میں ایک تیر لگا۔ قلات فتح ہونے کے دو ایک روز بعد اسی زخم سے وہ مر گیا۔ کنجک باقی دیوانہ جو شیر علی کے ساتھ گرفتار ہوا تھا اس جرم کے بدلے میں فصیل کے نیچے پہنچتے ہی دروازے میں گھستا ہوا پتھر کے زخم سے مارا گیا۔ دو ایک سپاہی اور کام آئے۔ عشاء کے وقت تک اسی طرح لڑائی ہوتی رہی۔ اِس زور سے لڑائی ہوئی اور ہمارے جوانوں نے ایسا حملہ کیا کہ آخر قلعہ والوں نے پناہ مانگی۔ اور قلعہ حوالہ کر دیا۔ ذوالنون ارغون نے قلات مقیم کو دیدیا تھا۔ مقیم کے ملازم فرخ ارغون اور قرابو لوط چھاؤنی میں تھے۔ اپنی تلواریں اور اپنے ترکش گلے میں ڈالکر حاضر ہوئے۔ ان کے قصور معاف کر دیے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میری رائے میں ان لوگوں کے ساتھ سختی کرنی مناسب نہ تھی۔ کیونکہ اُزبک جیسا دشمن پہلو میں تھا۔ ایسے نازک وقت میں آپس والوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کرنے سے سُننے والے اور دیکھنے والے کیا کہتے۔ چونکہ یہ یورش جہانگیر میرزا اور باقی بیگ کے اصرار سے ہوئی تھی اس لیے قلات میرزا کے سپرد کرنا چاہا۔ میرزا نے انکار کیا۔ باقی نے بھی کچھ مذبذب جواب دیا۔ ہماری یہ کوشش اور کوشش بیفائدہ ہوئی۔ قلات سے جنوب کی طرف چل کر سوراخ تنگ۔ الابغ اور اُس نواح کے افغانوں کو لوٹ مار کر کابل میں ہم آگئے۔ کابل میں رات کو پہنچے تھے۔ میں قلعہ میں گیا۔ چار باغ میں طویلہ کے ڈیرے پڑ گئے۔ میرا گھوڑا۔ جیبہ اور خنجر چار باغ میں سے کوئی چُرا لے گیا۔

باقی چغانیانی کا چلے جانا اور مارا جانا

جب سے باقی چغانیانی دریائے آموکے کنارہ سے میرے ساتھ ہوا تھا اُس دن سے وہی پیر ہاں چڑھا بڑھا رہا۔ اُس سے اعلےٰ درجہ کا کوئی دوسرا سردار نہ تھا۔ اگرچہ لیاقت اور انسانیت کی ایک بات بھی اُس سے ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ بہت سی بے ادبیاں اور بُرائیاں سرزد ہوئی تھیں۔

مگر جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ جو کہتا تھا وہی ہوتا تھا۔ وہ بڑا خسیس۔ پلید۔ حاسد۔ بدباطن۔ تنگ چشم اور کج خلق آدمی تھا۔ اُس کی خسّت کا یہ حال تھا کہ جب ترمذ چھوڑ کر مع گھربار میرے ساتھ ہوا ہے تو تیس چالیس ہزار بکریاں اپنی ذات کی اُس کے پاس تھیں۔ ہر منزل میں ان کے ریوڑ میرے سامنے سے نکلتے تھے۔ میرے سپاہی اور ملازم بھوکے مرتے تھے اور وہ ایک بکری نہ دیتا تھا۔ البتہ کہمرو جاتے وقت پچاس بکریاں دی تھیں۔ ہرچند کہ مجھ کو بادشاہ جانتا تھا مگر میرے سامنے نقارہ بجاتا تھا۔ وہ کسی سے صاف نہ تھا۔ اور نہ کسی کو دیکھ سکتا تھا۔ کابل کی آمدنی چُنگی کا محصول ہے۔ یہ محصول کابل کی داروغگی اور ہزارہ کوشاک وغیرہ کی حکومت سب اُس کے پاس تھی۔ اور تمام سرکار کا مختار تھا۔ مگر اتنی رعایتوں پر بھی راضی اور خوش نہ تھا۔ اور بایںہمہ اُس کے خیالات بہت فاسد تھے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چُکا ہے۔ میں نے کبھی اُن کا خیال نہیں کیا۔ اور کوئی بات اُس کے مُنہ پر نہیں رکھی۔ اس پر بھی ناز کرتا تھا اور چلا جانا چاہتا تھا میں اُسکے ناز اُٹھاتا تھا۔ اور عذرخواہیوں سے روکتا تھا۔ اب ایک دن پھر طلبگار رخصت ہوا اُسکا ناز اور اُس کی رخصت طلبی حد سے گزر گئی تھی۔ میں بھی اُس کے افعال اور اخلاق سے عاجز ہو گیا تھا۔ میں نے رخصت دیدی۔ رخصت طلب کرنے سے بہت پچتایا۔ گھبرانے لگا۔ اب کیا ہوتا ہے۔ مجھے کہلا بھیجا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک مجھ سے خطا سرزد ہوگی ناراض نہ ہونگا۔ میں نے ملا بابا کے ہاتھ گیارہ گناہ الگ الگ کہلا بھجوائے۔ قائل ہو گیا۔ گھربار سمیت ہندوستان کی طرف جانے کی رخصت اُس کو دیدی۔ اُس کے نوکروں میں سے کچھ لوگ خیبر تک پہنچا کر واپس آئے۔ وہ باقی کا کیانی کے قافلہ کے ساتھ نیلاب سے چلا گیا۔ اس زمانہ میں محمد یار حسین (دریا خاں کا بیٹا) کجکوٹ میں تھا۔ کھتن سے میرا فرمان لے گیا تھا۔ اُس کو سند بنا کر کردہ زئی کے دیہات سے پٹھانوں کے ایک گروہ کو اور بہت سے جت اور گجرات والوں کو گھیر گھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ لوٹ مار اور قزاقی اُس کا پیشہ ہو گیا تھا۔ باقی کی خبر سُنتے ہی اُس نے راستہ روکا۔ باقی کو مع ہمراہیوں کے پکڑ لیا۔ باقی کو مار ڈالا اور اُس کی جورو کو لے لیا۔ میں نے باقی کے ساتھ کوئی بُرائی نہ کی تھی اُسی کی بُرائی اُس کے آگے آئی۔ اور اُس نے اپنے کیے کی سزا پائی ؎

تو بد کنندہ خود را بہ روزگار سپار   کہ روزگار ترا چاکریست کینہ گزار

اس جاڑے میں دو ایک بار برف پڑی۔ برف پڑنے کے زمانہ میں ہم چار باغ میں رہے

ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی

ہیں جو کابل سے چلا گیا تھا تو میرے آتے تک

ہزارہ ترکمانوں نے بہت سر اٹھایا تھا۔ اور راہ زنیاں کی تھیں۔ اُن کو سزا دینے کے لیے شہر میں آیا۔ اُلغ بیگ میرزا کی عمارتوں میں سے بستان سرا میں ٹھیرا۔ وہاں سے ماہ شعبان میں ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے سوار ہوا۔ درۂ خوش کے جنگل میں فوج وانہ کی کچھ لوگوں کو لوٹا مارا۔ درہ خوش کے قریب کھوؤں میں کچھ ہزارہ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ شیخ درویش کوکلتاش جو اکثر لڑائی جھگڑوں میں میرے ہمرکاب رہا ہے اُن دنوں میں تور بیگی کے منصب پر تھا۔ کمان خوب کھینچتا تھا۔ اور تیر اچھا لگاتا تھا۔ انہی کھوؤں کے مُنہ پہ غافل چلا آیا۔ اندر سے ایک ہزارہ نے اُس کی چھاتی میں تیر مارا۔ اُسی دن وہ مر گیا۔ اکثر ہزارہ ترکمانوں نے درۂ خوش میں قشلاق بنالیا تھا۔ ہم اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ درۂ خوش اس طرح کا درہ تھا کہ تقریباً آدھ کوس تک سکڑا تھا راستہ کمر کوہ میں سے تھا۔ راستہ سے نیچے کی جانب پچاس ساٹھ گز کی گہرائی تھی۔ اور اوپر کی طرف اسی قدر اونچائی۔ ایک سوار کا راستہ تھا۔ اس تنگ راستہ میں اُس دن دو نمازوں کے درمیان تک چلتے رہے۔ راستہ میں کوئی نہ ملا۔ ایک جائے ہم نے منزل کی۔ ایک فربہ اونٹ ہزارہ لوگوں کا ہاتھ آ گیا تھا۔ اُس کو لائے اور ذبح کیا۔ تھوڑے سے گوشت کے کباب کیے۔ اور تھوڑا سا گوشت پکایا۔ اس مزے کا گوشت کبھی نہ کھایا تھا۔ بعض کو بکری کے گوشت میں اور اُس میں کچھ فرق نہ معلوم دیتا تھا۔ دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ اُس مقام کی طرف جہاں قوم ہزارہ نے قشلاق بنایا تھا روانہ ہوئے۔ کوئی پہر بھر چلے ہونگے کہ سامنے سے ایک شخص نے آ کر کہا کہ ہزارہ لوگوں نے دریا کے ایک گھاٹ پر مضبوط لکڑیاں باندھ کر راستہ بند کر دیا ہے۔ اور وہ لڑنے کو آمادہ ہیں۔ یہ سُنتے ہی ہم چلے۔ تھوڑی دور چل کر وہاں پہنچے جس جائے ہزارہ لوگ موجود تھے۔ اُس جاڑے میں برف اتنی اونچی پڑی تھی کہ راستے ڈھک گئے تھے۔ بغیر راستہ کے چلنا مشکل تھا۔ دریائے نکاب کے کناروں پر بالکل یخ جم گئی تھی۔ اس وجہ سے ایسے دریا میں سے بغیر راستہ کے گزرنا محال تھا۔ ہزارہ لوگوں نے گھاٹ پہ بہت سی لکڑیاں کاٹ کر ڈال دی تھیں اور خود مقام نکاب میں اور دریا کے کناروں پر سوار اور پیدل لڑائی کے لیے مستعد تھے۔ محمد علی مبشر بیگ میرے اُن امیروں میں سے تھا جن کو میں نے بنایا تھا۔ بڑا بہادر اور نہایت عمدہ سپاہی تھا۔ جہاں دشمنوں نے لکڑیاں ڈال رکھی تھیں اُس طرف بڑھا۔ دشمنوں نے اُس کی گردن میں تیر مارا۔ فوراً ہلاک ہو گیا۔ چونکہ ہم نے حملہ کرنے میں بہت جلدی کی تھی اس لیے اکثر جیبہ پہنے ہوئے نہ تھے۔ دو ایک تیر میرے سر پر سے بھی گزرتے ہوئے گرے۔

احمد یوسف بیگ بار بار گھبرا کر چلاتا تھا کہ یوں ننگے کیوں گھسے جاتے ہو۔ میں نے دو تین تیر آپ کے سر پر سے جاتے ہوئے دیکھے ہیں۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں۔ ایسے تیر بہت سے میرے سر پر سے گزر گئے ہیں۔ اسی حال میں قاسم بیگ قوچین نے اُلٹے ہاتھ کی طرف دریا سے پار ہونے کا موقع دیکھا۔ اور وہ پار ہو گیا۔ اس نے تو دریا میں گھوڑا ڈالا اور ہزارہ لوگوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ آخر سب بھاگ نکلے۔ جنہوں نے اُن پر حملہ کیا تھا وہ پیچھے ہو لیے قاسم بیگ کو میں نے اسی کام کے صلہ میں بنگش کا علاقہ عطا کیا تھا۔ حاتم تور بیگی نے بھی اس موقع پر کمی نہیں کی۔ اسی سبب سے شیخ درویش کو کلتاش کی جائے تور بیگی کا عہدہ حاتم کو عنایت کیا۔ کپک قلی بابا کو محمد علی جنگ جنگ کا منصب اسی واسطے دیا کہ اُس نے بھی نمایاں کوشش کی۔ سلطان علی چناق بھاگتے ہوؤں کے پیچھے گیا تھا۔ برف کی زیادتی اور بلندی کے سبب سے راستہ طے نہ کر سکا۔ میں بھی اس فوج کے ساتھ آیا۔ ہزارہ کے قشلاقوں میں آئے۔ اُنکی مویشی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ خود میں نے چار سو پانچسو بھیڑ بکریاں اور پچیس گھوڑے جمع کیے سلطان علی وغیرہ دو تین آدمی میرے ساتھ تھے۔ اس یورش کا سپہ سالار میں تھا۔ ایسی سپہ سالاری میں نے دو دفعہ کی ہے۔ ایک تو ابکے۔ دوسری دفعہ جبکہ انہی ہزارہ ترکمانوں پر خراسان سے آکر یورش کی ہے۔ غرضکہ دستۂ فوج کو لے گیا اور بہت سی مویشی میں لوٹ لایا۔ ہزارہ کے بال بچے پا پیادہ برف دار پشتوں پر جا کھڑے ہوئے۔ ہم نے کاہلی بھی کی اور شام بھی ہو گئی تھی۔ ہم واپس آئے۔ اور اُن کے گھروں میں اُتر پڑے۔ اس جاڑے میں اتنی بلند برف پڑی تھی کہ یہاں سے باہر جانے میں گھوڑے کے خوگیر تک برف تھی۔ جو فوج گردا دلی کیلیے نکلی تھی برف کی بلندی کے سبب سے رات بھر گھوڑوں پر سوار رہی۔ صبح کو یہاں سے پلٹے اور درہ خوش میں ہزارہ لوگوں کے قشلاقوں میں رات بسر کی۔ وہاں سے جلد لک میں آئے۔ یارک طغائی وغیرہ ہمارے پیچھے آئے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جن ہزارہ نے شیخ درویش کو مارا ہے اُن کو پکڑ لاؤ۔ وہ کمبخت اجل رسیدہ ابھی تک کھوؤں میں تھے۔ ہمارے لوگ گئے۔ اور دھواں کر کے ستر اسّی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ اُن میں سے بہتوں کو قتل کر دیا اس یورش سے فارغ ہو ننگرہار سے تحصیل کرنے کے لیے اسی توغدی کی نواح میں دریائے باران کے اُس جانب ہم آئے۔ جہانگیر میرزا غزنی سے آکر اسی توغدی میں ملا۔ اسی اثناء میں تیرھویں تاریخ رمضان کی تھی کہ مجھ کو مرض قولنج سے سخت تکلیف ہوئی۔ چالیس دن تک یہ حال رہا کہ ایک کروٹ سے دوسری کروٹ لواتے تھے۔ بارے اللہ نے فضل کر دیا۔ ننگرہار کے دروں میں سے درہ لمغان میں جو خصوصاً بڑا مقام ہے اُس میں علی حسین آغا

اور اُس کا بھائی بڑے سرکش تھے۔ جہانگیر میرزا کو لشکر کا سپہ سالار کرکے اُس طرف بھیجا۔ قاسم بیگ بھی ساتھ گیا۔ یہ لشکر اُن کے سنگر پر گیا اور سنگر کو چھین لیا۔ اُن میں سے بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ قوبا کی تکلیف کے سبب سے محافہ جیسی ایک سواری بنا کر اُس میں مجھے ڈالدیا۔ اور دریا ے باران کے کنارہ سے بستان سرا میں لائے۔ اُس جاڑے میں چند روز تک میں بستان سرا میں رہا۔ اس بیماری سے ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ کلہ پر سیدھی طرف والغولی نکل آیا۔ اُس کو چیرا لگوایا۔ اور مسہل بھی لیا۔ تندرست ہو کر میں چار باغ میں آگیا۔ جہانگیر میرزا نے ملازمت حاصل کی۔

جہانگیر میرزا کی بغاوت

ایوب یوسف اور بہلول یوسف جہانگیر میرزا کے پاس جو گئے تو اُنہوں نے اُس کو بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا۔ ابکی بار جہانگیر میرزا وہ جہانگیر میرزا نہ تھا۔ چند روز کے بعد یہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اور بہت جلد غزنی میں جا پہنچا۔ باقی کے قلعہ کو جا چھینا۔ وہاں والوں کو قتل کیا۔ اور قلعہ کو لوٹ لیا۔ جس قدر فوج تھی اُس کو ہمراہ لے ہزارہ کے ملک میں سے ہوتا ہوا بامیان کی طرف روانہ ہوگیا۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ سے یا میرے آدمیوں میں سے کوئی کام اور کوئی برائی ایسی نہیں ہوئی تھی جس کے سبب سے ایسی کدورت اور بگاڑ پیدا ہو۔ آخر سُننے میں آیا کہ اس جانے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ جب جہانگیر میرزا غزنی سے آیا ہے تو قاسم بیگ وغیرہ استقبال کے لیے گئے تھے۔ میرزا نے اپنا جانور پودنے پر پھینکا۔ جس وقت جانور نے پودنے پر پنجہ مارا اور زمین پر گرایا۔ تو میرزا چلایا کہ وہ پکڑ لیا۔ قاسم بیگ نے کہا کہ جب دشمن کو اس طرح عاجز کرلیا ہے تو کیوں چھوڑنے لگا۔ اب پکڑلیگا۔ اتنا کہنا غضب ہوگیا۔ ایک تو یہ بات ہوئی۔ دوسرے اس سے بھی لغو اور بیہودہ دو ایک باتوں کو پکڑ لیا۔ پھر غزنی کا برُاد باڑا کیا۔ اور ہزارہ میں سے ہوتا ہوا قوموں میں چلا گیا۔ اُن دنوں میں قومیں ناصر میرزا سے علٰحدہ ہوگئی تھیں۔ مگر اُزبک کے پاس نہ گئی تھیں۔ اشتراب کے نیچے اور اُس نواح کے ایلاقوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہی دنوں میں سلطان حسین میرزا نے شیبانی خاں کے استیصال کا پورا ارادہ کیا۔ اپنے سب بیٹوں کو بلایا۔ مجھے بھی سید سلطان علی خواب بین کے بیٹے سید افضل کو بھیجکر بُلایا تھا مجھے خراسان جانا کئی سبب سے لازم تھا۔ ایک تو یہ کہ سلطان حسین میرزا جیسے بادشاہ نے جو امیر تیمور کا جانشین ہے اس وقت کہ شیبانی خاں جیسے دشمن کا قصد کیا ہے۔ اپنے بچوں اور امرا کو ادھر اُدھر سے اکٹھا کرکے مجھے بھی بُلاتا ہے۔ کوئی پاؤں سے جائے تو میں سر کے بل جاؤں۔ کوئی لکڑی لیکر جائے

تو میں پتھر ہی لیکر جاؤں۔ دوسرے یہ کہ جہانگیر میرزا بگڑ کر چلا گیا ہے۔ یا تو اُسکو منالوں یا کچھ تدارک کروں۔

خوارزم میں شیبانی خاں کا حسین صوفی پر حملہ کرنا اور فتح پانا

اسی سال شیبانی خاں نے خوارزم میں حسین صوفی کو جا گھیرا۔ اور دس مہینے کے محاصرہ کے بعد پکڑ لیا۔ اس محاصرہ میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ خوارزمیوں نے پرلے سرے کی بہادری کی۔ اور خوب جان لڑائی۔ ایسی تیراندازی کی کہ بارہا دشمنوں کی سپروں وغیرہ کو چھید چھید دیا۔ دس مہینے تک مقابلہ کرتے رہے۔ کہیں سے اُن کو مدد نہ پہنچی۔ کچھ نالائق اور بودوں نے ازراہ بزدلی اُزبک سے سازش کی۔ اور اُس کو قلعہ پر چڑھا لیا۔ حسین صوفی کو جو خبر ہوئی تو خود آموجود ہوا۔ اور فصیل پر چڑھنے والوں کو مار کر اُتار دیا۔ وہیں اُس کے سینہ میں تیر لگا۔ اور وہ مارا گیا۔ جب لڑنے والا نہ رہا تو قلعہ لے لیا۔ حسین صوفی پر آفرین ہے کہ مردانگی کے ساتھ مشقت کرنے اور جان کھپا دینے میں اسنے کوئی بات باقی نہ رکھی۔ شیبانی خاں نے خوارزم کبک کو دیدیا۔ اور آپ سمرقند آیا۔

سلطان حسین مرزا کا مرنا

ذی الحجہ کے مہینے میں کہ آخر سال تھا سلطان حسین میرزا نے جس وقت کہ وہ شیبانی خاں کے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر کے مقام بابا الٰہی میں آیا۔ اُس وقت اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف انتقال کیا۔

سلطان حسین میرزا کا حال

سلطان حسین میرزا ۸۴۲ھ میں مقام ہری میں پیدا ہوا۔ اس وقت شاہرخ میرزا کا عہد سلطنت تھا۔ اِسکا نسب یہ ہے۔ سلطان حسین میرزا بن منصور میرزا بن بایسنقر میرزا بن عمر شیخ میرزا بن امیر تیمور صاحبقران۔ (عمر شیخ میرزا اور بایسنقر میرزا بادشاہ نہیں ہوئے) اسکی ماں فیروزہ بیگم بھی امیر تیمور کی پوتی تھی۔ اس حساب سے سلطان حسین میرزا امیرانشاہ میرزا کا نواسہ ہوتا تھا۔ میرزا کی ننھیال اور ددھیال دونوں تیموریہ خاندان سے تھیں۔ وہ نجیب الطرفین اور خاندانی بادشاہ تھا۔ یہ دو بھائی اور دو بہنیں سگی تھیں۔ ایک سلطان حسین میرزا۔ دوسرا بایسنقر میرزا۔ تیسری آکا بیگم اور چوتھی ایک اور لڑکی۔ (جس کی شادی احمد خاں سے ہوئی تھی) بایسنقر میرزا سلطان حسین میرزا سے بڑا تھا۔ اگرچہ اُس کا نوکر تھا مگر دربار میں نہ آتا تھا۔ دربار کے علاوہ دونوں ایک مسند پر بیٹھتے تھے۔ سلطان حسین میرزا نے اُس کو بلخ کا حاکم کر دیا تھا۔ کئی برس تک وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اُسکے

تین بیٹے تھے۔ سلطان محمد میرزا۔ سلطان ویس میرزا اور سلطان اسکندر میرزا۔ آکا بیگم میرزا سے بڑی بہن تھی۔ میرانشاہ میرزا کے پوتے سلطان احمد میرزا سے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ کیچک میرزا نام۔ ابتدا میں وہ اپنے ماموں کا ملازم ہوا۔ آخر میں نوکری ترک کر دی۔ اور مطالعۂ کتاب میں مشغول ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ حکیم ہو گیا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ یہ رباعی اُسی کی ہے۔ رباعی۔

عمرے بہ صلاح می ستودم خود را ۔۔۔ در شیوۂ زہدے نمودم خود را

چوں عشق آمد کدام زہد و چہ صلاح ۔۔۔ المنۃ للہ آزمودم خود را

اس رباعی میں مُلّا کی رباعی سے مضمون لڑ گیا ہے۔ آخر میں اس نے حج بھی کیا۔ بیگہ بیگم جو میرزا کی چھوٹی بہن تھی اُس کی شادی احمد خاں بن شیر خاں سے کر دی تھی۔ اُس کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ ہری میں آ کر دونوں مدت تک میرزا کی خدمت میں رہے ہیں۔

وضع و حلیہ میرزا کا حلیہ یہ ہے:۔ چھوٹی آنکھیں۔ شیر اندام یعنی کمر نہایت پتلی۔ بڑھاپے تک چہرہ کا رنگ سُرخ و سپید تھا۔ لال اور سبز رنگ کے پشمینے کا لباس پہنتا تھا۔ ٹوپی سیاہ برّے کے پوست کی ہوتی تھی۔ یا قلپاقی۔ کبھی عید بقرہ عید کو ہلکی سی دستار سہ پیچ کھُلی ہوئی باندھ لیتا تھا۔ اور اُس میں کلغی لگا کر نماز کو جاتا تھا۔

اطوار و اخلاق اخلاق وغیرہ یہ تھے:۔ ابتدائے سلطنت میں ایسا خیال تھا کہ دوازدہ امام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بعض نے اس کو منع کیا۔ آخر اہلسنت والجماعت کے طریقہ پر سب کاروبار ہو گئے۔ وجع مفاصل کے سبب سے نماز نہ پڑھ سکتا تھا۔ روزہ بھی نہ رکھتا تھا۔ باتوں اور خوش مزاج آدمی تھا۔ خلق ذرا بڑھا ہوا تھا۔ اُس کی باتیں اُس کے خلق ہی جیسی تھیں۔ معاملات میں شرع کا لحاظ بہت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک بیٹے کو کسی شخص کے قتل کر دینے سے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر کے دار القضا میں بھیج دیا۔ بادشاہ ہونے کے بعد چھ سات برس تک تائب رہا۔ پھر شراب پینے لگا۔ اُس نے تقریبًا چالیس برس تک خراسان کی سلطنت کی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد شراب نہ پیتا ہو مگر صبوحی نہ پیتا تھا۔ اُس کے سارے بیٹوں، سپاہیوں اور اہلِ شہر کا یہ حال ہو گیا تھا کہ عیش اور فسق کثرت سے کرتے تھے۔ وہ بڑا بہادر شخص تھا۔ بارہا خود لڑا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اولادِ تیموریہ میں سے سلطان حسین میرزا کے برابر کسی نے شمشیر زنی کی ہو۔ موزوں طبیعت تھا۔ دیوان بھی اُس نے مرتب کیا تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ حسینی تخلص تھا۔ اُس کے بعض اشعار بُرے نہیں ہیں۔ البتہ میرزا کا سارا دیوان ایک ہی بحر میں ہے۔ اگرچہ

سمرا اور بڑا بادشاہ تھا لیکن بچوں کی طرح تور جانور پالتا تھا۔ کبوتر بازی کرتا تھا اور مرغ لڑاتا تھا۔

لڑائیاں

وہ کتنی لڑائیاں لڑا تھا۔ اُن لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جو دریائے گرگان کے کنارہ پر واقع ہوئے تھے دریا میں کود پڑا اور پار ہوگیا۔ ایک بار اُسنے اُزبک کی خوب خبر لی۔ ایک دفعہ سلطان ابوسعید میرزا نے محمد علی بخشی کو تین ہزار سوار کا سپہ سالار کرکے اُس پر چڑھائی کرنے کو بھیجا۔ سلطان حسین میرزا نے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ آکر اُن کو خوب مارا اور شکست دی۔ اُس کا یہ کام بڑا نمایاں کام تھا۔ ایک بار استرآباد میں سلطان محمود میرزا سے مقابلہ کرکے اُس کو زیر کیا۔ ایک اور دفعہ استرآباد ہی میں حسین ترکمان سعدلیق کو شکست دی۔ بادشاہ ہونے کے بعد مقام چنار میں یادگار میرزا کو زیر کیا۔ پھر مرغاب کے پل پر سے دفعۃً عبور کیا۔ اور باغ یاغان میں یادگار میرزا کو جبکہ وہ شراب کے نشہ میں غین پڑا ہوا تھا آن پکڑا۔ اور اسی موقع پر خراسان چھین لیا۔ آندخود اور شیرغان کی نواح میں چکیمان کے مقام پر سلطان محمود خاں سے لڑکر اُس پر غالب آیا۔ جب ابابکر میرزا نے عراق سے آکر اور قراقوینلوق ترکمانوں کو ساتھ لاکر۔ اُلغ بیگ میرزا کو تکانہ اور خمار میں شکست دے۔ کابل کو چھین لیا۔ اور پھر عراق کے خیال سے کابل کو چھوڑ براہِ خیبر خوشاب اور ملتان کی راہ سے نکل سوق میں ہوتا ہوا کرمان پر قبضہ کیا۔ اور اُس کو وہ نہ رکھ سکا تو وہاں سے خراسان میں آیا۔ خراسان میں سلطان حسین میرزا پر دفعۃً آن پڑا۔ میرزا نے اُس کو پکڑ لیا۔ ایک دفعہ پل چراغ میں اپنے بیٹے بدیع الزمان میرزا کو شکست دی۔ ایک مرتبہ قندھار کو جا گھیرا مگر فتح نہ کرسکا۔ اُلٹا پھر گیا۔ ایک بار حصار پر بھی چڑھائی کی تھی۔ اُس کو بھی بے فتح کیے پلٹ گیا۔ ایک دفعہ ذوالنون بیگ کے ملک پر چڑھ آیا تھا۔ صرف بست کے داروغہ کو شکست دی۔ اور کچھ نہ کیا۔ بست کو بھی چھوڑ کر چلا گیا۔ سلطان حسین میرزا جیسے جوانمرد بادشاہ نے ان دونوں لڑائیوں میں شاہانہ عزم کو پورا نہیں کیا۔ اور واپس چلا گیا۔ اولانگ نشین میں اپنے بیٹے بدیع الزمان میرزا کو جو ذوالنون بیگ کے بیٹے شاہ شجاع بیگ سمیت مقابل ہوا تھا شکست دی۔ اس لڑائی میں ایک عجیب اتفاقی امر واقع ہوا۔ سلطان حسین میرزا لشکر سے الگ تھا۔ اُس نے بہت سا لشکر استرآباد میں بھیجا تھا۔ جس دن لڑائی ہوئی ہے اُسی دن یہ لشکر بھی آگیا۔ ادھر مسعود میرزا حصار کو بایسنقر میرزا کے ہاتھ چھوڑ کر

سلطان حسین میرزا پاس آیا تھا۔ اُسی دن آپہنچا۔

ممالک مقبوضہ اُس کی حکومت خراسان میں تھی۔ جس کے مشرق میں بلخ۔ مغرب میں بسطام و دامغان۔ شمال میں خوارزم اور جنوب میں قندھار و سیستان ہے۔ جبکہ ہری جیسا شہر ہاتھ آیا تو پھر سوائے عیش و عشرت کے اُس کو کوئی کام نہ رہا۔ بلکہ اُس کے متعلقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو عیش و عشرت نہ کرتا ہو۔ چونکہ ملک گیری اور فوج کشی کے دُکھ سہنے کا شوق نہ رہا اس لیے اُس کے ملک اور فوج میں کمی ہوتی گئی۔ ترقی نہ ہوئی۔

اولاد اُس کے ہاں چودہ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب میں بڑا بدیع الزمان میرزا تھا۔ جس کی ماں سنجر میرزا مروی کی بیٹی تھی۔ دوسرا شاہ غریب میرزا تھا۔ یہ میرزا اگرچہ بدصورت تھا مگر طبیعت کا اُجلا تھا۔ گو جسم کا وہ حقیر تھا۔ پر اُس کی باتیں دلچسپ تھیں۔ اُس کا تخلص غربی تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ترکی، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اُس کا شعر ہے ؎

درگذر دیدم پری رُو شدم دیوانہ اش چیست نام او کجا باشد نہ دانم خانہ اش

سلطان حسین میرزا نے کئی بار اُس کو ہری کی حکومت دی تھی۔ وہ باپ کے سامنے ہی مر گیا۔ اُس کے ہاں کوئی آل اولاد نہ ہوئی۔ تیسرا مظفر حسین میرزا تھا سلطان حسین میرزا کا چاہیتا بیٹا۔ یہ اگرچہ خوبصورت تھا لیکن اُس کے اخلاق و افعال اچھے نہ تھے۔ اِس چاہت ہی کے سبب سے میرزا کے اکثر بیٹے باغی ہوتے رہتے تھے۔ ان دونوں کی ماں خدیجہ بیگم تھی۔ جو سلطان ابوسعید میرزا کی حرم تھی۔ (ابوسعید میرزا سے بھی اُس کے ہاں ایک بیٹی آفاق بیگم نام پیدا ہوئی تھی)۔ چوتھا ابوالحسن میرزا تھا۔ پانچواں کبیک میرزا اس کا اصلی نام محمد محسن میرزا تھا) یہ دونوں لطیفہ سلطان آغچہ کے پیٹ سے تھے۔ چھٹا ابوتراب میرزا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت رشید تھا۔ اپنے باپ کے اشتدادِ مرض میں اُن کے مرنے کی خبر سُنکر اپنے چھوٹے بھائی محمد حسین میرزا پاس عراق میں چلا گیا۔ وہاں ترکِ دنیا کرکے فقیر ہو گیا۔ پھر اُس کی کچھ خبر معلوم نہیں ہوئی۔ اُس کا ایک بیٹا تھا۔ سہراب میرزا۔ جس زمانہ میں میں نے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان وغیرہ کو شکستیں دیکر حصار چھین لیا ہے اُس زمانہ میں وہ میرے پاس تھا۔ وہ ایک آنکھ سے کانڑا تھا۔ اور بہت بدصورت تھا۔ اُس کے اخلاق بھی صورت ہی جیسے تھے۔ بیہودگیوں کے سبب سے میرے پاس نہ ٹھیر سکا اور چلا گیا۔ اِن بیہودگیوں ہی کے طفیل استرآباد کی نواح میں نجم ثانی نے اُس کو بڑے عذابوں سے قتل کر ڈالا۔ ساتواں محمد حسین میرزا تھا۔ اُس کو

اور شاہ اسمٰعیل صفوی کو عراق میں ایک ہی جگہ قید کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کٹا شیعہ ہو گیا تھا۔ باآنکہ اُس کے باپ بھائی سب سُنی تھے۔ لیکن وہ ایسا کٹا شیعہ ہو گیا۔ اسی حالت میں استرآباد میں وہ مر گیا۔ بہادر تو بہت مشہور تھا۔ لیکن کوئی کام اُس سے ایسا ظاہر نہیں ہوا جو لکھنے کے قابل ہوتا۔ شاعر بھی تھا۔ یہ شعر اُسی کا ہے ؎

آسودہ تو کردی زپئے صید کہ گشتی　　غرق عرقی در دل گرمی کہ گزشتی

آٹھواں فریدون حسین میرزا تھا۔ وہ کمان بڑے زور سے کھینچتا تھا۔ تیر اچھا لگاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی کمان چالیس ۴۰ ٹانک کی ہوتی تھی۔ بہادر تھا پر فتح نصیب نہ تھا جہاں لڑا وہیں پٹا۔ رباط دودر میں تیمور سلطان اور عبید سلطان سے یہ اور اس کا چھوٹا بھائی لڑا اور شکست کھائی۔ اس لڑائی میں فریدون حسین میرزا نے خوب داد مردانگی دی۔ دامغان میں فریدون حسین میرزا اور محمد زماں میرزا کو شیبانی خان نے پکڑ لیا تھا۔ مگر دونوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جب شاہ محمد دیوانہ نے قلات کو مستحکم کیا تو یہ وہاں چلا گیا۔ اور جب ازبک نے قلات کو چھین لیا تو یہ پکڑا گیا۔ اور قتل کر دیا گیا یہ تینوں منگلی بی آغچہ نام غنچہ چی کے پیٹ سے تھے۔ نواں حیدر میرزا تھا۔ اُس کی ماں پاینده سلطان بیگم ابو سعید میرزا کی بیٹی تھی۔ یہ میرزا باپ کے سامنے مشہد اور بلخ کا حاکم رہا۔ جب سلطان حسین میرزا نے حصار پر چڑھائی کی ہے تو سلطان محمود میرزا کی بیٹی (جو خانزاد بیگم کے پیٹ سے تھی) اس کے لیے لی۔ اور صلح کرکے حصار کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ اس کے ہاں ایک بیٹی شاہ بیگم نام ہوئی تھی۔ وہ کابل میں آئی۔ اور اُس کی شادی عادل سلطان سے کر دی۔ حیدر میرزا بھی اپنے باپ کے سامنے مر گیا۔ دسواں محمد معصوم میرزا تھا۔ اس کو قندھار دیا تھا۔ اسی سبب سے الغ بیگ میرزا کی بیٹی سے اس کی منگنی کر دی تھی۔ ہری میں آنے کے بعد بڑی دھوم سے شادی ہوئی۔ مکانات وغیرہ کی خوب تیاری کی گئی تھی۔ میرزا مذکور قندہار کا حاکم تو ہو گیا تھا لیکن سیاہ و سفید کا اختیار شاہ بیگ ارغون کو تھا۔ میرزا برائے نام تھا۔ اس لیے وہ قندھار میں نہ رہ سکا۔ اور خراسان چلا گیا۔ باپ کی زندگی ہی میں مر گیا۔ گیارھواں فرخ حسین میرزا تھا۔ وہ بھی چھوٹا سا ہی مر گیا۔ اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم حسین میرزا سے زیادہ جیا۔ بارھواں ابراہیم حسین میرزا تھا جو خوردسال فوت ہو گیا۔ تیرھواں شاہ حسین میرزا اور چودھواں محمد قاسم میرزا تھا۔ ان کے بیان آگے آئیں گے۔ ان پانچوں کی ماں پاپا آغچہ غنچہ چی تھی۔ سب میں بڑی بیٹی سلطانیم بیگم تھی۔ اپنی ماں کی اکلوتی تھی۔ اُس کی ماں کا نام

جوجی بیگم تھا۔ جس کا باپ امرائے اذاق میں سے ایک امیر تھا۔ سلطانیم بیگم بڑی باتون تھی۔ مگر اُس کی باتوں میں مزہ نہ تھا۔ اُس کے بڑے بھائی نے بایسنقر میرزا کے منجھلے بیٹے سلطان ویس میرزا سے اُس کی شادی کردی تھی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ لڑکی کی شادی سلطان شیبانی نے اپنے چھوٹے بھائی بول بارس سلطان سے کردی۔ اس کے ہاں محمد سلطان میرزا نام لڑکا ہوا جو آجکل میری طرف سے قنوج کا حاکم ہے۔ سلطانیم بیگم اُنہی دنوں میں اپنے اس نواسے کو لیکر ہندوستان آئی تھی۔ نیلاب میں اُس کا انتقال ہوگیا۔ اُس کی لاش کو تو لوگ لیکر واپس چلے گئے۔ اور اُسکا نواسہ میرے پاس آگیا۔ چار بیٹیاں پاینده سلطان بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ ان میں سب سے بڑی ترآق بیگم تھی۔ جس کی شادی بابر میرزا کی چھوٹی بہن بیگہ بیگم کے پوتے محمد قاسم ارلات سے کردی تھی۔ اس سے ایک بیٹی قراگوز بیگم نام پیدا ہوئی۔ اُس سے ناصر میرزا کا نکاح ہوا۔ دوسری بیٹی کیچک بیگم تھی۔ سلطان مسعود میرزا اُس پر بہت مائل تھا۔ ہرچند اُس نے شادی کرنی چاہی مگر پاینده سلطان بیگم نے قبول نہ کیا۔ آخر مُلّا خواجہ سے جو سید عطا کی نسل سے تھا شادی کردی۔ تیسری بیٹی بیگہ بیگم اور چوتھی آغا بیگم تھی۔ دونوں کی شادی پاینده سلطان بیگم نے اپنی چھوٹی بہن کے بیٹوں بابر میرزا اور سلطان مرید میرزا سے کی تھی۔ منگلی آغاچہ سے دو بیٹیاں ہوئی تھیں۔ اُن میں سے بڑی سید عبد اللہ میرزا کو جو اندخود کے سیدوں میں سے تھا اور بایسنقر میرزا کا نواسہ تھا دی۔ اُس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ سید برکہ نام جس زمانہ میں سمرقند میں نے لیا ہے اُس زمانہ میں وہ میرے ساتھ تھا۔ پھر اورگنج جا کر مدعی سلطنت ہوا۔ آخر قزلباشوں نے استرآباد میں اُس کو مار ڈالا۔ دوسری بیٹی فاطمہ سلطان بیگم تھی اسکی شادی یادگار میرزا تیموری سے ہوئی۔ پاپا آغاچہ سے تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی سلطان نژاد بیگم۔ اسکی شادی سلطان حسین میرزا نے اپنے بڑے بھائی کے چھوٹے بیٹے سکندر میرزا سے کی تھی۔ دوسری بیٹی بیگم سلطان تھی جو سلطان مسعود میرزا کو اندھا ہونیکے بعد دی تھی۔ اس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی تھی۔ اِس بیٹی کو سلطان حسین میرزا کی ایک حرم آپاق بیگم نے پالا تھا۔ ہری سے کابل میں آکر اپاق میرزا سے اسکی شادی ہوگئی۔ سلطان مسعود میرزا کو جب ازبکوں نے قتل کردیا تو بیگم سلطان بیت اللہ چلی گئی۔ اب سُنا ہے کہ وہ اور اُسکا بیٹا دونوں مکہ معظمہ میں ہیں۔ تیسری بیٹی سید میرزا نامی کو جو اندخود کے سیدوں میں سے تھا اور اسکا نام سید میرزا ہی مشہور تھا دی۔ ایک اور بیٹی عائشہ سلطان بیگم زبیدہ آغاچہ غنچہ جی کی پیٹ سے تھی۔ (یہ غنچہ جی حسین شیخ تیمور کی پوتی تھی) سلطانانِ شیبانیہ میں سے قاسم سلطان کے ساتھ

عائشہ سلطان بیگم کو بیاہ دیا تھا۔ اُس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قاسم حسین نام۔ یہ لڑکا ہندوستان میں آکر میرا نوکر ہوا۔ راناسانگا کی لڑائی میں میرے ساتھ تھا۔ میں نے اُس کو بدایوں عنایت کیا۔ عائشہ سلطان بیگم نے قاسم سلطان کے بعد بوران سلطان سے جو قاسم سلطان کے عزیزوں میں سے تھا نکاح کرلیا۔ اس سے بھی ایک بیٹا عبداللہ سلطان نام پیدا ہوا۔ آجکل یہ لڑکا میرے ہی پاس ہے۔ ہے تو خوردسال مگر خدمتگزار اچھا ہے

بیویاں وغیرہ سلطان حسین میرزا کی بیویاں وغیرہ یہ تھیں:۔ بیاہتا بیوی بیکہ سلطان بیگم سنجر میرزا مروی کی بیٹی تھی۔ بدیع الزمان میرزا اسی کے پیٹ سے ہوا تھا۔ یہ بیوی بڑی بدمزاج تھی۔ سلطان حسین میرزا کو بہت ستاتی تھی۔ سلطان حسین میرزا نے اس کی بدمزاجی سے تنگ آکر چھوڑ دیا تھا۔ اور نجات پائی تھی۔ کیا کرتا۔ میرزا حق پر تھا ؎

زنِ بد در سرائے مردِ نکو ہم دریں عالم است دوزخِ او

اللہ تعالےٰ کسی مسلمان کو ایسی بلا میں گرفتار نہ کرے۔ بدمزاج عورت تو دنیا میں نہ رہے۔ دوسری بیوی امراء اذاق میں سے چولی بیگم تھی۔ سلطانیم بیگم اسی سے ہوئی تھی۔ تیسری شہربانو بیگم ابوسعید میرزا کی بیٹی تھی۔ پادشاہ ہونے کے بعد اس سے شادی کی تھی۔ چکیمان کی لڑائی میں جب میرزا کی ساری بیویاں محافوں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئی ہیں تو یہ اپنے چھوٹے بھائی کے بھروسہ پر محافہ سے باہر نہ ہوئی۔ اس کی خبر میرزا کو پہنچی۔ میرزا نے شہربانو بیگم کو چھوڑ دیا اور اس کی بہن پائندہ سلطان بیگم سے نکاح کرلیا۔ اُزبک کے خراسان لینے کے بعد پائندہ سلطان بیگم عراق چلی گئی۔ اور وہیں اُس کا انتقال ہوگیا۔ پانچویں بیوی سلطان ابوسعید میرزا کی غنچہ جی خدیجہ بیگم تھی۔ ہری میں جو یہ آئی تو سلطان حسین میرزا نے اس کو گھر میں ڈال لیا۔ میرزا اس کو بہت چاہتا تھا یہاں تک کہ غنچہ جی گری سے بیگمی کے مرتبہ پر پہنچ گئی۔ آخر میں مالک ہی بن بیٹھی تھی۔ محمد مومن میرزا کو اسی کے کہنے سے قتل کیا۔ سلطان حسین میرزا کے بیٹے اکثر اسی کے سبب سے باغی ہوئے۔ یہ سمجھتی تھی کہ میں بڑی دور ہوں مگر بہت بیوقوف اور زبان دراز عورت تھی۔ اسکا مذہب شیعہ تھا۔ غریب میرزا اور مظفر حسین میرزا اسی کے پیٹ سے ہوئے تھے۔ چھٹی اپاق بیگم تھی۔ اُس سے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ پاپا آغاچہ جو بڑی چاہیتی تھی اسی کی کوکہ تھی۔ چونکہ وہ بے اولاد تھی اس لیے پاپا آغاچہ کے بچوں کو پال لیا تھا۔ میرزا کی بیماریوں میں

یہ بہت خدمت کرتی تھی۔ اس کے برابر کوئی بیوی خدمت نہ کرتی تھی۔ جس سال میں ہندوستان میں آیا ہوں اُس سال وہ ہری سے آئی۔ حتے الامکان میں نے اُس کی بہت تعظیم وتکریم کی۔ جن دنوں میں میں نے چندیری کا محاصرہ کر رکھا تھا اُن دنوں میں خبر آئی کہ کابل میں اُس کا انتقال ہوگیا۔ غوماؤں میں سے ایک لطیفہ سلطان تھی جو ابوالحسن میرزا اور کپک میرزا کی ماں تھی۔ ایک منگلی بی آغاچہ تھی۔ جو شہربانو بیگم کی ماما تھی۔ اور ایک اُزبک کی بیٹی تھی ابوتراب میرزا۔ محمد حسین میرزا اور فریدوں میرزا اسی کے پیٹ سے تھے۔ اس کے ہاں ایک ہی بیٹی ہوئی تھی۔ ایک غومہ بابا آغاچہ تھی۔ اباق بیگم کی کوکہ۔ میرزا نے فریفتہ ہوکر اُس کو داخل محل کرلیا۔ یہ پانچ بیٹوں اور چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ایک سلطان آغاچہ تھی۔ اُس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ چھوٹی بڑی غومہ اور غنچہ جی بہت سی تھیں۔ مگر چڑھی بڑھی بیویاں اور حرمیں یہی تھیں جن کا ذکر ہوا۔ تعجب ہے کہ سلطان حسین میرزا جیسا بڑا بادشاہ اور ہرات جیسا اسلامی شہر ہو اور پھر میرزا کے چودہ بیٹوں میں سے تین بچے ولدالزنا ہوں۔ بات یہ ہے کہ وہ خود بھی بند نہ تھا اور اُس کے بچوں اور خاندان میں بھی فسق و فجور کا رواج تھا۔ انہی اعمال کی شامت تھی کہ اتنا بڑا گھرانا سات آٹھ برس میں ایسا مٹ گیا کہ سوائے محمد زمان میرزا کے کوئی نہ رہا۔

اُس کے امرا

اُس کے امرا میں سے ایک محمد برندق برلاس تھا۔ جاکو برلاس کی اولاد میں سے۔ اس طرح کہ محمد برندق برلاس بیٹا جہان شاہ کا اور جہان شاہ بیٹا جاکو برلاس کا۔ پہلے یہ شخص بابر میرزا کے امیروں میں تھا۔ پھر سلطان ابوسعید میرزا نے بھی اُس کو عزیز رکھا۔ جہانگیر برلاس کو کابل میں اُلغ بیگ میرزا کا اتکہ بیگی کردیا۔ سلطان ابوسعید میرزا کے بعد اُلغ بیگ میرزا نے برلاسوں کو بگاڑنا چاہا۔ یہ لوگ سمجھ گئے۔ میرزا کو پکڑ لیا اور اپنے گھربار سمیت قندز کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہندوکش پر جو پہنچے تو اثنائے راہ سے میرزا کو کابل بھیج دیا۔ اور آپ سلطان حسین میرزا کے پاس خراسان چلے گئے۔ میرزا نے اُن کی بہت خاطر کی۔ محمد برندق بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ مزاج میں امارت بہت تھی۔ شکاری جانوروں کا بہت شوق تھا۔ اگر اُس کا ایک جانور مرجاتا تھا یا گم ہوجاتا تھا تو بیٹوں میں سے کسی کا نام لیکر کہتا تھا کہ اس جانور کے بدلے کاش فلاں بیٹا مرجاتا۔ یا اس کے بدلے اُس کی گردن ٹوٹ جاتی تو کچھ پروا نہ تھی۔ دوسرا مظفر حسین میرزا برلاس تھا۔ میرزا کے لڑائی جھگڑوں میں اُس کے ساتھ رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرزا کو اُس کی

کونسی آن پسند آئی جو اتنا چڑھا بڑھا دیا۔ اُس کا اس قدر اعتبار تھا کہ سلطان حسین میرزا نے جھگڑوں کے زمانہ میں اُس سے اقرار کر لیا تھا کہ جو ملک فتح ہو چار حصے میرے اور دو حصے تیرے۔ یہ بھی عجیب اقرار تھا! بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ ایک ادنے آدمی شریک سلطنت کر لیا جائے۔ بھائی اور بیٹے سے تو یہ شرکت نبھ سکتی نہیں، کسی امیر یا سردار کے ساتھ کیونکر نبھے۔ بادشاہ ہونے کے بعد میرزا اس شرط سے بہت پچتایا مگر کیا فائدہ تھا۔ اُس مردک کے بھی ایسے مغز چلے کہ باوجود اتنی رعایتوں کے میرزا سے غرفش کرنے لگا۔ میرزا اُس کی باتوں پر خیال نہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر اُس کو زہر دیا گیا۔ خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ تیسرا علی شیر بیگ نوائی تھا۔ یہ اُس کا امیر ہی نہ تھا بلکہ مصاحب اور ہم مکتب بھی تھا۔ اس کے ساتھ خصوصیت بہت تھی۔ معلوم نہیں کس گناہ میں ہرتا سے وہ خارج البلد ہوا۔ اور سمرقند گیا۔ جب تک وہ سمرقند میں رہا احمد حاجی بیگ اُس کے ساتھ سلوک کرتا رہا۔ علی شیر بیگ کا مزاج بہت نازک مشہور تھا۔ لوگ اس نزاکت کو غرورِ دولت پر محمول کرتے تھے۔ مگر یہ بات نہ تھی۔ اصل میں اُس کی جبلی عادت تھی۔ سمرقند میں بھی مزاج کا ایسا ہی حال رہا۔ علی شیر بیگ بے نظیر آدمی تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ اور ایسا کہتا تھا کہ دوسرا کیا کہیگا۔ اُس نے چھ مثنویاں لکھی ہیں۔ پانچ تو خمسہ کے جواب میں ہیں اور ایک منطق الطیر کے وزن پر لسان الطیر لکھی ہے۔ غزلوں کے چار دیوان مدون کیے ہیں جن کے نام یہ ہیں: غرائب الصغر۔ نوادر الشباب۔ بدیع الوسط۔ فوائد الکبر۔ ان کے علاوہ اور تصنیفیں بھی ہیں۔ جو ان سے گھٹی ہوئی ہیں۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی رح کی طرز پر ایک انشا بھی لکھی ہے۔ جو خطوط جن کے نام لکھے تھے وہ جمع کر لیے ہیں۔ ایک کتاب میزان الاوزان نام فن عروض میں لکھی ہے۔ اس میں گھڑت بہت کی ہے۔ رباعی کے چوبیس ۲۴ وزن میں سے چار وزن غلط لکھے ہیں۔ بعض بحروں کے وزنوں میں بھی غلطی کی ہے۔ جو شخص اُس کو دیکھیگا جان جائیگا۔ ایک دیوان فارسی میں بھی لکھا ہے۔ فارسی میں فانی تخلص ہے۔ اُس کے بعض اشعار بُرے نہیں ہیں۔ مگر اکثر گرے ہوئے ہیں۔ فن موسیقی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں۔ عمدہ نقش اور پیشرو بنائے ہیں۔ اہلِ فضل اور اہلِ ہنر کا قدردان و مربی علی شیر بیگ جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے۔ اُستاد قل محمد۔ شیخم نائی اور حسین عودی کو (جو ساز نوازوں میں اُستاد وقت ہوئے ہیں) علی شیر بیگ ہی کی بدولت اتنی شہرت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔

اُستاد بہزاد اور شاہ مظفر فن مصوری میں علی شیر بیگ ہی کی توجہ سے اتنے مشہور و معروف ہوئے ہیں۔ علی شیر بیگ نے جس قدر نیکیاں کی ہیں کسی نے کم کی ہونگی۔ ہزاروں آدمیوں کے بال بچوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ پہلے اُس کو مہرداری کا عہدہ تھا۔ پھر میر ہوگیا۔ چند روز استر آباد کا حاکم رہا۔ اس کے بعد نوکری چھوڑ دی۔ اور میرزا سے تنخواہ طلب لینی موقوف کر دی۔ بلکہ سال بھر میں بہت کچھ اپنی طرف سے مرزا ہی کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ سلطان حسین میرزا جس وقت استر آباد سے آیا اُس وقت یہ میرزا کے استقبال کے لیے گیا۔ میرزا کو دیکھتے ہی اور تعظیم کے لیے اُٹھتے ہی اُس پر ایک ایسی حالت طاری ہوگئی کہ اُٹھ نہ سکا۔ لوگوں نے پکڑ کر اُٹھایا۔ اس وقت کوئی طبیب ذرا اُسکے حال کو نہ سمجھا۔ دوسرے ہی دن اُس کا انتقال ہوگیا۔ اُس کا ایک شعر اُس کے حسب حال ہے۔ چوتھا امیر حاجی بیگ تھا۔ حاجی سیف الدین بیگ کی اولاد میں سے۔ میرزا کے امیروں میں یہ بڑا امیر تھا۔ سلطان حسین میرزا کے بادشاہ ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد مرگیا۔ پانچواں شیخ حسین تیمور تھا۔ اس کو بابر میرزا نے میری کے مرتبہ پر پہنچایا تھا۔ چھٹا تومان بیگ تھا۔ اُس کے آباؤ اجداد ترمذ کے سید تھے۔ اور اُس کی ننھیال سلطان ابو سعید میرزا کی پرورش یافتہ تھی۔ سلطان احمد میرزا پاس بھی وہ اچھی طرح رہا۔ جب سلطان حسین میرزا پاس آیا تو وہاں بھی اعلےٰ رتبہ پایا۔ خوش باش۔ شرابی اور عیاش آدمی تھا۔ اس کو حسن تومان بھی کہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ باپ کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ ساتواں جہانگیر برلاس تھا۔ بہت دنوں تک وہ اور محمد برندق کابل میں شریک حکومت رہے ہیں۔ آخر وہ سلطان حسین میرزا پاس چلا گیا۔ اور اُس کی بہت رعایت ہوئی۔ ظریف۔ لطیف اور خوش معاش آدمی تھا۔ بدیع الزمان میرزا کا مصاحب ہوگیا تھا۔ میرزا کی صحبت کو یاد کرکے اُس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ آٹھواں میرزا احمد علی فارسی تھا۔ نواں عبد الخالق بیگ ولد فیروز شاہ بیگ تھا۔ یہ فیروز شاہ بیگ شاہرخ میرزا کے امراء میں سے تھا۔ اور چونکہ عبد الخالق بیگ اُس کا بیٹا تھا۔ اس لیے عبد الخالق کو فیروز شاہی کہتے تھے۔ کچھ دن تک خوارزم کا بھی یہ حاکم رہا ہے۔ دسواں ابراہیم دولدائی تھا۔ اس کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ اور ملکداری کے طریقہ کی خوب معلومات تھی۔ گویا محمد برندق کا ثانی تھا۔ گیارھواں ذوالنون بیگ ارغون تھا۔ بہادر آدمی تھا۔ سلطان ابو سعید میرزا کے پاس یکہ کہنا میں اُس نے

خوب شمشیر زنی کی تھی۔ اُس کے بعد جہاں کام پڑا وہ کامیاب ہوا۔ اُس کے بہادر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر کسی قدر بیوقوف تھا۔ ہم میرزاؤں کے پاس سے سلطان حسین میرزا پاس چلا گیا۔ اُس نے غور اور رکمند اُس کو دیدیا۔ ستر آدمیوں کے ساتھ اُس نواح میں خوب تلوار ماری۔ کئی بار تھوڑی سی فوج سے ہزاروں نوکدزی اور ہزارہ قوم کے لوگوں کو شکستیں دیں۔ سچ یہ ہے کہ ہزارہ اور نوکدزی کا ایسا بندوبست کسی نے نہیں کیا۔ چند روز کے بعد زمین داور کو بھی اُسی کے تحت میں دیدیا۔ اُس کا بیٹا شاہ شجاع ارغون لڑکپن سے اپنے باپ کے ساتھ رہکر لڑتا بھڑتا رہا تھا۔ سلطان حسین میرزا نے اُس کے باپ کے خلاف مرضی ازراہِ مہربانی باپ کی شراکت میں قندھار کا اُس کو حاکم کر دیا۔ آخر ان دونوں باپ بیٹوں میں جھگڑا مچا۔ جس سال کہ میں خسرو شاہ کو نیکر کابل کی طرف آیا ہوں اور پھر اُس کے نوکروں کو اُس سے علیحدہ کرکے میں نے کابل کو مقیم (ذوالنون کا چھوٹا بیٹا) سے چھینا ہے۔ اور خسرو شاہ مجھ سے عاجز ہوکر سلطان حسین میرزا پاس چلا گیا ہے۔ اور اُس کے بعد سلطان حسین میرزا کی سلطنت کو وسعت ہوئی تو کوہ ہری کے دامنہ کا ملک مثل اوبہ بجران کے دونوں کو دیدیا۔ بدیع الزمان میرزا کی سرکار میں یہ مختار بھی تھا۔ اور مظفر حسین میرزا کی سرکار میں محمد برندق برلاس مختار تھا۔ اگرچہ ذوالنون بہادر تھا۔ مگر ذرا دیوانہ اور بغلول آدمی تھا۔ بغول پن اُس کا ظاہر ہے کہ خوشامد میں آکر اُس نے اپنا ستیاناس کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہری میں اُس کو اقتدار حاصل ہوا تو کئی چلتے ہوئے مُلاؤں اور شیخوں نے آکر اُس کو یہ فقرہ دیا کہ قطب ہم سے ملتا رہتا ہے۔ تمہارا لقب اُس نے ہزبر اللہ رکھا ہے۔ تم ضرور ازبک کو مارو گے۔ ارغون نے اس خوشامدی فقرہ کو یقین کر لیا۔ گردن میں تھیلی لٹکاکر بہت سا شکریہ ادا کیا۔ جونہی بادغیس کی نواح میں شیبانی خاں میرزاؤں پر چڑھ کر آیا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقع نہ دیکر ہزیمت دی ویونہی ذوالنون ارغون ڈیڑھ سو آدمی کو ساتھ لے مذکورہ بالا فقرہ کے بھروسے پر قرارباط کے مقام پر شیبانی خاں سے جا بھڑا۔ اسکے پہنچتے ہی بہت سی فوج نے آگھیرا اور پکڑکر مار ڈالا۔ ذوالنون پاک مذہب آدمی تھا۔ کبھی نماز ترک نہ کرتا تھا۔ بلکہ چاشت اور اشراق وغیرہ بھی پڑھا کرتا تھا۔ شطرنج کا بڑا دھتیا تھا۔ لوگ ایک ہاتھ سے کھیلتے ہیں وہ دونوں ہاتھوں سے کھیلا کرتا تھا

اور جو چاہتا تھا وہ چال چل دیتا تھا جیس اور ممسک بہت تھا۔ بارھواں درویش علی بیگ علی شیر بیگ کا چھوٹا بھائی تھا۔ کچھ دن وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اُس نے بلخ میں اچھی حکومت کی۔ کوڑ دماغ۔ مغز چلا اور بے ہنر آدمی تھا۔ سلطان حسین میرزا جب اوّل قندز اور حصار میں آئے ہیں تو اُنہوں نے اُس کی کوڑ مغزی کی وجہ سے اُس کو گرفتار کر کے بلخ کی حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ ۹۱۶ھ میں جب میں قندز میں آیا تو یہ میرے پاس آگیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مبہوت شخص ہے۔ نہ اُس میں امارت کی قابلیت ہے۔ نہ وہ پاس بٹھانے کے لائق ہے۔ عجب نہیں کہ علی شیر بیگ کی خاطر سے اُسنے اتنا رتبہ پایا ہو۔ تیرھواں مغل بیگ تھا۔ اکثر وہ ہری کا حاکم رہا ہے۔ پھر اُس کو استر آباد دیدیا۔ وہ استر آباد سے بھاگ کر یعقوب بیگ کے پاس چلا گیا۔ پلچہ آدمی تھا۔ اور پرلے سرے کا جواری۔ چودھواں سید بدر تھا۔ بڑا تیز تھا۔ اُسکی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ نئی نئی طرح سے مٹکتا تھا۔ عجب نہیں کہ ایسا مٹکنا اُسی کا ایجاد ہو۔ ہمیشہ میرزا کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اُن کا ہم صحبت بھی تھا۔ اور ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھا۔ پندرھواں سلطان جنید برلاس تھا۔ اپنی آخر عمر میں یہ سلطان احمد میرزا پاس چلا آیا تھا۔ اس سلطان جنید برلاس کا باپ تھا جو آجکل جونپور کی حکومت میں شریک ہے۔ سولھواں شیخ ابو سعید خاں درمیان تھا۔ معلوم نہیں کہ کسی لڑائی میں میرزا کے اور دشمن کے بیچ میں گھوڑا ڈال دیا تھا۔ یا جس دشمن نے میرزا پر حملہ کیا تھا بیچ میں آکر اُس کو دفع کر دیا تھا۔ بہرحال کسی سبب سے اُس کا لقب درمیان ہو گیا۔ سترھواں بہبود بیگ تھا۔ اوّل تو وہ چہروں کے گروہ میں تھا۔ جب لڑائی جھگڑوں میں میرزا کے ساتھ رہا تو میرزا نے اُس کی خدمتوں کے لحاظ سے یہ عنایت کی کہ لمغانات کی حکومت اُس کو دیدی۔ اور اُس میں اسی کے نام کا سکہ جاری کر دیا۔ اٹھارھواں شیخم بیگ تھا۔ چونکہ اُس نے اپنا تخلص سہیلی رکھا تھا اس لیے شیخ سہیلی مشہور ہو گیا۔ اُس قسم کا شعر کہتا تھا جس میں ڈراؤنے الفاظ اور معانی ہوں۔ اُس کے اشعار میں سے ایک شعر ہے ؎

شب غم گرد باد آہم زجا برد گردوں را　　فرو برد اژدہائے سیل اشکم ربع مسکوں را

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبد الرحمٰن جامی کے سامنے پڑھا۔ مولانا نے ہنسکر فرمایا کہ صاحب آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں۔ اُس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ اُنیسواں محمد ولی بیگ تھا۔ یہ اُسی کا بیٹا تھا جس کا

ذکر اوپر ہوا۔ ولی بیگ آخر میں میرزا کے ہاں میر کلانی کے رتبہ پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ اس مرتبہ پر پہنچا مگر اپنی خدمت نہ چھوڑی۔ رات دن دروازہ پر حاضر رہتا تھا۔ یہانتک کہ آش وغیرہ دروازہ ہی پر کھاتا تھا۔ ایسے حاضر باش کے لیے اسی قدر رعایتیں بھی کرنی لازم ہیں۔ اس زمانہ میں یہ غضب ہے کہ جس پر میری کا نام آگیا اور اُس نے اپنے اردگرد پانچ چھ گنجے۔ اندھے لپٹے ہوئے دیکھے اور بڑے گھتے سے شاہی درِ دولت پر حاضر ہونا شروع کیا۔ وہ ملازمت کا ڈھنگ کہاں۔ مگر یہ اُن کی بدنصیبی ہے۔ محمد علی بیگ کے ہاں کی آش بہت عمدہ ہوتی تھی۔ اپنے نوکروں کو وہ ہمیشہ اچھی طرح رکھتا تھا۔ فقراء اور مساکین کو اپنے ہاتھ سے بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ فحش اور گالیاں بہت بکتا تھا۔ سنہ ۹۰۵ھ[1] میں جب میں نے سمرقند فتح کیا ہے تو محمد ولی بیگ اور درویش علی کتابدار دونوں میرے پاس تھے۔ اُن دنوں میں محمد ولی کو فالج مار گیا تھا۔ نہ اس کی بات سمجھ میں آتی تھی اور نہ اُس میں کچھ دم رہا تھا۔ اُس میں رعایت کے قابل کوئی بات نہ تھی۔ عجب نہیں کہ اُس کی خدمتگزاری نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہو۔ بیسواں بابا علی ایشک آقا تھا۔ پہلے تو علی شیر بیگ کے پاس رہا۔ پھر اُس کی جوانمردی کے سبب سے میرزا نے اُس کو لے لیا۔ اور ایشک آقا کی خدمت دیکر میری کے مرتبہ پر پہنچا دیا۔ یونس علی جو آجکل میرے پاس ہے اور میرا بہت مقرب ہے اور جس کا ذکر اکثر آئیگا اُسی کا بیٹا ہے۔ اکیسواں بدرالدین تھا۔ پہلے وہ سلطان ابوسعید میرزا کے صدر میرک عبدالرحیم کے پاس تھا۔ بڑا چست و چالاک تھا۔ کہتے ہیں کہ سات گھوڑوں کو پھلانگ گیا تھا۔ یہ اور بابا علی میرزا کے مصاحب بھی تھے۔ بائیسواں حسن علی جلائر تھا۔ اس کا اصلی نام تو حسین علی تھا لیکن مشہور حسن علی ہوگیا۔ اُس کے باپ علی جلائر کو بابر میرزا نے مہربانی فرماکر میر کر دیا تھا۔ جب یادگار میرزا نے ہری کو لیا تو علی جلائر سے بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔ حسن علی سلطان حسین میرزا کے ہاں قوس بیگی کے عہدہ پر ہوگیا۔ وہ شاعر تھا۔ اور طفیلی تخلص کرتا تھا۔ قصیدہ اچھا کہتا تھا۔ اپنے زمانہ میں قصیدہ گوئی میں فرد تھا۔ جب سنہ ۹۱۷ھ میں میں نے سمرقند فتح کیا تو میرے پاس آیا۔ پانچ چھ برس میرے پاس رہا۔ میرے قصیدے بھی اچھے اچھے لکھے۔ کھلنے اڑانے والا آدمی تھا۔ غلام ضرور پاس رکھتا تھا۔ چوسر کھیلنے کی بہت لت تھی۔ اور جواری بھی تھا۔ تیئیسواں خواجہ عبداللہ مروارید تھا۔ پہلے صدر رہا۔ پھر پیش خدمت۔

[1] سمرقند اول سنہ ۹۰۵ھ میں فتح کیا ہے اور پھر دوسری بار سنہ ۹۰۶ھ میں فتح کیا ہے ۱۲

مقرب اور میر ہو گیا۔ اُس میں فضیلتیں بہت تھیں۔ قانون بجانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ قانون میں جوڑ بجانا اُسی کا ایجاد ہے۔ کئی خط اچھے لکھتا تھا۔ مگر خطِ نستعلیق سب میں عمدہ لکھتا تھا۔ منشی بھی اچھا تھا۔ اُس کے اشعار اُس کے اور فنوں کی نسبت گھٹے ہوئے تھے۔ شعر خوب سمجھتا تھا۔ بدکار اور رند تھا۔ بدکاری کی شامت سے مرضِ آبلہ میں مبتلا ہوا۔ ہاتھ پاؤں رہ گئے۔ کئی برس بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھائیں۔ آخر اُسی مرض میں مرگیا۔ چوبیسواں سید محمد اوروس تھا۔ اوروس ارغون جو سلطان ابوسعید میرزا کے زمانہ میں میر کلاں اور اُن کی سرکار میں بااختیار تھا۔ اُس کا باپ تھا۔ اُس زمانہ میں جو اچھے اور کام کے لوگ تھے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس کی کمان طاقت دار۔ لمبی اور مضبوط تھی۔ اس کمان سے وہ نہایت عمدہ نشانہ لگاتا تھا۔ بہت دن تک وہ اندخود کا حاکم رہا۔ پچیسواں میر علی میر خرد تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سلطان حسین میرزا پاس آدمی بھیجکر یادگار میرزا پر عین غفلت میں چڑھائی کرنے کے لیے اُن کو بلایا۔ چھبیسواں سید حسین اوغلاقچی (سید یوسف بیگ کے بڑے بھائی سید اوغلاقچی کا بیٹا) تھا۔ اس کا عرف میرزا فرخ تھا۔ قابل اور حیثیت دار آدمی تھا۔ ۹۱۷ھ میں جو میں نے سمرقند لیا ہے تو یہ میرے پاس آیا۔ اگرچہ شعر کم کہتا تھا مگر ایک ڈھنگ کا کہتا تھا۔ اصطرلاب اور نجوم خوب جانتا تھا۔ علمِ مجلس بھی اس کو اچھا تھا۔ شراب کے نشہ میں کسی قدر بگڑ جاتا تھا۔ غجدوان کی لڑائی میں مارا گیا۔ ستائیسواں تنگیری بیردی سمانچی تھا۔ ترک۔ بہادر اور تلوریا جوان تھا۔ بلخ کے دروازہ میں نظر بہادر نام خسروشاہ کے بڑے سردار سے دوبدو لڑا اور اُس کو گرفتار کرلیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اور امرائے ترکمان تھے جو میرزا پاس آکر بہت چڑھ بڑھ گئے تھے۔ پہلے کے آئے ہوؤں میں سے علی خان بایندر تھا۔ اَسد بیگ تہمتن بیگ اور اُن کے بھائی بھی تھے۔ اس تہمتن بیگ کی بیٹی سے بدیع الزمان میرزا کی شادی ہوئی۔ محمد زمان میرزا اُسی کے پیٹ سے ہوا۔ ایک ابراہیم چغتائی تھا۔ ایک امیر عمر بیگ تھا جو آخر میں بدیع الزمان میرزا پاس رہا۔ یہ شخص ترک اور اچھا بہادر تھا۔ اس کا ایک بیٹا ابوالفتح نام عراق سے میرے پاس آگیا۔ آجکل میرے ہی پاس ہے۔ بڑا سست۔ بودا اور نالائق شخص ہے۔ اللہ کی شان ہے۔ اُس باپ کا یہ بیٹا۔ آخر میں (جبکہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے عراق اور آذربائیجان کو لے لیا ہے) جو لوگ آئے تھے اُن میں ایک عبد الباقی میرزا تھا۔ یہ میرزا نسل تیموریں سے میرانشاہی ہے جس شخص نے

اس نسل میں سے اوّل غیر ملک میں جاکر اور سلطنت کا خیال دل سے نکال کر بادشاہوں کی نوکری اختیار کرکے اقتدار حاصل کیا۔ وہ اس عبدالباقی میرزا کا چچا تیمور عثمان تھا۔ یہ تیمور عثمان یعقوب بیگ کی سرکار میں بڑا سردار اور امیر ہو گیا تھا۔ ایک بار ان کو بہت سے لشکر کے ہمراہ خراسان پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جونہی عبدالباقی میرزا خراسان پہنچا سلطان حسین میرزا نے اس کی بہت خاطر کی۔ اپنی بیٹی سلطانم بیگم (جو محمد حسین میرزا کی ہم بطن بہن تھی) کی شادی اس سے کردی۔ پچھلے آنے والوں میں سے ایک مراد بیگ بایندوز تھا۔ ایک میر سر برہنہ تھا۔ نواح اندجان کا رہنے والا۔ سندی سیّد تھا۔ نہایت خوش طبع۔ خوش صحبت اور شیریں کلام آدمی تھا۔ خراسان کے قصہ گویوں اور شعراء میں مستند تھا۔ اس نے امیر حمزہ کے قصّہ کے مقابلہ میں ایک لمبا چوڑا جھوٹا فسانہ لکھنے میں اپنی عمر ضائع کی۔ یہ بات تو بالکل عقل اور طبیعت کے برخلاف کی ہے۔ ایک کمال الدین حسین کار کائی تھا۔ یہ شخص صوفی تو نہ تھا۔ ہاں متصوف تھا۔ علی شیر بیگ کے پاس ایسے ایسے بنے ہوئے صوفی بہت جمع ہو گئے تھے۔ اور خوب وجد و سماع کیا کرتے تھے۔ اوروں سے اس کی ترکیب اچھی تھی۔ غالباً اسی سبب سے اس کی رعایت ہوتی ہو۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام مجالس العشاق ہے۔ اس کتاب کو سلطان حسین میرزا کے نام سے لکھا ہے۔ بڑی لغو۔ جھوٹ اور بیہودہ کتاب ہے۔ اس میں بہت ایسی بے ادبی کی باتیں لکھی ہیں جن میں سے کفر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء اور اولیاء سے عشق مجازی منسوب کیا ہے۔ ہر ایک کے واسطے ایک معشوق گھڑا ہے۔ عجیب خبط کی بات ہے کہ دیباچہ میں حسین میرزا نے اُس کو اپنی تصنیف میں سے لکھا ہے۔ اسی کمال الدین حسین نے ازراہِ خوشامد ذوالنون ارغون کا لقب ہزبر اللہ لکھا تھا۔ ایک امیر مجدالدین محمد تھا۔ خواجہ پیر احمد خافی کا بیٹا۔ جو میرزا کا دیوان یک قلمہ تھا۔ ابتدا میں سلطان حسین میرزا کے ہاں مالی انتظام ذرا نہ تھا۔ خرچ بہت تھا۔ اور روپیہ بیجا صرف ہوتا تھا۔ نہ رعیّت خوش تھی نہ فوج۔ اُس وقت مجدالدین محمد پروانچی تھا۔ اس کو میرک کہا کرتے تھے۔ میرزا کو کچھ روپے کی ضرورت ہوئی۔ دیوانی والوں نے یہ کہکر کہ نہ آمدنی ہے نہ جمع ہے صاف جواب دیدیا۔ اُس وقت مجدالدین محمد حاضر تھا۔ ہنس دیا۔ میرزا نے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ اُس نے کہا۔ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُسی وقت تخلیہ ہو گیا۔ اُس نے عرض کی کہ حضور میرے سر پر ہاتھ رکھیں اور میری گزارش قبول کرتے رہیں تو چند روز میں ایسا انتظام کر دوں کہ رعیّت آباد۔ سپاہ خوش اور خزانہ پُر ہو جائے۔ میرزا نے اُس کے حسب دلخواہ اقرار کرلیا۔

اُس کو مدار المہام کر کے تمام ملک خراسان اور سارے کام اُس کے سپرد کر دیے۔ اُس نے حتے الامکان ایسا انتظام کیا کہ تھوڑے ہی دن میں رعیت اور فوج راضی ہو گئی۔ خزانہ کھچا کھچ بھر گیا۔ اور ملک آباد ہو گیا۔ لیکن یہ غضب کیا کہ علی شیر بیگ وغیرہ امراء اور اہلِ منصب سے اچھے سلوک نہ کیے۔ اسی سے سب لوگ برخلاف ہو کر بادشاہ کو بہکانے لگے اور آخر مجد الدین محمد کو معزول کروا دیا۔ اور اُس کی جگہ نظام الملک دیوان ہوا۔ چند روز بعد نظام الملک کو بھی پکڑوا کر مروا دیا۔ اور خواجہ افضل کو عراق سے لا کر دیوان کر دیا۔ میں جس زمانہ میں کابل آیا ہوں اُس زمانہ میں خواجہ افضل کو امیر کر دیا تھا۔ دیوانی کے کاغذوں پر اُسی کی مُہر ہوتی تھی۔ ایک خواجہ عطا تھا۔ اگرچہ خواجہ افضل وغیرہ کی طرح صاحبِ منصب اور دیوان نہ تھا مگر ملکی مہمات بغیر اس کے مشورہ کے فیصلہ نہ ہوتے تھے۔ متقی۔ نمازی اور متدین شخص تھا۔ شاغل بھی تھا۔ سلطان حسین میرزا کے یہ امراء وغیرہ تھے جن کا ہم نے ذکر کیا۔ سلطان حسین میرزا کا زمانہ بڑا عمدہ زمانہ تھا۔ عموماً خراسان اور خصوصاً شہر ہری بے مثل و نظیر اہلِ فضل و ہنر سے بھرا ہوا تھا۔ جو شخص جس کام کو کرتا تھا اُس کا قصد تھا کہ اس کام کا کمال حاصل کیجیے۔

علماء

اہل فضل میں سے ایک مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ تھے۔ اپنے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اُن کے اشعار مشہور ہیں۔ جناب مُلّا ایسے بلند رتبہ باکمال ہیں کہ ہماری تعریف کے محتاج نہیں۔ اتنا لکھنے سے مدعا یہ ہے کہ اس ناچیز رسالہ میں تبرکاً اور تیمناً اُن کا نام لکھا جائے۔ اور تھوڑا سا ذکر مبارک کر دیا جائے۔

ایک شیخ الاسلام سیف الدین احمد تھے۔ ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے۔ ترکستان سے آ کر خراسان کے شیخ الاسلام ہوئے۔ نہایت سمجھدار تھے۔ معقول و منقول کو خوب جانتے تھے۔ بڑے پرہیزگار اور متدین شخص تھے۔ تھے تو شافعی مگر سب مذہبوں کی رعایت کرتے تھے۔ کہتے ہیں قریب ستر برس کے اُنھوں نے جماعت کی نماز ایک دن ناغہ نہیں کی۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے جب ہری کو لیا ہے تو ایک قزلباش کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ اُن کی اولاد میں سے کوئی نہیں رہا۔ ایک مُلا شیخ حسن تھے۔ اگرچہ ان کی پیدائش اور ترقی کا زمانہ سلطان ابو سعید میرزا کا عہد تھا۔ مگر چونکہ سلطان حسین میرزا کے وقت میں بھی تھے۔ اس لیے اُن کا ذکر کیا گیا۔ حکمت۔ معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے۔ تھوڑے لفظوں میں بڑے بڑے مضامین کا بیان کرنا اُن کے اختراعات میں سے ہے۔ سلطان ابو سعید میرزا کے زمانہ میں بہت مقرب اور ذی اختیار تھے۔ تمام مہمات مُلکی میں دخیل تھے۔ اُنسے بہتر

کسی نے احتساب نہیں کیا۔ اسی سبب سے سلطان ابوسعید میرزا کے مقرب ہو گئے تھے۔
سلطان حسین میرزا کے زمانہ میں ایسے بے مثل شخص کی بیحد توہین ہوئی ہے۔ ایک ملازادہ
ملا عثمان تھے۔ موضع چرخ کے رہنے والے۔ چرخ تومان لہوکر میں ہے۔ جو کابل کی تومانات
میں سے ہے۔ چونکہ الغ میرزا کے زمانہ میں چودہ برس کی عمر میں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے اسلیے
لوگ ان کو ملائے مادرزاد کہنے لگے۔ جب سمرقند سے مکۂ معظمہ گئے اور وہاں سے پلٹ کر
ہری میں پہنچے تو سلطان حسین میرزا نے روک لیا عقلمند شخص تھے۔ اُس زمانہ میں اُن کا
ثانی دوسرا نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے۔ مگر اجتہاد نہ کرتے تھے۔ اُن کا قول
تھا "جو شخص کوئی بات سن لیتا ہے اُس کو کیونکر بھول جاتا ہے؟"۔ اُن کا حافظہ بڑا قوی تھا۔
ایک میر مرتاض تھے۔ حکمت اور معقول خوب جانتے تھے۔ روزے بہت رکھا کرتے تھے اِس
سبب سے میر مرتاض لقب ہو گیا تھا۔ شطرنج کے ایسے دھنی تھے کہ اگر دو کھلاڑی آجاتے
تو ایک سے کھیلنے لگتے اور دوسرے کا دامن پکڑ کر بٹھا لیتے۔ اس لیے کہ کہیں چلا نہ جائے۔
ایک ملا مسعود شروانی تھے۔ ایک ملا عبدالغفور لاری تھے۔ ملا عبدالرحمٰن جامی کے شاگرد
بھی تھے اور مرید بھی۔ مُلا کی اکثر مصنفات کو اُن سے پڑھا ہے۔ نفحات کی شرح بھی لکھی ہے۔
علم ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ مند تھے۔ بڑے کھُلے ڈُلے اور بے تکلف آدمی تھے۔
جس کو ملا کہدو اُس کے آگے کتاب کھول کر ہو بیٹھنے کو عار نہ سمجھتے تھے۔ جہاں کوئی فقیر سُنا
جب تک اُس سے مل نہ لیں چین نہ آتا تھا۔ جب میں خراسان گیا تھا تو وہ علیل تھے ملا عبدالرحمٰن
جامی کے مزار کی زیارت کو جو ہم گئے تو ملا عبدالغفور کی عیادت کو بھی گئے۔ وہ ملا کے مدرسہ
میں تھے۔ چند روز بعد اُسی مرض میں انتقال کر گئے۔ ایک میر جمال الدین محدث تھے خراسان
میں علم حدیث کا جاننے والا اُن جیسا کوئی نہ تھا۔ اُن کی عمر بہت ہوئی۔ اب تک زندہ تھے۔
ایک میر عطاء اللہ مشہدی تھے۔ عربی کے ادیب کامل تھے۔ علم قافیہ میں ایک فارسی رسالہ
لکھا ہے۔ اور اچھا لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی عیب ہے کہ مثالوں میں اپنے اشعار لائے ہیں۔
اور ہر بیت سے پہلے یہ فقرہ "چنانچہ دریں بیت بندہ گفتہ"۔ بالالتزام لکھا ہے۔ ایک رسالہ
صنایع شعر میں موسوم بہ صنایع بدایع نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ اُن کا مذہب سمجھ میں
نہیں آتا کہ کیا تھا۔ ایک قاضی اختیار تھے۔ مقدمہ اچھا فیصل کرتے تھے۔ فقہ میں اُنھوں نے
ایک فارسی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اچھا رسالہ ہے۔ ایک رسالہ میں قرآن شریف کی
آیتیں اس طرح جمع کی ہیں کہ اُن سے ہر قسم کا مضمون اقتباس کر لیا جائے۔ جس مقام
مرغاب میں میرزاؤں سے ملا ہوں تو قاضی اختیار اور محمد یوسف ہمراہ تھے۔ خط بابری کا ذکر نکلا۔

اُنہوں نے مفردات کو پڑھا اور قاعدہ کے ساتھ بہت کچھ لکھا۔ ایک میر محمد یوسف تھا شیخ الاسلام کا شاگرد۔ آخر میں شیخ الاسلام نے اُس کو اپنی جگہ مقرر کر دیا۔ کسی مجلس میں قاضی اختیار صدر نشین ہوتا تھا اور کسی مجلس میں یہ۔ پھر وہ سپاہگری اور سرداری کی طرف ایسا مائل ہوا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سوائے ان دو کاموں کے علم کا ایک لفظ بھی اُس کو یاد نہیں رہا۔ نہ اُس کی باتوں سے اُس کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور مزہ یہ کہ دونوں میں کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر اسی خیال میں گھر بار کھو بیٹھا۔

شعراء شعرائے باکمال میں مولانا عبد الرحمٰن جامی شیخم سہیلی اور حسن علی طفیلی جلائر (جن کے نام اور جن کی صفتیں سلطان حسین میرزا کے زمرۂ امراء میں بیان ہوئی ہیں) سب سے اوّل درجہ کے تھے۔ شاعروں میں ایک آصفی تھا۔ وزیر زادہ ہونے سے اُس نے اپنا تخلص آصفی رکھا۔ اُس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں عشق و حال دونوں ہیں کھوٹ تھا۔ مگر اُس کو دعوے یہ تھا کہ میں اپنا کلام کبھی جمع نہیں کرتا۔ شاید یہ دعوے بناوٹی ہو۔ کہتے ہیں کہ اُس کا کلام انیسی اسفرائی نے جمع کیا ہے۔ غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کہتا تھا۔ جس زمانہ میں میں خراسان گیا ہوں اُس زمانہ میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک بنائی تھا۔ ہری کا رہنے والا۔ اس کے باپ کا نام اُستاد محمد بنا تھا۔ اسی مناسبت سے اُس نے اپنا یہ تخلص رکھا تھا۔ اسکی غزلوں میں رنگ اور حال دونوں باتیں ہیں۔ اُس نے دیوان مرتب کر لیا ہے۔ مثنویاں بھی کہی ہیں۔ ایک مثنوی میوہ کے تلازمہ میں لکھی ہے جس کی بحر تقارب ہے۔ لغو مثنوی ہے۔ ایک مختصر مثنوی ہے۔ بحرِ خفیف میں۔ ایک اس سے بڑی مثنوی ہے بحر خفیف ہی میں۔ اس مثنوی کو آخر عمر میں پورا کیا ہے۔ پہلے علمِ موسیقی نہ جانتا تھا۔ علی شیر بیگ اس سبب سے طعنے دیا کرتا تھا۔ ایک سال میرزا تو قشلاق کے لیے مرو گئے۔ اور بنائی ہری میں رہ گیا۔ اُس جاڑے میں اُس نے فنِ موسیقی ایسا سیکھ لیا کہ گرمی تک خاصا گویا ہو گیا۔ جب گرمیوں میں میرزا ہری میں آئے تو اُس نے صورت اور نقش بنا کر پیش کیے۔ علی شیر بیگ دنگ ہو گیا۔ اور بہت تعریف کرنے لگا۔ اُس نے موسیقی میں اچھے نقش بنائے۔ جن میں سے ایک کا نام "نو رنگ" تھا۔ اس کے تمام ہونے تک نو رنگ پیدا ہوتے ہیں۔ علی شیر بیگ کو یہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس سبب سے اس نے بہت مصیبتیں اُٹھائیں۔ آخر ٹھیر نہ سکا۔ عراق چلا گیا۔ آذربائیجان میں یعقوب بیگ کے پاس اچھی طرح رہا۔ اُسکا مصاحب ہو گیا۔ یعقوب بیگ کے مرنے کے بعد وہاں سے بھی چلدیا۔ پھر ہری میں آ گیا۔ اسکی ہنسی اور چھیڑ چھاڑ کا وہی حال تھا۔ اُسکی ظرافتیں اس طرح کی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شطرنج کھیلنے میں علی شیر بیگ نے اپنا پاؤں جو پھیلایا تو ملّا بنائی کے کولھوں کے اندر تک پہنچا۔

علی شیر بیگ نے ہنسکر کہا "ہرؔی میں یہ بڑا غضب ہے کہ اگر پاؤں پھیلاؤ تو شاعر کی... تک پہنچتا ہے"۔ بنائیؔ نے جواب دیا کہ "سمیٹو تو بھی شاعر کے اُسی مقام تک پہنچتا ہے"۔ پھر ان ظرافتوں کی بدولت اُسنے ہرؔی سے سمرقند جانے کا قصد کیا۔ آخر حصار قرشی میں جو قتل عام ہوا اُسی میں مارا گیا۔ (میرے شاہ اسمٰعیل صفوی کے وزیر قدر نجم بیگ کو ہرچند اس قتل عام کرنے سے منع کیا مگر اُس نے نہ مانا) علی شیر بیگ نے بہت سی چیزیں ایجاد کی تھیں۔ اور یہ بھی ہوا ہے کہ جس نے جو چیز ایجاد کی رواج اور رونق کے لیے اُس کو علی شیری مشہور کر دیا۔ بعض نے علی شیر بیگ سے مذاق کرنے کے لیے اپنے دونوں کانوں سے رومال باندھ لیا اور اس طرح رومال باندھنے کا نام "علی شیری" رکھدیا۔ بنائیؔ جب ہرؔی سے سمرقند چلنے لگا تو پالان دوز سے اکہرا پالان سلوایا۔ اور اُس کا نام "علی شیری" رکھا۔ وہ پالان "علی شیری" مشہور ہوگیا۔ ایک شاعر صیفی بخاری تھا۔ اُس کی جو کچھ تصنیفات تھیں۔ اُن تصنیفات کے ثبوت میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کو لوگوں کے آگے پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دیوان تو اُس نے معمولی طرز سے لکھا ہے اور دوسرا تمام اہل حرفت کے واسطے ہے۔ اُس میں مثالیں بہت باندھی ہیں۔ اُس کی کوئی مثنوی نہیں ہے۔ اپنے اس قطعہ میں وہ کہتا ہے۔ قطعہ

مثنوی گرچہ سنتِ شعر است — من غزل فرضِ عین مے دانم
پنج بیتے کہ دلپذیر بود — بہتر از خمستین مے دانم

ایک رسالہ عروض کا فارسی میں بھی لکھا ہے۔ اشعار اُس کے کم ہیں۔ مگر ایک طرح وہ پُرگوہی کم تو اس سبب سے کہ کوئی کام کی بات نہیں لکھی۔ اور پُرگو اس لحاظ سے کہ چمکتے ہوئے فقرے۔ کھلے الفاظ اور اعراب کے ساتھ لکھے ہیں۔ شراب خوار تھا۔ گھوسم گھوسا خوب لڑتا تھا۔ ایک شاعر عبداللہ مثنوی گو جاؔم کا رہنے والا مّلا کا بھانجا تھا۔ ہاتفیؔ اُس کا تخلص تھا۔ خمسہ کے مقابلہ میں اُس نے مثنویاں لکھی ہیں۔ ہفت پیکر کے جواب میں تیمور نامہ لکھا ہے۔ اُس کی مثنویوں میں سے لیلی مجنوں بہت مشہور مثنوی ہے۔ گو جیسی شہرت ہے ویسی عمدہ نہیں ہے۔ ایک میر حسین معمائی تھا۔ غالبًا اُس جیسا معمّا کسی نے نہ کہا ہو۔ اُس کی عمر معمّا ہی کہنے میں گزری۔ عجب فقیر مزاج۔ نامراد اور بے بدل آدمی تھا۔ ایک ملّا محمد بدخشی تھا۔ اشکمش کا رہنے والا۔ جو داخلِ بدخشاں نہیں ہے۔ مگر تعجب ہے کہ تخلص بدخشی تھا۔ اُس کے اشعار مذکورۂ بالا شعراء کے اشعار کے برابر نہ تھے۔ فنِ معمّا میں اُس نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اُس کا معمّا عمدہ نہیں ہے۔ البتہ خوش صحبت آدمی تھا۔ سمرقند میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک یوسف بدیعی فرغانہ کا رہنے والا تھا۔ قصیدہ خاصا کہتا تھا۔ ایک آہی تھا۔ غزل اچھی کہتا تھا۔ آخر میں سلطان حسین مرزا

پاس آگیا تھا۔ صاحبِ دیوان تھا۔ ایک محمد صالح تھا۔ اُس کی غزلوں میں چاشنی ہوتی تھی مگر بندش اس چاشنی کے برابر نہ ہوتی تھی۔ تُرکی میں بھی شعر کہتا تھا۔ اور بُرا نہ کہتا تھا۔ آخر میں شیبانی خاں پاس آگیا تھا۔ وہاں تھوڑی بہت قدر ہو گئی تھی۔ تُرکی زبان میں شیبانی خاں کے نام پر ایک مثنوی لکھی ہے۔ لیلیٰ مجنوں کے وزن رمل مسدس میں جو وزن سبحہ ہے۔ یہ مثنوی سُست اور گری ہوئی ہے۔ ایک محمد صالح تھا۔ اُس کے شعروں میں مزہ نہیں ہے۔ سُننے والا شعر سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ تُرکی میں بھی شعر کہتا تھا۔ ولایت فرغانہ کو تنبل خانہ کہتے ہیں۔ اُس میں اتنی بڑی مثنوی کسی نے نہ لکھی ہوگی۔ یہ شخص شریر۔ ظالم اور بے رحم تھا۔ ایک شاعر شاہ حسین کامی تھا۔ اس کے اشعار بُرے نہیں ہیں۔ غزل گو تھا۔ غالباً اُس کا دیوان بھی ہو۔ ایک مثنوی بھی اُس نے لکھی ہے۔ ایک ہلالی تھا۔ دیوان کے علاوہ اس کی ایک مثنوی بھی ہے۔ اگرچہ اس کے اور اشعار ایک انداز کے ہیں مگر اس مثنوی کا مضمون اور بندش دونوں خراب ہیں۔ پچھلے شاعروں نے جو عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں اُن میں عاشق کو مرد اور معشوق کو عورت باندھا ہے۔ اس نے ایک فقیر کو عاشق بنایا ہے اور بادشاہ کو معشوق۔ جو افعال بادشاہ کے اقوال اور افعال کے لکھے ہیں اُن میں سراسر فحش ہے۔ اپنی مثنوی کے بنانے کے واسطے ایک بادشاہ کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ فواحش کی نسبت بھی نہیں لکھا جاتا۔ اس کا حافظہ بہت قوی تھا۔ چالیس ہزار شعر یاد تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر خمستین کے اشعار یاد کر لیے تھے۔ علم عروض و قافیہ میں اسکی بڑی شہرت تھی۔ اُس کے اشعار بُرے نہیں ہیں۔ صاحبِ دیوان بھی ہے۔

خوشنویس

یوں تو بہت سے خوشنویس تھے مگر خطِ نسخ و نستعلیق لکھنے میں سب سے اوّل سلطان علی مشہدی تھا۔ اس نے میرزا کے لیے اور علی شیر بیگ کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ہر روز تیس بیتیں میرزا کے واسطے اور تیس بیتیں علی شیر بیگ کے واسطے لکھا کرتا تھا۔

مُصوّر

مُصوّروں میں بہزاد تھا۔ بڑی باریک مصوری کرتا تھا۔ مگر امرد کا چہرہ اچھا نہ بناتا تھا غبغب کو بہت بڑھا دیتا تھا۔ ہاں ریش دار چہرہ اچھا بناتا تھا۔ ایک مصور شاہ مظفر تھا۔ بہت عمدہ مصوّر تھا۔ اُس کی عمر نے وفا نہ کی۔ ترقی کے زمانہ میں مر گیا۔

اربابِ نشاط

سازندوں میں خواجہ عبداللہ مروارید سے بہتر کوئی قانون نہ بجاتا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ایک قل محمد عودی تھا غشیرک بھی خوب بجاتا تھا۔ اُس نے غشیرک اور ستار ایسا لاجواب بجایا کہ گویوں اور سازندوں میں اُس سے پہلے کسی نے نہ بجایا ہوگا ایک شیخم نائی تھا عود اور غشیرک خوب بجاتا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر سے نے بجانی شروع کی تھی۔

ایک بار بدیع الزمان میرزا کی محفل میں ایسا کام کر گیا کہ قل محمد سے نہ ہو سکا۔ قل محمد عذر کرنے لگا کہ غشیرک اچھا نہیں ہے۔ شیخم نائی نے فوراً غشیرک کو قل محمد کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑی خوبی و صفائی کے ساتھ اُسی کو غشیرک سے ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ شیخم نائی کو اتنے نغمے یاد تھے کہ جہاں کوئی نغمہ سُنا اور کہہ دیا کہ فلاں پردہ کی فلاں آہنگ ہے۔ مگر پھیلاوا بہت کر دیا ہے۔ اُسکے دو ایک نقش بھی مشہور ہیں۔ ایک شاہ قلی غشیرکی تھا۔ عراق کا رہنے والا۔ خراسان میں آکر اُس نے ساز کی مشق کی۔ بڑا مشاق ہو گیا۔ بہت گتیں بجاتا تھا۔ ایک حسین عودی تھا۔ عود مزے سے بجاتا تھا۔ اور گاتا بھی اچھا تھا۔ عود کے تاروں کو ملا کر بجاتا تھا۔ اُس میں اتنا عیب تھا کہ ناز بہت کرتا تھا۔ ایک دفعہ شیبانی خاں نے ساز بجانے کی فرمائش کی۔ جان کر بُرا بجایا۔ اپنا عمدہ ساز بھی نہ لایا۔ ایک بیکار ساز اُٹھا لایا۔ شیبانی خاں سمجھ گیا۔ اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ شیبانی خاں نے ایک ہی عمدہ کام کیا ہے۔ ایسے نالائقوں کو اس سے بڑھ کر سزا دینی چاہیے۔ گویوں میں غلام شادی شادی گویّے کا بیٹا تھا۔ گو ساز بھی بجاتا تھا۔ مگر جن کا ذکر ہوا ہے اُن کے برابر نہ بجا سکتا تھا۔ آواز اچھی تھی۔ اور چیزیں خوب یاد تھیں۔ اُس زمانہ میں اُس کے برابر کوئی دوسرا نقش و صوت نہ بنا سکتا تھا۔ آخر شیبانی خاں نے اُس کو محمد امین فراخاں کے پاس بھیجدیا۔ پھر اُس کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایک میر عزیز تھا سازندہ بھی تھا۔ اور گویّا بھی تھا۔ اگرچہ اُس نے چیزیں کم بنائی ہیں۔ مگر جو بنائی ہیں مزہ کی ہیں۔ بنائی بھی مصنّف تھا۔ اور اچھے نقش و صوت رکھتا تھا۔

پہلوان

باکمال لوگوں میں سے ایک پہلوان پہلوان محمد سعید تھا۔ کشتی میں اُستادِ وقت تھا۔ شعر بھی کہتا تھا۔ موسیقی کے نقش و صوت بھی بناتا تھا۔ چہارگاہ میں اُس کے اچھے نقش و صوت ہیں۔ خوش صحبت آدمی تھا۔ پہلوانی کے ساتھ ان فنوں کا جمع ہونا ایک نادر امر ہے۔

سلطان حسین میرزا کے انتقال کا حال

سلطان حسین میرزا نے سفر کی حالت میں انتقال کیا۔ اس موقع پر بیٹوں میں سے بدیع الزّمان میرزا اور مظفر حسین میرزا موجود تھے۔ ایک تو مظفر حسین میرزا چہیتا تھا۔ دوسرے محمد برندوق برلاس جو اُسکی سرکار میں مختار تھا اُس کا اتکہ تھا۔ تیسرے اس کی ماں خدیجہ بیگم میرزا کی چڑھی بڑھی بیوی تھی۔ چوتھے میرزا کے امراء پہلے سے مظفر حسین میرزا کے طرفدار تھے۔ ان وجہوں سے بدیع الزّمان میرزا متردد تھا۔ اور آنا نہ چاہتا تھا۔ مظفر حسین میرزا اور محمد برندق خود گئے اور بدیع الزّمان میرزا کو مطمئن کر کے لے آئے۔ سلطان حسین میرزا کی لاش ہری میں لائے۔ شاہی رسم کے موافق برداشت کی۔

اور اُسی کے مدرسہ میں دفن کیا۔ اس وقت ذوالنّون بیگ بھی موجود تھا۔ محمد برندوق بیگ۔ ذوالنّون بیگ اور امرائے سلطان حسین میرزا نے بالاتفاق بدیع الزّمان میرزا اور مظفر حسین میرزا کو شراکت کے ساتھ بادشاہ کیا۔ بدیع الزّمان میرزا کے ہاں تو ذوالنّون بیگ اور مظفر حسین میرزا کے ہاں محمد برندوق مدار المہام ہوا۔ بدیع الزّمان میرزا کی طرف سے شیخ علی طغائی اور مظفر حسین میرزا کی جانب سے یوسف علی کوکلتاش داروغۂ شہر ہوا۔ یہ بڑی نادر بات ہوئی۔ کبھی بادشاہی میں شرکت نہ سُنی تھی۔ شیخ سعدی کا قول تو اس کے خلاف ہے۔ جیسا وہ گلستاں میں فرماتے ہیں۔ "دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند"۔

سنہ ۹۱۲ھ کے واقعات

خراسان کی روانگی

ماہ محرم میں ازبک کے دفع کرنے کے لیے خراسان جانے کا قصد ہوا غوربند اور شیرتو کے راستہ سے ہم چلے۔ چونکہ جہانگیر میرزا رنجیدہ ہو کر اُس ملک سے نکل گیا تھا۔ اس لیے اس خیال سے کہ ادیاق پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور فتنہ انگیز لوگ فساد برپا نہ کرسکیں مقام اشتہر میں گھر والوں سے علٰحدہ ہو ولی خازن اور دولت قدم قراول کو وہاں چھوڑ خود جریدہ میں روانہ ہوا۔ اُس دن ہم قلعۂ ضحاک میں اُترے۔ وہاں سے کوتل گنبدک اور کوتل دنداں شکن سے ہوتے ہوئے چتر سر پر لگائے ہوئے مرغزار کھمرد میں فروکش ہوئے۔ سلطان محمد دولدائی کو سید افضل خواب بین کے ساتھ کر کے کابل سے اپنے چلنے کی کیفیت سلطان حسین میرزا کی خدمت میں عرض کرا بھیجی۔ جہانگیر میرزا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ بامیان کے سامنے پہنچتے ہی بیس تیس آدمی لیکر وہ بامیان کی طرف چلا۔ جب قریب آیا تو میرے گھر والوں کے خیمے جو پیچھے رہ گئے تھے دیکھے۔ مجھے خیال کر کے فوراً اُلٹا پھر گیا۔ اپنے لشکر میں آتے ہی کسی شے کی پابندی نہ کی۔ اور کوچ کر دیا۔ پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔ سیدھا مرغزارکہ میں چلا گیا۔ شیبانی خاں نے بلخ کو گھیر رکھا تھا۔ بلخ میں سلطان قلی خاں تھا۔ شیبانی خاں نے دو تین سلطانوں کو تین چار ہزار آدمی کے ساتھ بدخشاں کی طرف بھیجا۔

مبارک شاہ وزیر اور ناصر میرزا میں گو پہلے بگاڑ تھا۔ مگر اس وقت وہ ناصر میرزا کے پاس آ گیا۔ ان دونوں نے کشم کے آخر کی طرف شاخدان کے مقام پر چھاؤنی ڈال دی تھی۔ یہاں ازبکوں نے ناصر میرزا پر شبخون مارنا چاہا۔ میرزا فوراً ایشتہ پر چڑھ گیا۔ اور اُس نے نفیری بجا کر اپنے لوگوں کو جمع کر لیا۔ انکے جاتے ہی ازبکوں نے پیچھا کیا۔ دریائے کشم طغیانی پر تھا۔ ازبک دریا سے عبور کر کے آئے تھے۔ اس سبب سے اُنکے بہت آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے گرفتار ہوئے۔

اور بہت سے ڈوب کر مر گئے۔ مبارک شاہ وزیر میرزا دریائے کشم کی اوپر کی جانب تھا۔ ازبکوں کی جو فوج اُس کی طرف آئی تھی اُس کو پشتہ کی جانب بھگا دیا۔ ناصر میرزا نے اپنے مقابل کے بھاگنے کے وقت یہ خبر سُنی۔ وہ بھی اُن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو سردار پہاڑ پر تھے وہ بھی اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے روانہ ہوئے۔ اس صورت میں ازبک مقابلہ نہ کر سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ ان میں سے بھی سینکڑوں مارے گئے۔ بہتیرے ڈوب گئے۔ اور بہت سے پکڑے گئے۔ تقریباً پندرہ سے ازبک ضائع ہوئے ہونگے۔ ناصر میرزا کو یہ بڑی فتح میسر ہوئی۔ جب ہم میدان کھمرد میں تھے تو ناصر میرزا کا آدمی یہ خبر لایا تھا۔ اسی نواح میں ہم تھے جو ہمارے سپاہی گئے اور غوری رد ہنہ سے غلّہ لائے۔ یہیں سید افضل اور سلطان دولدائی کے جو خراسان بھیجے گئے تھے خطوط آئے۔ اور سلطان حسین میرزا کے مرنے کی خبر آئی۔ اس خبر کے سُننے پر بھی اُس خاندان کے اعزاز کا خیال کر کے میں خراسان روانہ ہوا۔ البتہ اس روانگی میں اور غرضیں بھی شامل تھیں۔ درۂ اجر سے نکل نوب اور مندا غان کے راستہ سے ملخاب کے پہاڑوں میں ہوتے ہوئے صاف کے پہاڑوں میں پہنچے۔ سامان اور جاریک کے مقاموں پر ازبکوں کی چڑھائی کی خبر معلوم ہوئی۔ قاسم بیگ کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اُنکی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ گئے۔ اُنسے اور اُنسے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ انہوں نے اُن کو اچھی طرح زیر کیا۔ بہت سوں کے سر کاٹ لیے۔ جہانگیر میرزا اور اپنے متعلقوں کی طرف آدمی روانہ کیا۔ انکی خبر آتے تک کوہ صاف کے ایلاق میں ہم ٹھیرے رہے۔ اس نواح میں ہرن کثرت سے ہوتے ہیں۔ ایک بار شکار بھی کھیلا۔ دو ایک روز کے بعد قبائل آ گئے۔ ہر چند کہ جہانگیر میرزا نے انکے پاس آدمی بھیجے یہانتک کہ ایک دفعہ عماد الدین مسعود کو بھی بھیجا مگر وہ وہاں نہ گئے۔ اور میرے پاس چلے آئے۔ آخر میرزا مجبور ہو گیا۔ جب ہم کوہ صاف سے چلے اور درۂ بائی میں پہنچے تو وہ ملازمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ ہم کو خراسان جانے کی دُھن لگی ہوئی تھی اسلیے نہ میرزا سے ملے اور نہ قبائل کی پروا کی۔ کزروان۔ المار۔ قیصار اور چکتو سے ہوتے ہوئے درۂ جام ایک جائے ہے بادغیش کے توابع میں سے اُس میں آ کر ٹھیرے۔ ملک میں ایک غدر مچ رہا تھا ہر کوئی ملک اور قوموں سے زبردستی جو کچھ ہاتھ لگتا تھا لے لیتا تھا۔ ہمنے بھی اُس نواح کے ترکوں اور قبیلوں پر زور ڈالکر تحصیل کرنی شروع کی۔ اس دو ایک مہینے میں شاید تین سے تومان کبکی حاصل کیے ہونگے۔ چند روز پہلے ذوالنون کی فوج بطور ایلغار خراسان سے ازبکوں پر بھیجی گئی تھی۔ اُسنے پندوہ اور فرغچاق میں اُزبکوں کی خوب خبر لی۔ بہت سوں کو قتل کیا۔ بدیع الزمان میرزا ابن مظفر حسین میرزا برندوق برلاس۔ ذوالنون بیگ۔ شاہ بیگ اور ذوالنون کے لڑکوں نے شیبانی خاں پر (جو اُس وقت سلطان قلی خاں کو بلخ میں گھیرے ہوئے پڑا تھا) چڑھائی کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے آدمی بھیجکر سلطان حسین میرزا کے سب بیٹوں کو بلایا۔ اور خود شہر ہری سے باہر نکلے۔ بادغیش میں پہنچے تو بمقام چہل دختران

ابوالحسن میرزا بھی آکر ہمراہ ہوا۔ اسکے بعد ابن حسین میرزا بھی داژون اور فائن سے آگیا۔ کبیک میرزا مشہد میں تھا۔ کئی آدمی اُسکے پاس بھیجے۔ واہیات جواب دیکر بوداپن کرگیا۔ اور نہ آیا۔ اصل میں اُس کو مظفر حسین میرزا سے کاوش تھی۔ اور یہ خیال تھا کہ وہ تو بادشاہ ہو اور میں اُسکے سامنے یوں جاؤں۔ بھلا ایسے وقت میں کہ سارے چھوٹے بڑے بھائی ایک جائے جمع ہوں اور متفق ہوکر شیبانی خاں جیسے دشمن کے استیصال کا ارادہ کریں ایسا بے مزہ تعصب کیا۔ اس نہ آنے کو تعصب کون سمجھیگا۔ بلکہ سب نامردی خیال کرینگے۔ دنیا میں ایسی ہی حرکتیں لوگوں کی یادگار رہجاتی ہیں۔ عقلمند وہ حرکت کیوں کرنے لگا جس سے اُس کے بعد اُس کو بُرا کہتے رہیں۔ ہوشیار آدمی تو ایسا ہی امر کریگا کہ اُس کے پیچھے سب اُس کو اچھا کہیں۔ حکیموں نے بعد کے ذکر کو "عمرِ ثانی" کہا ہے۔ میرے پاس بھی ایلچی آئے۔ پھر محمد برندوق برلاس آیا۔ میں کیوں نہ جاتا۔ دو سے کوس کا راستہ اسی لیے طے کیا ہے۔ محمد بیگ کے ساتھ میں اُدھر روانہ ہوا۔ اُن دنوں میں سب میرزا مرغاب کے مقام میں آگئے تھے۔

میرزاؤں سے ملاقات

پیر کے دن جمادی الثانی کی چھٹی کو میرزاؤں سے ملاقات ہوئی۔ ابوالحسن میرزا آدھ کوس کے قریب استقبال کے لیے آیا تھا جب ہم قریب ہوئے تو ادھر میں گھوڑے پر سے اُترا۔ اُدھر ابوالحسن میرزا اُترا۔ دونوں آگے بڑھ کر بغلگیر ہوئے اور سوار ہو گئے۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ مظفر حسین میرزا آیا جو ابوالحسن میرزا سے چھوٹا تھا۔ چاہیے تھا کہ یہی پہلے استقبال کرتا۔ عجب نہیں کہ یہ پیچھے آنا نشہ کی وجہ سے اور عیش و عشرت کے سبب سے ہو۔ غرور یا تکبر سے نہ ہو۔ مظفر حسین میرزا اسنے تکلف کیا۔ ہم دونوں گھوڑوں ہی پر بیٹھے ہوئے باہم ملے۔ اسی طرح ابن حسین میرزا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سب ملکر بدیع الزمان میرزا کے مکان پر اُترے۔ بہت ہی انبوہ تھا۔ اتنی خلقت تھی کہ بعض کے پاؤں تین تین چار چار قدم تک زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ اگر کسی کام کے لیے کوئی اُٹھ پھرنا چاہتا تھا تو چار پانچ قدم بے اختیار پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ ہم بدیع الزمان میرزا کے دیوانخانہ میں پہنچے۔ قاعدہ تو یوں چاہیے تھا کہ اندر جاتے ہی میں زانو ماروں اور بدیع الزمان میرزا فوراً کھڑا ہوکر آگے آئے۔ پھر ہم دونوں ملیں۔ ہوا یہ کہ مکان میں داخل ہوتے ہی میں نے زانو مارا اور میں تو بے توقف آگے بڑھا۔ مگر بدیع الزمان میرزا ذرا دیر میں اُٹھا اور آہستہ چلا۔ قاسم بیگ میرا خیر خواہ تھا۔ میری عزت اُس کی عزت تھی۔ اُس نے میرا کمربند پکڑ کر کھینچا۔ میں سمجھ گیا۔ میں بھی رسان رسان چلنے لگا۔ جو جائے مقرر تھی وہاں ملاقات ہوئی۔ اس سفید اور بڑے مکان میں چار جائے مسندیں بچھائی تھیں۔ اس مکان کے ایک کنارہ کی طرف ایک در تھا۔ میرزا ہمیشہ اس در میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مسند تو اس در میں بچھائی تھی۔ بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا

اس مسند پر بیٹھے۔ دوسری مسند سیدھی طرف مکان کے صدر میں بچھائی۔ ابوالحسن میرزا اور میں
اُس پر بیٹھے۔ بدیع الزمان میرزا کی مسند کے آخر میں اُلٹی طرف تیسری مسند بچھائی تھی۔ اُس پر
قاسم سلطان ازبک (جو شیبانی خاں کے سلاطینوں میں سے تھا میرزا کا داماد اور قاسم حسین سلطان
کا باپ تھا) ابن حسین میرزا کے ساتھ بیٹھا۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف میری مسند کے آخر میں قریب ہی
چوتھی مسند بچھائی۔ جہانگیر میرزا اور عبدالرزاق میرزا اُس پر بیٹھے۔ محمد برندوق بیگ ذوالنون بیگ
قاسم بیگ۔ یہ تینوں قاسم سلطان اور ابن حسین میرزا سے سیدھے ہاتھ کی طرف بہت نیچے بیٹھے۔
آش تیار ہوئی۔ ہر چند کہ کوئی جلسہ نہ تھا مگر آش کے ساتھ سونے چاندی کی صراحیوں میں شربت
بھر کر صراحیاں دسترخوان پر رکھی گئیں۔ ہمارے بڑوں اور بھائی بندوں نے چنگیز خانی تورہ
کا بہت لحاظ رکھا۔ مجلس۔ دربار۔ شادی۔ آش خوری۔ اُٹھنے اور بیٹھنے میں اُس تورہ کے خلاف
کوئی بات نہیں کی۔ مگر تورہ آیت حدیث نہیں ہے کہ کوئی ضرور ہی اُس کا پابند ہو۔ ہاں جس سے
جو عمدہ قاعدہ جاری ہو وہ برتنا چاہیے۔ اگر باپ نے کوئی بُری رسم جاری کر دی ہو تو اُس کو
اچھی رسم سے کیوں نہ بدلیں۔ خیر۔ آش کھا کر ہم سوار ہوئے اور اپنے مقام پر آئے۔ ہمارے لشکر
اور میرزاؤں کے لشکروں میں ایک شرعی کوس کا فاصلہ تھا۔ دوسری ملاقات میں بدیع الزمان میرزا
نے پہلی طرح تعظیم نہ کی۔ میں نے محمد برندوق اور ذوالنون بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ گو میں عمر میں
چھوٹا ہوں مگر میرا درجہ بڑا ہے۔ بزرگوں کے تخت پر جو سمرقند میں ہے دو دفعہ بزور شمشیر میں بیٹھا ہوں
اِس خاندان کے دشمن سے جس نے اس قدر جنگ وجدل کی ہے وہ میں ہی ہوں۔ میری تعظیم
نہ کرنی بےوجہ بات ہے۔ اس بات کا چرچا ہوا۔ چونکہ میرا قول معقول تھا سب مان گئے۔ اور آخر
سب نے خاطر خواہ میری تعظیم کی۔ پھر ایک دفعہ بدیع الزمان میرزا پاس جانے کے موقع پر ظہر کی نماز
کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ میں اُن دنوں میں شراب نہ پیتا تھا۔ یہ بزم بڑی آراستہ تھی۔ ہر قسم کی
گزک خوانوں میں لگائی گئی تھی۔ مرغ اور قاز کے کباب تھے۔ طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم
بدیع الزمان میرزا کی مجلس کی بہت تعریف سُنتے تھے۔ فی الواقع نہایت عمدہ اور دلچسپ مجلس تھی۔
جب تک مرغاب میں رہے تین دفعہ میرزا کی مجلس شراب میں شریک ہونے کا موقع ہوا۔ وہ جان گئے
کہ میں شراب نہیں پیتا۔ اس لیے پھر مجھ سے نہ کہا۔ ایک بار میں مظفر حسین میرزا کی محفل میں بھی
گیا۔ حسین علی جلائر اور میر بدر اُن دنوں میں میرزا کے ملازم تھے۔ وہ بھی اُس جلسہ میں حاضر تھے۔
نشہ ہوتے ہی میر بدر خوب ناچا۔ شاید اس قطع کا ناچ میر بدر ہی کا ایجاد ہو۔ میرزاؤں کو ہری سے
نکلے اور بالاتفاق جمع ہو کر مرغاب میں آئے تین چار مہینے ہوگئے۔ سلطان قلی خاں نے تنگ ہو کر بلخ
شیبانی خاں کے حوالہ کر دیا۔ اس اجماع کی خبر سُننے سے بلخ لینے کے بعد ازبک سمرقند کی طرف مراجعت کی

ہمارے یہ میرزا اگرچہ جلسے کرنے اور ملنے جلنے میں ایک ڈھنگ کے تھے مگر سپاہ گری کے مکر و فریب اور لڑائی بھڑائی کی چال سے واقف نہ تھے۔ مرغاب ہی میں خبر آئی کہ حق نظر نے چار سے پانسے آدمیوں سے آکر چلکتو کے نواح کو لوٹ لیا۔ سب میرزا جمع ہوئے۔ بہتیری صلاحیں مشورے کیے مگر دفعتہً فوج اُدھر نہ بھیج سکے۔ مرغاب اور چلکتو میں دس کوس کا فاصلہ ہے۔ اس کام کو میں نے اپنے ذمّہ لیا۔ شرم کے مارے مجھے بھی اجازت نہ دی۔ شیبانی خاں اُلٹا پھر گیا تھا۔ اور سال آخر ہوگیا تھا۔ یہ تجویز قرار پائی کہ اس جاڑے میں ہر میرزا ایک مناسب جگہ قشلاق مقرّر کرے۔ گرمی کا موسم آتے ہی سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور غنیم کی خبر لیں۔ مجھے بھی خراسان میں قشلاق کے لیے کہلا بھیجا۔ چونکہ کابل و غزنی میں ترک۔ مغل۔ ایماق۔ احشام۔ افغان۔ ہزارہ وغیرہ مختلف قومیں جمع ہوگئی تھیں۔ اس سبب سے وہ پُرشور و شر مقام تھے۔ دوسرے خراسان و کابل میں اتنا بُعد ہے کہ برف وغیرہ مانع نہ ہو تو سب سے قریب پہاڑی راستہ مہینا بھر کا راستہ ہوگا۔ اور سیدھا راستہ چالیس پچاس دن کا۔ ملک بھی ابھی پورا قابو میں نہ آیا تھا۔ اس لیے میرے ہواخواہوں نے وہاں قشلاق کرنے کی صلاح نہ دی۔ میں نے عذر کہلا بھیجا۔ وہ بہت ہی اصرار کرنے لگے اور آخر بدیع الزمان میرزا۔ ابوالحسن میرزا اور مظفر حسین میرزا خود میرے پاس آئے اور ٹھیرانے پر مصر ہوئے۔ میرزاؤں کے سامنے میں دم نہ مار سکا۔ اوّل تو یہ کہ ایسے بادشاہوں نے خود آکر فرمایا دوسرے ہری جیسے شہر کے دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ آج دنیا میں وہ ایک بے نظیر شہر ہے سلطان حسین میرزا کے زمانہ میں اُس کی آبادی اور رونق نے دس حصّے بلکہ بیس حصّے ترقی کی تھی۔ ان وجوہ سے ٹھیر جانا قبول کر لیا۔ ابوالحسن میرزا مرو چلے گئے۔ ابن حسین میرزا تون اور قائن روانہ ہوئے۔ بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا ہری میں آئے۔ دو تین دن پیچھے میں بھی چل دختران اور تاش رباط کی راہ سے ہری کی طرف روانہ ہوا۔ پھپھی پاینده سلطان بیگم۔ خدیجہ بیگم۔ آفاق بیگم اور ابوسعید میرزا کی اور بیٹیاں سلطان حسین میرزا کے مرنے میں جمع ہوئی تھیں۔ سب میرزا کے مقبرہ ہی میں ٹھیری ہوئی تھیں۔ میں اُن سے جاکر ملا۔ اوّل پاینده بیگم سے زانو مار کر ملا پھر اسی طرح خدیجہ بیگم سے ملا۔ تھوڑی دیر وہاں توقف کیا۔ حافظ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اُن کو سُنتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ کے جنوب میں جہاں خدیجہ بیگم تھیں وہاں گیا: اُنہوں نے آش تیار کرائی۔ آش کھاکر پاینده بیگم کے مکان میں گیا۔ رات کو وہیں رہا۔ میرے ٹھیرنے کے لیے نئے باغ میں جائے مقرر کی تھی۔ دوسرے دن میں نئے باغ میں آ اُترا۔ اس باغ میں ایک رات رہا۔ وہ مقام میرے مناسب نہ سمجھا گیا۔ علی شیر بیگ کا مکان تجویز ہوا۔ جب تک ہری میں رہا اُسی مکان میں رہا۔ دوسرے تیسرے دن باغ جہان آرا میں بدیع الزمان کو سلام کر آتا تھا۔ کئی دن بعد

مظفر حسین میرزا نے مجھے اپنے مکان پر بُلایا۔ مظفر حسین میرزا باغ سفید میں رہتا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی وہیں بھیں رہیں خدیجہ بیگم سے ملنے گیا تو جہانگیر میرزا بھی میرے ساتھ گیا۔ آش اور کھانے کے بعد مظفر حسین میرزا ہم کو اس عمارت میں لایا جس کا نام طرب خانہ ہے اور جو بابر میرزا کی بنائی ہوئی ہے۔ طرب خانہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ یہ طرب خانہ ایک باغ میں ہے۔ چھوٹا سا دومنزلا مکان ہے۔ مگر عمارت دلچسپ ہے۔ اس کے اوپر کی منزل کو زیادہ تکلف سے بنایا ہے۔ اُس کے چاروں کونوں میں چار حجرے ہیں۔ چاروں حُجرے اور اُن کا مابین سب ایک مکان ہے۔ حُجروں کے مابین میں جو مکان ہیں وہ ایسے ہیں جیسے چار شہ نشینیں۔ اس مکان کے ہر ضلع کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ اس عمارت کو بابر میرزا نے بنایا تھا مگر تصویریں سلطان ابو سعید میرزا کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ یہ تصویریں اُن کی لڑائیوں کی ہیں۔ شمالی شہ نشین میں آمنے سامنے دو مسندیں بچھائی تھیں۔ مسند کے کنارے شمال کی طرف تھے۔ ایک مسند پر مظفر حسین میرزا اور میں بیٹھا۔ دوسری پر سلطان مسعود میرزا اور جہانگیر میرزا بیٹھا۔ چونکہ میں مہمان تھا اس لیے مظفر حسین میرزا نے مجھے صدر میں بٹھایا۔ ساقی کھڑے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے جام بھر بھر کے اہلِ بزم کو دینے شروع کیے۔ اہلِ بزم بھی جام شراب کو آبِ حیات کی طرح پینے لگے۔ مجلس گرم ہوگئی۔ میخواروں کو نشاں کے اُبھار ہوئے۔ اہلِ بزم کا خیال تھا کہ مجھے بھی شریک دور کریں۔ میں نے اُس وقت تک شراب نہ پی تھی۔ اور نہ اُس کی کیفیت و حالت کو میں پورے طور پر جانتا تھا۔ مگر ہاں یہاں آکر میرا دل للچانے لگا۔ لڑکپن میں مجھے شوق نہ تھا۔ بلکہ میں شراب کے نشہ کو اور اس کی حالت کو بھی نہ جانتا تھا۔ ابّا جان کبھی فرماتے بھی تھے تو میں انکار کر دیتا تھا۔ پیتا نہ تھا۔ ابّا جان کے انتقال کے بعد مولانا خواجہ قاضی کے قدم کی برکت سے میں زاہد اور پرہیزگار رہا۔ مشتبہ کھانے تک سے بچتا تھا چہ جائیکہ شراب پی لوں۔ بعد اسکے جو یہ لت لگی تو جوانی کے تقاضے اور نفس کی شامت سے لگی۔ کوئی دوسرا بہکانے والا نہ تھا۔ کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میرا دل شراب پینے کو چاہتا ہے۔ گو دل للچاتا تھا۔ مگر ایسا کام خود کرنا مشکل تھا۔ اب دل میں آئی کہ ایک تو یہ سب سر ہوتے ہیں۔ دوسرے ہری جیسے آراستہ شہر میں آیا ہوں جہاں دنیا بھر کے عیش و عشرت کے سامان موجود ہیں۔ پھر اب نہ پیونگا تو کب پیونگا۔ میں نے شراب پینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ بدیع الزمان میرزا بڑا بھائی ہے۔ اُس کے جلسہ میں اور اُس کے ہاتھ سے تو میں نے پی نہیں۔ اُس کے چھوٹے بھائی کے ہاں اگر پی لی تو بدیع الزمان میرزا کیا کہیگا۔ یہ سوچا۔ اور اسی کو میں نے بیان کر دیا۔ اس عذر کو سب مان گئے۔ اور اس جلسہ میں مجھے معاف رکھا۔

یوں ٹھیری کہ بدیع الزمان میرزا اور مظفر میرزا جب ایک جگہ ہوں تو دونوں کے کہنے سے میں
پیوں۔ اس مجلس میں گویّوں میں سے حافظ حاجی۔ جلال الدین محمود نائی اور غلام شادی
گویّے کا چھوٹا بھائی (جو چنگ بجاتا تھا) تھے۔ حافظ حاجی اچھا گایا۔ ہرات کے لوگ نیچے سُروں میں
چھوٹی آواز سے اور سیدھا سیدھا گاتے ہیں۔ جہانگیر میرزا کے ساتھ ایک گویّا میرخان نام۔
تھا۔ سمرقند کا رہنے والا۔ اونچے سُروں میں۔ بڑی آواز سے اور جلت پھرت کے ساتھ گاتا تھا۔
جہانگیر میرزا نے اُس موقع پر حکم دیا کہ گا۔ وہ بہت ہی گلا پھاڑ کر اور بُرا گایا۔ خراساں والے
ہنسی باز ہیں۔ ایسے گانے سے کسی نے تو کان بند کر لیے۔ کسی نے ناک چڑھائی اور مُنہ بنایا۔ مگر
میرزا کے لحاظ سے کوئی منع نہ کر سکا۔ مغرب کے بعد طرب خانہ سے اُٹھے اور اُس نئے قشلاق
کے مکان میں جو مظفر حسین میرزا نے بنوایا تھا آئے۔ جب ہم اس مکان میں آگئے تو نشہ کی زیادتی
سے یوسف کوکلتاش اُٹھ کھڑا ہوا اور ناچنے لگا۔ کسبی آدمی تھا۔ خوب ناچا۔ مظفر حسین میرزا نے
ایک تلوار۔ برّہ کی پوستین اور ایک تپچاق مجھے عنایت کیا۔ یہیں ترکی میں باتیں کیں۔ مظفر حسین میرزا
کے دو غلام تھے۔ ایک کا نام کتہ ماہ دوسرے کا نام کچک ماہ۔ نشہ میں وہ بھی گانے لگے۔
مگر بونگے گائے۔ بڑی رات تک جلسہ گرم رہا۔ پھر برخاست ہوا۔ اس رات میں یہیں رہا۔
قاسم بیگ نے جو سُنا کہ شراب پینے کی صلاح ہوئی ہے تو اُس نے ذوالنون بیگ سے کہلا بھیجا۔
ذوالنون بیگ نے میرزاؤں کو از راہ نصیحت بہت جھڑکا۔ آخر وہ تجویز موقوف رہی۔ مظفر حسین میرزا
کی مہمانداری کی خبر سُنکر بدیع الزمان میرزا نے مقوی خانہ میں جلسہ ٹھیرایا۔ اور میری دعوت
کی۔ میرے ساتھ میرے بعض مصاحبوں کو بھی بُلایا۔ میرے مصاحب میرے خوف سے شراب
نہ پی سکتے تھے۔ اگر کبھی پیتے بھی تھے تو مہینوں میں کسی دن دروازہ بند کر کے ڈرتے ڈرتے پیتے تھے۔
ایسوں ہی کو مدعو کیا۔ یہاں بھی اُنہوں نے یہ کیا کہ کبھی میری آنکھ بچا کر۔ کبھی ہاتھ کی آڑ میں مُنہ کر کے
سو جتنوں سے پیتے رہے۔ میری طرف سے تو ایسی صحبتوں میں عام اجازت تھی اس لیے کہ یہ صحبت
ایسی تھی جیسے باپ یا بڑے بھائی کی ہوتی ہے۔ غلام ایک عجیب چیز لائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ
کہ درخت کی اصلی شاخوں میں یا نقلی شاخوں میں شاخ کی لمبائی تک مہین مہین ایک شے
چھڑکی ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ تھا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ آخر قاز کے کباب کی قاب میرے آگے رکھی۔
میں اُس کا کاٹنا اور کھولنا نہ جانتا تھا۔ نہ کبھی میں نے دیکھا تھا۔ میں نے اُس پر ہاتھ نہ ڈالا۔
بدیع الزمان میرزا نے کہا کھاؤ نا۔ میں نے کہا اس کا الگ کرنا میں نہیں جانتا۔ فوراً بدیع الزمان میرزا
نے میرے آگے سے قاب کھینچ لی۔ اور قاز کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے میرے آگے رکھدی۔ ان کاموں
میں بدیع الزمان میرزا طاق تھا۔ اس جلسہ میں خنجر مرصع۔ چارقب اور تپچاق مجھ کو دیا۔ بیس دن

میں ہری میں ہالو رروز اُن مقامات کی سیر کرتا رہا جن کو نہ دیکھا تھا۔ یوسف علی کوکلتاش مجھے سیریں کروایا کرتا تھا۔ جس سیرگاہ میں ٹھیرتے تھے وہاں یوسف علی کوکلتاش ایک قسم کی آش حاضر کیا کرتا۔ اس بیس دن میں سوائے سلطان حسین میرزا کی خانقاہ کے شاید کوئی مشہور سیرگاہ دیکھنی رہ گئی ہو۔ جن مقاموں کی سیر میں نے تھوڑے دن میں کر لی وہ یہ ہیں:۔ کاریزگاہ۔ علی شیر بیگ کا باغ۔ جوار کاغذ۔ تخت ہستانہ۔ پل گاہ۔ کہدستان۔ باغ نظرگاہ۔ نعمت آباد۔ خیابان کاریزگاہ۔ سلطان احمد میرزا کا خطیرہ۔ تخت سفر نوائی تخت برکیر تخت حاجی بیگ شیخ بہاؤ الدین عمر کا مزار شیخ زین الدین کا مزار۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی کا مزار۔ ان کا مقبرہ۔ نمازگاہ مختار۔ حوض ماہیان ساق سلمان۔ بلوری (یہ ابو الولید کی تھی)۔ امام فخر۔ باغ خیابان۔ میرزا کے مدارس و مقابر۔ گہرشاہ بیگم کا مدرسہ اور مقبرہ اور جامع مسجد۔ باغ زاغان۔ باغ نو۔ باغ زبیدہ۔ آق سرائے (جس کو سلطان ابو سعید میرزا نے دروازۂ عراق کے پاس بنایا ہے)۔ پورن صفحہ سراندازان۔ چرغا لانک۔ میرواحد۔ پل یالان۔ خواجہ طاق۔ باغ سفید۔ طرب خانہ۔ باغ جہان آرا۔ کوشک۔ مقوی خانہ۔ سوسی خانہ۔ دروازۂ برج۔ حوض کلاں (جو جہان آرا کے شمال میں ہے) اس کے چار طرف کی چار عمارتیں۔ قلعہ کے پانچوں دروازے (دروازۂ ملک۔ دروازۂ عراق۔ دروازۂ فیروز آباد۔ دروازۂ خوش۔ دروازۂ قبچاق)۔ بازار ملک۔ چارسو۔ مدرسہ شیخ الاسلام۔ جامع مسجد ملکان باغ شہر بدیع الزمان میرزا کا مدرسہ (جو دریائے انجیل کے کنارہ پر ہے)۔ علی شیر بیگ کے رہنے کی مکان (جن کا نام الستہ ہے)۔ اُس کا مقبرہ۔ اُس کی مسجد (جسکو قدسیہ کہتے ہیں)۔ اُسی کا مدرسہ۔ خانقاہ (جن کو خلاصہ اور اخلاصیہ کہتے ہیں) اُسکا حمام۔ اُس کا دار الشفا (جو صفائیہ اور شفائیہ مشہور ہیں)۔ معصومہ بیگم (سلطان احمد میرزا کی چھوٹی بیٹی حبیبہ بیگم کے پیٹ کی) ان تباہیوں میں خراسان آگئی تھی۔ میں جو ایک دن اکام سے ملنے گیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ مجھ سے ملنے آئی دیکھتے ہی میری طبیعت اُس کی طرف سوچ کرنے لگی۔ میں نے اکام اور نیکام پاس خفیہ آدمی بھیجکر (میں پاینده سلطان بیگم کو اکام اور حبیبہ سلطان بیگم کو نیکام کہا کرتا تھا) شادی کا پیغام دیا۔ یہ بات قرار پائی کہ میرے جانے کے بعد نیکام اپنی بیٹی کو لیے ہوئے کابل میں آجائیں۔ محمد برندوق بیگ اور ذوالنون بیگ نے یہاں قشلاق کرنے کے لیے مجھ سے اصرار تو کیا تھا مگر نہ اچھی جگہ تجویز کی اور نہ سامان دیا۔ جاڑا سر پر آگیا۔ کابل اور خراسان کے بیچ میں برف پڑنے لگی۔ کابل کی طرف سے اطمینان نہوا تھا۔ ان لوگوں نے نہ کسی جائے قشلاق کے لیے سامان دیا۔ نہ کسی جائے سامان کے ساتھ قشلاق مقرر کیا۔ اور ضرورت ہو گئی۔ میں صاف صاف کہہ سکتا نہ تھا۔

ہرات سے مراجعت | شبرات کی ساتویں کو قشلاق کا بہانہ کر کے میں ہری سے نکلا۔ لنگر بابا حسینی میں

ہر ہر پڑاؤ پر ایک ایک دو دو دن مقام کرتا ہوا چلا۔ یہ اس لیے کہ جو لوگ ضروری کاموں کے لیے ادھر اُدھر چلے گئے ہیں وہ آجائیں۔ اس میں اتنا توقف ہوا کہ لنگر میر غیاث سے آگے بڑھنے کے بعد دوسری تیسری منزل میں رمضان شریف کا چاند دکھائی دیا۔ جو لوگ کام کاج کرنے چلے گئے تھے اُن میں سے کچھ تو آگئے اور کچھ میرزاؤں کے پاس رہ گئے۔ رہنے والوں میں سے ایک سیدم علی دربان تھا وہ بدیع الزمان میرزا کا نوکر ہو گیا۔ خسرو شاہ کے نوکروں میں سے اتنی رعایت میں نے کسی کی نہ کی تھی۔ جب جہانگیر میرزا غزنی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا تو غزنی میں نے سیدم علی کو دیدیا تھا۔ یہ اپنے سالے ایلو شیخ کو غزنی میں چھوڑ کر لشکر میں آگیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ خسرو شاہ کے آدمیوں میں سیدم علی دربان اور محب علی قورچی سے بہتر دوسرا نہ تھا۔ سیدم علی کے اطوار و اخلاق اچھے تھے۔ تلوار کا دھنی تھا۔ یاروں کا یار تھا۔ سخی تھا۔ کفایت شعاری کے ساتھ باسامان تھا۔ اس کی ہنسی ہو کھلی مزے کی تھی۔ باتیں اس کی میٹھی تھیں۔ خلیق۔ باتون اور ہزل گو تھا۔ اس میں یہ عیب تھا کہ جھوٹا۔ بدکار اور اغلامی تھا۔ مذہب کا ڈھل مل یقین تھا۔ منافق بھی تھا۔ بعض اُس کے نفاق کو بیہودہ گوئی پر محمول کرتے ہیں۔ مگر نہیں تھا منافق۔ جس وقت بدیع الزمان میرزا ہری کو غنیم کے حوالے کرکے شاہ بیگ پاس آیا تو شاہ بیگ اور میرزا کے درمیان میں منافقانہ باتیں بنانے سے سیدم علی کو قتل کرکے دریائے ہیرمند میں اُسکی لاش پھنکوا دی گئی۔ محب علی کا حال آگے بیان کیا جائے گا۔ لنگر میر غیاث سے چل کر غرجستان کے کنارہ کے دیہات کو زیر کرتے ہوئے ہم نجیران میں پہنچے۔ لنگر سے نواح نجیران تک برابر برف تھی۔ جس قدر ہم چلتے گئے اُسی قدر برف اونچی ہوتی گئی۔ نواح نجیران میں گھوڑے کی ران سے اونچی برف تھی۔ نجیران ذوالنون بیگ کے علاقہ میں تھا۔ اُس کا ملازم میرک خان آبردہ یہاں کا حاکم تھا۔ ذوالنون بیگ کے سارے غلّہ کی قیمت دیکر غلّہ خرید لیا گیا۔ نجیران سے جب ہم آگے پہنچے تو دو تین دن کے بعد ایسی بیحد برف پڑنے لگی کہ گھوڑوں کے پٹھوں سے اونچی تھی۔ اکثر جائے گھوڑے کا پاؤں زمین پر نہ پہنچتا تھا۔ اور برف برابر پڑ رہی تھی۔ جب ہم چراغدان سے گزرے تو برف بھی بلند تھی۔ اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ لنگر میر غیاث میں مشورہ ہوا تھا کہ کابل کس راستہ سے چلیں۔ میری اور اکثر کی رائے تھی کہ جاڑا ہے۔ قندھار سے چلنا چاہیے۔ گو راستہ دور کا ہے مگر بے کھٹکے چلے چلیں گے۔ پہاڑ کے راستہ میں خوف اور دقت ہے۔ قاسم بیگ نے کہا۔ وہ راستہ دور کا ہے۔ اور یہ پاس کا۔ وہ اس پر اڑ گیا۔ آخر اُسی کے کہنے پر چلے۔ سلطان نام ایک پشتوئی رہبر ہوا۔ معلوم نہیں کہ کثرت برف سے یا کسی اور سبب سے راستہ سے نہ لیجا سکا۔ چونکہ قاسم بیگ کی ہٹ سے اس طرف چلے تھے اس لیے اُسکو غیرت آگئی۔ وہ اور اُس کے بیٹے پیدل ہو کر برف کاٹ کاٹ کر رستہ کرنے لگے۔ اور آگے بڑھنے لگے۔ ایک دن برف بھی بہت پڑ رہی تھی اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت ہی ہاتھ پاؤں مارے

مگر ہم ایک قدم نہ چل سکے۔ ناچار اُلٹے پھرے۔ ایک جا کے اینڈھن ڈھیروں تھا۔ وہیں اُتر پڑے
ساتھ ستّر سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس راستہ سے ہم آئے ہیں اُدھر ہی جاؤ۔ ہزارہ قوم کے لوگوں
نے پہاڑوں کے نیچے قشلاق کیا ہوگا۔ اُن میں سے راستہ دکھانے کے لیے کوئی اگوا لاؤ۔ انکے
آنے تک تین چار دن ہم اُس منزل میں پڑے رہے۔ یہ جانے والے کوئی اچّھا رہبر نہ لائے تھے
خدا پر توکّل کر سلطان پشنوئی اگوے ہی کو آگے رکھّا اور اُسی راستہ سے جہاں سے اُلٹے پھرے
چل کھڑے ہوئے۔ ان دنوں میں بہت ہی مصیبت اور محنت اُٹھانی پڑی۔ اپنی عمر میں اتنی مصیبت
اور محنت کبھی نہ اُٹھائی تھی۔ تقریبًا ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے۔ اور کوس ڈیڑھ کوس سے زیادہ
نہ چل سکے۔ میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جس میں قاسم بیگ مع اپنے دونوں بیٹوں کے دستگیر بردی
اور قنبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے پیدل ہو گیا۔ ہم سب ملکر برف کاٹتے تھے۔ ہر قدم پر کمر
اور سینہ تک برف میں دھنس جاتے تھے اور برف کھودتے تھے۔ چند قدم چلنے کے بعد جو آگے ہوتا تھا
وہ تھک کر اور چلکر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دوسرا آگے بڑھتا تھا۔ ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودتے والے
تھے۔ یہ حال تھا کہ ایک خالی گھوڑے کو کھینچتے لاتے تھے۔ رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہتا
تھا۔ دس پندرہ قدم چل کر ٹھیر جاتا تھا۔ اُس کو کونے میں کھڑا کر دیتے تھے۔ اور دوسرے کو بڑھا لاتے
تھے۔ اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹتے تھے۔ اور اپنے گھوڑے گھسیٹ لاتے تھے۔ باقی
تمام اچھّے اچھّے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کہلاتے تھے گھوڑوں پر سے کھسکتے نہ تھے۔ کھدے ہوئے
اور صاف راستہ سے سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف دی جائے۔
جس کو ہمّت ہو وہ خود پل پڑے۔ خیر اسی طریق سے برف کاٹتے ہوئے اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز
میں کوتل زرین کے آخر خوال قوتی نام ایک مقام ہے اُسمیں آئے۔ اُس دن بڑی پریشانی ہوئی۔ ایسی برف
پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی۔ یہاں والے غار اور کھو کو خوال کہتے ہیں۔ اس خوال کے پاس جو پہنچے تو
اور بھی پریشانی پیدا ہوئی۔ اسی خوال کے پاس ٹھیر گئے۔ برف بلند۔ راستہ چھُپا ہوا۔ کھودی ہوئی راہ میں
بھی گھوڑے دقت سے چلتے۔ دن تھوڑا رہ گیا۔ آگے چلنے والے دن ہی دن میں خوال کے پاس جا پہنچے مغرب
سے عشا تک تو لوگ آ گئے۔ پھر نہ آ سکے۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ بہتیروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ ہی پر رات
گزاری۔ خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی۔ میں نے خوال کے مُنہ کے پاس برف ہٹا تکیہ نمد کے برابر اپنے لیے
جائے نکالی۔ اور وہیں سمٹ کر میں ہو بیٹھا سینہ تک برف کھودی تھی۔ پھر بھی زمین نہ نکلی۔ البتّہ ہوا کا بچاؤ ہو گیا۔
میں وہیں بیٹھا رہا۔ کئی آدمیوں نے کہا کہ اندر چلے جائیے۔ میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں
اور میں گرم مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں۔ ساری قوم مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہے اور میں لمبے پاؤں
پسار کر سوؤں۔ یہ تو مروّت اور یکجہتی سے بعید ہے۔ جو تکلیف گزرے میں بھی اُسکا مزہ چکھوں جسطرح اور خدا کے بندے

مصیبتیں سہیں میں بھی سہوں۔ فارسی مثل مشہور ہے "مرگ بیاراں عید است"۔ اُسی ٹھنڈا اور گڑھے میں جو کھو دلیا تھا میں بیٹھا رہا۔ عشا کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں جو گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا تو میری بیٹھ پر۔ میرے سر اور کانوں پر چار چار اُنگل برف تھی۔ اُسی رات میرے کانوں میں سردی بیٹھ گئی۔ عشا کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹٹولا۔ وہ چلائے کہ کھو بہت فراخ ہے۔ سب کو جائے ملجائیگی۔ یہ سُنکر سر اور مُنہ پر سے برف جھاڑ میں بھی کھو کے اندر چلا گیا۔ جو لوگ کھو کے باہر ادھر گرد سردی کھا رہے تھے اُنکو بھی بُلا لیا۔ چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ ملگئی۔ آذوق یخنی۔ قورداغ اور جو کھانا جس پاس تھا وہ اُسنے پیش کیا۔ ایسی سردی۔ برف اور پریشانی میں بڑے امن کی گرم جائے میں فراغت کے ساتھ ہم آگئے۔ دوسرے دن وہ برف تھمی اور پریشانی موقوف ہوئی۔ صبح ہی وہاں سے چل نکلے۔ وہی کل کی طرح برف کاٹتے اور راستہ بناتے ہوئے دامنہ کو اوپر نکل آئے۔ جو راستہ اوپر کی طرف جاتا تھا وہ بہت اونچائی پر جاتا تھا۔ (اسکو کوتل زرین کہتے ہیں) ہم اوپر کی جانب نہ گئے۔ درہ کے نیچے کی طرف روانہ ہوئے۔ دامنہ سے ہم نیچے نہ پہنچنے پائے تھے کہ شام ہوگئی۔ درہ ہی میں ڈیرے ڈالدیے۔ اُس رات بڑی سردی تھی۔ بہت مصیبت اور سختی سے وہ رات بسر ہوئی۔ بہت سوں کے ہاتھ پاؤں کو جاڑا مار گیا۔ اس رات میں کتہ بیگ کے پاؤں۔ سوندرک ترکمان کے ہاتھ اور آقی کے پاؤں کو ٹھنڈک نے مار دیا۔ دوسرے دن صبح کو درہ سے نیچے کی جانب ہم روانہ ہوئے۔ بڑے خراب اور تنگ مقاموں سے اُترنیکا موقع ملا۔ مغرب کے وقت درہ سے باہر نکلے۔ کسی بوڑھے بڑے کو یاد نہیں ہے کہ اس پہاڑ میں سے ایسے وقت میں کہ اتنی برف پڑتی ہو کوئی صحیح سلامت نکل گیا ہو۔ بلکہ اس موسم میں ادھر سے راستہ چلنا کسی کے خیال ہی میں نہ آتا ہوگا۔ اگرچہ اس اونچی برف سے چند روز بہت تکلیف اُٹھائی مگر اسی اونچی برف کے طفیل منزل پر بھی پہنچ گئے۔ کیونکہ اگر برف اتنی اونچی نہ ہوتی تو اول ہی مقام میں گھوڑے۔ اونٹ اور آدمی سب کا کام تمام ہوجاتا ؎

ہر نیک و بدے کہ در شمار است　　تا درنگری صلاح کار است

عشا کے وقت ہم یکہ اولانگ میں آن اُترے بلکہ اولانگ والے ہمارے اُترتے ہی ہمارے آنے سے آگاہ ہوئے۔ اُنہوں نے گرم مکان خالی کر دیے۔ ہمارے لیے موٹی موٹی بکریاں وغیرہ حاضر کیں۔ گھوڑوں کے لیے دانہ گھانس اور سینکنے کے لیے پھونس اور اُپلوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اُس ستم کی سردی اور برف سے نجات پاکر ایسے گاؤں اور گرم مکانوں کا ملنا اور اُس مصیبت وبلا سے بچکر ایسی الغاروں روٹیاں اور یہ دُم سم چربائی ہوئی بکریاں نصیب ہوئی ایک نعمت ہے جسکو محنت کرنیوالے ہی جانتے ہیں۔ اور ایک پرورش ہے جسکو بلاکش ہی پہچانتے ہیں۔ دلجمعی اور فراغت کے ساتھ یکہ اولانگ میں ایک دن مقام کیا۔ یکہ اولانگ سے کوچ کر کے دو فرسنگ پر ڈیرے کیے۔ دوسرے دن عید ہوئی۔ بامیان میں سے ہو شبرتو پہاڑ سے نیچے اُترے۔ اس ترتیب میں جکدلک کو چھوڑ دیا۔ ہمارے سر راہ ہزارہ ترکمان مع گھر بار کے قشلاق میں پڑے ہوئے تھے۔ اُنکو اصلا ہماری

خبر نہ تھی۔ دوسرے دن جو کوچ ہوا تو اُن کے پڑاوؤں اور ڈیروں میں ہم جا گھسے۔ اُن کے دو تین پڑاؤ تو لُٹے۔ باقیوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ صرف اپنی جانوں اور بال بچوں کو لے پہاڑ کا راستہ لیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ کئی ہزار آدمی نے لشکر کے اگلے لوگوں کو ایک تنگ مقام میں گھیر رکھا ہے۔ تیروں کی بوچھار کر رکھی ہے۔ اور کسی کو جانے نہیں دیتے۔ یہ سُنتے ہی میں پلٹا۔ پاس پہنچکر میں نے دیکھا کہ جائے تو تنگ نہیں ہے۔ ہاں کچھ ہزارہ لوگ ایک پہاڑ کی مینی گاہ پر سے تیر مار رہے ہیں۔ ایک ٹیکرے پر اچھے اچھے جوان اکھٹے کھڑے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہزارہ لوگوں نے اگلے سپاہیوں کا جو راستہ روک رکھا ہے تو سب حیران ہو رہے ہیں۔ اس موقع پر میں اکیلا لپکا اور جو لوگ بھاگے جاتے تھے اُن کو "یورپور" کہکر تسلی دی۔ ان میں سے لیک نے بھی میری نہ سُنی۔ دشمن کی طرف کسی نے مُنہ نہ کیا۔ ہر کوئی ہر جگہ ٹھیرا رہا۔ گو سوائے ترکش اور کمان کے میرے پاس اَور ہتھیار وسامان نہ تھا۔ اور میرے دل میں یہ بات بھی آئی کہ نوکر اسی دن کے لیے رکھتے ہیں کہ موقع پر اپنے کام آئے اور مالک پر جان فدا کرے۔ نہ اس لیے کہ نوکر کھڑا مُنہ دیکھے اور آقا دشمن کا مقابلہ کرے۔ مگر میں نے اپنا گھوڑا مقابلہ کے لیے ڈالدیا۔ جب لوگوں نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ اُس پہاڑ کے پاس جہاں ہزارہ تھے پہنچتے ہی ہم نے اُن کے تیروں کی ذرا پروا نہ کی اور چڑھنا شروع کر دیا۔ کبھی پیدل ہو کر چڑھنے لگتے تھے۔ کبھی سوار۔ غنیم نے جو دیکھا کہ لشکر ہجوم کرکے چڑھ آیا تو وہ بھاگ نکلا۔ اب ہمارے سپاہیوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ سب پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ہرنوں کی طرح اُن کو آگے رکھ لیا۔ اور شکار کرنا شروع کیا۔ جو پکڑ گئے اُنکا مال اسباب چھین لیا گیا۔ بال بچے قید کر لیے۔ اُنکے مال میں سے کچھ بکریاں میں نے بھی گھیریں۔ یارک طغائی کے سپرد کر کے میں آگے بڑھا۔ پہاڑوں کی بلندیوں سے گزرتا ہوا۔ ہزارہ کے گھوڑے بکریاں آگے رکھے ہوئے لنگر تیمور بیگ میں ہم اُترے۔ ہزارہ قوم کے چودہ پندرہ سردار جو اُن میں سرکش اور لُٹیرے تھے گرفتار ہو گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ جہاں ٹھیرینگے وہاں ان کو قتل کر دیا جائیگا۔ اس سے سب ڈاکوؤں اور سرکشوں کو عبرت ہو جائے گی۔ اتفاقاً قیدی قاسم بیگ سے مِل گئے۔ قاسم بیگ نے رحم کر کے بیموقع رہائی دیدی۔

مثنوی۔ نکوئی با بداں کردن چنان است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

زمین شور سنبل بر نیارد — درو تخم عمل ضائع مگرداں

غرض سارے قیدی چھوڑ دیے۔

خان میرزا کی بغاوت اور اُس پر فتح پانا۔

اسی یورش کرنے کے موقع پر سُننے میں آیا کہ محمد حسین دوغلت اور سلطان سنجر برلاس نے اُن مغلوں کو جو کابل میں رہ گئے تھے اپنے ساتھ ملا خان میرزا کو بادشاہ بنا کابل کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اور لوگوں میں یہ خبر

اُڑادی ہے کہ بدیع الزمان میرزا اور مظفر حسین میرزا نے بادشاہ کو پکڑ کر ہرات کے قلعہ اختیارالدین (جواب بالا قورغان مشہور ہے) میں قید کر دیا۔ کابل میں ملا بابا ساغرچی۔ خلیفہ محب علی قورچی۔ احمد یوسف اور احمد قاسم تھے۔ انہوں نے فوراً قلعہ بندی کر لی اور شہر کی حفاظت کرنے لگے۔ لنگر تیمور بیگ سے میں نے محمد اندجانی (قاسم بیگ کا نوکر) کے ہاتھ امرائے کابل کو لکھ بھیجا کہ میں یہاں آگیا ہوں۔ اور یہ تجویز کی کہ ہم غوربند سے نکل کر اُن پر دفعتًہ جا پڑیں۔ نشانی یہ ہو کہ ہمارے باہر آنے کے بعد پہاڑ کے منار پر تم آگ روشن کرو۔ ہم سمجھ جائیں گے کہ ہمارے آنے کو تم جان گئے۔ ہم اِدھر سے پہنچیں گے تم اُدھر سے باہر نکلنا۔ اور جس قدر تم سے ہو سکے کمی نہ کرنا۔ یہ باتیں محمد اندجانی کے ہاتھ کہلا بھیجیں۔ دوسرے دن صبح لنگر سے چلے۔ اور شہر استر کے پاس اُترے۔ وہاں سے چاشت کے وقت غوربند کے درہ سے نکل پل پر آ ٹھہرے۔ گھوڑوں کو سستایا۔ اور ٹھنڈا کیا۔ ظہر کے وقت پل سے چلے۔ توتقاول تک تو برف نہ تھی۔ جب توتقاول سے آگے بڑھے تو جس قدر چلتے گئے برف زیادہ ہوتی گئی۔ دہ یخی میں خوب سردی پڑی۔ ایسی سردی سے مجھے اپنی عمر میں کبھی پالا نہ پڑا تھا۔ احمدی بساول اور باقر اور احمد یورچی کو امرائے مقیم کابل پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ ہم وقت موعود پر آتے ہیں۔ تم ہوشیار رہو۔ اور سنبھل جاؤ۔ کوہ منار سے چل کر دامنۂ کوہ میں اُتر آئے۔ جاڑے کے مارے دم نہ رہا تھا۔ آگ سلگا کر تاپنے لگے۔ اگرچہ وہ محل آگ جلانے کا نہ تھا مگر ٹھنڈ نے عاجز کر دیا تھا۔ اس لیے الاؤ لگا دیا تھا۔ پو پھٹ چکی تھی جو کوہ منارہ سے ہم چلے۔ کابل اور کوہ منار کے مابین گھوڑے کی ران تک برف تھی۔ راستہ چلنے والے مشکل سے چلتے تھے۔ اس سارے راستہ میں ہم برف ہی میں دھنسے رہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ وقتِ موعود پر کابل میں بڑی دقت سے پہنچنا ہوا۔ بی بی ماہ رو پر ہمارے پہنچتے ہی قلعہ سے آگ کی روشنی نمایاں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قلعہ والے خبردار ہو گئے۔ جب ہم سید قاسم کے پل پر پہنچے تو شیرم طغائی کو فوج برنغار کے ہمراہ ملا بابا کے پل کی طرف روانہ کیا۔ قول اور جرانغار کو بابا یوبی کے راستہ سے ہم لے گئے۔ جہاں اب خلیفہ کا باغ ہے اُس زمانہ میں وہاں الغ بیگ میرزا کا بنایا ہوا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ حویلی کی قطعہ کاٹ کباڑ تو اس کا گل گیا تھا مگر چار دیواری باقی تھی۔ خان میرزا اسی میں تھا۔ محمد حسین میرزا الغ بیگ میرزا والے باغ بہشت میں تھا۔ میں ملا بابا کے باغ کی طرف والے قبرستان میں پہنچا۔ جو لوگ تیزی سے آگے بڑھ گئے تھے پلٹ کر میرے پاس آئے۔ یہ آگے بڑھنے والے اُس مکان میں جس میں خان میرزا تھا جا گھسے۔ اور یہ چار آدمی تھے۔ سید قاسم ایشک آقا۔ قنبر علی۔ شیر قلی قراول مغل اور سلطان احمد مغل (شیر قلی مغل کی فوج میں کا) ان چاروں کے بے تحاشا اُس حویلی میں (جس میں خان میرزا تھا) گھستے ہی غل مچ گیا۔ خان میرزا گھوڑے پر بیٹھ نکل بھاگا۔

محمد حسین قوربیگی کے چھوٹے بھائی نے (جو خان میرزا کا نوکر ہو گیا تھا) شیر قلی مغل کے تلوار ماری۔ اُسکا سر کاٹ ڈالا تو جھٹکا رہا ہوا۔ غرض یہ چاروں تلوار اور تیر کے زخم کھائے ہوئے جہاں کا میں نے ذکر کیا ہے وہاں میرے پاس آئے۔ ایک تنگ مقام میں سوار جمع ہو گئے۔ اور بھیڑ ہو گئی۔ اوپر والے بھی ایک جائے ہو گئے۔ نہ آگے جا سکتے ہیں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو لوگ میرے پاس تھے اُنسے میں نے کہا نیچے اُترو اور حملہ کرو۔ دوست ناصر۔ محمد علی کتابدار۔ بابا شیرزاد شاہ محمود دادر اَور جوان نیچے اُتر کر تیر مارنے لگے۔ اُدھر والوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ قلعہ والوں کی ہم نے بہت راہ دیکھی مگر وہ وقت پر نہ آسکے۔ دشمن کے پست ہونے کے بعد ایک ایک دو دو آنے لگے۔ میں ابھی اُس چار باغ میں جس میں خان میرزا تھانہ گیا تھا کہ قلعہ والوں میں سے یوسف اور سید یوسف آئے۔ میرے ساتھ اُس باغ میں جہاں خان میرزا تھا پہنچے۔ معلوم ہوا کہ خان میرزا یہاں سے بھاگ گیا۔ میں جلدی سے اُلٹا پھرا۔ احمد یوسف میرے پیچھے پیچھے تھا۔ چار باغ کے دروازہ سے پُل پر دوست پیادہ (جس کو دلیری کے صلہ میں میں نے کوتوال کابل کر دیا تھا) ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے مجھ پر جھپٹا۔ میں جیبہ پہنے ہوئے تھا مگر بچی نہ باندھے ہوئے تھا۔ دو بلغہ بھی نہ پہنا تھا۔ ہر چند "ہے دوست۔ ہے دوست" کہکر میں چلایا۔ اور احمد یوسف بھی چیخا۔ مگر یا تو اس سبب سے کہ سردی اور برف سے میری صورت پلٹ گئی تھی یا اضطراب جنگ ہو۔ اُسنے مجھے نہ پہچانا اور میرے کھلے ہوئے بازو پر ہاتھ مارا۔ عنایت الٰہی سے میں بال بال بچا۔

اگر تیغ عالم بجنبد ز جائے — نہ بُرّد رگے تا نخواہد خدائے

خدائے تعالےٰ نے مجھے اس دعا کی برکت سے بچا لیا جو میں پڑھا کرتا تھا۔ وہ دعا یہ ہے:۔
اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ عَلَیْکَ اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ مَا شَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَآءْ لَمْ یَکُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَاَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ وَمِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ غَیْرِیْ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ دَآبَّۃٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّکَ اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ وہاں سے میں باغ بہشت میں آیا جہاں محمد حسین میرزا تھا۔ وہ بھاگ کر چھپ گیا۔ باغ کے ایک مقام پر جہاں سے محمد حسین میرزا کودا تھا سات آٹھ آدمی کمانیں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ میں نے اُن کی طرف گھوڑا ڈپٹایا۔ وہ مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ نکلے۔ میں نے پہنچکر ایک کے تلوار ماری۔ تلوار کا ہاتھ ایسا پڑا کہ میں سمجھا شاید اس کا سر اُڑ گیا۔ میں آگے بڑھا جس کے میں نے تلوار ماری تھی وہ خان میرزا کا کوکلتاش بولک کوکلتاش تھا۔ تلوار اُس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔ جب میں اُس مکان کے دروازہ پر پہنچا

جس میں محمد حسین میرزا تھا تو اوپر سے ایک مغل نے جو میرا نوکر تھا اور میں اُسکو پہچانتا تھا۔ ایک تیر جوڑ کر میری طرف رُخ کیا۔ ادھر اُدھر سے "ہیں ہیں بادشاہ ہیں" آوازیں پڑنے لگیں۔ تیر کو پھینک کر وہ بھاگ گیا۔ تیر مارنے کا کام رہا تھا۔ میرزا اور اُسکے سردار بھاگ چکے تھے۔ بعض سردار گرفتار ہوگئے تھے۔ کس کے تیر مارے جاتے۔ یہیں سلطان سنجر کو (اس کو میں نے تومان نیکہار دیا تھا اور یہ بھی اس بغاوت میں شریک تھا) پکڑ کر اور اس کی گردن باندھکر گھسیٹتے ہوئے لائے۔ وہ گھبرانے لگا اور لگا چیخنے "ہائے ہائے"۔ لوگوں نے کہا کہ تیرا جرم اس سے بڑھکر ہے کیونکہ ان سب کا سرغنہ تو ہی ہے۔ چونکہ میرے سوتیلی ماں شاہ بیگم کا وہ بھانجا تھا اس لیے میں نے حکم دیا کہ اتنا بے عزت نہ کرو اور کشاں کشاں نہ لاؤ۔ یہاں سے نکل کر احمد قاسم کوہ بر کو جو امرائے متعینۂ قلعہ میں سے تھا خان میرزا کی تلاش میں روانہ کیا۔ اسی باغ کے ایک گوشہ میں شاہ بیگم اور خانیم مقیم تھیں۔ میں اُن دونوں سے ملنے گیا۔ شہر کے لُچے گُنڈے لاٹھیاں لیے ہوئے لوٹ مار پر اُترے ہوئے تھے۔ اور لوگ لوٹنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھکر میں نے لوگوں کو مقرر کیا کہ ہر طرف سے بلوائیوں کو مار کر نکالدیا جائے۔ شاہ بیگم اور خانیم ایک ہی جگہ تھیں۔ جہاں میں اُترا کرتا تھا وہیں اُترا۔ جس طرح پہلے ادب اور تعظیم سے پیش آتا تھا اُسی طرح پیش آیا۔ دونوں بہت ہی کچھ گھبرائی ہوئی اور شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ نہ کوئی عذر معقول کرسکیں نہ محبت سے پیش آئیں۔ مجھے اُن سے ایسی توقع نہ تھی۔ یہ لوگ جنہوں نے فساد برپا کیا ایسا نہ تھا کہ [illegible] بات نہ سُنتے۔ خان میرزا تو ان کا سگا نواسہ ہی تھا۔ رات دن انہی کے [illegible] خان میرزا کو یہ روک سکتی تھیں۔ زمانہ کی ناسازگاری [illegible] الگ ہوا ان کے پاس گیا ہوں اور [illegible] آنکھ تک نہیں ملائی۔ خان میرزا مجھ سے [illegible] کی ماں سلطان [illegible] آباد ملک کے مالک تھے۔ میں اور میری ماں [illegible] ایک گاؤں اور ایک جانور بھی نہ رکھتے تھے۔ کیا میری ماں یونس خاں کی بیٹی نہ تھی۔ اور میں یونس خاں کا نواسہ نہ تھا؟ شاہ بیگم کے آتے ہی میں نے ملک لمغان کو جو کابل کے اعلیٰ علاقوں میں سے ہے اُن کی نذر کردیا۔ دوسرے ہر طرح کی خدمتگزاری میں اور بیٹا بننے میں ذرا بھی کمی نہ کی۔ سلطان سعید خان کاشغری پیدل اور ننگا کئی دفعہ آیا۔ میں اُس سے سگے بھائیوں کی طرح ملا۔ لمغان کے علاقوں میں سے منداور کا پرگنہ میں نے اسکی تواضع کیا۔ جس زمانہ میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے شیبانی کو قتل کر ڈالا اور اُس قوی دشمن کو ہمارے سر سے ٹالا۔ تو میں اُدھر گیا۔ قندز سے چلتے وقت اندجان والے میرا منہ تکنے لگے۔ بعض نے اپنے حکام کو

نکالدیا۔ بعض نے اپنے شہروں کا انتظام کرلیا۔ اور میرے پاس آدمی بھیجے ہیں نے سلطان سعید خاں کے ساتھ اپنے آدمی کردیے۔ اپنی فوج کمک کےلیے دی اور اندجان کا ملک اُسکو دیدیا۔ سردار بناکر اُدھر روانہ کردیا۔ آج تک جو وہاں سے آتاہے میں اُس کو اپنے عزیزوں سے کم نہیں جانتا۔ چنانچہ چین تیمور سلطان۔ اویس تیمور سلطان۔ توعشہ بوغا سلطان اور بابا سلطان اب میرے پاس ہیں۔ میں سب کو اپنے حقیقیوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور ہرطرح اُنکی خاطر و رعایت کرتا ہوں۔ اس لکھنے سے میرا مدعا شکایت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سچی حکایت ہے جو لکھدی گئی۔ میں کچھ اپنی تعریف کرنی نہیں چاہتا۔ جو گزرا ہے وہ تذکرةً بیان کردیا۔ میں نے یہ التزام کرلیا ہے کہ اس تاریخ میں سچی سچی باتیں لکھی جائیں۔ کوئی بیان غیر واقعی نہو۔ باپ ہو یا بھائی۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ جس کی جو بُرائی بھلائی تھی وہ صاف صاف بیان کردی۔ جس کا جو عیب وہنر تھا پورا پورا لکھدیا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ اور اعتراض نہ کریں۔ یہاں سے میں اُٹھ کر چار باغ میں آیا۔ جس میں خان میرزا اُترا ہوا تھا۔ سب طرف فتح نامے بھیجے گئے۔ اس کام کے بعد سوار ہوکر ارک میں ہم آئے۔ محمد حسین میرزا ڈر کے مارے خانم کے توشخانہ میں آکر چھپ گیا تھا۔ توشک کے بوغبند میں لپٹ رہا۔ قلعہ کے متعینوں میں سے میرم دیوان وغیرہ کو حکم دیا کہ ان گھروں کی تلاشی لے لو۔ اور محمد حسین میرزا کو ڈھونڈ لاؤ۔ یہ لوگ خانم کے دروازہ پر آئے۔ خوب ڈانٹا اور دھمکایا۔ بہرحال محمد حسین میرزا کو پکڑ لائے۔ اور قلعہ میں لے آئے۔ میں نے حسب دستور تعظیم دی۔ اور اس کے مُنہ پر کوئی سخت بات نہ کہی۔ محمد حسین میرزا کے اگر میں ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا تو بجا تھا۔ طرح طرح کے عذاب دیتا تو وہ اس کی سزا تھی۔ کیونکہ اُس نے ایسی نالائق حرکت کی۔ اور ان سارے فتنوں کی جڑ وہی تھا۔ لیکن ایک طرح کی سگارت تھی۔ میری سگی خالہ خوب نگار خانم کا وہ خاوند تھا۔ صاحب اولاد تھا۔ ان حقوق سے میں نے اُس کو ذرا نہ ستایا۔ اور خراسان جانے کی اجازت دیدی۔ یہ بے مروت حق ناشناس میری ایسی نیکی کو کہ میں نے اُس کی جان بخشی کردی بالکل بھول گیا۔ شیبانی کے آگے میری شکایتیں کیں۔ اور مجھے بُرا بھلا کہا۔ چندہی روز میں شیبانی خاں نے اُس کو قتل کرڈالا۔ کمبخت نے اپنے کیے کی سزا پائی ؎

تو بد کنندۂ خود را بروزگار سپار کہ روزگار ترا چاکریست کینہ گزار

احمد قاسم کوہ بر کو کچھ سپاہیوں سمیت خان میرزا کے تجسس میں بھیجا تھا۔ قرابلاق کے پہاڑوں میں اُس نے خان میرزا کو جالیا۔ خان میرزا نہ بھاگ سکا۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکا۔ اُس کو بھی گرفتار کرلائے۔ جب وہ آیا ہے تو میں شمال و شرق کے آخر والے دالان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ لاؤ۔ ایسا گھبرایا کہ زانو مارنے کے لیے آتے آتے دو دفعہ گرا۔ آتے ہی میں نے پہلو میں بٹھا لیا۔

تسلّی دی۔ شربت حاضر ہوا۔ خان میرزا کے رفعِ وہم کے لیے پہلے میں نے شربت پیا۔ پھر اُسکو دیا۔ چونکہ سپاہ۔ رعیت۔ مغول اور چغتائی دو دلے ہو رہے تھے اس لیے چند روز کی احتیاط کی۔ حکم دیا کہ خان میرزا اپنے گھر میں رہے۔ مگر ان لوگوں سے جن کا ذکر ہوا ہنوز وغدغہ باقی تھا۔ خان میرزا کا کابل میں رہنا مناسب نہ دیکھا۔ کچھ دن بعد اُس کو خراسان کی طرف چلے جانیکی اجازت دی گئی۔ ان کو روانہ کر کے مقام سیاران۔ چاش تو اور گلبہار کی سیر کرنے چلا گیا۔ موسمِ بہار میں ان مقاموں کی کیفیت قابلِ دید ہوتی ہے۔ کابل کے اور مقامات کی نسبت یہاں سبزہ بہت ہوتا ہے۔ طرح طرح کا گلِ لالہ کھلتا ہے۔ ایک بار میں نے لالہ کی قسمیں گنوائیں تو چونتیس ۳۴ قسمیں نکلیں۔ یہاں کی تعریف میں میں نے ایک شعر بھی لکھا ہے۔ اسی اثناء میں ساری غزل لکھی۔ سچ یہ ہے کہ فصلِ بہار میں سیر۔ شکار اور تیراندازی کے لیے ایسے مقامات بہت کم ہونگے چنانچہ کابل و غزنی کی تعریف کسی قدر لکھدی گئی ہے۔ اسی سال ناصر میرزا کے برتاوے سے اُس میں اور امرائے بدخشاں مثل محمد تورچی۔ مبارک شاہ وزیر اور جہانگیر میں شکر رنجی ہوگئی۔ بلکہ یہ لوگ کھلم کھلا باغی ہو گئے۔ سب نے متفق ہو کر فوج کشی کی۔ دریائے کوچکہ کے میدان کی طرف سے جو انقیل اور داغ کی جانب ہے اپنے اپنے سوار و پیادوں کو جمع کر پہاڑ کے راستوں سے جمچان کے پاس سب آگئے۔ ناصر میرزا اور اُس کے ناتجربہ کار ہمراہیوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا۔ اور پشتوں پر آ کر مقابلہ کیا۔ زمین بہت اونچی نیچی۔ پیدل زیادہ۔ دو ایک مرتبہ گھوڑوں کو تیز کرتے میں قائم رہے اور لڑے۔ آخر بھاگ نکلے۔ بدخشانیوں نے ناصر میرزا کو شکست دی۔ ان کے توابع اور لواحق کو لوٹ لیا۔ ناصر میرزا اپنے لٹے پٹے ہمراہیوں کو لیے ہوئے اشکمش اور نارین کے راستہ سے کیلکاری میں آیا۔ اور سرخاب کے اوپر کی جانب سے ہوتا ہوا آب درہ کے راستہ میں آگیا۔ وہاں سے شیر تو کوتل سے نکل ستر اسّی ننگوں بھوکوں اور بھگوڑوں نوکروں سمیت کابل میں آیا۔ خدا بڑا قادر ہے۔ اس سے پہلے دو تین سال ہوئے کہ ناصر میرزا تمام ایل والوس کو لے باغی ہو کابل سے بدخشاں چلا گیا تھا۔ دروں اور قلعوں کا انتظام کر کے کن کن خیالوں میں پھرتا تھا۔ اب اپنے پچھلے کرتوتوں اور یوں چلے جانے سے بہت خجل ہوا۔ میں نے بھی اُس سے کچھ نہ کہا۔ اچھی طرح حال پوچھا اور مہربانی کر کے اُس کی شرمندگی دور کر دی۔

سنہ ۹۱۳ ہجری کے واقعات

قوم خلجی پر چڑھائی | خلجی قوم پر چڑھائی کرنے کے لیے میں کابل سے چلا۔ مقام سردہ میں

اُترنے کے بعد خبر آئی کہ مقام شصت وسہ گانہ میں جو سردہ سے ایک فرسنگ پر ہے مُہمند قوم کے لوگ غافل پڑے ہوئے ہیں۔ امراء اور سرداران فوج کی صلاح ہوئی کہ ان کی خبر لینی چاہیے۔ میں نے کہا یہ کب روا ہے کہ جس قصد سے نکلا ہوں اُس کو تو پورا نہ کروں اور اپنی ہی رعیت کو ستا کر پلٹ جاؤں۔ یہ امر ممکن نہیں۔ سردہ سے سوار ہو کر صحرائے کتہ داد کو راتوں رات اندھیرے ہی میں طے کیا۔ اندھیری رات۔ زمین اونچی نیچی۔ پہاڑ اور ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ راستہ کا پتا نہیں۔ اور راستہ بتانے والا نہیں۔ آخر میں خود رہبر بنا۔ دو ایک دفعہ اس نواح میں مجھے آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اُسی قیاس پر قطب کو سیدھے ہاتھ پر رکھ روانہ ہوا۔ خدائے تعالےٰ راست لایا۔ سیدھا قبا قبو و اولایہ کے درہ پر آپہنچا۔ اسی درہ سے خواجہ اسمٰعیل سرسی میں جہاں قوم خلجی رہتی ہے راستہ جاتا ہے۔ یہیں ٹھیر کر ذرا دم لیا۔ کوئی گھنٹہ بھر ہم سو رہے۔ اور گھوڑوں نے آرام لیا۔ سویرے وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ سورج نکل آیا تھا کہ اُن ٹیلوں اور پہاڑوں سے باہر ہو جنگل و میدان میں ہم آ گئے۔ یہاں سے وہ مقام جہاں خلجی رہتے ہیں تخمیناً ایک فرسنگ ہوگا۔ یہاں سے آبادی یا دھواں سا کچھ نظر آنے لگا۔ اس کو دیکھکر سارا لشکر دوڑ پڑا۔ کوئی کوس بھر تک لوگ دوڑتے رہے اور گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ میں نے لوگوں کو تھمایا۔ پانچ چھ ہزار یورش کرنے والے لشکر کو تھمانا ہنسی ٹھٹا نہیں ہے۔ مگر خدا کی عنایت سے کوئی ایک کوس شرعی چل کر لشکر ٹھیر گیا۔ آبادی نظر آتے ہی فوج کا ایک دستہ اُدھر روانہ کیا۔ بکریاں اس فوج کے ہاتھ بہت لگیں۔ اتنی کسی موقع پر نہ ہاتھ آئی تھیں۔ جس وقت مال اسباب لیکر ہم اُترے اُس وقت ہر طرف سے دشمن کی جماعتیں آ کر لڑنے لگیں۔ ایک جماعت کو بعض امراء وغیرہم نے پکڑا۔ اور قتل کر ڈالا۔ ایک گروہ کو ناصر میرزا نے جا لیا۔ اور سب کو قتل کیا۔ مقتولوں کے سروں کو اکھٹا کر کے کلہ منارہ چُنوا دیا گیا۔ دوست پیادہ کوتوال (جس کا ذکر ہو چکا ہے) کے پاؤں میں تیر لگا۔ جس وقت ہم کابل پہنچے۔ اُس وقت اُس کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ اسمٰعیل سے اولابہ تو میں آ اُترے۔ یہاں بعض امراء اور مقربوں کے نام حکم دیا گیا کہ جتنی لوٹ آئی ہے اُس کا پانچواں حصہ سرکار میں داخل کرنے کا انتظام کرو۔ قاسم وغیرہ کو رعایۃً یہ خمس معاف کر دیا۔ جو خمس لیا گیا اُس کی تعداد سولہ ہزار بکریاں قلمبند ہوئیں۔ یہ خمس اسّی ہزار کا تھا۔ تلف شدہ اور معاف شدہ کو ملا کر ایک لاکھ بکریوں کے ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اس مقام سے کوچ کر کے صحرائے کتہ داد میں شکار جرگہ کے لیے قیام کیا۔ اس جنگل میں ہرن اور گور غر فربہ اور بکثرت ہوتے ہیں۔ جرگہ میں جو بہت سے ہرن اور گور خر گھرے تو شکار بھی خوب ہوا۔

میں نے ایک گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ اور قریب پہنچکر تیر مارا۔ دوسرا تیر اور مارا۔ دونوں تیر
کاری تو نہ لگے۔ مگر ہاں زخم ایسے آئے کہ وہ دوڑنے سے رہ گیا۔ اور آہستہ آہستہ
چلنے لگا۔ پھر او ر پاس ہوتے ہی اُس کے دونوں کانوں کے اور سر کے پیچھے میں نے تلوار
کا ایک ہاتھ دیا۔ تلوار گلا کاٹتی ہوئی صاف نکل گئی۔ اس کے پچھلے پاؤں میری رکاب میں
لگے۔ میری تلوار نے خوب کاٹ کیا۔ بڑا موٹا گورخر تھا۔ اُس کا قد ایک ٹٹو سے کچھ ہی کم ہوگا۔
شیرم طغائی وغیرہ نے مغولستان کے ہرن دیکھے تھے۔ وہ حیران ہوئے۔ اور کہنے لگے۔
مغولستان میں اتنا فربہ ہرن شاذ ونادر ہوتا ہے۔ آج ہی ایک اور گورخر کا شکار میں نے کیا۔
اس شکار میں اکثر فربہ ہرن اور گورخر ہاتھ آئے۔ مگر جس گورخر کو میں نے مارا تھا اُس سے
کوئی لگا نہ کھاتا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر کابل میں آئے۔ آخر سال میں شیبانی خاں نے
سمرقند سے خراسان پر چڑھائی کی۔ شاہ منصور بخشی نمک حرام نے جو حاکم اندخود تھا شیبانی خاں کے
پاس آدمی بھیجے۔ اور اُس کو بہت جلد آنے پر پھسلایا۔ جب شیبانی خاں اندخود کی نواح میں پہنچا
تو یہ کمبخت باغی اس بھروسہ پر کہ میں نے اس کو بلایا ہے بہت مسرور ہوا۔ نہایت بے غیرتی سے پیشکش وغیرہ
لے اُس کے پاس چلا۔ بے مروت ازبکوں نے چاروں طرف سے گھیر کر اس کو ذلیل کیا اور
اُس کی پیشکش تو چھین لی۔ ... بدیع الزمان میرزا، مظفر حسین میرزا، محمد برندوق اور ذوالنون
ارغون سب بابا خاکی ... شہر میں بیٹھے ہوئے پڑے تھے۔ ... قلعہ بندی
کی۔ کوئی کام نہ کیا۔ ... جانے بھی نہ سکتے۔ حیران و پریشان تھے۔ محمد برندوق واقفکار
تھا۔ اُس کی صلاح تھی کہ مظفر حسین میرزا تو قلعہ ہرات کا انتظام کریں۔ بدیع الزمان میرزا
اور ذوالنون بیگ ہرات کی نواح سے پہاڑوں میں جائیں۔ سیستان سے سلطان علی ارغون قندھار
و زمین داور سے شاہ بیگ و مقیم کو بلا کر اپنے ساتھ کرلیں۔ جتنا لشکر ہزارہ اور نکدری کا ہے
اُس کو جمع کر لیں۔ اور تیار ہو کر آمادہ پیکار ہو جائیں۔ پہاڑوں میں تو دشمن کا جانا مشکل ہے ہی
اس بیرونی لشکر کے اندیشہ سے قلعہ پر بھی آنے کا حوصلہ نہ پڑیگا۔ اُس کی یہ رائے صائب
تھی۔ ذوالنون بہادر تو تھا مگر مال پر جان دیتا تھا۔ اور احمق تھا۔ ایک باؤلا اور بغلول آدمی
تھا۔ جس زمانہ میں کہ دونوں بھائی ہرات کے مشترک حکمران تھے اُس زمانہ میں بدیع الزمان میرزا
کی سرکار میں یہی مختار تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ پس اس نے مال کی محبت کے سبب
سے محمد برندوق کا شہر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اپنے رہنے کا خیال کیا۔ اور اُس کو بھی نہ نباہ سکا۔
اُس کے حمق اور باؤلے پن کی دلیل اس سے زیادہ کونسی ہوگی کہ لالچیوں خوشامدیوں اور
جھوٹوں کی باتوں میں آکر رسوا اور برباد ہوگیا۔ اس کا مفصل حال یہ ہے کہ جب ہرات میں

صاحبِ اختیار ہو مقتدر ہوا تو ملاؤں اور مشائخ نے آکر کہا کہ ہم سے یہاں کا قطب ملا کرتا ہے۔ اُس نے تیرا لقب ہزبر اللہ رکھا ہے۔ تو ازبک کو شکست دیگا۔ اس فقرہ کو اُس نے سچ جانا۔ ایک تھیلی گلے میں ڈال بہت ہی شکر گزار ہوا تھا۔ یہی دھوکا تھا جس سے محمد برندوق کی معقول رائے پر عمل نہ کیا۔ نہ قلعہ کو مستحکم کیا۔ نہ سامانِ جنگ درست کیا۔ نہ قراول مقرر کیے اور نہ جاسوس کہ دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کریں۔ نہ فوج کی ترتیب و انتظام کیا کہ اگر دشمن آ بھی جائے تو بخوبی اُس کا مقابلہ کرے۔ شیبانی خاں جب محرم کے مہینے میں مرغاب سے آیا۔ ہوسرکاٹنے کی نواح میں آگیا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اب ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کچھ نہ درست نہ ہوسکا۔ نہ لوگوں کو فراہم کر سکے اور نہ لشکر درست کر سکے۔ ہر شخص اپنی جگہ سے چل کھڑا ہوا۔ ذوالنون ارغون اُسی خوشامدی فقرے کے بھروسے پر چالیس پچاس ہزار فوج کے سامنے سو ڈیڑھ سو آدمیوں کو لے قرارباط میں جا اُترا۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی دشمنوں نے آگھیرا۔ اور اس کا سر کاٹ لیا۔ میرزاؤں کی ماں بہنیں مع مال اسباب قلعہ اختیار الدین (جو اب قورغان مشہور ہے) میں تھیں۔ میرزا شام کے قریب شہر میں چلے گئے۔ آدھی رات تک گھوڑوں کو دم لینے دیا اور آپ سو رہے۔ صبح سویرے سب کچھ چھوڑ چھاڑ بھاگ نکلے۔ قلعہ کا تو انتظام ہی نہ کر سکے مگر اس عرصہ اور اتنی فرصت میں ماں بہنوں اور بال بچوں کو بھی نہ ساتھ لے سکے۔ سب کو اُزبک کے حوالہ کر چلتے بنے۔ پاینده سلطان بیگم اور خدیجہ سلطان بیگم سلطان حسین میرزا کی بیویوں اور بدیع الزمان اور مظفر حسین میرزا کی بال بچوں اور مال و اسباب سمیت قلعۂ قورغان میں تھیں قلعہ کا پورا بندوبست نہ کیا تھا۔ جو فوج کمک کے واسطے معین کی وہ بھی نہ پہنچ سکی۔ عاشق محمد ارغون مزید بیگ کا چھوٹا بھائی لشکر سے نکل قلعہ میں آیا۔ قلعہ میں امیر عمر بیگ کا بیٹا علی خان۔ شیخ عبد اللہ بکاول۔ میرزا بیگ کیخسروی اور میرک کور دیوان بھی تھے۔ شیبانی خاں کے آنے کے دو تین دن بعد شیخ الاسلام اور اکابر شہر عہد و پیمان کر کے قلعۂ سنگین کی کنجیاں لیکر گئے۔ سترہ اٹھارہ دن تک عاشق محمد نے قلعہ بچائے رکھا۔ آخر باہر کی طرف سے رات کو سرنگ لگا آگ دیدی۔ اور ایک برج کو اُڑا دیا۔ قلعہ والے عاجز ہو گئے۔ اور قلعہ کو نہ بچا سکے۔ قلعہ حوالہ کر دیا۔ ہرات فتح کرنے کے بعد شیبانی خاں نے فقط اُن بادشاہوں کے پس ماندوں ہی سے بدسلوکیاں نہیں کیں۔ بلکہ تمام مخلوق کو ستایا۔ اور اس پنج روزہ دنیا کے لیے بدنام ہوا۔ اُس سے جو نالائق حرکتیں سرزد ہوئیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ چرکہ دیبائی کیسے خدیجہ سلطان بیگم کو شاہ منصور بخشی کے حوالہ کیا۔ اور طرح طرح کی ایذا دینے کے لیے حکم دیا۔ دوسرے شیخ پوران جیسے عزیز شخص کو عبد الوہاب مغل کے اور اُس کے ہر بیٹے کو ایک کے سپرد کیا۔

تیسرے تمام اہلِ شہر کو اور شعرا کو ملا بنائی کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ ظرفائے خراسان کا اس باب میں ایک قطعہ مشہور ہے۔ **قطعہ**

بجز عبداللہ کیسہ خر امروز — ندیدہ ہیچ شاعر روئے زر را
بنائی نوز طلب دارد ز شعرش — مگر خواہد گرفتن کیر خر را

چوتھے خانزادہ بیگم (مظفر حسین میرزا کی بیوی) سے جس کی عدت بھی پوری نہ ہوئی تھی ہرتی کے لیتے ہی نکاح کر لیا۔ پانچویں قاضی اختیار محمد میر یوسف کو جو مشہور مُلّاؤں میں سے تھا بہت جھڑکا۔ چھٹے ملا سلطان علی کے قطعوں اور بہزاد مصور کی تصویروں کو اصلاح دی۔ ساتویں ایک لغو شعر کہا اور منبر پر چڑھ کر پڑھا۔ اور پھر اُس کو بازار میں آویزاں کر کے اُس کی داد چاہی۔ گو وہ پڑھا لکھا تھا مگر ایسے لغو اور بے ادبی کے قول و فعل اُس سے بہت صادر ہوتے تھے۔ شیبانی خاں ہرتی لینے کے دس پندرہ دن بعد کہدستان سے ہوتا ہوا پل سالار پر آیا۔ تمام فوج تیمور سلطان اور عبید سلطان کے ہمراہ کر کے ابوالحسن میرزا اور کبیک میرزا کی جانب جو مشہد میں غافل بیٹھے ہوئے تھے روانہ کی۔ وہ حضرات پہلے تو قلات کو مستحکم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایک دفعہ ہی اس لشکر کے آنے کی جو سُنی تو شیبانی خاں پر دفعتہً جا پہنچنے کی ٹھان لی۔ یہ ان کے عجیب مزے کے خیال تھے۔ کوئی بات قرار نہ دے سکے۔ یونہی بیٹھے رہے۔ اتنے میں تیمور سلطان دفعتہً مع لشکر آن موجود ہوا میرزا ابھی سانوٹے ہو سامنے آئے۔ ابوالحسن میرزا کو چٹکی مارتے میں پکڑ لیا۔ کبیک میرزا کچھ آدمی لیکر دشمن کے مقابل ہوا۔ وہ بھی پکڑا گیا۔ جس وقت دونوں بھائی ایک جائے بٹھائے گئے اُس وقت دونوں ملے۔ ایک نے دوسرے کی پیشانی کو بوسہ دیکر رخصت کیا۔ ابوالحسن میرزا کے چہرہ سے خوف نمایاں تھا کبیک میرزا کے حال میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں میرزاؤں کے سر کاٹ لیے۔ اور شیبانی خاں پل سالار پر تھا جو اُس کے پاس بھیجدیے۔ اسی زمانہ میں شاہ بیگ اور اُس کے چھوٹے بھائی مقیم نے شیبانی خاں کے ڈر سے مکرر ایلچی مع عرضیوں کے میرے پاس بھیجے۔ اور یکجہتی و دولتخواہی ظاہر کی مقیم نے تو ایک عرضی میں کھُلم کھُلا لکھا کہ آپ آیئے۔ اس موقع پر کہ ازبک نے یہ بھی سارا ملک چھین لیا۔ دیدہ و دانستہ کانی دینی مناسب نہ معلوم ہوئی۔ جب اتنے ایلچی بھیجے اور اس قدر عرضیاں بھیجکر مجھے بُلایا تو مجھے اُن کے حاضر ہونے میں شُبہہ نہ رہا۔ سب امراء اور اہل الرّائے سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ میں ضرور اُدھر چلوں۔ ارغون امراء کے آنے کے بعد جو اُن کی صلاح ہوگی وہ کیا جائے گا۔ خواہ خراسان چلنے کی ٹھیرے۔ خواہ کوئی اور بات قرار پائے۔ یہ قصد کر کے ہم قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔

خراسان کی طرف بار دیگر روانگی

حبیبہ سلطان بیگم جن کو میں بیگام کہا کرتا تھا اپنی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو لیکر اُسی اقرار پر جو ہری میں ہوا تھا آئیں۔ ان سے غزنی میں ملاقات ہوئی۔ خسرو کوکلتاش۔ سلطان علی چناق اور اوکدائی بلال ہری سے بھاگ کر ابن حسین میرزا پاس چلے گئے تھے۔ وہاں سے ابوالحسن میرزا پاس چلے گئے۔ یہاں بھی نہ ٹھیر سکے۔ بیگم موصوفہ کے ساتھ میرے پاس آ گئے۔ قلات میں جو پہنچے تو ہندوستان کے سوداگر وہاں آئے ہوئے تھے۔ وہ وہیں رک گئے۔ ہمارے لشکر والوں نے دفعتہً اُن کو جا گھیرا۔ بہتوں کا ارادہ ہوا کہ فتنہ و فساد کا موقع ہے۔ اس غیر ملک کے قافلہ کو لوٹ لینا چاہیے۔ میں راضی نہ ہوا۔ میں نے کہا کہ بیچارے سوداگر بے گناہ ہیں۔ خدا تعالے پر بھروسہ کر کے اگر ایسے فائدہ کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالے اس کے بدلے میں ہم کو بیحد نفع عنایت کریگا۔ چنانچہ ابھی کا ذکر ہے کہ جس وقت تو م خلجی پر ہم نے چڑھائی کی ہے اُس وقت مُہمند قوم اپنے مال اسباب سمیت ہماری لشکرگاہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر تھی۔ بہت لوگ اُس کی لوٹ مار پر مصر ہوئے لیکن میں نے حکم نہ دیا۔ دوسرے ہی دن اللہ تعالے نے خلجیوں کا مال اسباب اس قدر اہل لشکر کو دیا کہ کسی مہم میں اتنا مال ہاتھ نہ آیا ہوگا۔ قلات سے ہم چلے اور اُن سوداگروں سے بطریق پیشکش کچھ لے لیا۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو خان میرزا خراسان چلا گیا تھا۔ اور جس وقت میں خراسان سے آیا ہوں تو عبد الرزاق میرزا خراسان ہی میں ٹھیر گیا تھا۔ قلات سے نکلنے کے بعد یہ دونوں میرزا قندھار سے بھاگے ہوئے میرے پاس آئے۔ پیر محمد میرزا (جو بہار میرزا بن جہانگیر کا پوتا ہے) کی ماں بھی ان دونوں میرزاؤں کے ساتھ چلی آئی۔ شاہ بیگ اور مقیم کے نام خطوط بھیجے گئے کہ تمہارے کہنے سے میں یہاں تک آ گیا ہوں۔ تم نے لکھا تھا کہ ازبک جیسے اجنبی دشمن نے خراسان پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم آؤ۔ تمہاری رائے اور اتفاق سے جو مناسب ہوگا وہ امر قرار دیا جائے گا۔ وہ دونوں مجھے خطوط لکھنے اور بلانے سے انکار کر گئے۔ بیہودہ طریق سے سخت جواب لکھ بھیجے۔ اُن بیہودہ طریقوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو خط مجھے لکھا تھا اُس کی پیٹھ پر جہاں امراء کے لیے امراء بلکہ بڑے امراء چھوٹے امراء کے لیے مُہر کیا کرتے ہیں مُہر کی۔ اگر ایسی بیہودہ حرکتیں نہ کرتے اور ایسے سخت جواب نہ دیتے تو یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔ سچ کہا ہے ؎

ستیزہ بجائے رساند سخن   کہ ویران کند خانمانِ کہن

اپنی اُنہی لڑائیوں اور بدروشیوں کے طفیل اپنا گھر بار اور تیس چالیس برس کا سامان یہ لوگ کھو بیٹھے۔ شہر صفا کی نواح میں ایک دن یونہی غل غپاڑہ ہوا۔ فوج ساری مسلح ہو کر تیار ہو گئی۔

میں نہا رہا تھا۔ امرا بہت گھبرائے۔ نہا کر میں بھی سوار ہوا۔ چونکہ غلط شور اور غل تھا ایک لحظہ کے بعد فرو ہو گیا۔ وہاں سے کوچ بہ کوچ مقام گنذر میں آئے۔ یہاں سے بھی ہر چند مناسب گفتگو کی مگر وہ لوگ ذرا راہ پر نہ آئے۔ وہی سرکشی اور عناد کی باتیں کرتے رہے اُن ہوا خواہوں نے جن کو اطراف وجوانب سے واقفیت تھی عرض کیا کہ جو راستے قندھار کے ہیں اُن کا سرا بابا حسن ابدال اور خلیشک کی طرف ہے۔ اُسی جانب چل کر جتنے راستے قندھار کو جاتے ہیں سب کا انتظام کر لینا چاہیے۔ یہی بات قرار پا گئی۔ دوسرے دن جیبہ وغیرہ پہنکر برانغار وجرانغار لشکر درست کر کے خلیشک کی طرف کوچ کر دیا۔

قندھار پر شاہ بیگ اور مقیم سے لڑائی اور اُن پر فتح

شاہ بیگ اور مقیم دونوں کوہِ قندھار کی بینی گاہ میں جہاں میں نے مکان بنایا ہے اُس کے سامنے شامیانہ تانے ٹھیرے ہوئے تھے۔ مقیم والے جلدی سے قریب آ گئے۔ تلوفان ارغون (جو شہرِ صفا میں بھاگ کر ہمارے ساتھ ہو گیا تھا) اکیلا ارغون کی فوج کی جانب چلا۔ عشق اللہ نامی ایک سردار سات آٹھ آدمیوں سمیت لشکر سے الگ ہو جھپٹ کر آیا طوفان نے تنہا عشق اللہ کا مقابلہ کر کے اُس کو گھوڑے سے گرا اُس کا سر کاٹ لیا۔ جس وقت میں سنگ نخشک کے پاس پہنچا اُس وقت وہ سر لایا۔ میں اس کو نیک شگون سمجھا۔ چونکہ یہاں محلات اور درخت تھے اس لیے اس مقام پر معرکہ آرائی نامناسب معلوم ہوئی۔ دامنہ کے نیچے سے چل کر مرغزار کی ندی کے کنارہ پر جو قندھار کی جانب ہے قیام کیا۔ اتنے میں شیر قلی نے آکر عرض کیا کہ دشمن نزدیک آ پہنچا ہے۔ قلات سے نکلنے کے بعد اہلِ لشکر بہت بھوکے اور پیاسے تھے۔ جب خلیشک میں پہنچے تو بیشتر سپاہی کھانے پینے کا سامان لینے اِدھر اُدھر چلے گئے۔ میں نے ان لوگوں کے فراہم ہونے کا انتظار نہ کیا۔ جلدی سے ہم سوار ہو گئے۔ میرے ساتھی تخمیناً دو ہزار ہونگے۔ مگر اب جو ٹھیرنے کے موقع پر لوگ متفرق ہو گئے اور فی الوقت حاضر نہ ہو سکے تو باقیماندہ ایک ہزار کے قریب رہ گئے۔ گو میری فوج کم تھی مگر سب عمدہ۔ باقاعدہ اور مضبوط تھی۔ میں نے لشکر کی صفیں درست کر لی تھیں۔ اس وقت جیسا انتظام میں نے کیا کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ فوج خاص میں سب اچھے اور کام کے جوان جُدا کر لیے۔ دس دس اور پچاس پچاس کی ٹولیاں بنا ہر ٹولی پر ایک ایک سردار مقرر کر دیا۔ ہر دس اور پچاس کی ٹولیاں اپنے ٹھیرنے کی جائے کے دستِ راست وچپ میں کھڑی کر دی گئیں تاکہ لڑائی کے وقت جو کام ان کو کرنا پڑے اُس کو معلوم کر لیں۔ اور اپنے کام سے ہوشیار رہیں۔ اور برانغار۔ جرانغار۔ دستِ راست۔ دستِ چپ۔ پہلوئے راست۔ پہلوئے چپ کی طرف

بے تکلف دوڑ پڑیں۔ اور اپنے مقابل سے بلا کسی روک کے جا بھڑیں۔ (اس مقام پر فوج کی صفوں کے نام جو اپنی طرف سے معین کیے ہیں لکھے ہیں۔ مگر عبارت ایسی مخدوش ہے کہ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان چند سطروں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا۔ مترجم) برانغار میں ہمیرزا خان۔ شیرم طغائی۔ یارک طغائی اور اُس کے بھائی کو۔ جملۂ قول میں ایوب بیگ۔ محمد بیگ۔ ابراہیم بیگ۔ علی سید مغل کو مع مغولوں کے۔ سلطان علی چہرہ اور خدا بخش کو مع بھائیوں کے۔ جرانغار میں عبدالرزاق میرزا۔ قاسم بیگ۔ قوچی تبنگری۔ قنبر علی۔ احمد ایلچی۔ بوغد غوری۔ برلاس سید حسین اکبر اور میر شاہ قوچین کو۔ ایراول میں ناصر میرزا۔ سید قاسم۔ ایشک آقا۔ محب علی قورچی۔ بابا اوغلی۔ اللہ ویردی ترکمان۔ شیر قلی قراول مغل کو اُسکے بھائیوں سمیت اور علی محمد کو۔ قول میں اپنے دستِ راست کی طرف قاسم کوکلتاش۔ خسرو کوکلتاش۔ سلطان محمد دولدائی۔ شاہ محمود پروانچی۔ قل بایزید بکاول۔ کمال شربت چی کو۔ اور دستِ چپ کی طرف خواجہ محمد۔ دوست ناصر۔ میرم ناصر۔ بابا شیرزاد۔ خان قلی۔ ولی خزانچی قتلق قدم قراول مقصود سوچی اور بابا شیخی کو مقرر کیا۔ قول میں یہ سارے مصاحب اور سپاہی تھے۔ بڑے امراء میں سے کوئی نہ تھا۔ جن لوگوں کا بیان ہوا ہے اُن میں سے ابھی کوئی سرداری کے مرتبہ پر نہ پہنچا تھا۔ جو گروہ آگے مقرر ہوا تھا اُس میں شیر بیگ۔ جانم قورچی بیگی۔ کیبک قلی۔ بابا ابوالحسن قورچی۔ مغلوں میں سے روشن علی۔ درویش علی۔ سید خوش کیلدی۔ جملہ دوست کیلدی۔ جملہ باغلچی۔ اباچی مہدی۔ ترکمانوں میں سے منصور۔ رستم مع اپنے بھائیوں کے اور شاہ نظیر سوندوک تھے۔ دشمن کی فوج کے دو حصے تھے۔ ایک شاہ شجاع ارغون (جو شاہ بیگ مشہور ہے اور آیندہ اُسکا نام شاہ بیگ ہی لکھا جائیگا) کے تحتِ حکم۔ دوسرا اُس کے بھائی مقیم کے۔ ارغونی فوج تخمیناً چھ سات ہزار ہوگی۔ اور چار یا پانچ ہزار مسلح میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ دشمن کا قول اور برانغار سامنے آیا۔ ہمارے جرانغار پر جس میں قاسم بیگ اور اُس کے ہمراہی تھے مقیم نے حملہ کیا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی قاسم بیگ نے دو تین آدمی بھیجے اور کمک چاہی۔ چونکہ ہمارے مقابلہ میں بھی غنیم چڑھا چلا آتا تھا اس لیے ہم ایک آدمی بھی اپنے سے علیحدہ نہ کر سکے۔ ہم بھی بے توقف دشمن کی طرف متوجہ ہوئے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی تیروں کی بوچھار آئی۔ ایک دفعہ ہی دشمن ہمارے ایراول کا مُنہ پھیر ہمارے قول میں اُس کو دھنسا دیا۔ ہم بھی تیر مارتے ہوئے بڑھے۔ تھوڑی دیر دشمن بھی اچھی طرح تیر مارتے رہے۔ میرے سامنے ایک شخص لوگوں کو ڈانٹتا ہوا گھوڑے سے کودا۔ اور اُس نے تیر مارنے کا ارادہ کیا۔ میں بے توقف بڑھتا چلا گیا۔ جونہی میں قریب پہنچا وہ سامنے نہ ٹھیر سکا۔ سوار ہو کر بھاگا۔ یہ شخص جو

پیدل ہو گیا تھا خود شاہ بیگ تھا۔ اثنائے جنگ میں پری بیگ ترکمان مع اپنے چار پانچ
بھائیوں کے اپنی پگڑیاں ہاتھوں میں لیے دشمن سے روگرداں ہو ہمارے پاس آ گیا۔ (یہ
پری بیگ اُن ترکمانوں میں سے ہے جن کے امراء عبدالباقی میرزا اور مراد بیگ کے ہمراہ
اُس زمانہ میں آئے ہیں جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے سلاطین کو مارا ہے۔ اور عراق پر قبضہ کر لیا ہے)
ہمارے برانغار نے اپنے دشمن کو آگے رکھکر بڑھنا شروع کیا۔ برانغار کا اوج غوطہ لگا کر اُس
باغ میں جا گھسا جس کو میں نے بنایا ہے۔ ہمارا جرانغار بابا حسن ابدال کی آخر میں اُسکی بڑی ندی
اور اَوْرندیوں پر جا پہنچا۔ اس کے مقابلہ میں مقیم کی فوج تھی۔ ہمارا جرانغار مقیم کی فوج سے
بہت کم تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے مدد کی۔ جو بڑی بڑی ندیاں قندھار کی طرف جاتی ہیں اُن میں
سے تین چار ندیاں ہمارے جرانغار اور دشمن کے درمیان حائل تھیں۔ ہمارے جرانغار
نے اُن کے گھاٹوں پر قبضہ کر لیا۔ اور غنیم کو اُترنے کا موقع نہ دیا۔ اگرچہ ہمارے جرانغار والے
اپنی جگہ خوب قائم رہے مگر ارغونیوں میں سے حلواچی ترخان دریا میں آکر بابا علی اور تنگری بردی
سے مقابل ہو خوب لڑا۔ قنبر علی زخمی ہوا۔ قاسم بیگ کی پیشانی میں تیر لگ کر رخسارہ کے پاس
سے نکل گیا۔ اسی زد و کشت میں دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ یہ لوگ ان ندیوں سے کوہ مرغان
کی بینی گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ندیوں سے اُترتے وقت ایک شخص تپچاق یوز پر سوار
پہاڑ کے دامنہ میں ادھر اُدھر جانے کے لیے حیران اور سرگردان ہو رہا تھا۔ آخر ایک طرف
اُس کا مُنہ اُٹھ گیا۔ غالباً وہ شاہ بیگ ہو کیونکہ فتح قندھار کے وقت شاہ بیگ نہ تھا۔ اپنے
دشمن کو شکست دیتے ہی سارا لشکر غنیم کا پیچھا کرنے اور قتل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میرے
پاس کُل گیارہ آدمی رہ گئے ہونگے۔ ان گیارہ میں ایک عبداللہ کتابدار تھا۔ مقیم میدان میں
کھڑا ہوا لڑ رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی قلت پر ذرا خیال نہ کیا۔ خدا پر توکل کر نقارے
بجاتا ہوا دشمن کی طرف میں چلا۔ فوج کم ہو یا زیادہ فتح دینے والا خدا ہے۔ اُس کے سامنے
کسی کی مجال نہیں "کَم مِّن فِئَۃٍ قَلِیلَۃٍ غَلَبَت فِئَۃً کَثِیرَۃً بِاِذنِ اللّٰہِ" نقاروں
کی آواز سُنتے ہی اُس نے ہماری طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی اُس کی رسّی گُم ہو گئی۔ اور بھاگ نکلا
اللہ تعالےٰ نے کام بنا دیا۔ دشمن کو پسپا کر کے ہم قندھار کی طرف چلے۔ اور چارباغ فرخ زاد
میں جس کا اب نشان بھی نہیں جا اُترے۔ شاہ بیگ اور مقیم جو بھاگے تو قندھار میں نہ
جا سکے۔ شاہ بیگ شال و مستونک کی جانب نکل گیا۔ اور مقیم زمین داور کی طرف پہنچا۔ شہر میں
کوئی ایسا نہ چھوڑا تھا جو شہر کو بچاتا۔ ارغون کے بھائیوں میں سے احمد علی ترخان وغیرہ
شہر میں تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ مطیع ہونے پر آمادہ ہیں۔ وہ امان کے طلبگار ہوئے۔ میں نے

اُن کی استدعا قبول کی۔ قلعہ کا ماشورہ دروازہ اُنہوں نے کھولدیا۔ اور دروازے اس واسطے نہ کھولے کہ لوگ ہُلڑ مچا رہے تھے۔ اِسی کُھلے ہوئے دروازہ پر شیرم طغائی اور یارک بیگ کو معین کیا۔ میں خود چند مصاحبوں کو ساتھ لے اندر آیا۔ مفسدہ پردازوں کو مارا پیٹا۔ دو ایک کو قتل کرا دیا۔ پھر سب سے پہلے میں مقیم کے خزانہ پر پہنچا۔ یہ خزانہ قلعۂ سنگین میں تھا۔ عبدالرزاق بیگ میرزا آگے سے آگیا تھا۔ خزانہ میں سے کسی قدر عبدالرزاق میرزا کو دیا۔ پھر اس خزانہ کو ناصر بیگ۔ قل بایزید اور بخشیوں میں سے محمد بخشی کے سپرد کیا۔ یہاں سے میں ارک میں گیا۔ شاہ بیگ کے خزانہ پر خواجہ محمد علی۔ شاہ محمود اور بخشیوں میں سے طغائی شاہ بخشی کو مقرر کیا۔ ذوالنون بیگ کے دیوان میرم خاں کے مکان پر میرم ناصر اور مقصود سوچی کو بھیجا۔ اُس کو ناصر میرزا سے۔ شیخ ابوسعید ترخان کو خان میرزا سے اور اوروں کو عبدالرزاق سے گرفتار کرایا۔ اُس ملک میں کبھی اتنا روپیہ نہ دیکھا تھا۔ بلکہ کسی سے سُنا بھی نہ تھا کہ اتنا روپیہ دیکھا ہو۔ رات کو میں ارک ہی میں رہا۔ شاہ بیگ کے غلام سنبل کو پکڑ کر لائے۔ اگرچہ وہ کچھ بہت چڑھا بڑھا نہ تھا۔ مگر میں نے اُس کو ایک شخص کی حراست میں سپرد کر دیا۔ محافظ نے پوری احتیاط نہ کی۔ اُس کو بھگا دیا۔ دوسرے دن میں باغ فرخ زاد میں آیا۔ قندھار کا علاقہ میں نے ناصر میرزا کو دیا۔ اور خزانے ضبط کر لیے جس وقت خزانہ کے اونٹ لد کر ارک سے باہر آنے لگے اُس وقت ناصر میرزا نے اُن میں سے روپیوں کے اونٹ روک لیے۔ میں نے اُنہی کو عنایت کر دیے۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور مرغزار توشخانہ میں لشکر اُترا۔ اس وقت لشکر تو چلتا کیا۔ اور میں خود سیر کرتا ہوا ذرا دیر میں داخل فرودگاہ ہوا۔ دیکھا تو اب وہ اگلا سا لشکر نہ تھا۔ لشکر پہچانا ہی نہ جاتا تھا۔ گھوڑوں اور گھوڑیوں کی قطاریں ہیں طرح طرح کے اسباب سے خچریں لدی ہوئی ہیں۔ عمدہ عمدہ خیمے خرگاہیں ہیں۔ مخمل اور سقرلات کے شامیانے کھنچے ہوئے ہیں۔ ہر کارخانہ میں صندوقوں کے تودے لگے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے مال اسباب کو علیحدہ کرایا۔ کپڑوں کے صندوق۔ قسم قسم کے برتنوں کے تھیلے۔ طرح طرح کا اسباب ہر شخص کے خیمہ میں الغاروں بھرا ہوا تھا۔ ہزاروں بکریاں ماری ماری پھرتی تھیں۔ کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ قلات میں سے مقیم کے کچھ لوگ جن کے سردار فوج بیگ ارغون اور تاج الدین محمود تھے قاسم بیگ کے پاس آ گئے تھے۔ اُن کا مال اسباب اُن کو عنایت کر دیا گیا۔

قندھار سے جانب کابل مراجعت

قاسم بیگ دانا اور دوراندیش آدمی تھا۔ قندھار میں میرزا زیادہ ٹھیرنا نامناسب سمجھا۔ تحصیل کرنے کے لیے کہہ کر مجھے وہاں سے لے نکلا جیسا کہ بیان ہوا۔ قندھار ناصر میرزا کو دیا تھا۔

اُن کو رخصت دیکر میں نے کابل کا قصد کر دیا۔ قندھار میں تو خزانہ تقسیم کرنے کی مہلت نہ ہوئی قراباغ میں ٹھیر کر خزانہ تقسیم کیا۔ گننا مشکل تھا۔ ترازو میں تول تول کر دینا شروع کیا۔ امیروں۔ سرداروں۔ سپاہیوں اور خدمتگاروں نے تھیلے اور طباق بھر بھر کے اپنی تنخواہوں کے روپے لیے۔ اور لاد کر لے گئے۔ غرض بے انتہا مال و متاع اور عزّت و آبرو کے ساتھ کابل میں آنا ہوا۔

معصومہ سلطان بیگم سے نکاح

سلطان احمد میرزا کی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو کابل سے بُلا لیا تھا یہیں اُس سے میں نے نکاح کیا۔

شیبانی خان نے قندھار کو گھیر لیا

چھ سات دن کے بعد ناصر میرزا کا ایک آدمی آیا۔ اور اُس نے خبر دی کہ شیبانی خان نے قندھار کو گھیر لیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقیم زمین داور کی طرف بھاگ گیا۔ وہ جا کر شیبانی خان سے ملا۔ شاہ بیگ نے بھی کئی آدمی پے درپے بھیجے۔ ان دونوں کے بہکانے اور اُکسانے سے شیبانی خاں نے کوہستان کے راستہ سے دفعتہً مجھ کو قندھار میں گھیرنا چاہا۔ قاسم بیگ ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ سمجھے ہوئے تھا۔ مجھ کو تحصیل کرنے کے بہانے سے قندھار سے لے نکلا۔

ہر چہ در آئنہ جوان بیند   پیر در خشت پختہ آں بیند

شیبانی خان نے آکر قندھار میں ناصر میرزا کو گھیر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے امراء سے مشورہ کیا۔ یہ باتیں بیان کی گئیں کہ ازبک جیسی قوم اور شیبانی خان جیسا گھاگ دشمن ہے جو ملک امیر تیمور کی اولاد کے قبضہ میں تھا وہ اُس نے لے لیا۔ ترکوں اور چغتائیہ خاندان میں سے جو جہاں تھا کوئی تو خوشی سے اور کوئی مجبوراً اُس سے مل گیا۔ صرف ایک میں کابل میں آپڑا تھا۔ دشمن طاقتور۔ میں نہایت ضعیف۔ نہ صلح کی امید۔ نہ مقابلہ کی تاب۔ ایسی حالت میں اپنے لیئے کوئی اور مقام تلاش کرنا چاہیے۔ ایسے میں موقع ہے اور وقت ہے۔ جو کریں کر سکتے ہیں۔ اور دشمن سے دور ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کی طرف یا بدخشاں کی طرف نکل چلو۔ ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف چلنے کا قصد کرلو۔ قاسم بیگ اور شیرم طغائی وغیرہ نے تو بدخشاں چلنے کی رائے دی۔ اور اَور امراء نے ہندوستان کو پسند کیا۔ اس گفتگو کے بعد ہم لمغان کی طرف متوجہ ہوئے۔

قلات بھی نکل گیا

قندھار اور قلات فتح کرنے کے بعد قلات اور ترنوک کا ملک عبدالرزاق میرزا کو دیدیا گیا تھا۔ اور عبدالرزاق میرزا کو قلات میں چھوڑ دیا تھا۔ ازبک نے جو قندھار کو آ گھیرا تو عبدالرزاق میرزا قلات میں نہ ٹھیر سکا۔ قلات کو چھوڑ ہمارے چلنے کے زمانہ میں

کابل میں آگیا۔ میں نے کابل اُس کے سپرد کیا۔ بدخشاں میں بادشاہوں اور شاہزادوں میں سے کوئی نہ تھا۔ خان میرزا نے شاہ بیگم کی مناسبت سے اور اُسی کی صلاح سے بدخشاں کی خواہش کی میں نے اُس کو بدخشاں جانے کی اجازت دیدی۔ شاہ بیگم بھی خان میرزا کے ساتھ ہولی۔ خالہ مہر نگار خانم نے بھی بدخشاں جانا چاہا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ میرے پاس رہتیں۔ کیونکہ میں اُن کا سگا بھانجا تھا۔ ہر چند میں نے منع کیا مگر اُنہوں نے نہ مانا اور بدخشاں چلی گئیں۔

ہندوستان کی جانب دوسرا حملہ

ماہ جمادی الاولےٰ میں میں نے کابل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ چھوٹے کابل کی راہ سے شرح رباط میں آئے۔ قورِوق سائی کوتل سے نکلنا ہوا۔ جو افغانی قومیں کابل اور لمغان کے بیچ میں آباد ہیں وہ امن کے زمانہ میں بھی چوریاں کرنے اور ڈاکے مارنے سے نہیں چوکتیں۔ بے امنی کا زمانہ تو وہ خدا سے چاہتی ہیں۔ اور مشکل سے اُن کو ایسا موقع ملتا ہے۔ اس خیال سے کہ میرزا کابل چھوڑ کر ہندوستان جاتا ہے اُن کی حرمزدگی دہ چند ہوگئی۔ اُن کے اچھے بھی بدہو گئے۔ یہ نوبت پہنچی کہ دوسرے دن جو ہم جکدلک سے چلے تو خضر خیل، شمو خیل اور جوکیانی وغیرہ جو اس درمیان میں آباد ہیں جکدلک کی گھاٹی کا رستہ روکنے کے لیے شمالی پہاڑ پر آن موجود ہوئے۔ لگے نقارے بجانے اور تلواریں ہلانے۔ میں نے سوار ہوتے ہی حکم دیا کہ جو سپاہی جہاں ہے وہیں سے پہاڑ پر چڑھ جائے۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے افغان کوئی لمحہ بھر ٹھیرے ہونگے۔ ایک تیر بھی نہ مار سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ افغانوں کو بھگا کر ہم پہاڑ پر آگئے۔ ایک افغان میرے پہلو میں سے نیچے کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ میں نے اُس کے بازو میں تیر مارا اور اُس تیر خوردہ اور کئی اَور افغانوں کو لوگ پکڑ لائے۔ انتظام کے لیے دو ایک کو سیخ سے مار دیا گیا۔ پھر تو ان نیکنہار میں قلعہ آدینہ پور کے سامنے مقام ہوا۔ پہلے سے براہِ دور اندیشی کوئی فکر نہ کی تھی۔ نہ چلنے کی جائے مقرر کی تھی۔ نہ چھاؤنی ڈالنے کی۔ اوپر سے نیچے تک فوج کے چار حصے کرکے کوچ ہوتا تھا تاکہ ایک کو دوسرے کی خبر رہے۔ تیر کے مہینے کا آخر تھا۔ میدانوں میں اکثر جائے سے دھان اُٹھا لیے گئے تھے۔ جو لوگ واقف تھے اُنہوں نے عرض کی کہ تومان علیشنگ کی ندی کے بالائی حصہ میں کفار دھان بہت بوتے ہیں۔ غالباً اہلِ لشکر کو جاڑے کے لیے غلہ ہاتھ آجائے۔ اس خیال سے نیکنہار کے میدان سے ہم چلے۔ اور قدم اُٹھائے ہوئے سیاہ گل سے نکل درۂ برائین تک گئے۔ لشکر والوں نے خوب دھان لیے۔ یہ دھنوڑیاں پہاڑ کے نیچے تھیں۔ یہاں سے کم رکھوالے بھاگ گئے تھے۔ کچھ کافر مارے بھی گئے۔ درۂ برائین کی بینی گاہ پر سپاہیوں کی ایک ٹکڑی حفاظت کے لیے کھڑی کردی تھی۔ کافروں کے پلٹنے کے وقت

یہ لوگ پہاڑ سے تیر برسانے لگے۔ قاسم بیگ کے داماد پوران کے پاس اُسی موقع پر کہ یہ تیر مار رہے تھے کافر آپہنچے اور چاہا کہ اُس کو پکڑ لیں اور سپاہیوں نے حملہ کر کے پوران کو چھڑا لیا۔ اور غنیم کو باندھ لیا۔ کافروں کی ان دھنوڑیوں میں ایک رات ٹھیرے۔ بہت سا غلّہ لیکر لشکر میں آئے۔ تومان مندراور میں ہی تھے جو مقیم کی بیٹی ماہ جوجوک (اب وہ شاہ حسن کی بیوی ہے) کا نکاح قاسم کوکلتاش سے کر دیا۔ چونکہ ہندوستان جانے کی صلاح نہ ٹھیری اس لیے ملّا بابا ساغرچی کو مع چند سپاہیوں کے کابل بھیجدیا۔ نواحِ مندراور سے چل کر اترو شیوہ میں آئے۔ کچھ دن وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ اترسے جاکر کونر اور دیو رگل کی میں نے سیر کی۔ کونر سے میں جالہ میں بیٹھ کر داخل لشکر ہوا۔ اس سے پہلے مجھے جالہ میں بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جالہ میں بیٹھنا بہت ہی مجھے پسند آیا۔ اسی کے بعد جالہ کا رواج ہو گیا۔

شیبانی کا قندھار پر آنا اور واپس جانا

اسی زمانہ میں ملّا میرک فرکتی ناصر میرزا کے پاس سے آیا۔ اسنے شیبانی خاں کا شہر قندھار پر قبضہ کرنا۔ ارک نہ لینا۔ پھر بعض وجوہ سے شہر قندھار چھوڑ دینا اور ناصر میرزا کا غزنی میں آجانا یوں مفصل بیان کیا کہ آپ کے جانے کے چند روز بعد شیبانی خاں غفلت دیکر قندھار پہ چڑھ آیا۔ ناصر میرزا قندھار کے قلعۂ سنگین کو مستحکم نہ کر سکے۔ یونہی چھوڑ دیا۔ ارک کے گرد کئی جائے دشمن نے سرنگ لگائی۔ کئی بار لڑائی ہوئی۔ ناصر میرزا کی گردن میں تیر لگا۔ قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے۔ اسی حالتِ اضطراب میں خواجہ امین۔ خواجہ دوست۔ خاوند اور محمد علی پیادہ ساقی قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور مایوس ہو گئے۔ لیکن باوجود اس کے شیبانی خاں نے صلح کا پیغام دیا۔ اور قندھار سے محاصرہ اُٹھا لیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ شیبانی خاں نے قندھار پر چڑھائی کرتے وقت اپنے گھر والوں کو فرہ تو میں بھیجدیا تھا۔ وہاں ایک شخص نے سر اُٹھایا اور فرہ تو پر قبضہ کر لیا۔ اس مجبوری سے اُس کو صلح کرنی پڑی۔ اگرچہ جاڑا خوب پڑ رہا تھا۔ مگر ہم چند روز بعد براہِ بادیج کابل میں چلے آئے۔ بادیج کے اوپر ایک پتھر نصب کرنے کا میں نے حکم دیا۔ جس پر اس آمد و رفت کی تاریخ کندہ کرائی گئی۔ حافظ جرکہ نے اس کو لکھا اور اُستاد شاہ محمد نے کندہ کیا۔ جلدی کے سبب سے اچھا کندہ نہ ہوا۔ ناصر میرزا کو میں نے غزنی دیا۔ عبدالرزاق میرزا کو تومان نیکنہار۔ مندراور۔ درۂ نور۔ کونر اور نواگل عطا کیا۔

بادشاہ لقب اختیار کیا

آج تک تیمور بیگ کی اولاد کو بادشاہ ہونے پر بھی میرزا کہتے تھے۔

ہمایوں کی پیدائش

اب میں نے حکم دیا کہ مجھ کو بادشاہ کہا کریں۔ اسی سال کے آخر میں شب سہ شنبہ ماہ ذیقعدہ کی چوتھی تاریخ آفتاب برج حمل میں تھا کہ ارک کابل میں ہمایوں پیدا ہوا۔ مولانا مشہدی نے اسکی تاریخ ولادت "ہمیون خاں" کہی۔ کابل کے ایک شاعر نے "شاہ فیروز قدر" لکھی۔ تین چار دن کے بعد ہمایوں ہی نام رکھدیا۔ ہمایوں کے پیدا ہونے کے پانچ چھ دن بعد چار باغ میں ہمایوں کے پیدا ہونے کی شادی ہوئی۔ امرا اور متعلقین نے ساچق کی رسم ادا کی۔ زرِ سفید کا ڈھیر لگ گیا۔ اس سے پہلے کبھی اتنے روپیوں کا ڈھیر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ بڑی دھوم کی شادی ہوئی۔

سنہ ۹۱۴ ہجری کے واقعات

اس سال کے موسم بہار میں مُہمند افغانوں کی ایک بستی جو نواح نغزک میں تھی ہم نے جالوٹی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر آئے۔ تھوڑے دن بعد قوچ بیگ فقیر علی۔ کریم داد اور بابا چہرہ نے بھاگ جانے کا قصد کیا تھا۔ جب معلوم ہوا تو اُنکے پاس آدمی بھیجا۔ استرغچ کے پرے سے اُن کو پکڑ لائے۔ جہانگیر میرزا کی زندگی میں بھی ان کی بعض بیہودہ باتیں میں نے سُنی تھیں۔ حکم دیا کہ ان سب کو سر بازار قتل کر دو۔ دروازہ پر لیجا کر اُن کے گلوں میں رسیاں ڈالی ہی تھیں۔ اتنے میں قاسم بیگ نے خلیفہ کو بھیجکر امراء کے ساتھ ان کے گناہ بخشدینے کی درخواست کی۔ قاسم بیگ کی خاطر سے میں نے جان بخشی کر دی۔ اور حکم دیا کہ قید کر دو۔ اسی اثناء میں دو تین ہزار آدمیوں نے {جن میں حصاری۔ قندزی۔ خسروشاہ کے مغل ملازموں کے اکابر (چلمہ علی۔ سید شمک۔ شیر قلی اور النگو سالم) خسروشاہ کے امراء چغتائیہ (سلطان علی چہرہ۔ خدا بخش اور اُن کے متعلق) اور ترکمان (سیوندک اور شاہ نظر وغیرہ) تھے} باہم سازش کر کے بغاوت کرنی چاہی تھی۔ یہ لوگ عبدالرزاق میرزا کو نیکنہار سے لے آئے تھے اور پٹھانوں کے دیہات میں خواجہ آورش کے سامنے مرغزار سیوندک و قورغان سے مرغزار چالاک تک پڑے ہوئے تھے۔ کئی دفعہ محب علی قورچی نے خلیفہ اور ملا بابا سے ان کے منصوبہ کا ذکر کیا تھا۔ مجھ سے بھی اشارۃً کہدیا تھا۔ یقین کرنے کی بات نہ تھی۔ کسی کو بھی اس کی پروا نہ ہوئی۔ ایک دن میں چار باغ میں تھا۔ رات کو عشا کے بعد میرے پہلو میں سے موسیٰ خواجہ اور ایک دوسرے شخص نے جلدی جلدی آکر میرے کان میں کہا تحقیق خبر

کہ مغل باغی ہو گئے۔ پہلے بھی عبدالرزاق میرزا کا ان سے ملجانا میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اب بھی ان کا باغی ہونا میرے خیال میں نہ آیا۔ میں ٹال گیا۔ لحظہ بھر کے بعد میں محل میں گیا۔ اس وقت محل کے لوگ باغ خلوت اور باغ نور تحفہ میں تھے۔ میں محل کے قریب پہنچا تھا کہ لچوں اور گنڈوں کے برگشتہ ہو جانے کا حال معلوم ہوا۔ لوگوں کے برگشتہ ہونے کے بعد میں اور غلام سرور شہر کی طرف چلے۔ خندق کے راستہ سے ہم آہنین دروازے میں پہنچے تھے کہ بازار سے خواجہ محمد علی آکر ساتھ ہو گیا۔

۹۱۵ھ ہجری کے واقعات

دوشنبہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ میدان چندول کے آخر میں بھونچال آیا۔ نصف ساعت نجومی تک رہا۔ دوسرے دن ہم نے یہاں سے کوچ کیا۔ قلعہ باجور پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے قلعہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ دلہ زاک افغانوں میں سے ایک شخص کو بجور بھیجا۔ اور سلطان بجور سے کہلا بھیجا کہ اطاعت قبول کرو۔ اور قلعہ حوالہ کر دو۔ اُن جاہلوں نے ایک نہ سنی واہی تباہی جواب دیدیے۔ میں نے حکم دیا کہ جال اور سیڑھیاں وغیرہ آلات قلعہ گیری درست کر لیے جائیں۔ اس انتظام کے لیے ایک دن اُس منزل میں ٹھیرنا پڑا۔

قلعہ باجور فتح ہوا

جمعرات کے دن چوتھی تاریخ حکم دیا کہ لشکر تیار ہو جائے۔ جرانغار بجور کے بالائی سمت دریا سے پار ہو کر قلعہ کے شمال میں ٹھیرے۔ قول والے شمال و مغرب کے مابین دریا سے اُتر کر اونچے نیچے مقامات پر قائم ہو جائیں۔ برانغار مغرب کی طرف دروازہ کے نیچے مقیم رہے۔ دوست بیگ اور جرانغار کے سردار جس وقت دریا سے پار ہوئے تو قلعہ سے سو سو پچاس پچاس سپاہیوں نے نکل کر تیر مارنے شروع کیے۔ ان سرداروں نے بھی تیروں کی بوچھار کی۔ اور اپنے پیدل سپاہیوں کو قلعہ کی فصیل کے نیچے تک پہنچا دیا۔ عبدالملک خوستی دیوانہ ولہ فصیل کے نیچے پشتہ تک جا پہنچا۔ اگر سامان قلعہ گیری تیار ہوتا تو اُسی دن شام سے پہلے قلعہ فتح ہو جاتا۔ ملا ترک علی (تنگری بردی کا نوکر) نے دشمن سے خوب مقابلہ کیا۔ جس سے مقابلہ ہوا تھا اُس کا سر کاٹ لایا۔ اُستاد علی قلی نے پانچ آدمی توپ سے گرائے۔ اور گولنداز بھی دلیری کے ساتھ برابر فیر کرتے رہے۔ شام تک تقریبًا ستر اسی بجوری ان توپوں سے مارے گئے۔ ہر شخص سے انعام وغیرہ کا وعدہ کیا گیا۔ شام کو میں نے حکم دیا کہ رات ہو گئی ہے۔ لشکر واپس ہو۔ اور قلعہ گیری کا سامان درست کر کے صبح ہی قلعہ پر دھاوا کر دیا جائے۔ جمعہ کے دن پانچویں محرم کو صبح ہی نماز کے وقت حکم ہوا کہ

طبل جنگ بجادو۔ اور ہر شخص اپنی جگہ سے قلعہ پر حملہ کر دے۔ حکم ہوتے ہی جرانغار اور قول اپنے اپنے مورچوں سے اسباب قلعہ گیری لیکر قلعہ کی دیوار سے جا چپکے۔ خلیفہ شاہ حسن ارغون اور احمد یوسف کو جو قول کے دستِ چپ میں تھے حکم دیا کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر جرانغار کی مدد کرو۔ مشرق اور شمال کے مابین والے برج کے نیچے دوست بیگ کی آدمیوں نے آکر دیوار کو گرانا اور کھودنا شروع کیا۔ وہیں اُستاد علی قلی بھی موجود تھا۔ اُس دن بھی اُس نے خوب آگ برسائی۔ دو دفعہ عمدہ نشانے لگائے۔ ولی خازن نے بھی ایک آدمی کو بندوق سے مارا۔ قول کے اُلٹے ہاتھ کی طرف سے ملک علی قطبی بھی سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اور بہت دیر تک لڑتا مارتا رہا۔ قول کے مورچہ سے محمد علی جنگجنگ اور اُس کے چھوٹے بھائی نوروز نے سیڑھی پر چڑھ کر خوب برچھے اور تلواریں ماریں۔ بابائی بساول اوپر چڑھ گیا۔ تیروں کا مینہ برساتا رہا۔ اور قلعہ کی دیوار توڑتا رہا۔ اکثر سپاہی اچھی طرح وہاں پہنچ گئے۔ اور ایسے نشانے مارتے رہے کہ غنیم کو سر اُٹھانے کی فرصت نہ ملی۔ کچھ سپاہی برابر قلعہ کی دیوار گراتے رہے۔ انہوں نے ذرا غنیم کے حربوں اور تیروں کی پروا نہ کی۔ چاشت کا وقت تھا کہ مشرق وشمال کے بیچ والے برج کو جسے دوست بیگ کی فوج گرا رہی تھی ڈھا دیا۔ اور دوست بیگ کے لوگ غنیم کو ہٹا کر اوپر چڑھ گئے۔ عنایتِ الٰہی سے بڑا مضبوط اور پکّا قلعہ دو تین گھنٹے میں فتح ہو گیا۔ فوج کے سب سپاہیوں نے حتی المقدور بہت تندہی کی۔ اور بڑی نیکنامی حاصل کی۔ بجور میں گھستے ہی مردوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ اور اُن کے بال بچے قید کر لیے گئے۔ تخمیناً تین ہزار آدمی سے زیادہ قتل ہوئے ہونگے۔ فتح ہونے کے بعد میں شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی سیر کی اور والیٔ بجور کے مکانوں میں اُترا۔ بجور کا ملک خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ اُس کی مدد کے لیے عمدہ عمدہ دار معین کر دیے پھر مغرب کے وقت میں لشکر میں واپس آیا۔ دوسرے دن کوچ کر کے بجور کے ایک میدان میں چشمۂ بابا قرلدر پر ڈیرے پڑے۔ کچھ قیدی رہ گئے تھے۔ خواجہ کلاں کی سفارش سے چھوڑ دیے گئے۔ اُن کے بال بچے حوالہ کر کے اُن کو رخصت دیدی۔ بعض ملکوں اور سرکشوں کو جو پکڑے گئے تھے قتل کر ڈالا۔ کچھ ملکوں کے سر اور فتح کی خبر کابل بھیجی گئی۔ بدخشاں اور بلخ بھی فتح نامے مع سروں کے روانہ کیے گئے۔ شاہ منصور یوسف زئی یوسف زئی سے آکر اِس موقع پر شریک ہو گیا تھا۔ خلعت اور فرمان دیکر یوسف زئی کے انتظام کے لیے اُس کو رخصت کیا۔ بجور کے انتظام سے فارغ ہو نویں تاریخ سہ شنبہ کو کوچ کیا۔ کوئی کوس دو کوس چلے اور اسی میدان میں اُتر پڑے۔ ایک اونچے مقام پر کلّہ مینار بنانیکا

حکم دیا۔ چار شنبہ دسویں محرم کو سیر کرنے کے لیے سوار ہو کر میں بجور میں گیا۔ خواجہ کلاں کے مکان پر شراب کی محفل ہوئی۔ بجور کے کافر شراب اور میوے لائے تھے۔ بجور میں شراب اور میوہ کافرستان ہی سے آتا ہے۔ رات کو وہیں رہنا ہوا۔ دوسرے دن قلعہ کے برج اور فصیل کا ملاحظہ کرکے لشکر میں آگیا۔ صبح کو کوچ کر دیا۔ دریائے جندول کے کنارہ پر لشکر اترا۔ حکم دیا کہ جو لوگ بجور کی کمک کے لیے معین ہوئے ہیں وہ سب بجور چلے جائیں۔ ایک نہ رہے۔ اتوار کے دن چودھویں تاریخ خواجہ کلاں کو توغ عنایت کرکے بجور جانے کے لیے رخصت دی۔ اُس کے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قطعہ خیال میں آیا۔ اسکو لکھکر خواجہ کلاں کے پاس بھیجدیا۔ قطعہ

قرار و عہد بیار اینچنیں نبود مرا — گزید ہجر و مرا کرد بے قرار آخر

بعشو ہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس — بجور کرد جدا یار را ز یار آخر

بدھ کے دن سترھویں تاریخ سلطان علاؤالدین سوادی جو سلطان ویس سوادی کا مخالف تھا ملازمت کے لیے حاضر ہوا۔ اٹھارھویں تاریخ کوہ مہر میں جو بجور اور جندول کے بیچ میں ہے شکار کھیلا۔ اس پہاڑ کی گایوں اور بارہ سنگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور وہ اچھا رنگ ہوتا ہے۔ شاید اس پہاڑ کے نیچے ملک ہندوستان میں بارہ سنگھے اور گائیں کالی ہی ہوتی ہیں۔ آج ہی ایک ساریق نرس کا شکار ہوا۔ وہ بھی کالا تھا۔ آج ہی ایک کالا ہرن یورکوٹ نے پکڑا۔ لشکر میں غلہ کی کمی ہو گئی تھی۔ درۂ کھراج میں سے لوگوں نے غلہ لیا۔

سوادکی طرف چلے

یوسف زئی پر چڑھائی کرنے کے قصد سے سواد کی طرف جمعہ کے دن کوچ کیا۔ جہاں دریائے پنجکوڑہ، دریائے جندول، دریائے بجور اور دریائے پنج کوزہ ملتے ہیں وہاں اُترنا ہوا۔ شاہ منصور یوسف زئی چند کمالی بہت عمدہ مزے کی لیکر آیا۔ ایک کمالی کے میں نے کئی حصّے کیے۔ ایک حصّہ میں نے کھایا۔ ایک حصہ گدائی طغائی نے اور ایک حصّہ عبداللہ کتابدار نے کھایا۔ اسی پر سب نے اکتفا کیا۔ اس وقت جو شام ہو گئی تھی تو امراء سے مشورہ کرنے کے لیے بھی نہ نکل سکتا تھا۔ یہ عجیب کھانا تھا۔ اگر اُس قسم کی کمالی اب ساری کھا جائیں تو معلوم نہیں کہ اُس سے آدھا مزہ بھی آئے یا نہ آئے۔ یہاں سے چلے اور درۂ کھراج و درۂ پیش گرام کے دہانہ پر پنج کوزہ کے قریب فروکش ہوئے۔ ہم اسی مقام پر تھے جو برف پڑی۔ ان دنوں میں کبھی کبھار برف پڑتی ہے۔ اس برف باری پر لوگ تعجب کرتے تھے۔ سلطان اویس سوادی کی اتفاق رائے سے لشکر کے لیے

کھراج والوں سے چار ہزار خروار چانول لینے تجویز ہوئے۔ اس غلہ کی تحصیل کے لیے سلطان اویس سوادی کو بھیجا۔ ان گاؤں والوں اور پہاڑیوں نے اتنا غلہ کبھی نہ دیا تھا۔ اب بھی دینا گوارا نہ کیا۔ اور اپنے اپنے گھر چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ منگل کے دن تئیسویں تاریخ ہندو بیگ کو کچھ فوج کے ہمراہ پنج کوزہ کی مہم پر بھیجا۔ پنج کوزہ کمر کوہ سے کچھ اونچا ہے۔ کوس بھر کے قریب پہاڑ کی اونچائی سے ملے جائیں تو پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں والے بھاگ گئے تھے۔ کسی قدر اُن کی بھیڑ بکریاں۔ گایوں کے ریوڑ اور غلہ لے آئے۔ دوسرے دن قوچ بیگ کے ساتھ فوج بھیجی گئی۔ جمعرات کے دن چھبیسویں تاریخ درہ کھراج کے موضع بایندبس میں غلہ لینے کے لیے لشکر اُترا۔ اسی سال میں ہمایوں کے بعد کئی بچے اور پیدا ہوئے مگر گزر گئے۔ ہندال ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ میں اسی نواح میں تھا کہ ماہم کے پاس سے خط آیا۔ لکھتی ہے کہ بیٹا ہو یا بیٹی جو ہو میری قسمت سے جیتا جاگتا ہو۔ اور مجھے اُس کا پالنا نصیب ہو۔ جمعہ چھبیسویں تاریخ اسی منزل میں ہندال کا نام اور خطوط لکھکر یوسف علی رکابدار کے ہاتھ کابل روانہ کیے۔ ابھی ہندال نہ ہوا تھا۔ یہیں درہ میں اوپر کی جانب ایک اتنا بڑا چبوترہ تیار کرایا جس کے بیچ میں مکان بن جائے۔ اس چبوترے کے لیے تمام مصاحبوں اور سپاہیوں نے پتھر لاکر جمع کیے۔ یوسف زئی پٹھانوں میں سے ملک شاہ منصور بن ملک سلیمان شاہ حاضر ہوا۔ اور اُس نے اظہار دولتخواہی کیا۔ یوسف زئی قوم کے میل جول کے خیال سے اُس کی بیٹی کی خواستگاری کی گئی۔ شام کو شراب نوشی کا جلسہ منعقد ہوا۔ سلطان علاؤالدین کو بھی اُس میں شریک کیا۔ اُس کو خلعت وغیرہ بھی عطا کیا۔ اٹھائیسویں تاریخ اتوار کے دن درہ کھراج سے باہر ہوئے۔ طاؤس خاں یوسف زئی شاہ منصور کا بھائی اپنی بھتیجی کو اس منزل میں لایا۔ چونکہ بہسوت لوگ بجوڑ ہی سے متعلق تھے اس لیے یہاں سے یوسف علی بکاول کو بھیجا گیا کہ اُن کو بجوڑ میں لیکر آئے۔ جو لشکر کابل میں تھا اُس کو لکھا گیا کہ یہاں آجائے۔ جمعہ کے دن صفر کی تیسری تاریخ وہاں اُترے جہاں دریائے بجوڑ اور دریائے پنج کوزہ ملتے ہیں۔ اتوار کے دن پانچویں کو یہاں سے میں بجوڑ گیا۔ خواجہ کلاں کے ہاں شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔ منگل کے دن ساتویں کو امراء اور دلہ زاک افغانوں سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ سال آخر ہو گیا ہے حوت کے دو دن رہ گئے ہیں۔ جو غلہ کٹا تھا اُس کو کاشتکار اُٹھا لے گئے ہونگے۔ اس موسم میں اگر سواد چلیں گے تو غلہ نہ میسر آنے سے لشکر کو بڑی تکلیف ہوگی۔ ابناتی اور یا پانی کی راہ سے ہوتے ہوئے ہشتنغر کے کنارہ کے اوپر کی طرف دریائے سواد سے پار ہو سنکر ماہو رائی یوسف زئی کے سامنے اُن یوسف زئی

اور محمد زئی پٹھانوں پر جو جنگل اور میدان میں پڑے ہوئے ہیں دفعتہً چڑھائی کرنی چاہیے۔ آیندہ سال میں غلہ تیار ہونے کے موقع پر یہاں والوں کی خبر لیں گے۔ یہی بات ٹھیرا کر دوسرے دن چارشنبہ کو سلطان ویس۔ سلطان علی اور سلطان علاؤالدین کو گھوڑے اور خلعت وغیرہ عنایت کرکے اور ان کی دلجوئی کرکے ان کو رخصت کیا۔ ہم وہاں سے کوچ کرکے بجور کے سامنے اُترے۔ شاہ منصور کی بیٹی کو واپس آنے تک یہیں ٹھیرایا۔ دوسرے دن یہاں سے چلے۔ اور خواجہ خضر میں فروکش ہوئے۔ اس مقام سے خواجہ کلاں کو رخصت کیا۔ بہیر اور بھاری اسباب کو کونڑ کے راستہ سے لمغان بھیجنے کی تجویز کی۔ دوسرے دن کوچ کر دیا گیا۔ بھاری اسباب اور اونٹوں کو خواجہ میراں کے ہمراہ خور غاتو۔ دروازہ اور کوتل قراکوبہ کے راستہ سے چلتا کیا۔ اور ہم جریدہ سواروں کو ساتھ لے کوتل انبالہ سے ہوتے ہوئے اور ایک اور پہاڑ سے نکل عصر کی نماز کے بعد جھٹ پٹے کے وقت پانی بالی میں آگئے۔ اوغان بردی کو کچھ آدمیوں کے ساتھ سن گن لینے آگے بھیجا۔ ہم میں اور افغانوں میں بہت فاصلہ نہ تھا۔ اس واسطے رات کو ہم نے کوچ نہ کیا۔ چاشت کے وقت اوغان بردی آیا ایک افغان کو پکڑ کر اُس کا سر کاٹ لایا تھا۔ مگر رستہ میں گر پڑا۔ جو دل چاہتا تھا وہ خبر لے آیا دوپہر کو ہم نے کوچ کر دیا۔ دریائے سواد سے پار ہو عصر سے پہلے منزل پر جا اُترے۔ عشا کی نماز کے وقت چل نکلے۔ اور قدم اُٹھائے ہوئے چلے۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا ہوگا کہ رستم ترکمان۔ جو قراولی کے لیے بھیجا گیا تھا آیا۔ اُس نے بیان کیا کہ افغانوں کو خبر ہوگئی۔ وہ ہر طرف منتشر ہوگئے ہیں۔ اور اُن کا ایک گروہ پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم نے قدم بڑھایا۔ فوج کا ایک دستہ آگے روانہ کیا۔ جس نے افغانوں کو جالیا۔ کچھ افغانوں کو مار کر اُن کے سر کاٹ لیے۔ بہت سوں کو پکڑ لایا۔ اور اُن کے ریوڑ بھی گھیر لیے۔ دلہ زاک افغان بھی کئی کے سر کاٹ لائے۔ وہاں سے پلٹ کر ہم کاتلنگ کی نواح میں آئے۔ خواجہ میر میراں بہیر وغیرہ کو دوسری طرف سے لیے آتا تھا۔ اُس کے پاس آدمی بھیجا کہ مقام پر آکر ہم سے ملے دوسرے دن کوچ کر دیا۔ بلایک کے راستہ سے مقام میں اُترے۔ شاہ منصور کا آدمی آیا خسرو کوکلتاش اور احمدی پروانچی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اُس کے پاس بھیجدیا۔ سہ شنبہ چودھویں تاریخ جس وقت ہم ارک میں آئے اُس وقت وہ آکر ہم سے ملے۔ تیس چالیس برس ہوئے کہ شہباز نامی ایک فقیر ملحد تھا۔ اُس نے یوسف زئی اور دلہ زاک کے کچھ لوگوں کو ملحد بنا دیا تھا۔ یہیں پہاڑ کے قریب ایک پہاڑی ہے بہت ہی پُرفضا اور خوش منظر۔ اتنی اونچی ہے کہ تمام جنگل اُس پر سے نظر آتا ہے۔ اُس پر شہباز قلندر رند کور کی قبر ہے۔ اس مقام کی میں نے سیر کی۔

دل میں آیا کہ ایسی عمدہ جگہ ایسے ملحد کی قبر بدزیب ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اس قبر کو ڈھا کر برابر کردو۔ چونکہ بہت ہی صاف اور ہوادار مقام تھا اس لیے یہاں معجون کھائی۔ اور تھوڑی دیر یہیں بیٹھے رہے۔ بجور سے بھیرہ جانے کا خیال تھا۔ اصل یہ ہے کہ جب سے میں کابل میں آیا تھا ہندوستان کی یورش کی مجھے دھن لگی ہوئی تھی۔ مگر بعض موانع سے یہ خیال پورا نہ ہوا تھا۔ تین چار مہینے لشکر بجور کے علاقہ میں پھرتا رہا۔ مگر اہل لشکر کو کچھ اچھی طرح ہاتھ نہ لگا۔ اور چونکہ بھیرہ ہندوستان کا دروازہ ہے وہ قریب تھا اس لیے ارادہ ہوا کہ آؤ جریدہ ہی ادھر چلے چلیں۔ امید ہے کہ اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ کچھ لگ جائیگا۔ اس خیال سے واپس ہو افغانوں کو جا مارا۔ مقام میں اُترنے کے بعد بعض دولتخواہوں نے عرض کیا کہ اگر ہندوستان چلنے کا ہم قصد کریں تو پورا سامان کرکے چلنا چاہیے۔ اس وقت بہت سی فوج تو کابل میں ہے۔ کچھ لوگ بجور میں چھوڑ دیے گئے ہیں بہت سا لشکر گھوڑوں کے ناکارہ ہونے سے لمغان چلا گیا ہے۔ جو لوگ ساتھ ہیں اُن کے گھوڑے بھی ایسے تھک گئے ہیں کہ ایک دن کی دوڑ کے قابل نہیں رہے۔ بیشک یہ باتیں معقول تھیں۔ لیکن ارادہ کرلیا تھا۔ ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی۔ صبح ہی اندھیرے مُنہ دریائے سندھ کے گھاٹ کی طرف رُخ کردیا۔ میر محمد جالہ بان کو مع اُس کے بھائیوں کے اور چند سپاہیوں کے دریا کے ادھر اُدھر گھاٹ دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ اور لشکر کو دریا کی جانب روانہ کرکے آپ سواتی کی طرف جس کو کرک خانہ کہتے ہیں شکار کھیلنے چلا گیا۔ کئی کرک دکھائی دیے لیکن اُن کا جنگل بہت وسیع تھا۔ اس سبب سے وہ باہر نہ نکلے۔ ایک بچّہ والی مادہ میدان میں آئی۔ اور بھاگی۔ اُس پر تیروں کی بوچھار پڑ گئی۔ چونکہ اُس کا جنگل قریب تھا اس لیے اُسی میں گھس گئی جنگل میں آگ لگا دی گئی۔ وہ بھاگی ہوئی تو نہ ملی۔ ایک اور کرک نظر آیا۔ آگ میں جلا ہوا پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اُسی کو ذبح کرکے ہر ایک نے حصہ لیا۔ سواتی سے پلٹتے وقت بڑی سرگردانی اُٹھا کر عشا کے وقت ہم باہر نکلے۔ جن کو گھاٹ دیکھنے بھیجا تھا وہ دیکھکر آ گئے تھے۔ دوسرے دن جمعرات کو سولھویں تاریخ گھوڑوں اونٹوں اور پرتل نے گھاٹ سے عبور کیا۔ لشکر کے پیدلوں اور اہل بازار کو جالہ کے ذریعہ سے اُتارا۔ آج ہی نیلاب والے سرراہ حاضر ہوئے۔ ایک گھوڑا کیم دار اور تین سو شاہرخی پیشکش لائے۔ دریا سے اُترتے ہی ظہر کے وقت سب آگے چلے۔ پہر رات گئی تک کچھ کوٹ کے دریا کے پاس آن اُترے۔ وہاں سے دُھندلکے میں چل کھڑے ہوئے دریائے کچھ کوٹ سے پار ہو سنگداکے پہاڑ سے نکل کر مقام کیا۔ قاسم ایشک آغا چاغداول تھا

کچھ کو چور لوگ جو لشکر کے پیچھے لگے آتے تھے اُن کو پکڑ لیا اور اُن میں سے بعض کے سر کاٹ لایا۔ صبح ہی سنکداکی سے کوچ ہوا۔ اور ظہر کے وقت دریائے سوہان سے پار جا اترے لشکر کے پچھلے لوگ آدھی رات تک آئے۔ منزل ذرا کڑی تھی۔ گھوڑوں کے تھک جانے ہی کا موقع تھا۔ چلتے چلتے اکثر گھوڑے بیکار ہو گئے تھے۔ بھیرہ سے سات کوس شمال کی طرف ایک پہاڑ ہے اس کو ظفرنامہ وغیرہ کتب تاریخ میں کوہ جودہ لکھا ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اب معلوم ہوا کہ اس پہاڑ کے لوگ ایک دادا کی اولاد ہیں۔ اُن میں دو قومیں ہیں۔ ایک کا نام جودہ ہے۔ دوسری کا نام جنجوہہ۔ اس پہاڑ پر اور نیلاب و بھیرہ میں جو قومیں آباد ہیں اُن پر جنجوہہ قوم قدیم سے حکومت کرتی چلی آئی ہے۔ طرز حکومت دوستانہ اور برادرانہ ہے۔ حاکموں کا جو دل چاہتا ہے وہ نہیں کر سکتے۔ یا نہیں لے سکتے۔ مالگذاری کی رقم بالمقطع ابتدا میں مقرر کر دی ہے۔ اُس رقم مقررہ سے زیادہ نہ دینے والے دیتے ہیں نہ لینے والے لے سکتے ہیں۔ وہ رقم فی گھر ایک شاہرخی ہے۔ شادی کے موقع پر سپاہیوں کو سات شاہرخیاں دی جاتی ہیں۔ جودہ کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ اور جنجوہہ کی بھی۔ یہ پہاڑ جو بھیرہ سے سات کوس ہی کوہستان کشمیر (کوہستان کشمیر اور کوہ ہندوکش دوسری طرف واقع ہے) سے الگ ہو کر جنوب و مغرب کے بیچ میں ہوتا ہوا دینکوٹ کے نیچے دریائے سندھ پر ختم ہوتا ہے۔ آدھے پہاڑ میں قوم جودہ آباد ہے اور آدھے پہاڑ میں جنجوہہ۔ مگر جودہ ہی کے نام سے منسوب ہو کر کوہ جودہ کہلاتا ہے۔ ان کے نسب میں بڑے سردار کو رائے کہتے ہیں۔ اور اس کے بھائی بیٹوں کو مَلِک۔ یہ قوم جنجوہہ لشکر خان کی ننھیال ہے۔ دریائے سوہان کی نواح میں جو قومیں ہیں ان کے حاکم کا نام ملک ہست تھا۔ (اصل میں تو اس کا نام اسد تھا۔ ہندوستانی کبھی ایسے متحرک حرف کو ساکن کر دیتے ہیں اس سبب سے اَسَد کو اَسْد کہنے لگے۔ جیسے خَبَر کو خَبْر کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہست ہو گیا) یہاں پہنچتے ہی لشکر خاں کو ملک ہست کے لانے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ فوراً وہاں گیا اور اُس کو میری عنایت و مہربانی کا امیدوار کر کے عشا کے وقت ساتھ لیکر آیا۔ ہست نے ایک گھوڑا مع سامان نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ اس کی عمر بائیس تیئیس برس کی ہوگی۔ ان لوگوں کی مویشی کے ریوڑ لشکر کے ادھر اُدھر بہت تھے۔ مجھ کو تو مدت سے ہندوستان لینے کا خیال تھا۔ یہ قطعۂ ملک جس میں بھیرہ۔ خوشاب۔ چناب اور چنیوت شامل ہے مدتوں

یقین تھا کہ خواہ بزورِ شمشیر خواہ بطریقِ صلح ہم اس کو لیں گے اور لیں گے. اس وجہ سے ان پہاڑیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا لازم تھا۔ میں نے حکم دیا کہ ان کی ایک بھیڑ بلکہ رسی کے ٹکڑے اور ٹوٹی ہوئی سوئی کو بھی کوئی نگاہ بھر کے نہ دیکھے۔ اور ان کو نقصان نہ پہنچائے۔ یہاں سے چلے اور ظہر کے وقت کلدہ کنار میں اُترے۔ یہاں چاروں طرف خوبیدے کے کھیت تھے۔ یہ مقام قابلِ دید ہے۔ بھیرے سے دس کوس کے فاصلہ پر پہاڑ میں ایک ہموار قطعہ ہے۔ اسی میدان میں ایک صاف جائے بڑا تالاب ہے۔ گرد کے پہاڑوں اور بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے۔ اس تالاب کا گرداوا تقریباً تین کوس کا ہوگا۔ مرغزار کے شمال میں ایک ندی ہے۔ اس کے مغرب میں دامنۂ کوہ ہے۔ اور اُس میں ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ کا پانی اُن بلندیوں پر جو تالاب کے اوپر ہیں ٹھیرا رہتا ہے۔ چونکہ جگہ عمدہ تھی اس لیے میں نے یہاں باغ تیار کرایا۔ اس کا نام باغ صفا رکھا۔ یہ باغ ہوادار اور صاف مقام پر بنا۔ اس کا مفصل حال آگے بیان ہوگا۔ کلدہ کنار سے ہم صبح ہی روانہ ہوئے۔ پہاڑ پر کئی جگہ لوگ حاضر ہوئے اور مختصر مختصر پیشکشیں اُنھوں نے پیش کیں۔ ان آنے والوں کو عبدالرحیم شقاول کے ہمراہ کرکے بھیرے بھیجا۔ اور بھیرے والوں سے کہلا بھیجا کہ تم ڈرو نہیں۔ ہر طرح سے مطمئن رہو۔ یہ مُلک قدیم سے ترکوں کے تحت میں رہا ہے۔ تم لوگ منتشر نہ ہو۔ ہم کو اس ملک اور اہلِ ملک کا خیال ہے۔ یہاں کیل کا کھٹکا نہ ہوگا۔ چاشت کے وقت پہاڑ کے نیچے لشکر کے ڈیرے ہوئے۔ قربان حرجی اور عبدالملک ہستی کو سات آٹھ آدمیوں سمیت خبر دریافت کرنے کے لیے آگے روانہ کیا۔ ان آگے جانے والوں میں سے محمد مہدی خواجہ ایک شخص کو لایا۔ اسی اثناء میں افغانوں کے کئی سردار مع پیشکش حاضر ہوکر باریاب ہوئے۔ ان کو لشکر خاں کے ساتھ بھیرے والوں کے پاس بھیجدیا۔ پہاڑ اور جنگل سے نکل برانغار، جرانغار، قول اور یساول درست کرکے بھیرے کی طرف ہم چلے۔ بھیرے کے نزدیک جب ہم پہنچے تو دولت خاں یوسف خیل کا بیٹا علیخاں اور دیوہ ہندو وغیرہ بھیرے سے آکر شرفیابِ ملازمت ہوئے۔ ظہر کا وقت تھا کہ دریائے بہت کے کنارہ پر بھیرہ کی مشرق میں بے آنکہ بھیرہ والوں سے کچھ تعرض کیا ہو ایک سرسبز مقام پر جا اُترے۔ جب امیر تیمور صاحبقراں ہندوستان میں آئے ہیں اور چلے گئے ہیں تو یہ کئی علاقے بھیرہ۔ خوشاب۔ چناب اور چنیوٹ صاحبقران اور اُن کی اولاد کے قبضہ میں رہے۔ سلطان مسعود میرزا (سیورغتمش میرزا کا بیٹا اور شاہرخ میرزا کا پوتا) جب کابل و زابل کا بادشاہ ہوا تو اسی سبب

اس کو سلطان مسعود کابلی کہتے ہیں) اُس کے امراء میں سے میر علی بیگ کے کئی بیٹے بابا کابلی۔ دریا خاں اور اباق خاں (جس کا لقب آخر میں غازی خاں ہو گیا) ان علاقوں کی حاکم رہے۔ سلطان مسعود میرزا اور اُس کے بیٹے علی اصغر میرزا کے بعد غازی خاں کابل۔ زابل اور ان علاقوں کو دبا بیٹھا۔ ۹۱۰ھ میں جو میں کابل آیا اور ہندوستان لینے کے خیال سے براہ خیبر پشاور میں آ گیا۔ اور باقی چغانیانی کے کہنے سے ملک بنگش کی طرف جا کر وہاں کے افغانوں اور بنو دشت والوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دکہ کے مقام سے چلا گیا تھا تو اُس زمانہ میں بہیرہ۔ خوشاب اور چناب کا حاکم سید علی خاں (غازی خاں کا بیٹا۔ میر علی بیگ کا پوتا) تھا۔ وہ سکندر بہلول کے نام کا خطبہ پڑھوا تا تھا اور اُسی کا مطیع تھا۔ میرے آنے سے ڈر کر بہیرے کو اُس نے چھوڑ دیا۔ اور دریائے بہت کے پار مقام شیر کوٹ میں (جو بہیرہ کا ایک موضع ہے) وہ جا بیٹھا۔ اس کے ایک دو سال کے بعد افغان میرے طرفدار ہو کر سید علی سے بگڑ گئے۔ وہ بھی اس سبب سے بہت ڈرا۔ آخر اُس نے اس ملک ہی کو چھوڑ دیا۔ دولت خاں ولد تاتار خاں یوسف خیل اُن دنوں میں حاکم لاہور تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بیٹے علی خاں کو دیدیا تھا۔ وہی اس زمانہ میں بہیرے کا حاکم تھا۔ تاتار خاں (دولت خاں کا باپ) اُن چھ سات سرداروں میں سے ہے جنہوں نے خروج کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اور بہلول کو بادشاہ کر دیا تھا۔ دریائے ستلج کے شمالی اضلاع اور سرہند پر تاتار خاں قابض تھا اس ملک کی آمدنی تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ تاتار خاں کے مرنے کے بعد سلطان سکندر نے اپنے عہد سلطنت میں یہ ملک تاتار خاں کی اولاد سے لے لیا۔ اور کابل میں میرے آنے سے دو برس پہلے صرف ایک لاہور دولت خاں کو دیدیا۔ دوسرے دن بعض مقاموں میں جہاں مناسب تھا فوج کے دستے روانہ کیے گئے۔ اُسی دن میں نے بہیرے کی سیر کی۔ لشکر خاں جنجوعہ بھی آج ہی آیا۔ ایک گھوڑا اُس نے نذر کیا۔ اور ملازمت سے مشرف ہوا۔ بائیسویں تاریخ جمعرات کو بہیرے کے چودھریوں اور اکابر کو بلایا۔ چار لاکھ شاہرخی محصول قرار دیکر تحصیلدار مقرر کر دیے۔ اس کے بعد سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر معجون کا شغل کیا۔ اور سیر کرتا ہوا روانہ ہوا۔ حیدر علمدار کو اُن بلوچوں کے پاس بھیجا جو بہیرے اور خوشاب کے علاقہ میں تھے۔ دوسرے دن جمعرات کو وہ لوگ حاضر ہوئے اور ایک تیچاق گل بادامی پیشکش لائے۔ اتنے میں لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بہیرے والوں کو ستایا ہے اور اُن پر ہاتھ ڈالا ہے۔ فوراً اُن سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر

تشہیر کرایا۔ اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے۔ اس وجہ سے اُس کو بالکل محفوظ و مامون رکھا یہاں والوں نے بھی کہا کہ اگر بطریق مصالحت دربار دہلی میں پیغام بھیجا جائے تو جو ملک ترکوں کا ہے وہ اُس پر دعوےٰ نہیں کرینگے۔ اس لیے ملّا مرشد کو ایلچی مقرر کیا۔ اور سلطان ابراہیم (پانچ چھ مہینے ہوئے تھے کہ اُس کا باپ مرگیا تھا۔ اور وہ ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا تھا) کے پاس بھیجا۔ اور جتنا ملک قدیم سے ترکوں کا تھا اُسکا دعوےٰ کیا۔ جو خطوط دولت خاں اور سلطان ابراہیم کے نام لکھے تھے وہ ملّا مذکور کے حوالے کیے۔ کچھ زبانی بھی کہدیا۔ اور اُس کو رخصت کیا۔ ہندوستانی خصوصاً پٹھان بیوقوف ہوتے ہیں۔ نہ دشمنی کی لیاقت رکھتے ہیں۔ نہ دوستی کی راہ رسم برت سکتے ہیں۔ نہ مقابلے میں ٹھیرنے کی تاب رکھتے ہیں۔ نہ بھاگنے کا انداز جانتے ہیں۔ ہمارے ایلچی کو عرصہ تک دولت خاں نے لاہور میں ٹھیرائے رکھا۔ نہ تو آپ اُس سے ملا نہ اُس کو ابراہیم پاس بھیجدیا۔ اس بیچارے کی جب کسی نے بات نہ پوچھی اور اس کو کوئی جواب نہ ملا تو کچھ دن بعد وہ کابل میں چلا آیا۔ جمعہ کے دن خوشاب والوں کی عرضداشت آئی۔ شاہ حسین بن شاہ شجاع ارغون خوشاب جانے پر معیّن ہوا۔ ہفتہ کے دن پچیسویں تاریخ شاہ حسین خوشاب بھیجا گیا۔ اتوار کو ایسا مینہ برسا کہ سارے جنگل میں جل تھل بھر گئے۔ بھیرے میں اُن پہاڑوں کے نیچے جہاں ہمارا لشکر پڑا ہوا تھا ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ ظہر کے وقت تک اُس کا پاٹ بڑے دریا کے برابر ہوگیا۔ پہلے بھیرے کے قریب گز بھر سے زیادہ پاٹ نہ تھا۔ اب تیر کر جانیکے قابل ہوگیا۔ تیسرے پہر کو میں بھی سیر کرنے گیا۔ اس قدر ہوا اور بارش تھی کہ لشکر میں واپس آنے تک میں گھبرا گیا۔ اُسی دریا میں تیر کر ہم آئے۔ اہل لشکر کا بہت ہی پتلا حال ہوا۔ بہتوں نے اپنے ڈیرے چھوڑ دیے۔ اپنے ہتیار اور سامان کندھے پر ڈال ننگی پیٹھ کے گھوڑوں پر سوار ہو تیر کر نکل گئے۔ تمام جنگل میں پانی ہی پانی تھا۔ دوسرے دن لوگ کشتیاں لے آئے۔ بہت سوں نے اپنے خیموں اور اسباب کو کشتیوں میں لادلاد کر پار اُتار دیا۔ مغرب کے وقت تک لشکر والوں نے کوس بھر اوپر کے رُخ جاکر اُترنے کا موقع پایا۔ لوگ وہیں سے پار ہو قلعہ میں جس کو جہاں نما کہتے ہیں جا اُترے۔ ایک روز وہاں ٹھیرے۔ دوسرے دن مینہ اور رَو کے خیال سے اُن بلند مقاموں پر جو بھیرے کے شمال میں ہیں ڈیرے ڈالے۔

بھیرے وغیرہ کا انتظام | جو محصول مقرر کیا گیا تھا اُس کے دینے میں رعایا نے ہیچر میچر کی۔ اس کا یہ انتظام کیا کہ ملک کو چار سرکاروں پر منقسم کیا۔ ایک سرکار پر خلیفہ کو۔

دوسری پر فوج بیگ کو۔ تیسری پر دوست ناصر بیگ کو۔ چوتھی پر سید قاسم اور محب علی کو مقرر کیا۔ اور ان امراء کو حکم دیا کہ انتظام کرکے روپیہ داخل کرو۔ جمعہ کے دن دوسری شعبان کو شبباق پیادہ اور درویش علی پیادہ (جواب بندوقچی ہے) ہندال کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ چونکہ اس تسخیر ہند کے موقع پر یہ خبر آئی اس لیے بطریق شگون مولود کا نام ہندال رکھا۔ قنبر بیگ بھی بلخ سے محمد زمان میرزا کی عرضی لایا۔ دوسرے دن دربار برخاست کرنے کے بعد سیر کے لیے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا دور چلا۔ اہلِ مجلس خواجہ دوست خاوند۔ خسرو۔ میرم۔ میرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ گدائی۔ لقمان۔ لشکر خان قاسم علی تریاکی۔ یوسف علی۔ اور تنگر قلی تھے۔ کشتی کے سرے پر ایک پٹا ہوا دالان تھا۔ اسکی چھت ہموار تھی۔ میں چند مصاحبوں کے ساتھ اُسی پر بیٹھا تھا۔ کچھ لوگ نیچے دالان میں تھے کشتی کے دنبالہ کی طرف بھی بیٹھنے کی جگہ تھی۔ محمد۔ گدائی اور لقمان وہاں بیٹھے تھے۔ عصر کے وقت تک شراب کا شغل رہا۔ پھر اُس سے دل بھر گیا تو معجون کھائی گئی۔ کشتی والوں کو معلوم ہوا کہ میں نے معجون کھائی ہے۔ وہ یہی جانتے تھے کہ شراب پی رہے ہیں۔ عشا کے وقت اندھیرے میں کشتی سے اُتر کر ہم لشکر میں آئے۔ محمدیم اور گدائی یہی خیال کرکے کہ میں نے صرف شراب ہی پی ہے شائستہ خدمت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ شراب کی ایک ٹھلیا باری باری سے گھوڑوں پر رکھکے کچھ عجیب خوشی اور اتراہٹ کے ساتھ لیکر آئے۔ اور کہنے لگے کہ اس اندھیری رات میں ہم باری باری سے اُٹھاکے لائے ہیں۔ مگر اُنہوں نے دیکھا کہ صحبت کا اور رنگ ہے۔ کچھ معجونی ہیں اور کچھ شراب سے متوالے ہیں۔ معجونی اور شرابی کی ذرا نہیں بنتی۔ اس سبب سے وہ بہت شرمندہ ہوئے۔ میں نے کہا کہ یہ بات کچھ نہیں۔ جلسہ کا مزہ کرکرا نہ کرو۔ جس کا دل شراب پینے کو چاہے وہ شراب پیے جس کا دل معجون کھانے کو چاہے وہ معجون کھائے۔ کوئی کسی سے اُلجھے ہیں۔ اس کہنے سے کسی نے شراب پی اور کسی نے معجون کا استعمال کیا۔ تھوڑی دیر تک یہ جلسہ رہا۔ بابا جان کشتی میں ہی تھا۔ جب ہم خانہ سفید میں آئے تو اس کو بُلایا۔ اُس نے شراب مانگی۔ تردی محمد قبچاق کو بھی بُلایا۔ ان دوستوں نے شریک صحبت کیا۔ معجونیوں اور شرابیوں کی تو بنتی نہیں۔ شرابیوں نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ یہ لوگ معجون اور معجونیوں پر مُنہ آنے لگے۔ بابا خان بھی نشہ میں بہک رہا تھا۔ تردی محمد کو بھی گلاس پر گلاس پلاکر مستوں نے بے سُدھ کردیا۔ میں نے بہت چاہا کہ سنبھالوں مگر نہ سنبھال سکا۔ بڑی دُھند مچی۔ جلسہ مٹی ہو گیا۔ سب متفرق ہوگئے۔ پیر کے دن پانچویں تاریخ بھیرا ہندو بیگ کے سپرد کیا۔ اور حسین آنکر اک کو

پیدائش ہندال

چناب کا حاکم کیا۔ حسین انکراک اور چناب والوں کو رخصت دی گئی۔ انہی دنوں میں منوچہر خاں جب مجھے اطلاع دیکر ہندوستان سے چلا اور اوپر کے رستہ سے آنے لگا تو تاتار خاں کھکر سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے اُسے روک لیا۔ اور اپنی بیٹی سے اُسکی شادی کر دی۔ چند روز منوچہر خاں وہاں رہا۔ پھر میرے پاس چلا آیا۔ نیلاب و بھیرہ کے بیچ میں جو پہاڑ کشمیر کے پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اُن میں قوم جودہ اور جنجوہہ کے علاوہ جٹ اور گجور کی قومیں بھی آباد ہیں۔ انہوں نے ہر پشتہ اور درہ میں اپنے گاؤں بسا لیے ہیں۔ ان قوموں کا حاکم کھکر ہے۔ ان کی طرز حکومت جودہ اور جنجوہہ کی سی ہے۔ اُس زمانہ میں اس دامنۂ کوہ کی حکومت تاتار کھکر اور ہاتی کھکر سے متعلق تھی۔ یہ دونوں ایک دادا کی اولاد اور باہم چچیرے ہوتے تھے۔ ٹیلوں اور کھڈوں میں ان کے مقامات تھے۔ جو بہت ہی مستحکم تھے۔ تاتار کی ریاستگاہ پرہالہ تھا۔ یہ ملک برفان کے پہاڑ سے بہت ہی نیچے واقع ہے۔ ہاتی کا علاقہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ مقام کنجرزا بابو خان کے تحت میں تھا۔ اُس کو بھی ہاتی نے چھین لیا تھا۔ تاتار کھکر دولت خاں سے مل کر کسی قدر اُس کا مطیع ہو گیا تھا۔ ہاتی اُس سے نہ ملا تھا۔ اور بر سر فساد تھا۔ امرائے ہند کے بل پر اور اُن کے کہے سے تاتار ہاتی کے مقابلہ میں پڑا ہوا تھا۔ مگر دور دور تھا۔ اُس زمانہ میں جبکہ ہم بھیرے میں تھے ایک بہانہ سے ہاتی عین غفلت میں تاتار پر جا پڑا۔ اُس کو قتل کیا اور اُس کا خزانہ اور مال اسباب سب لے لیا۔ ظہر کے وقت میں سیر کرنے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا شغل شروع ہوا۔ اہل بزم یہ لوگ تھے۔ دوست بیگ۔ میرزا قلی۔ احمدی گدائی۔ محمد علی جنگ جنگ۔ عسس افغان اور نردی مغل۔ گویوں میں سے روح دم۔ بابا عثمان۔ قاسم علی۔ یوسف علی رنگری قلی۔ ابوالقاسم اور رمضان لولی تھے۔ شام تک ساغر کا دور چلتا رہا۔ عشا کے وقت دُھت بنے ہوئے تھے جو کشتی سے اُتر کر سوار ہوئے۔ مشعل میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ دریا کے کنارہ سے لشکر تک کبھی گھوڑا ادھر ڈالتا تھا کبھی اُدھر۔ غرض لڑکھڑاتا ہوا آیا۔ میں نشہ میں اتنا چور تھا کہ مجھے ذرا خبر نہ تھی۔ صبح کو جو رات کا یہ حال مجھ سے بیان کیا تو باور نہ آیا۔ مکان پر آتے ہی میں نے کئی بار قے کی۔ جمعہ کے دن سیر کے لیے سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھکر پار گیا۔ اُس جانب کے باغوں، پھلواری اور گنوں کے کھیتوں کی سیر کی۔ ان کے ڈول اور رہٹ دیکھے۔ اپنے سامنے پانی کھنچوایا۔ اور پانی نکالنے کی کیفیت دریافت کی۔ بلکہ بار بار کھنچوایا۔ اثنائے سیر میں معجون کا استعمال کیا۔ وہاں سے پھر اور کشتی میں سوار ہوا۔ منوچہر خاں کو بھی معجون

کھلائی تھی۔ اُس کو اتنا نشہ ہوا کہ دو آدمی بازو پکڑے ہوئے کھڑا رکھتے تھے۔ تھوڑی دیر کشتی کا لنگر ڈلوا کر دریا کے بیچ میں ٹھیرے رہے۔ پھر دریا کے نشیبی جانب گئے۔ کچھ دور چل کر کشتی کو اوپر کی طرف کھنچوایا۔ رات کو کشتی میں رہے۔ صبح کے قریب لشکر میں آئے۔ سشنبہ دسویں ربیع الاول کو آفتاب برج حمل میں آیا۔ آج ہم تیسرے پہر سیر کے واسطے روانہ ہوئے۔ کشتی میں بیٹھکر شراب پی گئی۔ مجلسیوں میں خواجہ دوست خاوند۔ دوست بیگ۔ میرم۔ میرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ یونس علی۔ محمد علی جنگ جنگ۔ گدائی طغائی۔ میر خسرو عسس۔ گو یوں میں روح دم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی۔ تنگری اور رمضان تھے۔ دریا کی ایک شاخ میں آکر نشیبی جانب چلے گئے۔ اور بہت دور جا کر نکلے۔ شام کو لشکر میں آئے۔ اسی روز شاہ حسین خوشاب سے آیا۔ چونکہ شاہ دہلی کے پاس ایلچی بھیجدیا تھا۔ اور ترکوں کے اس قدیمی ملک کے مطالبہ کے لیے مصالحت کا پیغام بھیجا تھا اس لیے جو محصول یہاں مقرر کیا تھا اُس میں سے کسی قدر وصول کیا۔ گرمی سر پہ آگئی۔ ہندو بیگ کی کمک کے لیے شاہ محمد مہردار اور اُس کے چھوٹے بھائی دوست مہردار وغیرہ کو جو مناسب معلوم ہوئے مقرر کیا۔ ان میں ہر ایک کے لیے علےٰ قدر مراتب اخراجات وغیرہ کا بندوبست کر دیا گیا۔ لشکر خاں ان یورشوں کا باعث ہوا تھا۔ اور اُس نے بجد کوشش کی تھی۔ اُس کو خوشاب عنایت کر کے توغ عطا کی۔ اُس کو بھی ہندو بیگ کی کمک کے لیے چھوڑا۔ جو ترک سپاہی اور زمیندار بھیرے میں رہے تھے اُنکی تنخواہیں بڑھا دیں۔ اور اُن کو بھی ہندو بیگ کی مدد کے واسطے مقرر کر دیا۔ ان میں منوچہر خان تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ نظر علی ترک تھا منوچہر خاں کا قرابتی لشکر خاں جنجوہہ اور ملک ہست جنجوہہ تھا۔

کابل کی جانب مراجعت بالفعل صلح کی امید پر اس ملک کا انتظام اسی طرح کر کے اتوار کے دن ربیع الاوّل کی گیارھویں تاریخ بھیرے سے کابل کی طرف مراجعت کی۔ کلدرہ کنار میں آکر ٹھیرے۔ اس دن بھی شدت سے مینہ برسا تھا۔ کپنک دار اور غیر کپنک دار برابر تھا۔ لشکر کے پچھلے لوگ رات کو عشا کے وقت منزل پر پہنچے۔

ہاتی پہ چڑھائی اور فتح جن کو اس ملک کا بخوبی حال معلوم تھا علے الخصوص جنجوہہ جو گکھر کے قدیمی دشمن تھے اُنہوں نے عرض کی کہ ہاتی گکھر بڑا بد ذات ہے۔ رستہ لوٹ لیتا ہے۔ اور مسافروں کو سخت پریشان کرتا ہے۔ یا تو اُس کو

یہاں سے نکال دیجیے۔ یا پوری گوشمالی دیجیے۔ اس کام کے لیے دوسرے دن خواجہ میر میران اور میرم ناصر کو میں نے لشکر میں متعین کیا۔ اور خود چاشت کے وقت ہاتی کے سر چلنے کے لیے سوار ہوا۔ ہاتی ککھڑ اُسی زمانہ میں تاتار کو مار کر اُس کا ملک پرہالہ دبا بیٹھا تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ لشکر سے ہم علیحدہ ہوئے اور چلتے چلتے عصر کے وقت ٹھیرے۔ گھوڑوں کو ذرا سستا اور دانہ کھلا عشا کے وقت وہاں سے چلتے ہوئے۔ ملک ہست کا ایک ملازم سریا نام گجوری ہمارا رہبر تھا۔ رات بھر چلے اور صبح دم لیا۔ بیگ محمد مغل کو لشکر کی طرف اُلٹا پھیر دیا۔ دن نکلے ہم سوار ہوئے۔ چاشت کے وقت جیسے ہی قدم اُٹھا کر چلے کوس بھر سے پرہالہ کا سواد دکھائی دیا۔ فوج درست کر کے روانہ کی گئی۔ برنغار پرہالہ کے مشرق کی طرف گیا۔ قوچ بیگ کو جو جرانغار کا سردار تھا مدد کے لیے اُس کے پیچھے روانہ کیا۔ جرانغار اور قول کی فوج نے پرہالہ پر دھاوا کیا۔ دوست بیگ کو اُن لوگوں کی کمک کے لیے بھیجا جو پرہالہ کے زیر دیوار پہنچ گئے تھے۔ پرہالہ ایسی جگہ پر ہے جہاں چاروں طرف کھڈ اور ٹیلے ہیں۔ شہر کے دو راستے ہیں۔ ایک جنوب و مشرقی سمت کے بیچ میں ہے۔ ہم اسی راستہ سے آئے۔ یہ راستہ کھڈوں میں سے ہے۔ اس کے دونوں طرف کھڈ اور ٹیلے ہیں۔ آدھ کوس سے شہر کے دروازہ تک اس راستہ کے کھڈ ایسے پاس پاس ہو گئے ہیں کہ چار یا پنج جائی نالی سی ہو گئی ہے۔ چنانچہ گز بھر بھی بڑی دیکھ بھال سے رستہ چلا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ مغرب اور شمال کے مابین ہے۔ وہ ایک کھلے ہوئے درہ میں سے پرہالہ تک ہے۔ اور ایک اہا ہے۔ ان دونوں کے سوا تیسرا راستہ کسی طرف سے نہیں ہے۔ اگرچہ شہر کی چار دیواری نہیں ہے مگر ایسی قلب جگہ ہے کہ حملہ کرنا بھی دشوار ہے۔ شہر کے گرد سات آٹھ گز چوڑان میں کھڈ واقع ہیں۔ جرانغار والے ان سکڑے مقاموں سے نکل دروازہ پر جا پہنچے۔ ہاتی نے تیس چالیس سواروں اور بہت سے پیدلوں کے ساتھ ہمارے لشکر کے مقدمہ کا مقابلہ کر کے اُس کو ہٹا دیا۔ دوست بیگ جو پیچھے مدد پر تھا جا پہنچا۔ اور اُس نے زبردست حملہ کیا۔ دشمن کے بہت آدمی گرائے اور اُس کو ہزیمت دی۔ ہاتی اُن میں بڑا بہادر مشہور تھا۔ ہر چند اُس نے ہاتھ پاؤں مارے مگر نہ ٹھیر سکا۔ آخر بھاگ نکلا۔ ان کھڈوں میں سے بھاگ کر شہر میں پہنچا۔ اُس کو بھی نہ سنبھال سکا۔ حملہ آور اُس کے پیچھے پیچھے شہر میں گھس گئے۔ آخر ہاتی اُس دروازہ سے جو شمال و غرب میں ہے نکل بھاگا۔ یہاں دوست بیگ نے بہت کوشش کی فتح دوست بیگ ہی کے نام پر ہوئی۔ میں اُسی دن پرہالہ میں آیا۔ تاتار کے مکانوں میں ٹھیرا۔ فوج کی صف بندی کے وقت اُس جمعیت میں سے جس کو اپنے پاس ٹھیرنے کے لیے مقرر کیا تھا

کچھ لوگ حملہ آوروں میں مل گئے تھے۔ ان میں سے امین محمد۔ قراجہ اور ترخان ارغون کو عدول حکمی کی سزا میں ایک کجور رہبر کے ہمراہ لشکر کے سامنے ننگے سر ننگے پاؤں جنگل کی طرف نکلوا دیا۔ دوسرے دن غرب وشمال کے مابین والے کھڈوں میں سے نکل ایک خویدزار میں قیام ہوا۔ بابو کی خزانچی کو کچھ سپاہیوں سمیت لشکر سے آگے سوہان ندی کی طرف روانہ کیا۔ پنجشنبہ پندرھویں تاریخ مقام اندرانہ میں جو دریائے سوہان کے کنارہ پر ہے خیمہ زن ہوئے۔ یہ اندرانہ ہمیشہ سے ملک ہست کے باپ کے تحت میں تھا۔ ملک ہست کے باپ کو جب سے ہاتی نے مارا اُس وقت سے وہ ویران پڑا تھا۔ اور ان دنوں میں بھی اُجاڑ ہی تھا۔ جو اہل لشکر کلدرہ کنار سے رخصت کر دیے گئے تھے وہ بھی عشا کے وقت یہاں آ گئے۔ ہاتی نے جب تاتار کو مار لیا ہے تو پریت نام اپنے قرابتدار کے ہاتھ ایک گھوڑا مع سامان بطریق پیشکش بھیجا تھا۔ پہلے اُسے حاضر ہونیکا موقع نہ ملا۔ اب پس ماندہ لشکر وغیرہ کے ہمراہ آ کر اُس نے ملازمت حاصل کی۔ اور پیشکش گزرانی۔ لشکر خاں بہیرہ کی چند قوموں کے ساتھ بعض کاموں کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اور اب حاضر ہوا تھا اُسکو بھی بعض زمیندار ان بہیرہ کے ہمراہ رخصت کیا۔ پھر ہمنے کوچ کر دیا۔ دریائے سوہان سے عبور کر کے پشتہ پر منزل کی۔ ہاتی کے قرابتدار پریت کو خلعت دیا۔ اور ہاتی کے نام استمالت کا فرمان لکھ بھیجا۔ اور محمد علی جنگ جنگ کے ایک ملازم کو اُس کے ساتھ کر دیا۔ ہمایوں کے ملازم جو بابا دوست اور ہلال کے ساتھ نیلاب۔ ہزارہ اور قارلوق (یہ مقامات ہمایوں کو دیدیے گئے تھے) کے دارو غہ ہو کر آئے تھے قارلوق کے ملک میرزا ملوے قارلوق کو تیس چالیس آدمی سمیت ہمراہ لیکر حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے ایک گھوڑا کیچم دار نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ دلہ زاک افغانوں کا لشکر بھی آیا۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔ دو کوس پر قیام ہوا۔ ایک اونچے مقام پر سے لشکر کو ملاحظہ کیا۔ حکم دیا کہ اونٹوں کو گنو۔ پانسے اسّی اونٹ تھے۔ درخت سنبل کی تعریف سُنی تھی۔ یہاں اُس کو آنکھ سے بھی دیکھ لیا۔ اس پہاڑ کے دامنہ میں سنبل کے درخت بہت نہیں ہوتے۔ کہیں کہیں اکا دکا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے پہاڑوں میں ان کی کثرت ہے۔ اور بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جہاں ہندوستان کے حیوانات اور نباتات کا ذکر آئیگا وہاں ان کا بھی بیان ہوگا۔ یہاں سے نقارہ بجنے کے وقت کوچ کیا۔ چاشت کے وقت سنگہ دادا کے کوتل کے نیچے ٹھیرے۔ عصر کے وقت ہم نے کوچ کر دیا۔ درود کوتل سے نکل کر ایک اونچی جگہ اُترے۔ آدھی رات کو وہاں سے چلے۔ بہیرے جاتے وقت جس گھاٹ سے گئے تھے اور وہاں سیر بھی کی تھی

اُسی گھاٹ میں ایک جالہ غلّے سے بھرا ہوا رہ گیا تھا۔ اُس کے مالکوں نے بہت کوشش کی مگر اُس کو جنبش نہ ہوئی۔ اُس میں سے ہم نے غلّہ لیکر ہمراہیوں پر تقسیم کیا۔ یہ غلّہ بڑے موقع پر ملا۔ شام کے قریب دریائے کابل اور دریائے سندھ کے ملنے کی جگہ نیلاب سے نیچے کی جانب ہوتے ہوئے دونوں کے بیچ میں اوپر کی طرف اُترے۔ نیلاب سے لوگ پانچ چھ کشتیاں لے آئے۔ برانغار۔ جرانغار اور قول میں یہ کشتیاں بانٹ دی گئیں۔ سب نے دریا سے عبور کرنے کی کوشش کی۔ پیر کے دن تو ہم یہاں پہنچے تھے۔ منگل کی رات سے منگل کے دن۔ چہارشنبہ کی رات اور چہارشنبہ کے دن تک اہل لشکر اُترتے رہے جمعرات کو بھی کچھ لوگ پار ہوئے۔ پربت (ہاتی کا قرابتدار) جو نواحِ اندرابہ سے محمد علی جنگ جنگ کے ملازم کے ساتھ بھیجا گیا تھا دریا کے کنارہ پر آکر باریاب ہوا۔ ہاتی کی طرف سے ایک کیچم دار گھوڑا پیشکش لایا۔ نیلاب والے بھی ایک گھوڑا کیچم دار لائے۔ اور باریاب ہوئے۔ محمد علی جنگ جنگ کو بھیرے میں رہنے کی تمنا تھی۔ بھیرا تو ہندو بیگ کو عنایت ہو گیا تھا۔ بھیرے اور سندھ کا درمیانی ملک اور قارلوق ہزارا۔ ہاتی۔ عنایت وال اور کھت قوموں کی حکومت محمد علی کو عطا کی۔ اور حکم دیا کہ جو اطاعت کرے اُس کو امن دیا جائے۔ جو سرتابی کرے اُس کے ساتھ اس شعر کے مضمون پر عمل کیا جائے ؎ جو اطاعت نہ کرے اُس پہ چڑھائی کیجے ؛ جب وہ دب جائے تو پھر اُس سے بھلائی کیجے۔

محمد علی جنگ جنگ کو سیاہ مخمل کا تلماقی جیبہ عنایت کیا اور توغ عطا کی۔ ہاتی کے رشتہ دار کو رخصت دی۔ تلوار۔ خلعت اور فرمانِ استمالت اس کے ہاتھ ہاتی کو بھیجا گیا جمعرات کے دن آفتاب نکلتے ہی دریا کے کنارہ سے کوچ کیا۔ آج معجون کھائی۔ معجون کے سرور میں اس مقام کی عجیب پھلواری کا تماشا دیکھا۔ زمین کے ایک ایک قطعہ پر پھول کھل رہے تھے۔ ایک تختہ میں زرد پھول کھلے ہوئے تھے تو دوسرے میں ارغوانی۔ اور کہیں ایسے جیسے افشاں کیے ہوئے۔ لشکر کے قریب ایک اونچی جگہ بیٹھ کر اس دلفریب منظر کی بہار دیکھی۔ اس بلندی کے گرد چھ طرفوں میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقاشی کی ہوئی ہے۔ اگر ایک تختہ زرد پھولوں کا تھا تو ایک ارغوانی کا۔ اور خط اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ مسدس کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ دو طرفوں میں پھول کم تھے۔ غرض جہاں تک آنکھ کام کرتی تھی یہی پھلواری نظر آتی تھی۔ پشاور کی نواح موسم بہار میں بڑی گلزار ہوتی ہے۔ صبح اُس منزل سے چلے۔ دریا کے کنارہ کے راستہ سے ایک شیر دھاڑتا ہوا نکلا۔ شیر کی آواز سنتے ہی گھوڑے بچل گئے چاروں طرف بھاگنے لگے۔ اور کھڈوں وغیرہ میں گرنے لگے۔ شیر جھاڑی میں گھس گیا میں نے حکم دیا کہ بھینس کو جنگل میں باندھو اور شیر کو نکالو۔ لوگوں نے یہی کیا۔ شیر پھر دھاڑتا ہوا نکلا۔

چاروں طرف سے تیروں کی بھرمار ہونے لگی۔ میں نے بھی ایک تیر مارا۔ جاکو پیادہ نے جو برچھا مارا تو شیر نے سنان کو دانتوں سے چبا ڈالا۔ شیر بے شمار تیر کھاکر بھاگا اور ایک بھٹ میں جا چھپا۔ بابا آبساول تلوار سونت اُس کے پاس پہنچا۔ حملہ کرنے میں شیر کے سر پر گر پڑا۔ پیر علی سیستانی نے شیر کی کمر میں تلوار کا ایک ہاتھ دیا۔ شیر اُچھل کر دریا میں کود پڑا۔ دریا میں سے اُس کو نکالا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی کھال الگ کرلو۔ دوسرے دن کوچ کیا اور بگرام میں آئے۔ کور کھتری کی سیر کی۔ یہ ایک چھوٹا سا معبد ہے۔ دروازہ سے اندر گھُس کر دو ایک سیڑھیاں نیچے ایک آدمی کے لیٹ جانے کی جگہ ہے۔ اندھیرا ایسا کہ بغیر روشنی کے قدم نہ رکھا جائے۔ اس مکان کے باہر اردگرد بے شمار ڈاڑھی مونچھ مُنڈے پڑے رہتے ہیں۔ اس کے اطراف میں ایسے حجرے بنے ہوئے ہیں جیسے مدرسوں اور مسافرخانوں میں ہوتے ہیں۔ جب اوّل سال کابل میں آنے کے بعد کہت اور بنو دشت پر چڑھائی کی تو بگرام اور ترکلان کی سیر کا اتفاق تو ہوا تھا مگر کور کھتر نہ دیکھا تھا۔ کور کھتر نہ دیکھنے کا افسوس تھا۔ اب دیکھا کہ قابل دید مقام نہیں ہے۔ آج ہی میری عمدہ بہری جاتی رہی۔ شیخم میر شکار کے ہاتھ پر تھی۔ ٹنگک اور ٹکلک کو مزے سے پکڑتی تھی۔ دو تین دفعہ کر بیٹھ چکی تھی کیوں نہ جاتی۔ اس نے بھی تو ایک بیہوش آدمی کو میر شکار کر دیا تھا۔ دلہ زاک افغانوں کے خوانند ملک ترخان اور ملک موسیٰ کے ساتھ تھے۔ اُن میں سے چھ سرداروں کو سو سو مثقال چاندی۔ ایک ایک تھان جامہ وار۔ تین تین گائیں اور ایک ایک بھینس فی آدمی ہندوستان کی فتوحات سے دی۔ اوروں کو بھی علیٰ قدر مراتب زر و کپڑے۔ گائیں اور بھینسیں عنایت کیں۔ علی مسجد میں پہنچے تو یعقوب خیل دلہ زاک میں سے معروف نام ایک سردار نے چالیس دنبے۔ دو گونیں چانول کی اور آٹھ بکرے نذر کیے۔ علی مسجد سے بدھ پیر میں آئے۔ وہاں سے جوئے شاہی میں ظہر کے وقت آکر اُترے۔ اُسی دن دوست بیگ کو تپ محرقہ لاحق ہوئی۔ جوئے شاہی سے دوسرے دن روانہ ہوئے۔ دوپہر باغ وفا میں گزاری۔ ظہر کے وقت باغ وفا سے چل کھڑے ہوئے۔ دریائے گندمک سے پار ہو شام کو ایک خوید زار میں گھوڑوں کو سستایا۔ دو تین گھڑی کے بعد سوار ہو سرخاب سے نکل مقام گزک میں پہنچے۔ رات کو سو رہے۔ صبح ہونے سے پہلے سوار ہوگئے۔ جہاں سے قراتو کو راستہ پھٹتا تھا وہاں سے میں پانچ چھ آدمی ساتھ لے جو باغ میں نے قراتو میں بنایا تھا اُس کی سیر کرنے گیا۔ خلیفہ اور شاہ حسین بیگ وغیرہ کو سیدھے راستہ سے روانہ کیا کہ قاروق سائی میں توقف کریں۔ جس وقت ہم قراتو میں پہنچے اُس وقت معلوم ہوا کہ شاہ بیگ ارغون پھر گیا۔ اور اُس کے ملازم قنبر علی نے خیسر کا ہان کو

تاخت و تاراج کر دیا۔ میرا حکم تھا کہ مجھ سے پہلے میرے آنے کی کوئی خبر نہ کرے۔

کابل میں داخل ہوئے

ظہر کا وقت تھا جو میں کابل میں داخل ہوا۔ جب تک تغلق قدم کے چمن پر پہنچے ہیں کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میرزا الغ بیگ اور کامران کو خبر ہوئی۔ اُن کو موقع نہیں ملا کہ فوراً سوار ہوا ور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے شہر کے باہر آجاتے۔ شہر اور ارک کے دروازوں کے بیچ میں آکر رُکے۔ عصر کے وقت قاسم بیگ اور قاضی شہر وغیرہ ملازم جو کابل میں تھے حاضر خدمت ہوئے۔ جمعہ غرۂ ربیع الاول کو شہر آئے کی مجلس منعقد ہوئی۔ شاہ حسین کو میں نے خلعت خاص عنایت کیا۔ ہفتہ کے دن صبح کشتی میں بیٹھکر صبوحی پی۔ اس جلسہ میں نور بیگ نے عود بجایا۔ اس زمانہ میں میں تائب نہ تھا۔ ظہر کے وقت کشتی سے اُترا۔ اور اُس باغ کی سیر کو گیا جو میں نے کلکتہ میں پہاڑ کے درمیان میں بنوایا ہے۔ اس کی سیر کر کے عصر کے وقت باغ بنفشہ میں آگیا۔ پانچویں تاریخ سہ شنبہ کی رات کو دوست بیگ نے جس کو راستہ میں شدت کا بخار چڑھا تھا انتقال کیا۔ مجھے بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا۔ اُس کا جنازہ بڑی دھوم سے اُٹھا۔ روضۂ سلطان کے دروازہ کے پاس دفن کیا۔ وہ بڑا عمدہ سپاہی تھا۔ ابھی مرتبۂ امیری پر پہنچا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ امیر نہ تھا اور پیش خدمت تھا اُس نے کئی عمدہ خدمتیں انجام دی تھیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ میں رباط قارا وق میں تھا جو اندجان سے ایک فرسنگ پر ہے۔ وہاں جب سلطان احمد تنبل نے مجھ پر شبخون مارا تو میں نے دس پندرہ آدمیوں سے اُس کی اگلی فوج کو مار کر ہٹا دیا۔ اور جس وقت میں اُس کے قول تک جا پہنچا جس میں تخمیناً سو آدمی تھے اُس وقت میرے ساتھ تین آدمی رہ گئے۔ ایک دوست ناصر۔ دوسرا میرزا قلی اور تیسرا کریم داد۔ میرے پاس صرف تین تیر تھے تنبل مع ایک آدمی کے ایک مکان کے فاصلہ سے آگے کھڑا تھا۔ میرا اور اُس کا سامنا ہوا۔ میں نے اُس کے دوبلغہ میں ایک تیر مارا۔ دوسرا تیر اور اُس کے سر کو تاک کر لگایا۔ اُدھر سے بھی ایک تیر آیا جو میری گردن کے پاس سے نکل گیا۔ تنبل نے میرے سر پر ایک تلوار کا ہاتھ مارا۔ عجیب تماشہ ہوا۔ میرے سر پر دوبلغہ کی طاقی تھی۔ اُس کا تو ایک تار نہ کٹا اور میرے سر پر کاری زخم لگا۔ نہ اُس وقت کسی نے میری مدد کی۔ نہ کوئی میرے ساتھ تھا۔ مجبوراً میں نے گھوڑے کی باگ پھیری۔ اُس وقت میرے پیچھے دوست بیگ تھا۔ تنبل نے مجھے چھوڑ کر اُس کے تلوار ماری۔ دوسری بار آخشی میں یہ موقع ہوا کہ جب لڑ بھڑ کر میں آخشی سے نکلا اور میرے ساتھ فقط آٹھ آدمی رہ گئے تو ایک اُن میں یہ بھی تھا۔ دو آدمیوں کے بعد دوست بیگ کو بھی دشمنوں نے گرا دیا تھا۔ امیر ہونے کے زمانہ میں بھی جب سونجک خاں سلاطین کے ہمراہ تاشکند میں

احمد قاسم کے مقابلہ پر آیا ہے تو اُس موقع پر بھی اُس نے جان لڑا دی۔ اور دشمنوں کو زیر کرکے اُن میں سے صاف نکل کر شہر میں آگیا۔ پھر جب احمد قاسم بے آنکہ اُس کو خبر کرے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گیا تو وہاں سے بھی یہ دشمنوں کو مارتا ہوا عمدگی سے نکل آیا۔ شیرم طغائی اور مرید جس زمانہ میں باغی ہوئے ہیں اور غزنی سے ایلغار کرکے آئے ہیں تو ان مغلوں نے تین سے چار سے آدمی دوست بیگ کے مقابلہ کے لیے بھیجے۔ دوست بیگ نے شَردکان کے مقام پر اس فوج کو بھاری شکست دی۔ بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کے سر کاٹ لایا۔ بجور کے قلعہ پر بھی دوست بیگ دو تین آدمیوں سمیت سب سے پہلے چڑھا ہے۔ پرہالہ میں بھی دوست بیگ ہی نے ہاتی کوتوک دم بھگایا۔ اور پرہالہ فتح کرلیا۔ غرض دوست بیگ کے مرنے کے بعد اُس کی جاگیر اُس کے چھوٹے بھائی میرم ناصر کو میں نے عطا کی۔ جمعہ کے دن ربیع الاوّل کی آٹھویں کو قلعہ سے چار باغ میں آیا۔ سہ شنبہ بارھویں تاریخ سلطان حسین میرزا کی بڑی بیٹی اور سلطان بیگم جو ان جھگڑوں میں خوارزم میں تھیں کابل میں آئیں۔ باغ خلوت میں اُن کو اُتروایا۔ اُترنے کے بعد میں اُنسے ملا۔ بڑی بہن تھیں۔ تعظیماً میں نے زانو مارا۔ اُنہوں نے بھی زانو مارا۔ پھر اسی قاعدہ سے ملتا رہا۔ اتوار کے دن سترھویں تاریخ بابا شیخ نگھرام کو جو مدت سے قید تھا رہا کر دیا۔ اُسکے گناہ معاف کردیے اور خلعت عطا کیا۔ منگل کے دن ۱۹ تاریخ دوپہر کو خواجہ سیاران کی سیر کے لیے میں سوار ہوا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ یونس علی وغیرہ کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ منگل کا دن اور حضور کو روزہ ہے! یہ عجیب بات ہے! مقام بہزادی میں آیا اور وہاں کے قاضی کے ہاں اُترا۔ رات کو جلسہ کی ٹھہری۔ قاضی نے عرض کیا کہ میرے مکان میں کبھی ایسی مجلس نہیں ہوئی۔ یوں آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کو اختیار ہے۔ گو جلسہ کے اسباب مہیا ہوگئے تھے مگر قاضی کی خاطر سے شراب کا شغل موقوف کردیا گیا۔ جمعرات کے دن اکیسویں تاریخ اُس پہاڑ کی بیٹھک میں جس میں باغ تیار کرایا ہے ایک چبوترہ بننے کا حکم دیا۔ جمعہ کے دن پُل کے اوپر سے جالہ میں بیٹھے۔ جب ہم چرغی اردل کی بستی کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے ایک جانور دیک نام جو پکڑا تھا پیش کیا۔ میں نے دیک کبھی نہ دیکھا تھا۔ نئی صورت کا جانور ہے۔ ہندوستان کے جانوروں کا جہاں بیان ہوگا وہاں اس کا بھی ذکر ہوگا۔ ہفتہ کے دن تیئیسویں کو چبوترے کے گرد چنار اور بال کے درخت لگائے گئے۔ تیسرے پہر شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کو اسی چبوترے پر صبوحی اُڑائی۔ یہاں سے خواجہ حسن ہوتے ہوئے کابل چلے۔ خواجہ حسن میں نشہ کی زیادتی سے

ذرا سور ہے۔ خواجہ حسن سے آدھی رات کو چار باغ میں آ گئے۔ راستہ میں عبداللہ کپڑوں سمیت دریا میں کود پڑا۔ چونکہ رات تھی اس لیے سردا گیا۔ اور آ نہ سکا۔ رات کو قتلق خواجہ کے پُل پر رہ گیا۔ دوسرے دن کل کی بے اعتدالی سے متنبہ ہوکر توبہ توبہ کرتا ہوا آیا۔ میں نے کہا کہ ابھی توبہ نبھ سکے یا نہ نبھ سکے اس واسطے ایسی توبہ کر کہ سوائے ہماری صحبت کی اور کہیں شراب کو ہاتھ نہ لگا۔ کئی مہینے تک تو ایسا ہی کرتا رہا۔ پھر یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی۔ پیر کے دن پچیسویں تاریخ ہندو بیگ (جس کو بھیرے میں صلح کی امید پر یونہی سا بند وبست کرکے چھوڑا تھا) چلا آیا۔ معلوم ہوا کہ فریق ثانی نے صلح کی بات نہ سُنی۔ وہ مجھے خاطر میں نہ لایا اور میری بات اس کان سُنی اُس کان اُڑا دی۔ وہاں سے میرے پلٹتے ہی بہت سے پٹھان اور ہندوستانی جمع ہو ہندو بیگ پر چڑھائی کرنے بھیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے زمیندار بھی پٹھانوں کے ساتھ ہو گئے۔ ہندو بیگ بھیرے میں نہ ٹھیر سکا۔ خوشاب چلا آیا۔ دینکوٹ کے علاقہ میں سے ہوتا ہوا نیلاب آیا اور وہاں سے کابل میں آ گیا۔ سکتو کے بیٹے یو ہندہ اور چند ہندوؤں کو بھیرے سے پکڑ لایا تھا۔ ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ بلکہ انکو خلعات، گھوڑے اور انعام دیکر رخصت کر دیا۔ جمعہ کے دن دسویں تاریخ بدن میں حرارت سی معلوم ہوئی۔ میں نے فصد کھلوا ڈالی۔ ان دنوں میں دوسرے تیسرے دن بخار ہو جاتا تھا۔ ہر بار بخار چڑھنے کے بعد جب تک پسینہ نہ آجاتا تھا تپ نہ اُترتی تھی۔ دس بارہ دن کے بعد خواجہ نے مرکب شربت تیار کیا۔ دو ایک خوراکیں پیں۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتوار کے دن جمادی الاولے کی تیرھویں کو خواجہ محمد علی خوست سے آیا۔ ایک گھوڑا مع زین نذر کیا۔ تصدق کے لیے کچھ نقد بھی پیش کیا۔ محمد شریف منجم اور خوست کے میرزا بھی محمد علی کے ہمراہ آئے۔ اُنہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ دوسرے دن پیر کو ملا کبیر کاشغر سے آیا۔ مُلا اندجان سے کاشغر ہوتا ہوا کابل پہنچا ہے۔ تیئیسویں تاریخ پیر کے دن ملک شاہ منصور یوسف زئی مع چند سرداران یوسف زئی سوات سے آیا۔ ان سب کو خلعت عنایت کیے۔ ملک شاہ منصور کو جامۂ قماش تکمہ دار۔ ایک کو جامۂ قماش پلکہ دار اور چھ کو جامۂ قماش دیکر رخصت کیا۔ یہ تو ٹھیری ہوئی ہے کہ الوہبہ بالا سے کوئی سوات میں دخل نہ دے اور ساری رعایا کو اپنے سے علٰحدہ کر دیں۔ اب یہ قرار پایا کہ جو افغان بجور اور سوات میں زراعت کریں وہ چھ ہزار گونیں دھان کی دیوانی میں داخل کریں۔ تیسری تاریخ چہار شنبہ کو میں نے مسہل لیا۔ پیر کے دن آٹھویں کو خلیفہ کی بڑی بیٹی کے ساتھ قاسم بیگ کے چھوٹے بیٹے حمزہ کی رسم ساچق ادا ہوئی۔ اُس نے ایک ہزار شاہرخی دیں۔ اور ایک گھوڑا مع زین دیا۔ سہ شنبہ کو شاہ حسین بیگ نے مجلس شراب کی اجازت چاہی کچھ لوگ

(جیسے محمد علی وغیرہ) کو اپنے مکان پر لے گیا ۔ یونس علی اور گدائی طغائی میرے پاس رہے مجھ ابھی پرہیز تھا ۔ میں نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں تو ہشیار رہا ہوں اور اور متوالے ہو گئے ہوں ۔ میں خالی رہا ہوں اور دوسروں نے شراب پی ہو ۔ آؤ میرے ہی پاس جلسہ کرو ۔ میں بھی یہ تماشا دیکھوں کہ مستوں اور ہشیاروں کا میل جول کیونکر ہوتا ہے ۔ چار باغ کے دروازہ میں جانب شرق و غرب ایک صورت خانہ بنایا گیا تھا ۔ اس میں ایک خانہ سفید بنایا تھا ۔ کبھی کبھی میں اس میں بیٹھا کرتا ہوں ۔ وہیں یہ محلس منعقد ہوئی ۔ عنایت مسخرہ بھی آیا ۔ کئی بار ہنسی سے اس کو باہر نکلوا دیا آخر شکتا ہوا محفل میں آ گیا ۔ محمد قبچاق اور ملا کتابدار کو بھی بلا لیا ۔ یہ رباعی اسی وقت کہکر شاہ حسین اور اہل مجلس کے پاس بھیجی ؎

احباب کہ بزمید اگلستان خوش طور | بوق ایمیدی الازمیدا نزاد ستور
اوّل جمعدا کرحضور وجمعیت نور | لشکر تو جمع بحضور امر ماس تور

(ترجمہ) ”دوستوں کی بزم گلستانِ حسن ہے ۔ لیکن مجھے اس بزم میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے ۔ اگر اس مجمع میں حضوری اور جمعیت ہے تو شکر ہے کہ یہاں بھی بے حضور نہیں ہیں“۔ یہ رباعی امراہیم چہرہ کے ہاتھ بھیجی ۔ دو نمازوں کے درمیان تک اس بزم کے لوگ پی پلا متوالے ہو چلتے بنے ۔ اس علالت کے زمانہ میں تخت رواں پر سوار ہو کر میں پھرتا رہا ۔ اس سے کچھ دن پہلے شراب ممزوج پی گئی تھی ۔ فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی تھی ۔ کسی قدر نقاہت باقی تھی کہ دریائے رحمت پر غرب و جنوب کی طرف ایک سیب کے درخت کے نیچے جلسہ منعقد ہوا ۔ میں نے شراب ممزوج پی جمعہ کے دن بارھویں تاریخ احمد بیگ اور دولدئی جو کنک کے لیے تجور میں سے حاضر ہوئے ۔ بدھ کے دن سترھویں تاریخ حیدر تقی کے باغ میں ننگری بردی وغیرہ امرا نے جلسہ کیا ۔ میں نے بھی اس میں شریک ہو کر شراب پی ۔ عشا کے وقت وہاں سے اٹھے اور بڑے سفید مکان میں آئے ۔ وہاں بھی کچھ پی ۔ جمعرات کے دن پچیسویں تاریخ ملا محمود سے فقہ کا سبق شروع ہوا ۔ منگل کے دن سلخ کو شاہ شجاع ارغون کے پاس سے ابو مسلم کوکلتاش ایلچی ہو کر آیا ۔ ایک تبچاق پیشکش لایا ۔ آج ہی یوسف علی رکابدار باغ چنار کے حوض میں تیرا ۔ تقریباً سو بار تالیاں بجاتا رہا ۔ اور ادھر سے ادھر ۔ ادھر ادھر تیرتا ہوا آتا جاتا رہا ۔ انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑا زین سمیت عطا ہوا ۔ رجب کی آٹھویں تاریخ بدھ کے دن شاہ حسین کے ہاں جا کر میں نے شراب کا شغل کیا ۔ اکثر مصاحب اور امرا ساتھ تھے ہفتہ کے دن گیارھویں تاریخ جلسہ ہوا ۔ عصر اور مغرب کے مابین بڑے کبوتر خانہ کی چھت پر بیٹھے اور شراب کا دور چلا ۔ شام کو دیکھا کہ کچھ ترک سوار

پٹھانوں کے گاؤں سے چلے آتے ہیں اور شہر کی طرف جارہے ہیں۔ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ درویش محمد ساربان ہے جو میرزا خان کے پاس سے ایلچی ہو کر آیا ہے۔ کوٹھے پر سے اُسے بُلا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ سفارت کے قاعدوں اور قرینوں کو چھوڑ کر بے تکلفانہ چلا آ۔ درویش محمد فوراً چلا آیا۔ تار تلیق کر کے شریکِ صحبت ہوا۔ وہ اُس زمانہ میں صوفی تھا۔ کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔ جب تک نشہ کا اُبھار نہ ہو لیا یہیں بیٹھے رہے۔ دوسرے دن دربار میں قاعدہ اور قرینہ سے درویش محمد حاضر ہوا۔ میرزا خاں نے جو پیشکشیں بھیجی تھیں گزرانیں۔ اگلے سال بڑی کوشش سے اور بہت وعدوں سے اُدھر کی قوموں وغیرہ کو کابل میں لایا گیا تھا۔ کابل ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ مختلف قوموں اور متعدد مویشی کے لیے قشلاق و ایلاق وہاں نہیں ہو سکتا۔ اگر جنگلی قوموں کو ان کی خوشی پر چھوڑ دیا جائے تو ایک بھی کابل میں نہ رہے۔ اسی لیے ایماق واتراک نے قندز اور بغلان کی طرف جانے کے لیے قاسم بیگ کی منت سماجت کی اور اُسی کے وسیلہ سے درخواست دی۔ آخر قاسم بیگ نے بڑے اصرار سے اُن لوگوں کے قندز اور بغلان جانے کی اجازت حاصل کی۔ حافظ میر کاتب کا بڑا بھائی سمرقند سے آیا ہوا تھا۔ انہی دنوں میں اُسے رخصت کیا۔ پولاد سلطان کو اُس کے ہاتھ اپنا دیوان بھی میں نے بھیجا۔ اُسکی پشت پر یہ قطعہ لکھدیا۔ قطعہ

اوّل سرو نیک حرتمغہ کرتلسا سنک اے باد | پرکیل تو ہجر خستہ سدین ماکو کیلکا
رضم ایلامان سا غیتما یائی بابرنی یار امید | سا نغائی خدائے بے پولاد کو نکلبکا

یعنی "اے صبا میں اُس سرو سے بہت خوش ہوں۔ اگر تو اُس پاس جائے تو اُسکو اِس خستۂ ہجر کی یاد دلائیو۔ اُس نے ترس کھا کر کبھی بابر کو یاد نہ کیا۔ امید ہے کہ خدا اُس کے فولادِ دل کو نرم کر دے"۔ جمعہ کے دن سترھویں تاریخ محمد زمان میرزا کے پاس سے شاہ فرید کوکلتاش کچھ تصدق اور ایک گھوڑا انذر کیلیے لایا۔ آج ہی شاہ بیگ ارغون کے سفیر ابو مسلم کوکلتاش کو خلعت انعام دیکر رخصت کیا۔ خواجہ محمد علی اور لنگری بردی کو بھی اُن کے علاقوں خوست اور اندراب میں جانے کی اجازت دی۔ جمعرات کے دن تیئیسویں تاریخ محمد علی جنگجنگ جس کو نواحِ کچھ کوٹ اور قاربوق کا حاکم کیا تھا حاضر ہوا۔ شاہ حسین (میرزا بلوی قارلوق کا بیٹا) وغیرہ اس کے ہمراہ تھے۔ آج ہی ملا علی خان جو اپنے بال بچوں کو لانیکے لیے سمرقند گیا تھا آیا۔ اور اُس نے ملازمت حاصل کی۔

عبدالرحمٰن افغان پر چڑھائی

عبدالرحمٰن افغانوں کا سرغنہ گردیز کی سرحد پر رہتا تھا۔ محصول وغیرہ سیدھے ہاتھوں نہ دیتا تھا اور

اُس طرف سے آنے جانے والوں کو ستاتا بھی تھا۔ بدھ کے دن اُنتیسویں تاریخ اُسکے انتظام کے واسطے اُدھر جانے کا ارادہ کیا۔ مُنگ اور عجان کی نواح میں جاکر ہم اُترے۔ وہاں سے ظہر کے وقت آش کھاکر روانہ ہوئے۔ رات کو راستہ بھول گئے۔ مشرق اور جنوب میں مقام شہنہ کے اُس طرف پہاڑوں اور جنگلوں میں جا پھنسے۔ بڑی سرگردانی اور پریشانی اُٹھائی۔ بہت دیر کے بعد راستہ ملا۔ نماز کے وقت چشمۂ تیرہ کے پہاڑ سے براہِ درۂ بافنش لیق کردیز کی جانب باہر نکلے۔ اور میدان میں آئے۔ فوج کی ٹولیاں آگے روانہ کیں۔ ایک ٹولی کوہ کرپاس کی جانب جو کردیز سے مشرق و جنوب میں ہے گئی۔ اسکے پیچھے خسرو میرزا قلی اور سید علی کو قول کے دست راست والوں میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ کرکے چلتا کیا۔ بہت سے اہلِ لشکر نے کردیز کے مشرق کی طرف میدان سے اوپر کے رُخ حملہ کیا۔ ان کے پیچھے سید قاسم ایشک آقا۔ میر شاہ قوچین۔ قیام۔ ہندو بیگ قتلق قدم اور حسین کو مع اُنکے ہمراہیوں کے بھیجا۔ چونکہ بہت سا لشکر میدان کے اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔ انکے چلتا کرنے کے بعد میں بھی سب کے پیچھے چلا۔ اس میدان کے اوپر کی جانب جانیوالے بہت دور تھے اور ان کے گھوڑے تھک گئے تھے اس سبب سے انکے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ اتنے میں چالیس پچاس افغان جنگل میں نمودار ہوئے۔ جو لوگ پیچھے گئے تھے اُنہوں نے ان کا ذرا خیال نہ کیا۔ میں دوڑا۔ میرے پہنچنے سے پہلے حسین ایک بیہودہ طور سے اکیلا گھوڑا دوڑا اُن افغانوں میں جا گھسا۔ یہ تلوار کو میان سے نکالتا ہی رہا کہ افغانوں نے تیر مار کر اسکے گھوڑے کو گرا دیا۔ اور اس کے اُٹھتے اُٹھتے پاؤں میں تلوار کے ہاتھ مارا اسکو گرا دیا پھر چاروں طرف سے چھُروں اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ہمارے امرا دیکھتے رہے کسی نے مدد نہ کی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو کدائی طغائی۔ پایندہ محمد قیلان۔ ابوالحسن قورچی اور مومن آتکہ اور اچھے اچھے جوانوں کو جلوریز آگے روانہ کیا۔ اور خود بھی دوڑا۔ سب سے پہلے مومن آتکہ نے ایک افغان کو نیزہ سے مار کے گرایا اور اُس کا سر کاٹ لیا۔ ابوالحسن قورچی بے سامان تھا مگر اُس نے جھپٹ کر بڑی خوبی سے افغانوں کا آگا جا گھیرا۔ گھوڑا لیکا ایک افغان کے تلوار ماری۔ اور اُس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے تین زخم لگے۔ اور گھوڑے کے ایک زخم آیا۔ پایندہ محمد قیلان بھی خاصا پہنچا۔ ایک کو تلوار سے مار اُس کا سر کاٹ لایا۔ اگرچہ ابوالحسن اور پایندہ محمد قیلان کی خوبیاں اس سے پہلے معلوم تھیں لیکن اس یورش میں اُنہوں نے اپنی کارگزاری بہت ظاہر کی۔ غرض یہ چالیس پچاس افغان یہیں تہ تیغ ہو گئے۔ سب کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑ گئے۔ ان کے قتل ہو جانے کے بعد ایک خوبیدہ زمین اُتر ے۔ میں نے

حکم دیا کہ ان مقتولوں کے سروں کا منارہ چُن دو۔ جب ہم راستہ پر آ نکلے تو وہ مرا ہی آگئے جو حسین کے ہمراہ تھے ہمیں اُن پر بہت غصہ ہوا۔ میں نے کہا کہ اتنے لوگ کھڑے دیکھتے رہے۔ تھوڑے سے پیدل افغان تھے۔ میدانی زمین تھی۔ تم نے ایسے جوانوں کو ضائع کرادیا۔ تم اس قابل ہو کہ تمہارے درجے گھٹا دیے جائیں۔ تمہاری جاگیریں ضبط کرلی جائیں اور تمہاری ڈاڑھیاں منڈوا کر تشہیر کرائی جائے تاکہ پھر کوئی ایسے جوانوں کو یوں دشمنوں میں نہ گھروائے۔ جو ایسی میدانی زمین میں دانستہ ہاتھ پاؤں چھوڑے کھڑا رہے اُس کی یہی سزا ہے۔ جو فوج کوہِ کرباس کی طرف گئی تھی اُس میں سے باباقشقہ کی ایک افغان سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ جونہی افغان نے تلوار کا ہاتھ مارا وونہی باباقشقہ نے تمام رہ کر ایک تیر مار کے اُس کا کام تمام کردیا۔ دوسرے دن یہاں سے ہم کابل کی جانب چلے۔ محمد بخشی۔ عبدالعزیز میر خور اور میر خورد بکاول کو حکم دیا کہ چشمۂ تر میں سے کوئی قرغاول پکڑو۔ میں خود چند آدمیوں کے ساتھ میدانِ رستم کے راستہ سے جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا روانہ ہوا۔ میدانِ رستم کوہستان میں ایک پہاڑ کی چوٹی کے قریب واقع ہے۔ کچھ بہت اچھی جائے نہیں ہے۔ دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان ہے۔ اس کے جنوب کی طرف پہاڑ کے دامنہ میں ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ بڑے بڑے درخت بھی ہیں۔ جو راستہ گردیز سے اس میدان کی طرف آتا ہے اُس پر کثرت سے چشمے اور درخت ہیں۔ یہ درخت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اگرچہ یہ مقام بہت چھوٹا ہے مگر اس کے آخر کی جانب نہایت شاداب ایک سبزہ زار ہے۔ میدانِ رستم کے اسی جنوبی پہاڑ پر ایک بہت صاف مقام ہے۔ جہاں سے کوہستان کرباس اور کوہستان بنگش نیچے معلوم ہوتے ہیں اس ملک میں اگر برسات نہیں ہوتی تو پانی بھی کہیں نہیں ہوتا۔ ظہر کے وقت ہم ہونی میں آکر اُترے۔ دوسرے دن وہ محمد آقا کی نواح میں ٹھیرنا ہوا۔ معجون کھائی۔ مچھلیاں پیرنے کی دوا دریا میں ڈالکر مچھلیاں پکڑیں۔ اتوار کے دن تیسری شعبان کو کابل میں آگئے۔ منگل کے دن پانچویں تاریخ درویش محمد فیضلی اور خسرو کے آدمیوں سے نیلاب کی کیفیت دریافت کی گئی جن لوگوں نے کوتاہی کی تھی تحقیقات کے بعد اُن کے درجے گھٹا دیے۔ ظہر کے وقت درختوں کے نیچے مے نوشی کی محفل ہوئی۔ باباقشقہ مغل کو خلعت اور انعام عطا ہوا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ ماہ کتہ جو میرزا خان پاس گیا تھا آیا۔

خواجہ سیاران کی سیر

جمعرات کے دن میں مصاحبوں سمیت خواجہ سیاران کی سیر کے لیے سوار ہوا۔ عشا کے وقت ہم باباخاتون میں پہنچے۔ دوسرے دن استالف میں اُترے۔ اُس دن معجون کا استعمال ہوا۔ ہفتہ کے دن استالف میں شراب کا جلسہ ہوا

دوسرے دن استانف سے چلے۔ درۂ سنجد سے نکل کر جس وقت خواجہ سیاراں میں پہنچے
ہیں اُس وقت ایک بڑے سانپ کو مارا۔ اس کی ضخامت کلائی کے برابر اور لمبائی آدمی
کے قد کے برابر ہوگی۔ اس سانپ کے پیٹ میں سے ایک چھوٹا سانپ نکلا۔ شاید اُس نے
اس کو ابھی کھایا ہو۔ اس چھوٹے سانپ کے سارے اعضا درست تھے۔ یہ سانپ
تھا تو چھوٹا پر اس کے پیٹ میں سے بڑا چوہا نکلا۔ چوہا بھی جیسے کا تیسا تھا۔ خواجہ سیاران
میں آنگر بزم شراب آراستہ ہوئی۔ اُدھر کے سرداروں کو تنجکیہ تو نقطار کے ہاتھ اس
مضمون کے فرمان بھیجے گئے کہ لشکر آتا ہے۔ تیار ہو کر حاضر ہو۔ دوسرے دن سوار ہوئے
اور معجون کھائی گئی۔ دریائے بروان کے پاس پہنچے تو اگلے دن کی طرح مچھلیاں پکڑنے کی
دوا ڈالی۔ اور مچھلیاں پکڑیں۔ میر شاہ بیگ نے آش حاضر کی اور گھوڑا نذر کیا۔
وہاں سے چلے اور گلبہار میں پہنچے۔ مغرب کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ ان صحبتوں میں
درویش محمد ساربان شریک ہوتا تھا۔ تھا تو جوان اور سپاہی لیکن شراب نہ پیتا تھا صوفی
تھا۔ قتلق خواجہ کوکلتاش مدت سے سپاہگری کو چھوڑ فقیر ہو گیا تھا۔ اُس کی عمر بہت تھی۔
اور اُس کی ڈاڑھی سفید ہو گئی تھی۔ باایں ہمہ ہمیشہ جلسوں میں شراب پیا کرتا تھا۔ میں نے
درویش محمد سے کہا کہ خواجہ کی سفید ڈاڑھی کی شرم تو نہیں کرتا۔ وہ تو فقیر۔ بوڑھا اور
سفید ریش ہو کر ہمیشہ شراب پیے اور اسکے کیا معنی کہ ماشاءاللہ تو سپاہی گبرو اور سیاہ ریش
ہو کر منہ نہ لگائے۔ چونکہ میرا قاعدہ اور طریقہ یہ نہ تھا کہ جو شخص نہ پیتا ہو اُس پر زبردستی کروں
اس لیے اتنا ہی ہنسی سے کہکر چپ ہو رہا۔ اس کے دوسرے دن صبح کو صبوحی پی۔ چار شنبہ
کو گلبہار سے کوچ ہوا۔ میوہ خاتوں کے گاؤں میں پہنچے۔ اور ہم زنگر کے باغوں میں ڈیرے
ہوئے۔ ظہر کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن خواجہ خان سعید کے مزار کی زیارت کی۔
جیبہ تو رغانی سے جالہ میں سوار ہوئے۔ جہاں دریائے پنجہیر ملتا ہے وہاں سے جالہ نکلتے ہی ایک
پتھر سے ٹکرا کر ڈوبنے لگا۔ اور جب جالہ پہاڑ پر پہنچا تو روح دم۔ تنگری قلی اور میر محمد جالہ بان
دریا میں گرے۔ روح دم اور تنگری قلی کو بڑی مشکل سے نکالا اور جالہ میں بٹھایا۔
ایک چینی کا پیالہ۔ چمچہ اور دائرہ دریا میں گر پڑا۔ یہاں سے چلتے چلتے سنگ بریدہ کے
پاس پہنچے تو نہ معلوم کسی شلخ سے یا کسی کھونٹے سے جالہ ٹکرایا۔ شاہ حسین بیگ ایک دفعہ ہی
اوندھا ہو گیا اور میرزا قلی کو پکڑ کر گر پڑا۔ درویش محمد ساربان بھی دریا میں گرا۔ میرزا قلی کے
ہاتھ میں خربوزہ کاٹنے کی چھری تھی۔ یہ اس ڈھنگ سے گرا کہ گرتے وقت چھری جالہ کے
بورے میں گھس گئی۔ میرزا قلی جالہ میں نہ آیا۔ کپڑوں سمیت تیرتا ہوا نکل گیا۔ اُس رات ہم جالہ بانوں

گھروں میں ٹھیرے۔ جیسا ہفت رنگا پیالہ دریا میں گرا تھا ویسا ہی پیالہ درویش محمد نے نذر کیا۔ جمعہ کو دریا کے کنارہ سے سوار ہو کوہ باریک کے دامنہ میں فروکش ہوئے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے بہت سی مسواکیں توڑیں۔ ظہر کے وقت قتلق خواجہ کی جاگیر کے موضع لمغانی میں مقام کیا۔ قتلق خواجہ نے دعوت کی۔ کھانا کھا کے ہم سوار ہو گئے۔ اور کابل میں داخل ہوئے۔ پیر کے دن چھبیسویں تاریخ درویش محمد ساربان کو خلعت خاصہ اور گھوڑا مع زین عنایت کیا۔ وہ آداب بجا لایا۔ چار مہینے سے میں نے اصلاح نہ بنوائی تھی۔ بدھ کے دن ستائیسویں تاریخ اصلاح بنوائی۔ آج ہی شراب کا جلسہ ہوا۔ جمعہ کے دن انتیسویں تاریخ میر خورد کو حکم دیا کہ ہندال کی اتالیقی کی نذر گزرانے۔ اُس نے ہزار شاہرخی پیش کی۔ رمضان کی پانچویں تاریخ جمعرات کے دن تولک کوکلتاش کے پاس سے اُسکا نوکر برلاس چکتی عرضی لایا۔ اُس نواح میں ازبک کی فوج آگئی تھی۔ تولک نے جنگ و مقابلہ کے بعد اُسکو ہزیمت دی۔ ایک ازبک کو زندہ گرفتار کیا۔ ایک کا سر کاٹ لایا۔ شنبہ کے دن آٹھویں تاریخ قاسم بیگ کے ہاں ہم نے روزہ افطار کیا۔ اُس نے ایک گھوڑا مع زین نذر کیا۔ دوسرے دن خلیفہ کے ہاں روزہ کھولا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ محمد علی اور جان خیر جو شریک لشکر ہونے کے لیے بُلائے گئے تھے اپنے اپنے علاقوں سے آئے۔ بدھ کے دن بارھویں تاریخ سلطان علی میرزا کامران کا ماموں جو اگلے سال (جب ہم خوست سے کابل گئے ہیں) کاشغر گیا تھا آیا۔

قوم یوسف زئی پر یورش

جمعرات کے دن تیرھویں تاریخ یوسف زئی قوم کی تنبیہ کے واسطے سوار ہوئے۔ اُس مرغزار میں لشکر اترا جو دہ یعقوب سے کابل کی طرف ہے۔ سوار ہونے کے وقت باباخان آختہ جی نے گھوڑا اچھا نہ کسا تھا۔ میں جھلا گیا۔ اُس کے مُنہ پر ایک گھونسا مارا۔ میری بیچ کی اُنگلی جڑ کے پاس سے اُتر گئی۔ گرم گرم چوٹ تھی۔ اُس وقت تو کچھ نہ معلوم ہوا۔ جب منزل پر اُترے تو بہت تکلیف ہوئی۔ کئی دن یہی حال رہا۔ ایک حرف نہ لکھا جاتا تھا۔ آخر آرام ہو گیا۔ اسی منزل میں میری خالہ دولت سلطان خانم کا کوکا قتلق قدم خانم کے پاس سے آیا۔ اُن کا خط اور اُنکی خبر لایا۔ آج ہی نوخان اور موسیٰ (سرداران دلہ زاک) حاضر ہوئے اور پیشکش لائے۔ اتوار کے دن سولھویں تاریخ قوچ بیگ آیا۔ بدھ کے دن انیسویں تاریخ یہاں سے چل کر ندی کے کنارے پر جہاں ہمیشہ ٹھیرتے ہیں اُترے۔ چونکہ قوچ بیگ کا اور آزبک کا علاقہ قریب تھا اس لیے اُس کو لشکر کی شرکت سے معاف کیا۔ اور اسی منزل میں اپنے سر کی مندیل

اُس کو عنایت کرکے اُس کے علاقہ کی طرف جانے کی رخصت دی۔ جمعہ کے دن اکیسویں کو
بادام چشمہ میں آئے۔ دوسرے دن یکاب میں پہنچے۔ میں قراتو کی بھی سیر کرتا آیا۔ اسی
منزل میں میں نے حمام کیا۔ اب منزل در منزل چلنا شروع کیا۔ بدھ کے دن چھبیسویں
تاریخ باغ وفا میں اُترے۔ جمعرات کے دن باغ میں مقام کیا۔ جمعہ کو کوچ کر دیا سلطانپور
سے نکل کر ڈیرے پڑے۔ آج شاہ میر حسین اپنے علاقہ سے آیا تھا۔ ہوسے خاں اور اَور
سرداران دلہ زاک آج ہی حاضر ہوئے۔ یوسف زئی پر چڑھائی کرنے کے لیے سوات کی
طرف رُخ کیا۔ دلہ زاک ملکوں نے عرض کیا کہ ہشتنغر میں بہت سے قبیلے ہیں۔ غلہ کثرت
سے ہاتھ آئیگا۔ اُدھر چلنا چاہیے۔ مشورہ کے بعد یہی بات ٹھیری کہ ہشتنغر میں غلہ کثرت
سے ہے تو وہیں کے پٹھانوں کو مار پیٹ کر اور غلہ لیکر قلعۂ ہشتنغر اُتلغہ یتا ورکو درست
کرکے اس غلہ میں سے وہاں ذخیرہ جمع کرایا جائے۔ اور شاہ میر حسین کو کچھ فوج
کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ اسی کام کے لیے شاہ میر حسین کو پندرہ دن کی رخصت دی
کہ اپنے علاقہ میں جائے اور سامان درست کرکے چلا آئے۔ ہم دوسرے دن کوچ کرکے
جوئے شاہی پر اُترے۔ اسی پڑاؤ پر تنگری بردی اور سلطان محمد دولدائی آکر ہمراہ ہوئے۔
قندز سے حمزہ بھی آج آگیا۔ اتوار کے دن سلخ کو جوئے شاہی سے کوچ ہو کر قریق اریق
میں اُترتا ہوا میں کئی مصاحبوں سمیت جالہ میں آیا۔ عید کا چاند اسی منزل میں دیکھا کئی خچریں
شراب کی درئہ نور سے لوگ لائے تھے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ اہل جلسہ محب علی قورچی
بیگ خواصہ، محمد علی کتابدار، شاہ حسین بیگ۔ سلطان محمد دولدئی اور درویش محمد ساربان
تھے۔ درویش محمد بچپن سے صوفی تھا۔ میں نے تو کہدیا تھا کہ جو نہ پیے اُسکو کیوں ستایا جائے
ہمیشہ درویش محمد شریک صحبت ہوتا تھا لیکن کبھی کوئی اُس سے اصرار نہ کرتا تھا۔ آج محمد علی
نے کسی ترکیب سے اُسے پلا ہی دی۔ دوسرے دن پیر کو عید ہوئی اور ہم سوار ہوئے
خمار دفع ہونے کے لیے رستہ میں معجون کا استعمال کیا۔ معجون والا تخم حنظل لایا۔ درویش محمد
حنظل کو نہ پہچانتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہندوستان کا بہدانہ ہے۔ ایک کراچی توڑ کر میں نے
اُس کو دی۔ اُس نے بڑے مزے سے چبایا مگر ایسا مُنہ کڑوا ہو گیا کہ شام تک تلخی نہ گئی
گرم چشمہ کی بلندی پر اُتر کر تھوڑی دیر ٹھیرے تھے کہ لشکر خاں جومدت سے ایک جائے
تھا آیا۔ کسی قدر معجون اُسنے نذر کی۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ یہاں سے چل کر
بیدہ سر میں اُترے۔ عصر کے وقت چند مصاحبوں کے ساتھ میں جالہ میں بیٹھا اور کوئی
کوس بھر نیچے کی طرف جا کر چلا آیا۔ صبح وہاں سے کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ کے نیچے

اُترنا ہوا۔ آج ہی سلطان بایزید ہماری خبر سنکر شیلاب سے آیا۔ یہ ہمارے پیچھے پیچھے نشیبی راستہ سے آیا تھا۔ اس نے عرض کی آفریدی پٹھان مع بال بچوں اور مال اسباب کے بارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے دھان بہت بو رکھا ہے۔ کھیتی تیار ہے اور کٹنے کو ہے۔ چونکہ ہشتنغر میں یوسف زئی پٹھانوں کا تاخت و تاراج کرنا ٹھان لیا تھا اسلیے ادھر آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ ظہر کے وقت خواجہ محمد علی کی قیامگاہ میں جلسہ ہوا۔ اسی جلسہ میں اس طرف آنے کی کیفیت سلطان تیرائی کے ہاتھ خواجہ کلاں کو بجور لکھ بھیجی۔ فرمان کے حاشیہ پر یہ شعر بھی میں نے لکھدیا ؎

صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را   کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

وہاں سے کوچ کرکے خیبر کے پہاڑ اور گھاٹی سے نکل علی مسجد میں آئے۔ ظہر کے وقت میں بھیر سے الگ ہو کر روانہ ہوا۔ تقریباً آدھی رات آئی ہوگی جو دریائے کابل کے کنارہ پر آگیا۔ ذرا سو رہا۔ صبح ہی گھاٹ کا پتا لگا دریا سے عبور کیا۔ قراول نے اطلاع دی کہ افغان لوگ حال سُنکر بھاگ گئے۔ دریا سے اُتر کر افغانوں کے کھیتوں میں ہم پہنچے جتنا بیان کیا تھا اُس کا آدھا بلکہ چوتھائی غلہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اور ہشتنغر پر اسی امید سے چڑھائی کی تھی کہ خوب غلہ دستیاب ہوگا۔ جن دلہ زاک ملکوں نے اس یورش کی صلاح دی تھی وہ بہت ہی منفعل ہوئے۔ عصر کے وقت دریائے سوات سے کابل کے رُخ چل کر اُترے۔ دوسرے دن دریائے سوات سے کوچ کیا۔ اور دریائے کابل پر اُترنا ہوا۔

آفریدیوں پر یورش کی تجویز

امراء سے مصلحت کی۔ یہ تجویز قرار پائی کہ سلطان بایزید نے آفریدیوں کا حال بیان کیا تھا اُن پر چڑھائی کرنی چاہیے۔ اور اُنکے مال و غلہ سے قوت حاصل کرکے قلعۂ پشاور کو آراستہ کر لیجیے اور کسی کو وہاں مقرر کر دیجیے۔ ہندو بیگ اور میرزا ہادی اسی مقام پر حاضر ہوئے۔ آج جسوقت معجون کا استعمال کیا ہے اُس وقت درویش محمد ساربان۔ محمد کوکلتاش۔ گدائی طغائی اور عسس اوغان حاضر تھے۔ شاہ حسین کو بھی بلالیا۔ آش نوش کرنے کے بعد عصر کے وقت جالہ میں بیٹھے۔ لشکر خاں ساری کو بھی جالہ میں بلالیا۔ مغرب کے وقت جالہ سے نکل لشکر میں آئے۔ پھر تجویز مذکورہ کے بموجب دریا کے کنارہ سے صبح ہی کوچ کردیا۔ کشتی میں بیٹھکر دریا سے اُترے اور علی مسجد میں ٹھہرے۔

بدخشاں کے فساد کی خبر آئی

ابوالہاشم سلطان علی نے آکر عرض کیا کہ عرفہ کی رات کو جوئے شاہی میں جو شخص بدخشاں سے آیا تھا مجھ سے ملا۔ اُسکا بیان ہے کہ سلطان سعید خاں نے

بدخشاں پر چڑھائی کی ہے۔ میں بادشاہ سے اطلاع کرنے آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی امراء کو بلاکر مشورہ کیا۔ اُس خبر کے سننے سے قلعہ کے درست کرنے کی نہ ٹھیری۔ بدخشاں جانے کے قصد سے مراجعت کر دی۔ لشکر خاں کو خلعت دیا۔ اُس رات خواجہ محمد علی کے خیمہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ سے نکل پہاڑ کے نیچے اُترے۔

خضر خیل کا انتظام

خضر خیل نے بہت نالائق حرکتیں کی تھیں۔ لشکر کے آنے جانے کے وقت جو اکا دکا پیچھے رہجاتا تھا اور لشکر سے دور ہوتا تھا اُسکا گھوڑا چھین لیتے تھے۔ اُن کو سزا دینی لازم تھی۔ اس خیال سے صبح کوچ کر غلاموں کے گاؤں میں دوپہر گزاری اور ظہر کے وقت گھوڑوں کو دانہ گھانس کھلا سوار ہو گئے۔ محمد حسین قورچی کو کابل بھیجا کہ جو خضر خیل کابل میں ہیں اُن کو قید کرے۔ اور اُن کا مال اسباب ضبط کرنے کے بعد اطلاع دے۔ اور بدخشاں کا جو حال ہو اُس کو بھی مفصلاً لکھ بھیجے۔ اُسی رات کوچ کر دیا دوپہر تک چلتے رہے۔ سلطان پور سے تھوڑی دور نکل کر اُترے۔ تھوڑی دیر سوئے اور پھر چل کھڑے ہوئے۔ خضر خیل کے لوگ مقام بہار اور مسیح کرام میں پڑے ہوئے تھے۔ صبح سویرے اُن کو جالیا۔ فوج کی ایک ٹکڑی روانہ کی۔ بہت سوں کا مال اسباب لوٹ لیا۔ اور اُنکے بال بچے گرفتار کر لیے گئے۔ کچھ لوگ قریب کے پہاڑ پر بھاگ گئے۔ اس کے دوسرے روز مقام قیلاغو میں اُترنا ہوا۔ اسی منزل میں ایک قرغاول پکڑا گیا۔ جو لشکر پیچھے رہ گیا تھا وہ اسی منزل میں آن ملا۔ وزیری افغان ہمیشہ ٹھنڈے پیٹوں محصول نہ دیتے تھے۔ اِس سیاست سے اُنہوں نے تین سو دُنبے پیش کیے۔ جس دن سے میرے ہاتھ میں درد ہوا تھا اُس دن سے ایک حرف نہ لکھا تھا۔ آج کے دن چودھویں تاریخ کچھ لکھنے کا شغل کیا۔ دوسرے دن خلجی اور اشتوبا افغانوں کے سردار حاضر ہوئے۔ دلہ زاک کے امرا نے اُن کی بہت سفارش کی۔ خیر اُنکے گناہ معاف کر دیے گئے۔ اُن کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ چار ہزار دُنبے اُن پر محصول مقرر کر دیا۔ اُنکے سرداروں کو خلعت دیے اور تحصیلدار معین کر دیے۔

جانب کابل مراجعت

اس کام سے فرصت پا کر جمعرات کے دن اٹھارھویں تاریخ بہار اور مسیح کرام میں قیام کیا۔ دوسرے دن باغ وفا میں آ گئے۔ باغ وفا خوب تیار تھا۔ تمام صحن باغ سرسبز تھا۔ حوض بھرے ہوئے تھے۔ سارے درخت شاداب تھے۔ نارنج کے درخت جھوم رہے تھے۔ درختوں کی بھی کثرت تھی اور پھل بھی بہت تھا مگر نارنج ابھی اچھی طرح پختہ نہ ہوئے تھے۔ اسکے انار اگرچہ ولایت کے اناروں سے تو لگا نہیں کھاتے

مگر پھر بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ باغ وفا کو دیکھکر ایک دفعہ ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ ابکی بار جو تین چار دن تک باغ میں ٹھیرنے کا اتفاق ہوا تو تمام اہل لشکر نے خوب اتار چیٹ کیے۔ پیر کے دن باغ وفا سے ہم نے کوچ کر دیا۔ سب چلے گئے میں کوئی پہر بھر تک ٹھیرا رہا۔ دو درخت شاہ حسین کو عنایت کیے۔ کچھ اور عہدہ داروں اور امراء کو بھی عطا کیے۔ کسی کو ایک درخت دیا کسی کو دو دیے۔ چونکہ جاڑے کے موسم میں ملتان کی سیر کا قصد تھا اس لیے حکم دیا کہ حوض کے گرد جو درخت ہیں اُن کی اچھی طرح حفاظت کیجائے۔ آج گندلک میں خیمے پڑے۔ شام کے قریب شراب نوشی کی بزم منعقد ہوئی۔ اکثر مصاحب شریک بزم تھے۔ آخر میں قاسم بیگ کا بھانجا گدائی محمد کو ہوش نہ رہا۔ نشہ کی زیادتی میں میرے پہلو کے تکیہ سے لگ کر ہو بیٹھا۔ گدائی طغائی اس کو مجلس سے اُٹھا لے گیا۔ یہاں سے اندھیرے میں چل کھڑے ہوئے۔ درہ کے اوپر کی جانب وہاں کی سیر کرنے لگے۔ جہاں سے دریائے خوردق سائی نکلتا ہے۔ اس جائے براق کے کچھ درخت تھے جو کیفیت دکھا رہے تھے۔ ہم یہیں ٹھیر گئے۔ جام شراب کا دور چلنے لگا۔ راستہ میں سے دُنبے لے لیے تھے۔ اُنکے کباب لگائے۔ درخت بلوط کی شاخوں کو آگ لگا کر اُنکا تماشا دیکھتے رہے۔ ملا عبدالملک دیوانہ نے جو میرے آنے کی سُنی تو اُس نے کابل چلنے کی خواہش کی۔ اسکو کابل بھجوادیا گیا۔ حسن بنیریا مجھ سے اجازت لیکر میرزا خان کے پاس سے آیا تھا۔ یہیں اُسنے ملازمت حاصل کی۔ دوپہر کو یہاں شراب کا شغل کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ اہل مجلس لنغہ میں چور تھے۔ سید قاسم کو ایسا نشہ تھا کہ امین ترخان اور مستی چہرہ وغیرہ جو اُس کے ہمراہ تھے اُنہوں نے بہتیرا سنبھالنا چاہا مگر گھوڑے پر سوار نہ کر سکے۔ سر پہ پانی بھی ڈالا پر وہ ہوشیار نہوا۔ اسی موقع پر افغانوں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ امین ترخان کو خیال آیا کہ اس کو یہیں پڑا رکھنا نہ چاہیے۔ ایسا نہو کہ پٹھان آکر اسکو پکڑ لیجائیں۔ یا سر کاٹ لیں جس طرح بنے لے چلنا چاہیے۔ بارے بڑی دقت سے گھوڑے کی پیٹھ پر ڈال لے آئے۔

کابل میں داخل ہوئے

آدھی رات بیتگئے ہم داخل کابل ہوئے۔ دوسرے دن دیوان قلی بیگ سفیر ہو کر سلطان سعید کے پاس کاشغر گیا تھا۔ حاضر ہو کر شرفیاب ملازمت ہوا۔ میرزا انبارچی بھی قلی بیگ کے ساتھ گیا تھا۔ یہ لوگ اس ملک کی کسی قدر سوغات بھی لائے۔ چارشنبہ غرۂ ذیقعدہ کو کور قابل کے قریب اکیلے جا کر میں نے صبوحی نوش کی۔ اس کے بعد اہل مجلس بھی ایک ایک دو دو آگئے۔ دن چڑھے باغ بنفشہ میں جا کر حوض کے کنارہ پر شراب پی۔ دوپہر کو ذرا نیند لے لی۔ دوپہر کے بعد

پھر شراب کا دور چلا۔ اسی جلسہ میں تنگری قلی بیگ مضحک کو جس کو کبھی پہلے اپنی صحبت میں شراب نہ پلائی تھی شراب پلائی۔ عشا کے وقت میں حمام میں آیا۔ رات کو حمام ہی میں رہا۔ جمعرات کے دن ہندوستانی سوداگروں کو جن کا میر قافلہ یحییٰ لوحانی تھا کئی خلعت عطا کیے۔ اور رخصت کیا۔ اتوار کے دن چھوٹے صورت خانہ میں جلسہ ہوا۔ اگرچہ وہ چھوٹا سا حجرہ ہے مگر سولہ آدمی اُسی میں سما گئے۔

سیرِ موسمِ خزاں

پیر کے دن موسم خزاں کی سیر دیکھنے استالف گئے۔ آج معجون کا شغل ہوا۔ آج خوب مینہ برسا۔ جو امرا اور سپاہی ہمراہ تھے اُن میں سے اکثر باغ میں گئے۔ اور درختوں کے نیچے ہو بیٹھے۔ دوسرے دن اسی باغ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ رات بھر شراب اڑی۔ صبح کی صبوحی نے سب کو سُلا دیا۔ دوپہر کے بعد استالف سے چلے۔ رستہ میں معجون کھائی۔ عصر کے وقت ہم بہزاد میں آ گئے۔ خزاں بڑی بہار کی تھی۔ اثنائے سیر میں یاروں نے شراب پینے کے لیے للچایا۔ گو معجون کھالی تھی مگر خزاں کی جو کیفیت خوب تھی تو خزاں رسیدہ درختوں ہی کے نیچے بیٹھکر جامِ شراب کا دور چلا۔ عشا کے وقت تک وہیں جلسہ ہوتا رہا۔ اتنے میں ملا محمود خلیفہ آیا۔ اُس کو بھی صحبت میں بٹھا لیا۔ عبداللہ کو بہت نشہ ہو گیا تھا خلیفہ سے کچھ کہنے لگا۔ ملا محمود کا خیال نہ رہا۔ یہ مصرع پڑھنے لگا۔ ع درہر کہ بنگری ہمیں داغ مبتلاست
ملا محمود ہشیار تھا۔ عبداللہ کے اس مصرع پڑھنے پر ہنسی سے ملا محمود نے بہت اعتراض جڑے۔ عبداللہ سمجھا اور گھبرایا۔ لگا میٹھی میٹھی باتیں کرنے۔ جمعرات کے دن سولھویں تاریخ باغ بنفشہ میں معجون کھائی۔ بعضے مصاحبوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ ہمایوں اور کامران بھی آ گئے۔ ہمایوں نے ایک مرغابی کا شکار مزہ سے کیا۔ ہفتہ کے دن اٹھارھویں تاریخ دوپہر کو چار باغ سے سوار ہوا۔ تو بقطاز وغیرہ مقامات میں گشت کرتا ہوا پل بابا پر سے ہو دیورین کی گھاٹی سے نکل رود یازاریان کی کاریز پر پہنچا۔ اور حرمخانہ کے رستہ سے شام کو تردی بیگ کی کاریز پر آ گیا۔ تردی بیگ میرے آنے کی سُنتے ہی گھبرا کر دوڑا آیا۔ اُس کی مفلسی مجھے معلوم تھی۔ میں سو شاہرخیاں لیتا گیا تھا۔ وہ اُس کو دیدیں۔ اور کہا کہ شراب و سامان لے آ۔ دل چاہتا ہے کہ جلسہ کریں۔ تردی بیگ سب کچھ لینے بہزادی کو گیا۔ میں نے اپنا گھوڑا تردی بیگ کے ایک غلام کے ہاتھ ایک درہ میں بھیجدیا اور آپ کاریز کے پیچھے ایک ٹیلے پر ہو بیٹھا۔ کوئی پہر بھر کے بعد تردی بیگ شراب کا ایک خم لایا۔ ہم شراب پینے لگے۔ تردی بیگ جب شراب لایا ہے تو محمد قاسم برلاس اور شاہزادہ کو بھی معلوم ہو گیا۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے پیدل ہی چلے آنے میں نے

اُن کو شریکِ صحبت کر لیا۔ تردی بیگ نے عرض کیا کہ بل بل آتکہ چاہتا ہے کہ وہ اور قنبر بیگ
شراب پییں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں شراب پیتے کبھی نہیں دیکھا۔ کیا مضائقہ ہے بلا لو۔
شاہی نام ایک درویش کو بھی ایک کاریزی کے ساتھ جلسہ میں بلا لیا۔ کاریز کے عقب میں
ایک اونچی جگہ بیٹھے ہوئے شام تک شراب پیتے رہے۔ پھر تردی بیگ کے گھر میں آ گئے۔
شمع روشن کر دی۔ اور بڑی رات گئے تک یہی مشغلہ رہا۔ عجب بے تکلف صحبت تھی۔
میں ذرا لیٹ رہا۔ اہلِ مجلس نقارہ بجنے کے وقت تک پیتے رہے۔ بل بل آتکہ نے مجھے
بہت سے سلام کیے۔ آخر میں نشہ کا بہانہ کر کے کھسک گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ لوگوں کو غفلت دیکر
اکیلا استرغنج چلا جاؤں۔ مگر سب جان گئے۔ جس وقت نقارہ بجا ہے اُس وقت میں سوار
ہوا۔ تردی بیگ اور شاہزادہ کو اطلاع کر کے تین آدمیوں کو ہمراہ لے استرغنج روانہ ہوا۔
نماز کے وقت استانفت کے نیچے مقامِ خواجہ حسن میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔ معجون کھائی اور خزاں
کی سیر کرتا رہا۔ سورج نکلتے ہی باغ استانفت میں آ گیا۔ کچھ انگور نگور کھائے پھر سوار ہو خواجہ شہاب
میں (جو استرغنج کے علاقہ میں ہے) آ کر سو رہا۔ میر آخور کا گھر یہیں تھا۔ میرے بیدار ہونے تک
اُس نے آش تیار کر رکھی تھی۔ جب اُٹھا تو آش اور ایک شراب کا خم حاضر کیا۔ خزاں نہایت
کیفیت کی تھی۔ میں کئی جام پیکر سوار ہو گیا۔ ظہر کے وقت استرغنج کے ایک عمدہ باغ میں آ کر پھر
بزمِ شراب منعقد ہو گئی۔ لمحہ بھر کے بعد خواجہ محمد امین آ موجود ہوا۔ عشا کے وقت تک جلسہ رہا۔
اُسی رات اور اُسی دن عبداللہ عسس۔ نور بیگ اور یوسف علی آ گئے۔ دوسرے دن آش
کھانے کے بعد سوار ہو گئے۔ باغ بادشاہی کی (جو استرغنج سے نیچے کی جانب ہے) سیر کی۔ اس
میں ایک سیب کا درخت خزاں رسیدہ دیکھا۔ کئی شاخوں میں پانچ چھ پتے رہ گئے ہونگے۔ اُس کی
ہیئت ایسی تھی کہ اگر مصور لاکھ جان مارے تو بھی اُسکا نقشہ نہ کھینچ سکے۔ استرغنج سے چلے۔
خواجہ حسن میں آش کھائی۔ اور مغرب کے وقت بہزادی میں آ گئے۔ خواجہ محمد امین کے مکان میں اترے۔
اور شراب کا شغل رہا۔ اُسکے دوسرے دن منگل کو کابل کے چار باغ میں آ گئے۔ جمعرات کے دن
تیئیسویں تاریخ یہاں سے قلعہ میں گئے۔ جمعہ کو محمد علی رکابدار ایک توی نغون کو پکڑ لایا اور پیش
کیا۔ ہفتہ کے دن پچیسویں تاریخ باغ چنار میں جلسہ ہوا۔ اور عشا کے وقت برخاست ہو گیا۔
سید قاسم پچھلے واقعہ سے شرمندہ تھا۔ اُسکے ہاں گئے اور چند جام پیے۔ جمعرات کے دن غرۂ ذی الحجہ
کو تاج الدین محمود قندھار سے آ کر ملا۔ ہفتہ کو محمد علی تاجیک آیا۔ منگل کو لشکر خاں جنجوہہ نے
بھیرہ سے آ کر ملازمت حاصل کی۔ جمعہ تیئیسویں تاریخ علی شیر بیگ کے چاروں دیوانوں کا انتخاب
پورا ہو گیا۔ منگل کے دن ستائیسویں تاریخ ارک میں جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں میں نے حکم دیا

کہ جس وقت کسی شخص کو نشہ بہت ہو جائے اُسی وقت اُس کو جلسہ سے باہر کر دو۔ اور دوسرے کو بُلا لو۔ جمعہ کے دن سلخ کو لمغان کی سیر کے لیے میں روانہ ہوا۔

۹۲۷ھ ہجری کے واقعات

ہفتہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ خواجہ سیاران میں ہم گئے۔ ایک ٹیلے پر جو ندی کے کنارے تھا شراب کا جلسہ کیا۔ دوسرے دن ریگ رواں کی سیر کی۔ سید قاسم کے بلبلی خانہ میں ہم نے قیام کیا۔ اور جلسہ کیا صبح وہاں سے معجون کھاکر سوار ہو گئے۔ اور مقام ملکیر میں مقام ہوا۔ رات کو تو شراب نہ پی تھی۔ البتہ صبح کو صبوحی پی گئی۔ ظہر کے وقت درنامہ میں آ گئے۔ شراب کی مجلس آراستہ ہوئی صبح اندھیرے منہ صبوحی کی۔ درنامہ کے سردار حسن داد نے اپنا باغ نذر کیا۔ جمعرات کے دن تاجیکوں کے ایک گاؤں میں جو علاقہ نجراؤ میں ہے ڈیرے پڑے۔ جمعہ کے دن چہل قلبہ اور دریائے باران کے بیچ میں جو پہاڑ ہے وہاں شکار کھیلا۔ جب سے میری انگلی میں ضرب آئی تھی میں نے تیر کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ آج کمان لیزم سے ایک ہرن کے بازو میں ایسا اچھا تیر مارا کہ آدھے پر خانہ تک گھس گیا۔ عصر کے وقت شکار سے فارغ ہو نجراؤ میں آ گئے۔ اس کے دوسرے دن نجراؤ والوں کی پیشکش سالانہ مثقال سونا مقرر کیا۔ دل چاہتا تھا کہ اس سفر میں ہمایوں بھی ساتھ رہے۔ مگر وہ نہ ٹھیرا۔ کوتل کوزہ سے اُسے رخصت کر دیا۔ ہم مدران میں آن اترے۔ دریائے باران میں سے ماہی گیروں نے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ چار گھڑی دن رہے جالہ میں بیٹھکر شراب کا شغل ہوا۔ شام کو جالہ میں سے اُترے۔ اور سفید مکان میں آکر شراب پی گئی۔ حیدر رکابی علمدار کو اپنی طرف سے کافروں کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کافروں کے پانچ سرداروں کو مع بہت سی شراب کے کوتل مادر کے نیچے لایا۔ سب نے ملازمت حاصل کی۔ پہاڑ سے نکلتے وقت دیکھا کہ شکار کثرت سے ہے۔ دوسرے دن جالہ میں بیٹھے اور معجون کھائی۔ بولان کے راستہ سے بہت نیچے نکلے۔ اور لشکر میں آ گئے۔ جالے دو تھے۔ جمعہ کے دن کوچ کیا۔ مندراور سے دامنہ کوہ کے نیچے قیام ہوا۔ رات کو شراب کا جلسہ ہوا۔ ہفتہ کو جالہ میں بیٹھے۔ تنگی کے مارے اُسکو تنہ میں چھوڑا اور ہم جہاں نما سے اوپر کی جانب جالہ سے باہر آکر باغ وفا کی طرف چلے۔ یہ باغ آدینہ پور کے پاس ہے۔ جالہ سے اُترتے وقت قیام شاہ حاکم نیکنہار نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ بہت دن سے لشکر خان ساری نیلاب میں تھا۔ وہ بھی آکر باریاب ہوا۔ باغ وفا میں ہم اُترے اُس کے نارنج خوب پختہ ہو گئے تھے۔ زرد اور صاف تھے۔ پانچ چھ دن تک باغ وفا میں ہم مقیم رہے۔ ارادہ تھا کہ چالیس برس کی عمر میں شراب سے توبہ کر لوں اور اب چالیسواں سال آیا

ایک برس سے کچھ کم باقی ہے۔ اس واسطے دل کھول کر شراب پی جاتی ہے۔ اتوار کے دن اٹھارھویں کو صبوحی پینے کے بعد ہوشیار ہوئے۔ ہم معجون کھا رہے تھے کہ ملا بابک نے جو نقش بنایا تھا پیش کیا۔ اچھا نقش بنایا تھا۔ مدت سے میں ادھر متوجہ نہ ہوا تھا۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ کچھ بناؤں۔ میں نے چارگاہ کی صورت بنائی۔ چنانچہ اپنے موقع پر اسکا ذکر کیا جائیگا۔ بدھ کے دن ہنسی سے میں نے حکم دیا کہ جو شخص تاجیکی گانا گائے اُس کو ایک پیالہ شراب کا ملیگا۔ اس سے بہتوں نے شراب پی۔ صبح صادق سے پہلے درخت چنار کے نیچے جو چمن میں ہے بیٹھکر حکم دیا کہ جو ترکوں کا گانا گائے وہ ایک پیالہ پیے۔ یہاں بھی بہت سوں نے شراب پی۔ آفتاب نکلنے کے وقت نارنج کے درختوں کے نیچے حوض کے کنارے پر شراب پی گئی۔ دوسرے دن دونہ سے جالہ میں بیٹھ جوئے شاہی سے پار ہو مقام آسربا میں پہنچے۔ اسپر سے چلے تو درۂ نور کی سیر کرتے ہوئے موضع ساسون پہنچے۔ اور وہاں سے پلٹ کر آملہ میں آن اُترے۔ خواجہ کلاں نے بجور کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ چونکہ وہ مصاحب تھا اس لیے اُس کو بلا لیا۔ اور بجور کو شاہ میر حسین کے سپرد کیا۔ منگل کے دن بائیسویں تاریخ شاہ میر حسین کو رخصت دی۔ آج آملہ میں بھی مے نوشی ہوئی۔ دوسرے دن مینہ برسا۔ ہم بارش ہی میں کر سے کلہ کرام میں جہاں ملک قلی خاں کا مکان ہے آئے۔ اُس کے منجھلے بیٹے کا مکان نارنج زار کے پاس ہے اُس میں اُترے۔ بارش کی وجہ سے نارنج زار میں نہ گئے۔ وہیں پینے پلانے کا شغل ہونے لگا۔ مینہ کی جھڑی لگ گئی۔ مجھے ایک تعویذ یاد تھا۔ میں نے ملا علی کو سکھایا۔ اُسنے کاغذ کی چار پرزوں پر اُس کو لکھ کر جو چار طرف لٹکایا تو فوراً مینہ تھم گیا۔ اور ہوا نے ابر کو پھاڑ دیا۔ دوسرے دن جالہ میں بیٹھے۔ دوسرے جالہ میں اَور لوگ بیٹھے۔ دیجور کی نواح میں گھاس کے سر پر سے ایک چیز لیتے ہیں جس کو کیم کہتے ہیں۔ اس کا بوزہ بناتے ہیں۔ اور ٹکیاں بنا کر خشک کر لیتے ہیں۔ اس بوزہ کی اصل کیم ہے۔ بعض بوزہ بہت نشہ کا ہوتا ہے۔ مگر بیحد کڑوا اور بدمزہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی اس کا استعمال کرنا چاہا تھا مگر اتنا کڑوا تھا کہ مُنہ نہ لگا سکا۔ آخر معجون کھائی۔ عسس۔ حسن انکرک اور مستی دوسرے جالہ میں بیٹھے تھے۔ اُنکو حکم دیا کہ اس بوزہ کو کھاؤ۔ اُن کو تو ایسا نشہ ہوا کہ حسن انکرک بیہودہ طرح سے بہکنے لگا۔ عسس آپے سے باہر ہو گیا۔ لگا اُچھلنے کودنے۔ میں انکی حرکتوں سے تنگ ہونے لگا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُن کو جالہ سے نکلوا کر دریا میں دھکّے دلوا دوں۔ بعض نے سفارش کی میں چپکا ہو رہا۔ انہی دنوں میں بجور شاہ میر حسین کے سپرد کر کے خواجہ کلاں کو میں نے بلا لیا۔ اس لیے کہ خواجہ کلاں میرا مصاحب تھا۔ بجور میں اُسے رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے اور بجور کا

انتظام بھی ہو گیا تھا۔ دریائے گزوار سے عبور کرتے وقت شاہ میر حسین کو بعض باتیں زبانی سمجھا دیں۔ اور مختار کر کے رخصت کر دیا۔ ہم نور گل کے قریب پہنچے تو ایک بڈھا آ کر بھیک مانگنے لگا۔ جو لوگ جالہ میں بیٹھے ہوئے تھے اُن میں سے ہر کسی نے جبہ۔ پگڑی اور اور چیزیں اُسے دیں۔ غرض وہ بہت کچھ لے گیا۔ آدھے راستہ پر جالہ ایک بڑی جائے ٹکرایا۔ بہت ہی گھبراہٹ ہوئی۔ اگرچہ جالہ غرق نہوا مگر میر محمد جالہ بان دریا میں گر پڑا۔ رات کو آمر کے قریب رہے۔ ہفتہ کے دن میدر میں آ گئے۔ قتلق قدم اور اُس کے باپ دولت قدم نے جلسہ کا سامان کر رکھا تھا۔ گو دلچسپ جائے نہ تھی لیکن اُنکی خاطر سے کئی پیالیاں پی لیں۔ دوپہر کے بعد لشکر میں آ گئے۔ بدھ کے دن چشمہ کندگر کی میں نے سیر کی۔ کندگر ایک گاؤں ہے۔ تومان مندراور کے علاقہ میں۔ اس سارے علاقہ میں کھجور یہیں پیدا ہوتی ہے۔ یہ موضع پہاڑ کے دامنہ سے بہت اونچا آباد ہے۔ اُسکے باغات اُسکے مشرق میں ہیں اور یہ باغوں کے کنارہ پر واقع ہے۔ چشمہ کے سر سے چھ سات گز نیچے پتھر چن کر نہانے کا ٹھکانا بنا دیا ہے۔ پانی گرنے کی جگہ اس کے اوپر بنا دی ہے۔ جو نہانے بیٹھے پانی اُسکے سر پر گرتا ہے۔ اس چشمہ کا پانی بہت معتدل ہے۔ جاڑوں میں کوئی اس پانی سے نہائے تو پہلے اُسے پانی ٹھنڈا معلوم ہوگا۔ پھر چاہے جتنا اُس میں رہے ناگوار نہیں ہوتا۔ جمعرات کے دن شیر خاں نے اپنے ہاں اُتارا اور دعوت کی۔ ظہر کے وقت سوار ہو کر ماہی خانہ میں آئے جو تیار کر رکھا تھا اور مچھلیاں پکڑیں۔ یہ ویسا ہی ماہی خانہ ہے جس کا بیان ہو چکا ہے۔ جمعہ کے دن خواجہ میر میران کے موضع کے قریب اُترے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ ہفتہ کے دن علی شنگ اور النگار کے بیچ میں جو پہاڑ ہے اُس میں شکار کھیلا۔ ایک طرف سے النگار یوں نے اور دوسری جانب سے علی شنگیوں نے ہانکا کر کے ہرنوں کو پہاڑ میں سے نکالا۔ بہت سے ہرن شکار ہوئے۔ شکار سے واپس آئے تو النگار میں آئے۔ اور ملکوں کے باغ میں ٹھیرے صحبت گرم ہوئی۔ میرا آگے کا ایک دانت آدھا ٹوٹ گیا تھا۔ آدھا باقی تھا۔ آج کھانا کھاتے میں وہ بھی ٹوٹ گیا۔ دوسرے دن سوار ہو کر مچھلیاں پکڑیں۔ دوپہر ہو گئی تھی کہ علیشنگ میں پہنچے۔ باغ میں گئے اور شراب پی۔ دوسرے دن حمزہ خاں (ملک علی شاہ کا بیٹا) کو جسنے بہت سے خون ناحق کیے تھے اُس کے مدعیوں کے حوالے کر دیا۔ اُنہوں نے اُس سے بدلہ لے لیا۔ منگل کے دن وظیفہ پڑھ کر بولاغ کے نیچے کے راستہ سے کابل کی طرف مراجعت کی۔ عصر کے وقت النغورات سے چل کر مغرب کے وقت قراتو میں آ گئے۔ گھوڑوں کو دانہ چڑھا دیا۔ اور ہمارے لیے خاصہ حاضر کیا۔ گھوڑے دانہ کھا کر اور ہم کھانا کھا کر سوار ہو گئے۔

سنہ ۹۳۲ ہجری کے واقعات

ہندوستان کا قصد

جمعہ کے دن صفر کی پہلی تاریخ سنہ ۹۳۲ھ میں جبکہ آفتاب برج قوس میں تھا ہندوستان کی طرف چلنے کا قصد کیا۔ تھوڑی دور چلکر دہ یعقوب کے مغرب میں جو مرغزار ہے وہاں فروکش ہوئے۔ اس منزل میں عبدالملک قورچی (سات آٹھ مہینے سے سفیر ہو کر سلطان سعید خاں پاس گیا ہوا تھا) بانکے بیگ کوکلتاش کے ساتھ حاضر ہوا خان وغیرہ کے خطوط اور سوغاتیں لایا۔ لشکر فراہم ہونے کے لیے دو دن تک یہیں قیام رہا۔ یہاں سے کوچ کر کے رات گزرنے کے بعد بادام چشمہ پر آن اترے۔ اس منزل میں میں نے معجون کھائی۔ بدھ کے دن جب دریائے باریک پر ہم آکر ٹھیرے تو خواجہ حسین دیوان لاہور نے چوبیس ہزار شاہرخی کے برابر سونا۔ کچھ اشرفیاں اور روپے نور بیگ کے ہاتھ بھیجے تھے وہ پہنچے۔ کسی قدر اُس میں سے ملا احمد کے ہاتھ بلخ والوں کے لیے بلخ روانہ کیا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ گندمک میں مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ الحمد للہ کہ جلدی سے اُتر گیا۔ ہفتہ کے دن باغ وفا میں اُترے۔ ہمایوں اور اس طرف کے لشکر کے انتظار میں کئی دن باغ وفا میں ٹھیرنا ہوا۔ باغ وفا کا حال اس کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ باغ تو باغ ہی ہے۔ جو خریداری کی نظر سے دیکھیگا وہ جانیگا کہ کیسا باغ ہے۔ جتنے دن ہم وہاں رہے اکثر مے نوشی کا شغل رہا۔ شراب نہ پی تو معجون کھائی۔ وقت مقررہ پر نہ آنے سے ہمایوں کو کئی خط بھیجے تاکید کی اور بہت سخت و سست الفاظ لکھے۔ ہفتہ کے دن سترھویں تاریخ صبوحی پی جا چکی تھی کہ ہمایوں آیا تاخیر کے سبب سے ذرا اُس کو ڈانٹا۔ آج ہی خواجہ کلاں بھی غزنی سے آگیا۔ دوشنبہ کی رات کو نئے باغ میں جو سلطان پور اور خواجہ رستم کے درمیان میں بنا ہے آئے۔ بدھ کو وہاں سے کوچ کر دیا۔ جالہ میں بیٹھے۔ قوس گنبد تک شراب پیتے رہے۔ قوس گنبد میں جالہ سے نکل لشکر میں آئے۔ دوسرے دن لشکر کو چلتا کیا۔ اور ہم جالہ میں بیٹھے۔ معجون کھائی۔ قرق اریق میں پہنچے۔ وہاں ہر چند اِدھر اُدھر دیکھا کہیں لشکر کا پتا نہ ملا۔ گھوڑے بھی نظر نہ آئے۔ دل میں آئی کہ چشمہ قریب ہے اور وہاں سایہ بھی ہے۔ شاید لشکر وہیں اترا ہو۔ چشمہ پر پہنچے۔ وہاں بھی لشکر کا نشان نہ پایا۔ رات ہو گئی تھی۔ رات کو پھرتے رہے۔ آخر جالہ ایک جائے ٹھیرا دیا۔ اور ذرا نیند لے لی۔ نماز سے پہلے یدہ سرا میں آئے۔ آفتاب نکلے لشکر والے سیر کرتے ہوئے آنے شروع ہوئے یہ لوگ دو روز سے قرق اریق میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ مگر ہم کو نہ دکھائی دیے جماعہ میں اکثر وہ لوگ تھے جو شعر کہتے تھے جیسے شیخ ابوالوجد۔ شیخ زین۔ ملا علی خان۔ تردی بیگ اور خاکسار

وغیرہ ۔ اثنائے صحبت میں محمد صالح کا یہ شعر پڑھا گیا ؎

مجوبئ ہر عشوہ گرے راچہ کند کس　　　جائیکہ تو باشی دگرے راچہ کند کس

فرمائش کی کہ اس زمین میں کچھ کہو ۔ شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے ۔ ملا علی خان سے بہت ہنسی کھلی ہوتی تھی ۔ ہنسی سے میں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

مانند تو مدہوش گرے راچہ کند کس　　　نرگاؤ کسے مادہ خرے راچہ کند کس

پہلے اس سے جو کچھ اچھا برا کہنے کا یا ہزل نظم کرنیکا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا ۔ جب سے مبین کو نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں حیف ہے کہ اس سے بیہودہ لفظ بھی نکلیں ۔ اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین نکلیں افسوس ہے کہ اس میں ایسے ناپاک خیال بھی پیدا ہوں ۔ اسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا ۔ اس شعر کے کہتے وقت اصلا خیال نہ رہا ۔ دو ایک روز کے بعد بگرام میں آکر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا ۔ کھانسی بھی ہوگئی ۔ اور کھنکار میں خون آنے لگا ۔ اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہ کس طرف سے ہے اور یہ تکلیف کیوں ہے ۔ فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ فَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ بیت ترکی ۔

من سننیک بیلا ای بشتل　　　جہلنکدین بیتک بجسم فاندور

نیچہ رنجبشی ولسانک توہرا لیہ شعر　　　برسی فحش وبری یلغاندور

کردلسانک کوبا بین بوجم بیلہ　　　حیدر بنکی بوعرضہ دین باندور

یعنی اے زبان! میں تیرا کیا علاج کروں ۔ تیری طفیل میرے دل کا خون ہوگیا ہی تو کب تک ایسے اشعار کہے جائیگی جن میں سے کوئی فحش ہے اور کوئی جھوٹ ۔ اگر تو کہے کہ میں اس گناہ سے کیونکر بچوں تو تو اس میدان سے اپنی باگ موڑ لے ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝ میں نے بار دگر توبہ کی ۔ اور اس نالائق طرز سے دل ہٹا لیا ۔ سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے ۔ جو بندہ اس طرح متنبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت عظمےٰ سمجھے ۔ المدعا ۔ وہاں سے کوچ کیا ۔ اور علی مسجد میں ٹھیرنا ہوا ۔ اس منزل کا پڑاؤ تنگ ہے اس واسطے میں ہمیشہ یہاں ٹیلے پر اترتا ہوں ۔ اور لشکر گھاٹی میں اترتا ہے ۔ اب بھی یہی ہوا ۔ رات کو اہل لشکر نے الاؤ لگائے تو عجیب خوبی کے ساتھ چراغ جلتے ہوئے معلوم ہوئے ۔ جب اس منزل میں اترنا ہوا ہے تو اسی لطف کے سبب سے شراب کا شغل ضرور ہوا ہے ۔ صبح سے پہلے معجون کھا کر سوار ہو گئے ۔ اس دن میں نے روزہ رکھ لیا ۔ بگرام کے پاس خیمے پڑے ۔ دوسرے دن یہیں مقام کیا ۔

اور شکار کھیلنے گیا۔ بگرام کے آگے سے دریائے سیاہ کے پار ہو کر دریا کے اُدھر گھیرا ڈالا تھوڑی دور چلے تھے کہ پیچھے سے کسی نے آکر خبر دی کہ بگرام کے پاس جھاڑی میں گینڈے آموجود ہوئے ہیں۔ ہم وہاں سے گھوڑے ڈپٹائے ہوئے پہنچے۔ پہنچتے ہی گھیرا ڈالدیا۔ غل شور مچایا تو وہ میدان میں نکل آئے اور بھاگنے لگے۔ ہمایوں نے اور اُن لوگوں نے جو اُدھر سے تازہ آئے ہوئے تھے کبھی گینڈے کو نہ دیکھا تھا۔ ان کا خوب تماشا دیکھا۔ تقریباً کوس بھر تک اُنکا پیچھا کر کے بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کسی گینڈے نے کسی آدمی اور گھوڑے پر حملہ نہ کیا۔ گینڈے بھی بہت سے مارے گئے۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ اگر ہاتی کو گینڈے کے سامنے کریں تو دیکھیں کس طور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اب کے فیلبان ہاتھیوں کو لے آئے۔ ایک گینڈے سے مقابلہ ہوا۔ فیلبانوں نے جونہی ہاتی ہولے گینڈا سامنے سے بھاگ گیا۔ اُس دن ہم بگرام میں رہے

لشکر کا جائزہ اور شمار

امیروں۔ بخشیوں۔ دیوانی والوں اور مصاحبوں کے چھ سات حصے کر کے اُن کو نیلاب کے گھاٹ پر کشتیوں میں سے اُترنے والے لشکر کے جائزہ لینے اور گنتی کرنے کے لیے مقرر کر دیا۔ اسی رات کو کسی قدر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ کھانسی بھی اُٹھی۔ ہر کھنکار میں خون آیا۔ بہت ہی فکر ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ دو تین دن میں آرام ہو گیا۔ بگرام سے دو منزل چل کر پنجشنبہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ دریائے سندھ کے کنارے پر لشکر اُترا۔ ہفتہ کے دن ربیع الاوّل کی پہلی کو سندھ چھوڑ دریائے کچھ کوٹ سے عبور کیا۔ اور دریا کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ جو لوگ لشکر کا جائزہ لینے کشتیوں پر معیّن ہوئے تھے اُنھوں نے جائزہ لینے کے بعد عرض کیا کہ تمام لشکر مع بہیر وغیرہ بارہ ہزار آدمی قلمبند ہوئے ہیں۔ اس سال یہاں کے جنگلوں میں بارش کم ہوئی تھی۔ شہر کے قریب کے دامنۂ کوہ میں خاصی ہو گئی تھی۔ غلّہ کے خیال سے براہ سیالکوٹ دامنۂ کوہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ جب بابی ککھر کے علاقہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک ندی میں ہر جائے پانی ٹھیرا ہوا ہے۔ یہ سارا دریا یخ بستہ تھا۔ اگرچہ یخ بہت سے بہت ہاتھ بھر اونچی ہوگی۔ زیادہ نہ ہوگی۔ مگر ہندوستان میں تو اتنی برف بھی عجیب بات ہی۔ یخ اتّرہ کو یہیں دیکھا۔ کئی سال سے میں ہندوستان میں آتا ہوں لیکن یخ اور برف اس کئی برس میں ابھی دیکھنے میں آئی ہے۔ غرض سندھ سے پانچ منزل چلکر چھٹی منزل میں کوہ جود سے ملا ہوا جو بال ناتھ جوگی کا پہاڑ ہے۔ اُس کے نیچے ایک ندی کے کنارہ پر لشکر اُترا۔ دوسرے دن غلّہ لینے کے لیے وہیں مقام کیا۔ اُس دن عرق پیا گیا۔ ملا محمدی نے بہت باتیں بنائیں۔ کبھی اتنی بکواس اُس نے نہ کی ہوگی۔ ملا شمس نے بھی اسی طرح مغز کھایا۔ ایک بات شام سے جو چھیڑی تو صبح تک تمام نہ کی۔ اہل لشکر سپاہی وغیرہ غلّہ لینے گئے تھے۔ غلّہ کو چھوڑ جھاڑیوں، پہاڑوں

اور قلب مقامات میں مُنہ اُٹھائے ہوئے جا گھُسے۔ کئی آدمیوں کو ضائع کروا آئے۔ کچکتہ تونقطار
وہیں فوت ہوا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور دریائے بہت سے جہلم کے نیچے کی طرف عبور کیا۔ ولی فرلی
جسکا پرگنہ میرذکری کو دیدیا تھا یہاں حاضر ہوا۔ سیالکوٹ کی حفاظت نہ کرنے کے سبب سے میں
اُس سے ناراض تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ میں اپنے پرگنہ سے آگیا تھا۔ مگر خسرو کو کلتاش نے
سیالکوٹ سے اپنے نکلنے کی خبر مجھے نہ کی۔ اُسکا یہ عذر قابلِ سماعت تھا۔ اُس سے کہا گیا کہ جب سیالکوٹ
سے سب لاہور چلے گئے تو تو اُن امراء کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا۔ چونکہ کام کرنیکا موقع تھا اس لیے
میں زیادہ سر نہیں ہوا۔ اسی منزل سے سید طوفان اور سید لاچین کو اُن لوگوں کے پاس جو لاہور
میں تھے گھوڑوں کی ڈاک بٹھاکر دوڑادیا۔ اور کہلا بھیجا کہ جنگ نہ کرو۔ سیالکوٹ میں میرے پاس
چلے آؤ۔ افواہ یہ تھی کہ غازی خاں نے تیس چالیس ہزار فوج جمع کی ہے۔ اور اپنی کمر میں دو تلواریں
باندھی ہیں۔ وہ ضرور مقابلہ کریگا۔ مجھے خیال ہوا کہ مثل مشہور ہے "نو سے دس اچھے"۔
جو لوگ لاہور میں ہیں اُن کو ساتھ لیکر لڑنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے امراء پاس آدمی روانہ کیے۔
ہم ایک منزل کرکے دریائے چناب کے کنارے پر اُترے۔ بہلول پور خالصہ میں ہے۔ راستہ میں سے
میں اُس کی سیر کرنے گیا۔ اُسکا قلعہ دریائے چناب کے کنارے پر اونچی جگہ واقع ہے۔ وہ مجھے
بہت ہی پسند آیا۔ دل میں آئی کہ یہاں سیالکوٹ والوں کو آباد کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالے
فرصت ہو جائے تو ایسا ہی کرونگا۔ بہلول پور سے میں کشتی میں بیٹھکر داخلِ لشکر ہوا۔ کشتی میں
جلسہ تھا۔ کسی نے عرق پیا۔ کسی نے بوزہ اور کسی نے معجون کھائی۔ عشاء کے بعد کشتی میں سے اُترے۔
اور خیمہ میں آکر بھی کچھ پیا کھایا۔ گھوڑوں کو آرام دینے کے لیے ایک دن دریا کے کنارے پر
مقام کیا۔ جمعہ کے دن چودھویں ربیع الاوّل کو پھر سیالکوٹ میں آگئے۔ جب ہم ہندوستان
سے گئے ہیں۔ تو یہ ہوا ہے کہ گائیں بھینسیں لوٹنے کے لیے سینکڑوں جاٹ اور گوجر پہاڑ اور
جنگل سے آگئے ہیں اور مویشی کو ظالم لوٹ لے گئے ہیں۔ پہلے یہ مُلک پرایا تھا کچھ انتظام نہ
کیا جاتا تھا۔ اب کی بار یہ سارا ملک مطیع ہوگیا ہے۔ اب جو ایسا ہوا تو بہت سے بھوکے۔ ننگے۔
غریب اور محتاج فریاد کرتے ہوئے آئے کہ ہم کو لوٹ لیا۔ ایکبار ہی غل مچ گیا۔ جن لوگوں نے
لوٹ مار کی تھی اُنکی تلاش کی گئی۔ دو تین کو اُن میں پکڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کرادیا۔ اسی منزل میں ایک
سوداگر آیا۔ عالم خاں۔ رخصت ہونے کے بعد اُس گرمی میں کہ لو چل رہی تھی دو منزلہ کرکے لاہور
میں آیا۔ عالم خاں کو جس وقت رخصت کیا ہے اُس وقت ازبک سرداروں وغیرہ نے آکر بلخ
میں قتل عام کیا تھا۔ عالم خاں کو میں نے ہندوستان بھیجا۔ اور آپ بلخ گیا۔ عالم خاں ہندوستان
میں آیا۔ اور جو امراء محصل ہندوستان میں تھے اُنسے اُسنے کہا کہ پادشاہ نے تم لوگوں کو میری کمک کیلیے

مقرر کیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو میں غازی خاں کو بھی ساتھ لونگا اور دلی پر چڑھائی کرونگا۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ہم غازی خاں کے ساتھ کیونکر ہو جائیں۔ ہمکو تو حکم یہ ہے کہ جس وقت غازی خاں اپنے بھائی حاجی خاں کو مع اپنے بیٹے کے بادشاہ کی حضور میں بھیجے یا لاہور میں بطریق اوّل رکھے اُس وقت تم اُسکے ساتھ ہو جانا۔ ورنہ نہ ہونا۔ تمہی کو کل وہ لڑوا دیگا۔ اور پٹوا دیگا۔ بھلا پھر کس بھروسے پر اُس کے ساتھ ہوتے ہو۔ ہماری صلاح نہیں ہے کہ تم اُسکی ہمراہی کرو۔ ہر چند امرا نے یہ باتیں کیں اور منع کیا۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ اپنے بیٹے شیر خاں کو بھیجکر دولت خاں اور غازی خاں سے گفتگو کر باہم ملاقات کی۔ دلاور خاں جو بہت دن تک مقید رہا تھا دو تین مہینے ہوئے کہ قید میں سے بھاگ کر لاہور آ گیا تھا۔ اُس کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ میرزا محمود خان خان جہاں جس نے لاہور حوالہ کر دیا تھا اُس کو بھی ساتھ لیا۔ غالباً اُنہوں نے یہ بات قرار دی کہ دولت خاں و غازی خاں اور امراء جو ہندوستان میں چھوڑے گئے ہیں بلکہ اس طرف کے سب لوگوں کو اپنے تحت میں لے لے۔ دلاور خاں اور حاجی خاں عالم خاں کے ہمراہ ہوں۔ اور یہ لوگ دلی اور آگرہ کے علاقوں کا فتح کرنا اپنے ذمہ لیں۔ اسمٰعیل خاں حلوانی اور اور امراء عالم خاں سے آ کر ملے۔ اور سب فوراً کوچ در کوچ دلی کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام اندری میں پہنچے تو سلیمان شیخزادہ بھی ان سے آ ملا۔ ان کے پاس میں چالیس ہزار آدمی کا لشکر جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے دلی کو گھیر لیا۔ لڑائی تو کوئی ہوئی نہیں۔ مگر ہاں اہل شہر کو تنگ کرنے لگے۔ سلطان ابراہیم اس لشکر کی خبر سُنتے ہی مقابلہ کے لیے چل کھڑا ہوا۔ جب وہ قریب آ گیا تو یہ بھی قلعہ چھوڑ سامنے آئے۔ انہوں نے تجویز کی کہ اگر دن کو لڑینگے تو پٹھان آپس کی غیرت سے بھاگنے کے نہیں۔ اور اگر ہم شبخون مارینگے تو اندھیری رات میں کوئی کسی کو دیکھتا نہیں۔ ہر سردار اپنا رستہ لیگا۔ یہ بات ٹھیرا کر تقریباً چھ کوس سے شبخون مارنے چلے۔ دو دفعہ اسی قصد سے دوپہر کو اپنی جائے سے سوار ہوئے۔ اور آدھی رات تک گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے۔ مگر نہ آگے بڑھنے نہ پیچھے ہٹے۔ نہ کوئی بات قرار دے سکے۔ تیسری دفعہ پہر رات آئی ہو گی کہ شبخون مارنے چلے۔ انکا شبخون مارنا یہی تھا کہ خیموں۔ ڈیروں میں آگ لگا دیں۔ غرض پہر رات گئے پیچھے سے آئے۔ اور آگ لگا کر غل مچا دیا۔ جلال خاں جگہت وغیرہ قائم خاں سے آ ملے۔ سلطان ابراہیم اپنے سراچہ میں اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ رات بھر جاگتا تھا۔ اور وہیں صبح کر دیتا تھا۔ عالم خاں کی فوج لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ سلطان ابراہیم نے جو دیکھا کہ دشمن کی جمعیت تھوڑی سی ہے تو وہیں سے جہاں تھا کسی قدر فوج اور ایک ہاتھی کو لے انکی طرف متوجہ ہو گیا۔ جونہی ہاتی قریب پہنچا دشمن کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ سب بھاگ نکلے۔ اسی بھگدڑ میں عالم خاں میان دوآب سے

ہوتا ہوا پانی پت کی نواح میں آگیا۔ پھر پانی پت سے یہ لوگ بھاگے۔ اندری پہنچے تو سلیمان تین چار آدمی لیکر چلدیا۔ اسمٰعیل خاں حلوانی۔ دریا خاں اور عالم خاں کا بیٹا جلال خاں ان سے الگ ہو دوآبے میں چلے گئے۔ پھر عالم خاں کے جمع کیے ہوئے لشکر میں سے کچھ لوگ جیسے سیف خاں۔ دریا خاں۔ محمود خاں خان جہاں اور شیخ جمال فرملی وغیرہم لڑائی سے پہلے سلطان ابراہیم کے پاس بھاگ کر چلے گئے۔ عالم خاں۔ دلاور خاں اور حاجی خاں سرہند سے جو چلے تو میرے آنے اور بلوت لینے کی خبر انہوں نے سُنی۔ دلاور خاں جس نے ہمیشہ میرا دم بھرا ہے۔ اور میرے ہی لیے تین چار مہینے کی قید بھگتی تھی انسے جدا ہو کر سلطان پور اور کوچی میں آیا اور بلوت لینے کے تین چار روز بعد نواح بلوت میں مجھ سے آملا۔ عالم خاں اور حاجی خاں دریائے شلت ہو دون کے پہاڑ کے نیچے دکنکوتہ کے قلعہ میں جو بہت مستحکم تھا آگئے۔ کچھ فوج افغان و ہزارہ نے اُن کو آگھیرا۔ اور ایسے مضبوط قلعہ کو قریب تھا کر لیں۔ اتنے میں شام ہوگئی۔ اندر والوں نے باہر نکلنا چاہا۔ گھوڑے ایسے تھک گئے تھے کہ باہر نہ نکل سکتے تھے۔ ہاتی بھی تھے اُن کو آگے دھکیلا۔ گھوڑوں کی باگ ڈوریں پکڑ کر کھینچا پھر بھی گھوڑوں پر سوار باہر نہ آسکے۔ آخر رات کے اندھیرے میں بڑی دقت سے پیادہ پا نکلے۔ اور غازی خاں کے پاس بلوت میں آئے۔ وہ پہاڑ کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ اُسکے ہمراہ ہوئے۔ غازی خاں نے پوری توجہ نہ کی۔ دون کے نیچے پھلور کی نواح میں عالم خاں نے ملازمت حاصل کی۔ جو لوگ لاہور میں تھے اُنکے پاس سے سیالکوٹ میں آدمی آیا۔ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ کل ہم سب حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرے دن کوچ کر کے ہم پسرور میں مقیم ہوئے۔ محمد علی جنگجنگ۔ خواجہ حسین اور اور امراء یہاں حاضر ہوئے۔ غنیم کا لشکر دریائے راوی کے کنارے پر لاہور کی طرف تھا۔ بوچکہ کو اُس کے ساتھیوں سمیت سُن گُن لینے کے لیے بھیجا۔ تین پہر رات گزری ہوگی جو خبر آئی کہ غنیم ہماری سُنتے ہی منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ ایک نے ایک کی سُدھ نہ لی۔ دوسرے دن ہم نے کوچ کر دیا۔ بہیر وغیرہ سے الگ ہو شاہ حسین اور اور لوگوں کو بہیر میں چھوڑا اور میں خود مع کسی قدر فوج کے دوڑ پڑا۔ تیسرے پہر ہم کلانور میں جا موجود ہوئے محمد سلطان میرزا اور عادل سلطان میرزا وغیرہم امراء نے یہاں ملازمت حاصل کی۔ رات کو ہم کلانور سے چل کھڑے ہوئے۔ رستہ میں خبر ملی کہ غازی خاں اور بھاگے ہوئے قریب ہی ہیں محمدی۔ احمدی اور اکثر کو جن کو کابل میں حکم دیا گیا تھا کہ سرسواری حاضر ہوں ان بھاگے ہوؤں کے پیچھے روانہ کیا۔ اور سمجھا دیا کہ اگر اُن تک پہنچ جاؤ تو واہ ہے۔ اور اگر نہ پہنچ سکو تو قلعہ بلوت کو اس طرح گھیر لینا کہ قلعہ والے بھاگنے نہ پائیں۔ اس احتیاط سے میری غرض غازی خاں سے تھی

ان امراء کو تو آگے بھیجا اور میں کلانور کے قریب دریا سے پار ہوا۔ یہاں سے دو منزلہ کر کے قلعہ ملوت والے درہ کے دامنہ میں آن اُترا۔ آگے پہنچ جانے والے امراء اور ہندوستانی امراء کو حکم دیا گیا کہ قلعہ کو پاس سے گھیر لو۔ دولت خاں کا پوتا علی خاں کا بیٹا اور اسمٰعیل خاں دولت کا بڑا بیٹا یہاں حاضر ہوا۔ ان کو کچھ دھمکایا اور کچھ تسلی دے قلعہ کی طرف بھیجا۔ جمعہ کے دن لشکر کو آگے بڑھایا۔ آدھ کوس کے فاصلہ سے ڈیرے ڈالدیے۔ میں نے خود جا کر قلعہ کو دیکھا۔ برانغار جرانغار اور قول کے مورچے مقرر کیے۔ پھر لشکر میں واپس آیا۔ علی خاں نے عرض کرا بھیجا کہ غازی خاں تو پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔ اگر میری خطا معاف ہو تو میں غلامی میں حاضر ہو کر قلعہ سونپ دوں۔ خواجہ میراں کو اُس کے پاس بھیجا۔ خواجہ اُسکو مطمئن کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ علی خاں اپنے بیٹے کے ہمراہ حاضر ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ وہی دونوں تلواریں جو میرے مقابلہ کے لیے کمر میں باندھی تھیں اس کی گردن میں لٹکا دو۔ ایسے گستاخ کی سزا یہی ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچنے پر بھی اینٹھتا ہی رہا۔ لوگ آگے لائے۔ میں نے حکم دیا کہ تلواریں گردن سے نکال لو۔ سامنے آکر زانو مارنے میں بھی رُکا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا پاؤں کھینچکر رسم تعظیم ادا کراؤ۔ اور بٹھا دو۔ ایک ہندوستانی کو ترجمان بنایا۔ اُس سے کہا کہ جو میں کہوں وہ ایک ایک بات اسکو سمجھا کر کہہ۔ اس سے کہہ کہ میں تجھ کو باپ کہا کرتا تھا جس طرح تیرا دل چاہتا تھا ویسی ہی تیری عزت کیا کرتا تھا۔ تجھے اور تیرے بچوں کو ملو خاں کے دروازہ پر ٹھوکریں کھانے سے بچایا۔ تیرے کُنبے کو گھربار کو ابراہیم کی قید سے چھڑایا اور تاتار خاں کا تین کروڑ کا ملک تجھ کو دیا۔ میں نے تیرے ساتھ کونسی بُرائی کی تھی جس کے بدلے میں تو نے دو دو تلواریں کمر میں باندھ کر مجھ پر فوج کشی کی میرے ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ بوڑھا بونک بُڑبُڑانے لگا اور کوئی بات اُس کے مُنہ سے نہ نکلی۔ ان باتوں کے جواب میں سوائے سکوت کے کہہ ہی کیا سکتا تھا۔ خیر یہ تجویز ہوئی کہ اسکے کُنبے اور گھربار کو اسی کے حوالے کر دیا جائے۔ باقی مال اسباب ضبط سرکار ہو۔ اور یہ خواجہ میر میراں کے پاس رہے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں ربیع الاوّل کو اُسکے کُنبے اور بال بچوں کو صحیح سالم نکلوا دینے کے لیے میں آپ ایک اونچی جگہ ملوت کے دروازہ کے سامنے ٹھیرا علی خاں آیا۔ کچھ اشرفیاں اُس نے نذر کیں اور ظہر کے وقت تک اپنے متعلقوں کو نکال لے گیا۔ عبد العزیز محمد علی جنگجنگ۔ قتلق قدم۔ محمدی۔ احمدی اور اور امراء کو حکم ہوا کہ قلعہ میں جائیں اور اُنکے تمام خزانے اور کارخانے ضبط کر لیں۔ اُس کے لوگوں نے تو یہی کہا تھا کہ غازی خاں چلا گیا ہے مگر بعض یہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے قلعہ میں دیکھا ہے۔ اسی واسطے سپاہیوں کے پہرے دروازہ پر مقرر کر دیے۔ اور کہدیا کہ جہاں شبہہ ہو تلاشی لیلو۔ ایسا نہو کہ غازی خاں دھوکا دیکر نکلجائے

اصلی غرض تو یہی تھی اور ایسا خیال بھی تھا کہ جو کچھ جواہر وغیرہ پوشیدہ لیجانا چاہے وہ چھین لیا جائے قلعہ کے دروازہ پر لوگ لگے بلوہ کرنے۔ انتظام کے لیے میں نے چند تیر مارے۔ قضارا ایک تیر ہمایوں کے چوپان کے قبضہ میں لگا۔ وہ فورًا مرگیا۔ رات کو میں اُسی بلندی پر رہا۔ پھر کو قلعہ میں جاکر سیر کی۔ غازی خاں کے کتب خانہ میں گیا۔ کچھ کتابیں اچھی نکلیں۔ کئی ہمایوں کو دیں اور کئی کامران کو بھیجیں۔ مُلاؤں کے مطلب کی زیادہ کتابیں تھیں۔ جیسی عمدہ کتابوں کی امید تھی ویسی نہ نکلیں۔ رات کو میں شہر میں رہا۔ اور صبح وہاں سے آیا۔ میرا خیال تھا کہ غازی خاں شہر میں ہے۔ مگر وہ بے غیرت نامرد ماں۔ باپ۔ چھوٹے بھائی اور چھوٹی بہن کو ملوت میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ساتھ نکل بھاگا تھا۔ قطعہ

ببیں آں بے حمیت را کہ ہرگز　　نخواہد دید روئے نیک بختی

تن آسانی گزیند خویشتن را　　زن و فرزند بگزارد بہ سختی

بدھ کے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ اُسی پہاڑ کی طرف چلے جدھر غازی خاں بھاگ گیا تھا۔ درۂ ملوت کی منزل میں ایک کوس چلکر درہ میں اُترنا ہوا۔ دلاور خاں نے یہاں آکر ملازمت حاصل کی۔ دولت خاں۔ علی خاں۔ اسمٰعیل خاں اور انکے کئی سرداروں کو قید کر کے کتہ بیگ کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ قلعہ ملونی میں جو بھیرہ میں ہے ان کو لیجائے اور حفاظت سے رکھے۔ انکے علاوہ جسکو جسنے گرفتار کیا اُسکی قیمت گرفتار کرنیوالے کے لیے دلاور خاں کے اتفاق رائے سے مقرر کر دی بعض کی قیمت دلوا دی گئی۔ اور بعض کو قید کر کے روانہ کیا۔ وہ قیدیوں کو لے گیا۔ سلطانپور پہنچا ہوگا کہ دولت خاں مرگیا۔ ملوت کو محمد علی جنگ جنگ کے سپرد کیا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی ارغون کو اپنی طرف سے مقرر کیا۔ اور افغان و ہزارہ کے بھی دو سے ڈھائی سے آدمی کمک کے لیے متعین کر دیے خواجہ کلاں غزنی سے شراب کے کئی اونٹ لایا تھا۔ اُس کا مکان قریب ہی تھا جو قلعہ اور ارک کے اوپر کی جانب تھا۔ وہیں جلسہ منعقد ہوا کسی نے شراب پی اور کسی نے عرق پیا پھر یہاں سے چلے۔ دریائے کند کی اور ملوت کی پہاڑیوں سے نکل دون میں آئے۔ ہندوستان کی زبان میں میدان کو دون کہتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے کھیت جن میں پانی رواں ہو اسی میدان میں ہیں میدان کے گرد بہت سے دیہات ہیں۔ یہ مقام دلاور خاں کے ماموں جنوان کا پرگنہ تھا۔ خوش قطع مقام ہے۔ اس کے اطراف میں دو مرغزار ہیں۔ اس میں دھان بوئے جاتے ہیں۔ تین چار آسیا کے برابر پانی بہتا رہتا ہے۔ میدان کی وسعت کہیں کوس دو کوس اور کہیں کہیں تین کوس کی ہوگی۔ اسکے پہاڑ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ایسے ہیں جیسے پشتے۔ سارے گاؤں دامنۂ کوہ میں آباد ہیں۔ جہاں آبادی ہے وہاں مور اور بندر کثرت سے ہوتے ہیں۔ چڑیوں جیسے جانور بھی بہت ہیں۔ صورت تو

مرغ کی سی مگر اکثر ایک رنگ۔ چونکہ غازی خاں کا حال معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہے اس لیے تردی بیگ کو برم دیو ملنہاس کے ساتھ مقرر کیا کہ جہاں غازی خاں ہو وہاں اُس کی خبر لو۔ اِس میدان کی پہاڑیوں میں چاروں طرف مضبوط مضبوط قلعے ہیں۔ شمال مشرقی سمت میں ایک قلعہ ہے کوتلہ نام۔ اُسکا گرداُولا ستر اسی کوس کا ہے۔ بڑے دروازہ کی طرف سات آٹھ گز کی ہوگی گزرگاہ کی فراخی دس بارہ گز ہوگی۔ دو لمبے لکڑوں کا پُل باندھ دیا ہے۔ گھوڑے اور مویشی کو اُسی پر سے لیجاتے ہیں۔ یہاں کے کوہستان میں غازی خاں نے جن قلعوں کو درست کیا تھا اُن میں سے ایک قلعہ یہ بھی تھا۔ قلعہ میں سپاہی متعین تھے۔ اس قلعہ پر ہماری فوج کی ایک ٹکڑی گئی۔ لڑائی ہوئی۔ قلعہ فتح ہونیکو تھا کہ شام ہوگئی۔ قلعہ والے ایسے مستحکم قلعہ کو چھوڑ بھاگ گئے۔ دوسرا مضبوط قلعہ قلعۂ گنکونہ ہے۔ اسکی چار دیواری ہے مگر قلعۂ کوتلہ جیسی نہیں ہے۔ عالم خاں اسی قلعہ میں آیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ غازی خاں پر فوج روانہ کرنیکے بعد ہمت کی رکاب میں پاؤں رکھ اور توکل کی باگ ہاتھ میں لے سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی افغان کی جانب جو اُن دنوں میں ہندوستان کا بادشاہ تھا اور جس کا دارالسلطنت دلی تھا اور جسکی رکاب میں ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھی کا ہونا بیان کیا جاتا تھا متوجہ ہوا۔ ایک منزل کے بعد باقی شقاول کو دیبال پور عنایت کرکے بلخ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ بلخ کے انتظام کے لیے بہت سا روپیہ بھیجا۔ کابل میں جو فرزند و اقارب تھے اُنکے لیے سوغاتیں اور وہ اسباب جو بلوت کی فتح میں ہاتھ لگا تھا بھیجا۔ میدان کے آخر کی طرف دو ایک منزل کے بعد آرایش خاں اور ملا مذہب کے خطوط لیکر شاہ عماد حاضر ہوا۔ اور دولتخواہی ظاہر کی۔ اس یورش میں اُنہوں نے بہت سعی کی تھی۔ میں نے بھی ایک آدمی کے ہاتھ عنایت آمیز فرامین اُن کو لکھ بھیجے۔ میں آگے بڑھا۔ جو فوج کا دستہ بلوت گیا تھا اُسنے چڑھائی کرکے ہندور اور کھلور وغیرہ کے قلعوں کو جنکی طرف اُنکی مضبوطی کے باعث سے مدتوں سے کسی نے رُخ نہ کیا تھا فتح کیا۔ اور وہاں والوں کو لوٹ مار کر پھر وہ ہم سے آن ملا۔ عالم خاں بھی پریشان حال پیادہ پا اسی منزل میں آیا۔ امرا اُسکی پیشوائی کے واسطے بھیجے گئے۔ گھوڑے بھی اُس کے لیے بھجوا دیے۔ اس نواح کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں فوج گئی۔ اور دو ایک دن کے بعد واپس آگئی۔ کچھ بہت اُس کے ہاتھ نہیں لگا۔ شاہ میر حسین اور جان بیگ وغیرہ بھی رخصت لیکر گرداوری کے لیے گئے۔ انہی دنوں میں دو تین دفعہ اسمٰعیل حلوانی کی عرضیاں آئیں۔ یہاں سے بھی اسکی خواہش کے موافق فرمان بھیجے گئے۔ دو دن کے کوچ کرکے ہم روپڑ میں آئے۔ روپڑ سے چلے اور سرہند کے نزدیک تالاب پر خیمہ زن ہوئے۔

یہاں ایک ہندوستانی سلطان ابراہیم کا ایلچی بنا ہوا آیا۔ اگرچہ اُسکے پاس کوئی خط نہ تھا مگر اُسنے مجھ سے ایک ایلچی کے بھیجنے کی استدعا کی۔ میں نے بھی ایک نغنگا سواتی اُسی طرح بھیجدیا۔ جب دونوں پہنچے سلطان ابراہیم نے اُن کو قید کر دیا۔ جس دن ابراہیم کو شکست ہوئی ہے اُسی دن سواتی رہا ہوا۔ ایک منزل کے بعد دیہور دستور میں اُترے۔ ہندوستان کے دریاؤں سے علٰحدہ یہاں ایک ندی بہتی ہے۔ اُس کو کگر کہتے ہیں۔ چھتر بھی اسی ندی کے کنارے پر ہے۔ دریا کے بالائی جانب سیر کرنے کے لیے میں سوار ہوا۔ چھتر سے تین چار کوس اس دریا سے اونچی جانب کے ایک درہ سے بہت صاف اور عمدہ ندی نکلکر آتی ہے۔ ایک اور کشادہ درہ سے چار یا پنج آسیا کے برابر پانی آتا ہے۔ (اس مقام کو نہایت پرفضا اور ہوادار دیکھکر یہاں ایک چار باغ بنانے کا حکم دیا) یہ پانی صحرا میں ایک کوس بھر بہکر ندی میں ملجاتا ہے۔ دریائے کھکر کے نکلنے کی جائے اُن دیہات سے جن کے نیچے دریا بہتا ہے تین چار کوس ہٹ کر ہوگی۔ اس منزل میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان ابراہیم جہاں دلّی کے اس جانب تھا وہاں سے کوس بھر آگے آیا ہے۔ اور حمید خاں خاص خیل حاکم حصار فیروزہ مع اُس نواح کی فوج کے دس پندرہ کوس اِدھر آگیا ہے۔ اور چلا آتا ہے۔ کتہ بیگ کو ابراہیم کے لشکر کا اور مومن آتکہ کو لشکر حصار کا حال دریافت کرنے روانہ کیا۔ اتوار کے دن تئیسویں جمادی الاوّل کو انبالہ سے کوچ کرکے ایک تالاب کے کنارہ پر ہم اُترے تھے کہ مومن آتکہ اور کتہ بیگ آج ہی آئے۔ برانغار کی فوج میں سے خواجہ کلاں۔ سلطان محمد دولدائی۔ ولی خازن خسرو بیگ۔ ہندو بیگ۔ عبد العزیز اور محمد علی جنگجنگ کو۔ اور قول میں سے بھی شاہ منصور برلاس۔ کتہ بیگ اور محب علی وغیرہ کو ہمایوں کے ساتھ کرکے حمید خاں کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا۔ امین نے بھی اسی منزل میں آکر ملازمت حاصل کی۔ یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور جاہل ہیں۔ باوجودیکہ دلاور خاں عہدہ اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہے۔ عالم خاں اُسکا شہزادہ ہے اور یہ میرے سامنے نہیں بیٹھنے پاتے۔ مگر اس نے بیٹھنے کی خواہش کی۔ پیر کے دن چوبیسویں تاریخ ہمایوں نے حمید خاں پر دھاوا کر دیا۔ سو ڈیڑھ سو آدمی چھنٹے ہوئے بطریق قراولی آگے روانہ کیے۔ یہ قراول بہت آگے پہنچکر دشمن سے جا بھڑا۔ کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی تھی۔ اتنے میں عقب سے ہمایوں کا لشکر پہنچ گیا۔ اس کے پہنچتے ہی غنیم کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ سو دو سے آدمیوں کو گھیر کر آدھوں کے سر کاٹ لیے اور آدھوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ سات آٹھ ہاتی بھی چھین لیے۔ اور سب کو لے آئے۔ ہمایوں کی اس فتح کی خبر اٹھائیسویں تاریخ جمعہ کے دن ماہ بیگ میرک مغل اسی منزل میں لایا۔ اُسی وقت خلعت خاص اور ایک

خاصہ کا گھوڑا اُس کو عنایت کیا۔ پیر کے دن اکیسویں تاریخ اسی منزل میں ہمایوں سو
قیدیوں اور سات آٹھ ہاتیوں سمیت آیا۔ اور ملازمت کی۔ انتظام کے خیال سے
علی قلی اور تفنگچیوں کو حکم دیا کہ ان سب قیدیوں کو گولیاں مار دو۔ ہمایوں کی پہلی
لڑائی یہی تھی۔ اور پہلا کام اُس نے یہی کیا تھا۔ شگون تو اچھا ہوا۔ بھاگے ہوؤں کے
پیچھے فوج روانہ ہوئی۔ حصار فیروزہ کو اُس نے چھین لیا۔ حصار فیروزہ مع توابعات
اور ایک کروڑ زرِ نقد ہمایوں کو انعام میں دیا۔ ہم یہاں سے کوچ کرکے شاہ آباد میں آئے۔
شاہ آباد میں چند روز ٹھیرنا ہوا۔ یہیں سے رحمت پیادہ کے ہاتھ کابل کو فتح نامے بھیجے۔
اسی مقام پر ہمایوں نے اپنی ڈاڑھی مُنڈائی۔ اس کو آج اٹھارھواں سال ہے اور مجھ کو
چھیالیسواں۔ ہم اسی منزل میں تھے کہ اٹھائیسویں جمادی الاولےٰ کو آفتاب برج حمل
میں آیا۔ ابراہیم کے لشکر سے برابر خبریں آئیں کہ ایک ایک دو دو کوس کوچ ہوتا ہے اور
ہر منزل میں دو دو تین تین دن تک مقام رہتا ہے۔ ہم بھی آگے بڑھے۔ شاہ آباد سے
ایک منزل چل کر سرساوہ کے مقابل میں دریاے جمنا کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے خواجہ کلاں
کے ملازم حیدر قلی کو حریف کی سُن گُن لینے کے لیے بھیجا گیا۔ میں نے جمنا کے پار جا کر سرساوہ
کی سیر کی۔ اُس دن میں نے معجون کا استعمال کیا تھا۔ سرساوہ میں ایک چشمہ بھی ہے۔ اس
چشمہ سے پانی جاری رہتا ہے۔ یہ مقام بُرا نہیں ہے۔ تردی بیگ خاکسار نے ایک کشتی
میں دالان بنایا تھا۔ کبھی میں اُس کشتی میں بیٹھکر سیر کرتا تھا اور کبھی طیِّ منازل بھی کرتا تھا۔ اسی
منزل سے دریا کے کنارے کنارے نیچے کی جانب بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں حیدر قلی
جو جاسوسی کے لیے گیا تھا خبر لایا کہ داؤد خاں اور حاتم خاں کو چھ سات ہزار سوار کے ساتھ دوآبہ
سے روانہ کیا ہے۔ ابراہیم کے لشکر سے تین چار کوس اس طرف ڈیرے ڈالے وہ پڑے ہوئے
ہیں۔ اٹھارھویں جمادی الاخرےٰ کو ہفتہ کے دن چین تیمور سلطان۔ مہدی خاں۔ محمد سلطان میرزا
اور عادل سلطان میرزا کو تمام فوج جرانغار کے ساتھ جس میں سلطان جنید۔ شاہ میر حسین اور
قتلق قدم تھے۔ اور قول میں سے یونس علی۔ عبداللہ۔ احمدی اور کتہ بیگ کے ساتھ فوراً روانہ کیا۔
یہ لشکر ظہر کے وقت دریا سے اُتر عصر و مغرب کے درمیان میں وہاں سے چل نکلا۔ اور مغرب کے
اول وقت غنیم کے سر پر جا دھمکا۔ یہ لشکر اس طور سے بڑھا اور حملہ آور ہوا کہ اسکے قریب
ہوتے ہی دشمن کی فوج ایسی بھاگی کہ ابراہیم کی فرودگاہ کے قریب جا کر ٹھیری۔ حاتم خاں کو جو
داؤد خاں کا بڑا بھائی اور ایک سردار تھا مار کر ستر اسی قیدی اور آٹھ سات ہاتی یہ لوگ پکڑ لائے
رعب جمانے کے لیے اکثر قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ فوج کی صفیں آراستہ کر یہاں سے آگے بڑھے

معمول ہے کہ جب فوج تیار ہو کر چلنے لگتی ہے تو کمان یا چابک ہاتھ میں لیکر دستور کے موافق اُسکا تخمینہ کیا جاتا ہے۔ اور اُسی کے بموجب حکم لگایا جاتا ہے کہ اتنا لشکر ہے۔ میں اپنے لشکر کو جس قدر سمجھے ہوئے تھا تخمینہ کے وقت اُس قدر نہ نکلا۔ اسی منزل میں توقف کیا۔ تاکہ جتنے ہوسکیں چھکڑے تیار کرلیں۔ سات سے چھکڑے تیار ہوئے۔ اُستاد علی قلی کو حکم دیا کہ رومی طریقہ سے چھکڑوں کو زنجیر کے بدلے رسیوں سے باندھا جائے۔ ہر جائے دو چھکڑوں کے بیچ میں چھ سات جالی کے خانے ہوں۔ گولہ اندازان چھکڑوں اور جالیوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر گولے ماریں۔ اس سامان کے درست کرنیکے لیے پانچ چھ دن یہیں ٹھیرے رہے۔ سب اسباب لیس ہوجانے کے بعد تمام امرا اور افسران فوج کو جو بات سمجھتے تھے عام طور سے جمع کرکے مشورہ کیا۔ باتفاق آرا یہ بات قرار پائی کہ پانی پت میں مکانات اور محلے بہت ہیں۔ ایک طرف تو اُس کو رکھنا چاہیے۔ اور دوسری طرفوں کو ارابوں اور جالوں سے مستحکم کرکے گولہ اندازوں اور پیدلوں کو اُن کے پیچھے کھڑا کر دیا جائے۔ اس تجویز کے بعد کوچ کر دیا۔ ایک منزل سے چلکر جمعرات کے دن جمادی الاخرے کی سلخ کو ہم پانی پت[۱] میں آئے۔ دست راست کی طرف شہر کو رکھا اور ادھر جو چھکڑے اور جال تیار کیے تھے قائم کردیے۔ دست چپ وغیرہ کی سمتوں میں خندق کھود دی۔ اور جھانکڑ لگا دیے۔ ہر جانب ایک ایک تیر کے پرتاب سے اتنی جگہ چھوڑ دی کہ سو دیڑھ سو آدمی نکل جائیں۔ فوج کو ذرا تردد اور ہراس تھا۔ مگر یہ بیہودہ بات تھی۔ خدا نے جو قسمت میں لکھدیا ہے وہی ہوتا ہے۔ لوگوں میں یہ عیب تھا۔ لیکن اس عیب کی گرفت بھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وطن چھوڑے دو تین مہینے ہوگئے تھے۔ ایک اجنبی قوم سے کام پڑ گیا تھا۔ نہ ہم اُنکی زبان سے آشنا تھے نہ وہ ہماری زبان سے ؎

شدہ جمعے و بود جمعے پریشاں گرفتار قومے و قومے عجائب

غنیم کا لشکر جتنا سامنے تھا اُسکا تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا اور ہزار کے قریب ہاتھیوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی۔ اپنے وقت اور باپ کے وقت کا خزانہ کچھ کچھ بھرا ہوا پاس تھا۔ ہندوستان میں کیا یہ رسم ہے کہ جس وقت ایسا کام پڑتا ہے اُس وقت کچھ دن کے لیے فوج بھرتی کرلیتے ہیں۔ اس کو سر بندی کہتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو حریف ایک لاکھ فوج اور رکھ سکتا تھا۔ خدا کی قدرت نہ وہ اپنے لشکر کو راضی کرسکا نہ خزانہ تقسیم کرسکا۔ لوگوں کو راضی کیونکر کرتا اسکی طبیعت بہت ہی ممسک تھی۔ اپنے تلڑ میں روپیہ رکھنے کا مزہ تھا۔ ایک جوان آدمی تھا اور ناتجربہ کار۔

[۱] یہ مشہور قصبہ دلی سے تقریباً چالیس کوس مغرب میں ہے اور تاریخی اعتبار سے بدینوجہ مشہور مقام ہے کہ اسمیں کئی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں جنمیں سے ایک حضرت بابر کی بھی معرکہ آرائی ہے اور نیز ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج بھی دلی پر چڑھائی کرنیکے لیے اسی طرف سے آئی تھی ۱۲

نہ اُسنے آتے وقت معقول بندوبست کیا۔ نہ ٹھیرنے کا اور بھاگنے کا ٹھکانا کیا۔ جب ہم پانی پت میں ٹھیر کر چھکڑوں اور خندق سے اپنا بندوبست کر رہے تھے اُس موقع پر حملہ کرنیکا خیال نہ کیا۔ درویش محمد ساربان نے عرض کیا کہ اب ایسی احتیاط ہوگئی ہے کہ دشمن کی ہوا بھی ہمارے لشکر میں نہیں آسکتی۔ میں نے کہا کہ ازبک وغیرہ پر قیاس نہ کرنا چاہیے جس سال کہ ہم سمرقند سے چلے اور حصار میں آئے تو سب خان اور سلاطین ازبک متفق ہوکر دربند سے ہم پر چڑھائی کرنے چلے۔ ہم سب مع گھر بار تیس ہزار آدمی تھے۔ ہم نے حصار کے محلات کو خوب مضبوط کر لیا۔ دشمن فوج کی آمدرفت وغیرہ سے آگاہ تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے حصار کو پناہ کی جائے بنالیا ہے۔ اور دل میں ٹھان لی ہے کہ یہیں مرنا یہیں جینا۔ چڑھائی کا موقع نہیں ہے۔ وہ اُلٹے پھر گئے) اسکو اُس سے مشابہ نہ کر۔ یہ لوگ موقع و محل کیا جانیں خدا کی شان! جو میں نے کہا تھا وہی ہوا۔ سات آٹھ دن تک ہم پانی پت میں رہے۔ ہمارے تھوڑے تھوڑے سے سپاہی اُنکے لشکر کے پاس جاتے تھے اور بہت سوں کا مقابلہ کرنے پر ملتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے ہلتے نہ تھے۔ آخر بعض ہندوستانی امراء کے کہنے پر عمل کیا۔ مہدی خواجہ۔ محمد سلطان میرزا۔ عادل سلطان۔ خسرو شاہ۔ میر حسین۔ سلطان جنید۔ برلاس۔ عبدالعزیز میرآخور۔ محمد سلطان جنگجنگ۔ قتلق قدم۔ ولی خازن۔ محب علی خلیفہ۔ محمد بخشی۔ جان بیگ اور قراقوی وغیرہم سرداروں کو چار پانچ ہزار فوج کے ساتھ شبخون مارنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ عمدہ طور سے مجتمع نہ ہوسکے۔ اور الگ الگ بھی کچھ نہ کرسکے صبح کردی۔ دن نکلے غنیم کے لشکر کے پاس پہنچے۔ غنیم کی فوج بھی سانونی ہوگئی۔ نقارے۔ بجانی ہوئی اپنے ہاتیوں کو لیے ہوئے نکلی اگرچہ ہماری فوج نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا مگر یہ کیا کہ اتنی کثیر فوج میں سے صحیح سالم بے آنکہ کوئی پکڑا بھی گیا ہو نکل آئی۔ محمد علی جنگجنگ کے پاؤں میں تیر لگا۔ کاری نہ لگا تھا۔ پر لڑائی کے دن تک وہ کام کا نہ رہا۔ میں نے مذکورۂ بالا خبر کے سُنتے ہی ہمایوں کو اُس کے لشکر سمیت کوس ڈیڑھ کوس انکی پیشوائی کے لیے بھیجا۔ اور میں خود باقی فوج کو لے باہر نکل آیا۔ شبخون والے ہمایوں سے آملے۔ چونکہ غنیم آگے نہ بڑھا اس لیے ہم بھی واپس آگئے۔ اسی رات غلطی سے لشکر میں غل مچ گیا۔ تقریباً گھنٹہ بھر تک یہ غل رہا جن لوگوں نے ایسا غل غپاڑہ نہ سُنا تھا وہ بہت سراسیمہ ہوئے۔ بارے تھوڑی دیر بعد غل تھم گیا۔

پانی پت کی لڑائی ۱۵۲۶ء

سویرے قراول نے اطلاع دی کہ غنیم سید ھا چلا آتا ہے ہم بھی درست ہوکر سوار ہوئے۔ برنغار میں ہمایوں۔ خواجہ کلاں۔ سلطان محمد دولدائی۔ ہندو بیگ۔ ولی خازن اور پیر قلی سیستانی تھا۔ جرانغار میں مہدی خواجہ۔

دولدائی۔ میرزا۔ عادل سلطان۔ شاہ میر حسین۔ سلطان جنید۔ قتلق قدم۔ جان بیگ۔ محمد بخشی اور شاہ حسین مغل غانچی تھا۔ قول کے دستِ راست میں چین تیمور سلطان سلیمان۔ محمدی کوکلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ یونس علی۔ درویش محمد ساربان اور عبداللہ کتابدار تھا۔ قول کے دستِ چپ میں خلیفہ۔ خواجہ میر میراں۔ احمدی پروانچی۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ محب علی خلیفہ۔ میرزا بیگ ترخان تھا۔ ایراول میں خسرو کوکلتاش اور محمد علی جنگجنگ تھا۔ عبدالعزیز میر آخور کو طرح میں مقرر کیا۔ برانغار کے اوج میں ولی قزل۔ ملک قاسم اور بابا قشقہ کو مع مغلوں کے تونغمہ پر معین کیا۔ جرانغار کے اوج میں قراقوزی۔ ابوالمحمد نیزہ باز۔ شیخ جمال بازی۔ مندی اور تنگری قلی مغل کو تونغمہ پر کھڑا کیا۔ اور حکم دیا کہ جس وقت دشمن کی فوج قریب آئے تم اُسکے پیچھے ہو جانا۔ جب غنیم کا لشکر نمودار ہوا تو معلوم ہوا کہ برانغار کی جانب اُسکا زور زیادہ ہے اِس واسطے عبدالعزیز کو جو طرح میں تھا برانغار کی کمک کے لیے بھیجا سلطان ابراہیم کی فوج جو دور سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی وہ قدم اُٹھائے ہوئے چلی آتی تھی۔ ہماری فوج میں غنیم کی آمد اور انتظام کی ترکیب دیکھکر ذرا کھلبلی مچی کہ ٹھیریں یا نہ ٹھیریں۔ مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ موقع کی بات کرنی چاہیے! ایسوں سے مقابلہ ہے جو بے توقف چلے آتے ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ تونغمہ والے غنیم کے دستِ راست اور دستِ چپ سے پھر کر تیر مارنے شروع کریں۔ اور لڑائی میں مشغول ہوں۔ برانغار بھی جا پہنچے تونغمہ والے غنیم کے پیچھے سے پلٹ کر تیروں کا مینہ برسانے لگے جرانغار میں سے مہدی خواجہ سب سے آگے پہنچا۔ مہدی خواجہ کے مقابلہ میں کچھ فوج ایک ہاتی لیے ہوئے آئی۔ مہدی خواجہ والوں نے تیروں کی بھرمار سے اُس فوج کا مُنہ پھیر دیا۔ جرانغار کی کمک کے لیے قول میں سے احمدی پروانچی۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ اور محمد علی خلیفہ بھیجے گئے۔ برانغار میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔ محمدی کوکلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ یونس علی اور عبداللہ کو حکم دیا کہ قول سے آگے بڑھکے لڑائی شروع کرو۔ اُستاد علی قلی بھی قول کے آگے آکر فیر کرنے لگا۔ مصطفےٰ توپچی دستِ چپ سے خوب گولے مارنے لگا۔ تونغمہ والوں نے چاروں طرف سے غنیم کو گھیر لیا۔ اور ہنگامہ پیکار گرم کر دیا۔ دو ایک مرتبہ برانغار اور قول نے خفیف سے حملے کیے۔ پھر تلواریں سونت لیں۔ اب تو دستِ راست و دستِ چپ اور قول وغیرہ سب گڈمڈ ہو گئے۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ غبار ایسا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ آفتاب کوئی ایک نیزہ بلند ہوا ہوگا کہ جنگ مغلوبہ شروع ہوئی۔ دوپہر تک تلوار چلتی رہی۔ دوپہر ہوتے ہی دشمن پست ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا مشکل کام ہمپر آسان کر دیا کہ وہ بیشمار لشکر دوپہر کے عرصہ میں خاک میں مل گیا۔ پانچ چھ ہزار آدمی تو سلطان ابراہیم کے سا

ایک جائے مارے گئے تھے۔ باقی ہر جگہ کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے۔ ہم نے اس وقت مقتولوں کا تخمینہ اپنے نزدیک پندرہ سولہ ہزار آدمی کا کیا۔ مگر آگرے میں ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس معرکہ میں پچاس ساٹھ ہزار فوج کام آئی تھی۔ المختصر بقیۃ السیف فرار ہوئے اور ہم آگے بڑھے۔ جو امرا آگے بڑھے تھے وہ بھاگے ہوئے افغانوں کو پکڑ لائے۔ ہاتیوں کے غول فیلبانوں سمیت گرفتار کر کے لائے۔ اور نذر کیے۔ فراریوں کے عقب میں باباچہرہ وغیرہ کو اس خیال سے کہ ابراہیم ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ بہت جلد چلے جاؤ۔ اور آگرہ تک جا پہنچو۔ اس کے بعد میں لشکر ابراہیم میں آیا اور اُس کے خیموں ڈیروں کو ملاحظہ کیا۔ پھر سندآئی کے کنارہ پر ہم ٹھیرے۔ ظہر کے وقت طاہر (خلیفہ کا چھوٹا بھائی) تبریزی نے ابراہیم کی لاش بہت سی لاشوں میں پڑی ہوئی دیکھی۔ یہ فوراً اُسکا سر کاٹ لایا۔ اُسی دن ہمایوں میرزا۔ خواجہ کلاں۔ محمدی۔ شاہ منصور برلاس یونس علی۔ عبداللہ اور ولی خازن کو حکم دیا کہ ابھی چلے جاؤ۔ آگرہ پر قبضہ کر لو اور خزانے ضبط کر لو۔ مہدی خواجہ۔ محمد سلطان میرزا۔ عادل سلطان۔ جنید برلاس اور قتلق قدم کو حکم دیا کہ بھیر سے علٰحدہ ہو کر فوراً دلی چلے جاؤ اور وہاں کے خزانوں کی احتیاط رکھو۔ دوسرے دن ہم کوس بھر چلے۔ گھوڑوں کو آسائش دینے کے لیے جمنا کے کنارے پر ڈیرے کیے۔ پھر دو منزل چلکے سہ شنبہ کو دلی میں داخل ہوئے۔

دلّی میں آنا اور خطبہ پڑھوانا اوّل حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی۔ دلی کے قریب جمنا کے کنارے پر اترے۔ بدھ کی رات کو دلّی کے قلعہ کی سیر کر کے رات وہیں گزاری۔ صبح حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزارِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان علاؤالدین خلجی کے مقبروں۔ عمارتوں۔ لاٹھ۔ شمسی تالاب۔ حوض خاص۔ مقبرۂ سلطان بہلول۔ مقبرۂ سلطان سکندر اور باغ کی سیر کی۔ سیر کر کے کشتی میں بیٹھکر عرق پیا۔ ولی جگت قرلی کو دلی کا صوبہ دار اور دوست بیگ کو دلّی کا دیوان مقرر کیا۔ خزانوں پر مہریں لگا کر اُنکے سپرد کر دیے۔ جمعرات کو دلی سے کوچ کر دیا۔ اور تغلق آباد کے قریب جمنا کے کنارہ پر لشکر اترا۔ جمعہ کے دن یہاں مقام ہوا۔ مولانا محمود اور شیخ زین وغیرہ یہاں سے شہر گئے۔ دلّی کی جامع مسجد میں اُنہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ میرے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور فقراء کو بہت سا روپیہ تقسیم کر کے واپس آئے۔ ہفتہ کو اس منزل سے چلے۔ میں نے تغلق آباد کی سیر کی۔ کوچ در کوچ آگرہ چلے گئے۔ جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو نواحِ آگرہ میں پہنچے۔ اور سلیمان فرملی کے

مکان میں اُترنا ہوا۔ یہ مقام شہر سے بہت دور تھا۔ صبح یہاں سے جلال خاں جگہت کے محلوں میں جا ٹھیرے۔ ہمایوں وغیرہ پہلے سے آگئے تھے۔ قلعہ والوں نے قبضہ دینے میں حیلے حوالے کیے۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔ تاکید کی کہ خزانوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔ یہ انتظام کر کے میرے منتظر رہے۔ بکرماجیت ہندو گوالیار کا راجہ تھا۔ اور سو برس سے اُسکے بزرگ وہاں راج کرتے تھے۔ سلطان سکندر گوالیار چھیننے کے لیے کئی برس سے آگرہ کو دارالسلطنت بنائے ہوئے تھا۔ ابراہیم کے وقت میں اعظم ہمایوں اور سروانی نے کئی بار چڑھائی کی۔ آخر صلح سے گوالیار لے لیا اور شمس آباد اُسکو دیدیا۔ ابراہیم کی شکست کے زمانہ میں بکرماجیت مرگیا۔ بکرماجیت کے بال بچے اور متعلق آگرہ میں تھے۔

مشہور ہیرا کوہ نور کا ہاتھ آنا اور آگرہ پر قبضہ کرنا

جب ہمایوں آگرہ میں آیا تو بکرماجیت کی اولاد بھاگنے کے خیال میں تھی۔ ہمایوں نے سپاہی متعین کر دیے تھے اُنہوں نے روکا۔ مگر ہمایوں نے اُن کے لوٹنے اور مارنے کی اجازت نہیں دی۔ اُنہوں نے اپنی خواہش سے بہت سا جواہر ہمایوں کی نذر کیا۔ اُس میں[1] ایک مشہور ہیرا تھا جو سلطان علاؤالدین لایا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعض نے اسکی قیمت ساری دنیا کی خراج کا نصف تشخیص کی تھی۔ غالباً اُسکا وزن آٹھ مثقال ہے۔ جب میں آیا تو ہمایوں نے اُسکو میرے آگے پیش کیا۔ میں نے ہمایوں ہی کو دیدیا۔ قلعہ میں جتنی فوج تھی اُن میں ملک داد کرانی ملی سورا اور فیروز خاں میواتی ہوشیار آدمی تھے۔ انہی نے کسی قدر ہیر پھیر کی۔ انکی تادیب کے لیے کچھ لوگ بھیجے گئے۔ ملک داد کرانی نے بعض سرداروں کے وسیلہ سے عرض معروض کی۔ لوگ ادھر اُدھر آئے گئے۔ ان باتوں میں چار پانچ دن گزرے۔ آخر اُنکے مدعا کے موافق اُنکی پرورش کیگئی۔ اور جرائم معاف کر دیے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ نقد کا پرگنہ عنایت کیا۔ ان امیروں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور ابراہیم کی ماں کے رہنے کو آگرہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر دریا کے اُس طرف ایک مکان دیا۔ رجب کی ستائیسویں تاریخ ہفتہ کے دن بعد دوپہر کو شہر آگرہ میں داخل ہوا۔ سلطان ابراہیم کے محل میں اُترا۔

سنہ ۹۱۰ ہجری میں کابل فتح ہوا جب سے اب تک کابل سے ہندوستان تک کی فتح کا مجمل بیان

[1] بعض مؤرخ نے لکھا ہے کہ یہ ہیرا سلطان ابراہیم کی ضعیفہ ماں نے قلعۂ دہلی میں شہزادہ ہمایوں کی نذر کیا۔ یہی ہیرا کوہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ مغلیہ دربار سے رنجیت سنگھ والی لاہور کے پاس پہنچا اور وہاں سے ملکۂ معظمہ وکٹوریا قیصر ہند کے ہاتھ لگا۔ اب تک یہ ہیرا ملکۂ ممدوحہ کے مشکوئے دولت میں ہے ۱۲

ہندوستان لینے کی ہوس تھی۔ کبھی امرا کی بے ہمتی سے اور کبھی بھائیوں کی بغاوت سے یہ آرزو پوری
نہ ہوئی۔ آخر وہ موانع نہ رہے۔ چھوٹے بڑے امیروں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خلاف مقصود دم
مار سکے۔ ۹۲۵ھ ہجری میں بجور کا قلعہ دو تین گھنٹے میں بزور شمشیر چھین لیا۔ اور وہاں قتل عام کرکے
بھیرے میں آگیا۔ بھیرے والوں کو نہ لوٹا نہ مارا۔ جان و مال کی اُنکو امان دی۔ اور چار لاکھ شاہرخیہ کا
نقد و جنس خراج لے اہل لشکر پر تقسیم کر کابل میں آگیا۔ اُس سن سے ۹۳۲ھ تک آٹھ سات برس
میں نے پانچ حملے ہندوستان پر کئے۔ پانچویں بار اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے
سلطان ابراہیم جیسے مقابل کو زیر کرادیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک مسخر فرمادیا حضرت
رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اُدھر کے بادشاہوں میں سے
تین حملہ آور بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ایک سلطان محمود جس کی اولاد بھی مدتوں ملک ہند
پر فرمانروا رہی ہے۔ دوسرا سلطان شہاب الدین غوری۔ اس کے متعلق اور غلام برسوں
یہاں کے حکمران رہے ہیں تیسرا میں ہوں۔ مگر میری اور اُن بادشاہوں کی پوری مماثلت نہیں ہوسکتی
کیونکہ سلطان محمود نے جب ہندوستان کو لیا ہے اُس وقت سلطان کی قوت اتنی تھی کہ خراسان
اُس کے تحت میں تھا۔ شاہان خوارزم و دار المرز اُس کے مطیع تھے۔ سمرقند کا بادشاہ اُس کا
محکوم تھا۔ اُسکا لشکر حملہ کے وقت اگر دو لاکھ نہیں تو ایک لاکھ ضرور ہوگا۔ دوسرے تمام
ہندوستان میں ایک بادشاہ نہ تھا۔ مختلف راجہ تھے۔ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ تھا۔
سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ خراسان پر قابض نہ تھا مگر اُس کا بڑا بھائی سلطان
غیاث الدین غوری مالک خراسان تھا۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ سلطان مرحوم ایک لاکھ
آٹھ ہزار مسلح سواروں سے ہندوستان پر آیا تھا۔ اُس کے مقابلہ میں بھی متفرق راجہ
تھے۔ سارے ہندوستان کا ایک بادشاہ نہ تھا۔ جب میں بھیرے میں آیا ہوں تو زیادہ سے
زیادہ ڈیڑھ دو ہزار فوج میرے ساتھ ہوگی۔ اب پانچویں مرتبہ جو میں نے حملہ کیا ہے اور
سلطان ابراہیم کو شکست دیکر ہندوستان کو فتح کرلیا ہے تو سارا لشکر مع بھیر و بنگاہ بارہ ہزار
لکھا گیا تھا۔ اور کبھی اتنی جمعیت لیکر آنے کا موقع نہ ملا تھا۔ بدخشاں۔ قندھار۔ کابل اور قندز
کا ملک میرے قبضہ میں تھا۔ پر اُن کی آمدنی بہت نہ تھی۔ بلکہ بعض علاقے دشمنوں کے ملک
سے ایسے قریب تھے کہ وہاں بڑی مدد دینی پڑتی تھی۔ سارا ماوراء النہر ازبکوں کے قبضہ میں
تھا۔ اُن کی فوجیں تخمیناً ایک لاکھ کے قریب بیان کیجاتی تھیں۔ اور وہ ہمارے قدیمی دشمن تھے۔
ہندوستان کی قلمرو بھیرے سے ملک بہار تک پٹھانوں کے تحت میں تھی۔ یہاں کا بادشاہ سلطان
ابراہیم تھا۔ پانچ لاکھ سے کم اُسکی فوج نہ سمجھنی چاہیے۔ بیشک پورب کے بعض امراء اسی وقت اُسکے

مخالف تھے۔ اسپر بھی کہتے ہیں کہ تخمیناً ایک لاکھ سوار پیدل اور ہزار امرائے فیل نشین حاضر رکاب تھے۔ باایں ہمہ میں نے خدا پر بھروسا کیا۔ ازبک جیسے لاکھ دشمنوں کو پیچھے چھوڑا اور سلطان ابراہیم صاحب لشکر و ملک سے جو سلیمان حشم تھا جا بھڑا۔ خدا تعالےٰ نے میری محنت اور کوشش ضائع نہ کی۔ ایسے زبردست مقابل کو مغلوب کر دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک فتح کرا دیا۔ میں اس دولت کے حاصل کرنے کو اپنی تاب و طاقت پر محمول نہیں کرتا اور اس سعادت کے نصیب ہو جانیکو اپنی کوشش و ہمت کی بدولت نہیں جانتا بلکہ محض خدا تعالےٰ کی عنایت سمجھتا ہوں۔

ہندوستان کا بیان

ہندوستان وسیع۔ بہت آباد اور سیر حاصل ملک ہے۔ اسکے مشرق و جنوب بلکہ کسی قدر مغرب میں بھی دریائے سمندر ہے۔ شمال میں ایک پہاڑ ہے جو کوہ ہندوکش۔ کافرستان اور کوہستان کشمیر سے ملا ہوا ہے۔ اُس کے مغرب شمال میں کابل۔ غزنی اور قندھار ہے۔ ہندوستان کا دار الملک آج تک "دلی" ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بعد سے سلطان فیروز شاہ کے آخر زمانہ تک ہندوستان کا تقریباً سارا ملک شاہان دہلی کے زیر نگین رہا ہے۔ اب جبکہ میں نے اس کو فتح کیا ہے تو پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجہ یہاں حکومت کرتے ہیں۔ گو چھوٹے چھوٹے رائے اور راجہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اور بہتیرے ہیں مگر مقتدر اور مستقل یہی ہیں۔ ان میں سے ایک پٹھان تھے جن کا تسلط بہیرے سے بہار تک تھا۔ ان افغانوں سے پہلے جونپور سلطان حسین شرقی کے پاس تھا۔ انکو پوربی کہتے ہیں۔ انکے بزرگ سلطان فیروز شاہ کے دربار کے امرا میں سے تھے۔ فیروز شاہ کے بعد جونپور کے یہی مستقل بادشاہ ہو گئے۔ دلی سلطان علاؤالدین کے قبضہ میں رہی۔ یہ لوگ سید تھے۔ امیر تیمور نے دلی فتح کر کے انکو دیدی تھی۔ سلطان بہلول لودھی اور اُس کے بیٹے سلطان سکندر نے دلی سے جونپور تک قبضہ کر لیا تھا۔ دونوں دار السلطنتوں میں ایک ہی بادشاہ ہو گیا۔ دوسرا سلطان مظفر گجرات میں تھا۔ ابراہیم سے چند روز پہلے اُسکا انتقال ہو گیا۔ وہ بڑا متشرع بادشاہ تھا۔ عالم تھا۔ محدث تھا۔ اور ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ اس خاندان کو ٹانک کہتے ہیں۔ انکے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ کے اہل خدمت میں سے شرابدار تھے۔ فیروز شاہ کے بعد گجرات دبا بیٹھے۔ تیسرا دکن میں بہمنی۔ آج کے زمانہ میں بہمنی سلطنت میں دم نہیں رہا۔ اُسکا سارا ملک اُسکے بڑے بڑے امراء میں منقسم ہو گیا ہے۔ بادشاہ وقت امرا کا محتاج ہے۔ چوتھا مالوہ میں (جس کو مندو بھی کہتے ہیں) سلطان محمود تھا۔ اس خاندان کو خلجی کہتے ہیں۔ اسکو راناسانگا نے زیر کر لیا ہے۔ اور اسکے ملک کے اکثر حصے چھین لیے ہیں۔ یہ سلطنت اب بودی ہو گئی۔ انکے باپ دادا بھی فیروزشاہی امیر تھے۔ پھر مالوہ کے حاکم بن بیٹھے۔ پانچواں نصرت شاہ بنگالہ میں تھا۔ اسکا باپ بنگالہ کا بادشاہ

ہوا تھا جس کا نام سلطان علاؤ الدین تھا۔ اور جسکی قوم سید تھی۔ نصرت شاہ کو سلطنت ترکہ میں ملی ہے
بنگالہ میں سلطنت ملنے کی یہ عجیب رسم ہے کہ میراثی بہت کم ہوتی ہے۔ حقیقت میں بادشاہ تخت
ہے۔ بادشاہ کے لیے بھی اُسکی جائے معین ہے۔ اور امراء۔ وزراء اہل مناصب کے واسطے بھی ایک ایک
جائے مقرر ہے۔ گویا بنگالیوں کے نزدیک وہ تخت اور وہ جگہ ہی کچھ چیز ہے۔ اس ہر جائے سے نوکروں
چاکروں کی ایک جماعت متعلق ہے۔ جس امیر یا وزیر کا عزل و نصب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے
اُس کی جائے بدل دی جاتی ہے۔ اس جائے کے ساتھ جو حشم و خدم ہوتے ہیں وہ جدید شخص کے
متعلق ہو جاتے ہیں۔ یہی بادشاہی تخت کی صورت ہے۔ بادشاہی یوں حاصل ہوتی ہے کہ جو کوئی
بادشاہِ حال کو مار کر جھٹ پٹ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اُسی کو تمام امراء۔ وزراء۔ فوج اور رعیت بادشاہ
سمجھنے لگتی ہے۔ مقتول بادشاہ کی طرح قاتل بادشاہ کے سب مطیع ہو جاتے ہیں۔ بنگالیوں کا قول ہے
کہ ہم تو تخت کے نوکر ہیں۔ جو تخت پر بیٹھ جائے وہی ہمارا بادشاہ ہے۔ چنانچہ نصرت شاہ کے باپ
سلطان علاؤ الدین سے پہلے ایک حبشی بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر ہو بیٹھا تھا۔ مدتوں اُس نے
حکومت کی حبشی کو سلطان علاؤ الدین مار کر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہ ہو گیا۔ البتہ علاؤ الدین کے بعد اُسکا
بیٹا نصرت شاہ بطورِ وراثت اب بادشاہ ہوا۔ بنگالہ میں یہ بھی دستور ہے کہ ہر بادشاہ کو نیا خزانہ جمع کرنا
لازم ہوتا ہے۔ خزانہ جمع کرنا اُن لوگوں کے نزدیک بڑے فخر کی بات ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ خزانہ عامرہ
بلکہ تمام خانگی اخراجاتِ شاہی کے واسطے ہمیشہ سے تنخواہ میں جاگیریں مقرر ہیں۔ اُنکی آمدنی اَور
کاموں میں بالکل نہیں صرف ہوتی۔ یہ تو مسلمانوں کے پانچ بادشاہوں کا حال ہے۔ اُنکے علاوہ
مسلمان سردار صاحبِ ملک و فوج اور بہت سے ہیں۔ جو خود مختار اور ذی اقتدار ہیں ہندوؤں
میں سب سے بڑا راجہ آجکل ایک بیجا نگر والا ہے اور دوسرا رانا سانگا ہے۔ جس نے اپنی چالاکی اور
جرأت سے اقتدار حاصل کیا ہے۔ اسکا اصلی ملک چتور ہے۔ منڈو کے بادشاہوں کی کمزوری کے
زمانہ میں رنتھنبور۔ رنگ پور بھیلسا اور چندیری کے علاقے اس کے قبضہ میں آگئے۔ سنہ ۹۳۴ھ میں
عنایتِ الٰہی سے چندیری کو جو کئی برس سے دار الحرب تھا رانا سانگا کے بڑے سردار میدنی راؤ
حاکم چندیری سے دو گھڑی میں بزورِ شمشیر میں نے چھین لیا۔ اور کفار کو قتل کر کے دار الاسلام
بنا دیا۔ چنانچہ اسکا مشرح ذکر آگے آئیگا۔ ان دونوں کے علاوہ ہندوستان میں رائے اور
راجہ بہتیرے ہیں۔ بعض تو مطیع الاسلام ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ رستے دور ہیں اور اُنکے
مقامات مستحکم ہیں مسلمان بادشاہوں کی ذرا اطاعت نہیں کرتے۔ ہندوستان اقلیم اوّل
دوم اور سوم میں ہے۔ اقلیم چہارم میں اسکی کوئی جائے واقع نہیں ہے۔ یہ ایک اجنبی ملک ہے
ہماری ولایت سے دوسری دنیا ہے۔ پہاڑ۔ دریا جنگل۔ جانور۔ نباتات۔ آدمی۔ زبان۔ ہوا

اور مینہ سب اور ہے۔ اگرچہ کابل کے علاقجات میں سے گرم سیر ملک بعض چیزوں میں ہندوستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین۔ دریا۔ درخت۔ پتھر۔ قومیں اور اُنکی راہ ورسم سب ہندوستانی طریق کی۔ شمال کی طرف دریائے سندھ کے پار ہوتے ہی سارے پہاڑ میں آبادی ہے۔ اور وہ ملک کشمیر کے علاقہ میں گنا جاتا ہے جیسے پکلی اور سھمنک وغیرہ کے علاقے۔ ان علاقوں میں سے اس زمانہ میں بہت سے علاقے گو کشمیر کے تعلق سے نکل گئے ہیں لیکن پہلے داخلِ کشمیر ہی تھے۔ کشمیر سے بنگالہ تک اس پہاڑ میں بڑا وسیع ملک ہے۔ گاؤں کے گاؤں آباد ہیں۔ اور بیشمار قومیں ہیں۔ یہ پہاڑ سمندر کے کنارہ پر ختم ہوتا ہے۔ بہت تحقیق و دریافت کیا پورا حال تو کوئی نہ کہہ سکا ہاں اتنا بیان کیا کہ یہاں کی ساری مخلوق ہندوستانی ہے اور انکو کھس کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل ہند شین کو سین بولتے ہیں۔ چونکہ اس پہاڑ میں بڑا شہر کشمیر ہے اور کشمیر کو کسمیر کہا کرتے ہیں اس لیے یہ پہاڑ کھسیا میر مشہور ہے اور یہاں کے پہاڑی کھس کہلاتے ہیں کشمیر کے علاوہ اس پہاڑ میں کوئی اور بڑا شہر سُننے میں نہیں آیا۔ اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے اسکو بھی کشمیر کہتے ہوں۔ اس پہاڑ کی اجناس مشک نافہ۔ قتاس بحری زعفران سیسہ اور تانبا ہیں۔ ہندو اس کو سوالک پربت بھی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سوا رُبع کو۔ لک سو ہزار کو اور پربت پہاڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی سوا لاکھ پہاڑ۔ اس پہاڑ پر ہمیشہ برف رہتی ہے۔ ہندوستان کے بعض قطعات جیسے لاہور۔ سرہند اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے یہ پہاڑ سفید برف کا معلوم ہوتا ہے۔ کابل کے علاقہ میں اسی پہاڑ کا نام ہندوکش ہے۔ یہی پہاڑ کابل سے مشرق کی طرف مائل بہ جنوب چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ کے جنوب میں سارا ہندوستان ہے۔ اور شمال میں ملک تبت ہے۔ اسی پہاڑ میں سے بہت سے دریا نکل کر ہندوستان میں بہتے ہیں۔ سرہند کے شمال میں چھ دریا ہیں۔ سند۔ چناب۔ راوی۔ بیاج اور ستلج۔ یہ سب دریا اس پہاڑ سے نکلکے ملتان کی نواح میں جمع ہوتے ہیں۔ اور وہاں سے دریائے سند کے نام سے مشہور ہو کر مغرب کی طرف ملکِ ٹھٹا میں بہتے ہوئے دریائے عمان میں جاگرتے ہیں۔ انکے علاوہ جیسے جمنا۔ گنگا۔ رہپ۔ کودی۔ سرو۔ کندک اور بہت سی ندیاں اور دریا اسی پہاڑ سے نکل کر گنگا میں ملتے ہیں۔ اور گنگا کے نام سے مشرق کی جانب ملکِ بنگالہ میں بہتے ہوئے سمندر میں گرجاتے ہیں۔ غرض ان سارے دریاؤں کا منبع سوالک ہی ہے۔ اور بہت سے دریا ہیں جو وسطِ ہند کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں جیسے چنبل۔ بناس۔ بن بولی اور سون وغیرہم۔ یہ بھی گنگا کے ہمراہ ہو جاتے ہیں۔ وسطِ ہند کے پہاڑوں پر برف نہیں پڑتی۔ ہندوستان میں بہت پہاڑ ہیں۔ ان میں سے ایک پہاڑ شمال سے جنوب میں جاتا ہے۔ یہ پہاڑ دلی کے علاقہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس جگہ کے پتھریلی پہاڑ

ہے جسپر سلطان فیروز شاہ کا محل موسوم بہ جہان نما بنا ہوا ہے۔ یہاں سے یہی پہاڑ دلّی کی نواح میں جا بجا چھوٹی چھوٹی سنگین پہاڑیوں کی صورت کا ہوتا ہوا ملک میوات میں جاتا ہے اور میوات میں بڑا ہو جاتا ہے۔ میوات سے بیانہ کے علاقہ میں جاتا ہے۔ سیکری۔ باڑی اور دھولپور کے پہاڑ اسی کی شاخیں ہیں۔ مگر مسلسل نہیں ہیں۔ گوالیار کا پہاڑ جس کو کالپور کہتے ہیں اسی پہاڑ کا شعبہ ہے۔ رنتھمبور۔ چتور۔ منڈو اور چندیری کے پہاڑ بھی اسی کی شاخیں ہیں۔ ان میں کہیں کہیں سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ یہ پہاڑ نیچے نیچے۔ ہموار اور پتھریلے ہیں۔ اور ان میں جھاڑیاں ہیں۔ ان میں برف مطلق نہیں پڑتی۔ ہندوستان کے بعض دریا ان پہاڑوں سے بھی نکلتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر قطعات میدانوں اور ہموار زمینوں میں واقع ہیں۔ اتنے شہر اور مختلف ملک جتنے ہندوستان میں ہیں کسی ولایت میں نہیں ہیں۔ یہاں نہریں کہیں جاری نہیں ہیں۔ ہاں دریا بہتے ہیں۔ بلکہ بعض دریا بہت بڑے ہیں۔ کسی کسی شہر میں ایسا موقع بھی ہے کہ نہر جاری کیجائے۔ اور وہاں نہر بھی لے آئے ہیں۔ اسی سبب سے وہاں کی زراعت اور باغات سرسبز رہتے ہیں۔ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خریف تو برسات ہی سے ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ مینہ نہ بھی برسے تو بھی ربیع کی فصل ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے درختوں کی پودھ کو برس دو برس رہٹ سے یا چرس سے پانی دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ بڑے ہو گئے اور پھر پانی دینے کی احتیاج مطلق نہیں رہتی۔ البتہ ترکاریاں وغیرہ کو پانی دیتے رہتے ہیں۔ لاہور۔ دیپالپور اور سرہند وغیرہم کی نواح میں رہٹ سے پانی دینے کا دستور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کے گہراؤ کے برابر رسّی کے دو حلقے بناتے ہیں۔ ان دونوں میں لکڑیوں کے ٹکڑے یوں باندھتے ہیں کہ لکڑی کا ایک سرا ایک حلقہ کی رسّی میں۔ دوسرا دوسرے کی رسّی میں۔ ان لکڑیوں کے ٹکڑوں میں گھٹیاں باندھ دیتے ہیں۔ اس لکڑیوں اور گھٹیوں بندھے ہوئے حلقہ کو اُس چرخ میں ڈالدیتے ہیں جو کنوئیں کے مُنہ پر ہوتا ہے۔ اس چرخ کے سرے پر ایک چرخی دندانہ دار ہوتی ہے۔ اس چرخی کے پاس اور چرخ دندانہ دار ہوتا ہے جسکے دندانے چرخی کے دندانوں سے ٹکراتے ہیں۔ اور جس کا شہتیر سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں بیل جوتتے ہیں۔ جب بیل اس چرخ کو پھراتا ہے تو اسکے دندانے اُس چرخی کے دندانوں سے ٹکرا کر اُس کو چکر دیتے ہیں۔ چرخی کے چکر سے وہ حلقہ والا چرخ پھرتا ہے۔ اُسکے پھرنے سے حلقہ کو گردش ہوتی ہے۔ حلقہ کی گردش سے گھٹیاں اوپر پہنچ آتی ہیں۔ اور پانی گراتی ہیں۔ اس پانی کے لیے نالی بنا دیتے ہیں۔ نالی سے جہاں چاہتے ہیں پانی لیجاتے ہیں۔ دلّی۔ آگرہ اور بیانہ وغیرہم کی نواح میں چرس سے زراعت کو پانی دیتے ہیں۔

اس میں محنت بہت پڑتی ہے۔ اور گندا پن بھی ہے۔ اسکی وضع یہ ہے کہ کوئیں کے مُنہ پر ایک کنارہ کے پاس دو شاخہ لکڑی مضبوط کرکے گاڑتے ہیں۔ دونوں شاخوں کے بیچ بیچ چرخی پھنسا دیتے ہیں۔ پھر ایک بڑا موٹا موٹا گاؤدُم رسّا اس چرخی پر ڈالتے ہیں۔ رسّے کے ایک سرے میں بڑا ڈول بندھا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرا سرا بیلوں کے جوئے میں اٹکاتے ہیں۔ ایک آدمی کوئیں کے پاس کھڑا رہکر ڈول میں سے پانی بہاتا ہے۔ ایک آدمی بیلوں پر ہوتا ہے۔ بیل ہر مرتبہ رسّا کھینچکر ڈول کوئیں سے نکالتا ہے۔ ڈول کو خالی کرکے پھر کوئیں میں ڈالتے ہیں بیل دوسری جانب سے پھر آتا ہے۔ اس آنے جانے میں اکثر پیشاب اور گوبر کرتا ہے۔ خالی ڈول کوئیں میں ڈالتے وقت رسّا اس گوبر اور پیشاب میں لتھڑتا رہتا ہے۔ لتھڑا ہوا رسّا کوئیں میں جاتا ہے اور بیشتر گوبر اور پیشاب کنوئیں میں گرتا ہے۔ ایسی بھی کھیتیاں ہیں کہ اُنکو پانی دینے کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ انکو عورتیں اور مرد ڈھیکلی سے پانی دیتے ہیں۔ ہندوستان کے شہر بہت غلیظ رہتے ہیں۔ تمام شہروں اور زمین کی ایک قطع ہے۔ یہاں کے باغوں کی دیواریں نہیں ہوتیں۔ اکثر باغ میدان میں ہوتے ہیں۔ اکثر دریاؤں اور ندیوں کے کناروں پر اور جہاں گھانس ہوتی ہے برسات میں دلدل ہو جاتی ہے جس سے آمد رفت میں دقت پڑتی ہے کہیں کہیں کنوئیں اور تالاب ہیں جن میں پانی بھرا رہتا ہے۔ اتنے شہر اور اتنے ملک انہی کنوؤں اور تالاؤں سے جن میں برساتی پانی جمع ہو جاتا ہے گزران کرتے ہیں۔ ہندوستان میں دیہات بلکہ شہر بہت جلد بسجاتے اور اُجڑ جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے شہر والے جہاں برسوں سے بود و باش کرتے ہوں اگر بھاگنے پر آئیں تو ایک دن یا دو پہر میں ایسے وہاں سے کافور ہو جاتے ہیں کہ نشان تک نہیں رہتا۔ اگر لوگ بسنا چاہیں تو نہر وغیرہ کھودنے کی یا بند باندھنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ لوگ جمع ہوگئے۔ تالاب بنا لیا یا کنواں کھود لیا اور فارغ ہوگئے۔ نہ مکان بنائیں نہ دیواریں چنیں۔ ڈھیروں پھونس اور بیشمار درختوں سے جھونپڑیاں بنا لیتے ہیں۔ بس آن کی آن میں گانوں یا شہر خاصا آباد ہو جاتا ہے

جانوروں کا ذکر

ہندوستان کے مخصوص چرند جانوروں میں سے ایک ہاتی ہے۔ ہاتی کالپی کی سرحد کے قریب ہوتا ہے۔ جتنا مشرق کی جانب اوپر کو چلتے جاؤ اُتنا ہی ملتا جائیگا۔ اسی جنگل میں سے ہاتی پکڑے جاتے ہیں۔ آگرہ اور ناگپور کے علاقہ کے تیس چالیس گانوں والوں کا یہی کام ہے۔ اگرچہ ہاتی بڑے جسم کا جانور ہے مگر ایسا سدھ جاتا ہے کہ جو کہو وہ کرتا ہے۔ ہاتی کی قیمت اُسکے چھوٹے بڑے ہونے پر مقرر ہے جیسا ہاتی ویسی قیمت۔ جتنا بڑا ہوگا اُتنی قیمت زیادہ ہوگی۔ یہاں تو چار گز سے زیادہ اونچا دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اور جزیروں میں بھی ہاتی ہوتا ہے اور بڑے قد کا ہوتا ہے۔ ہاتی سونڈ کے ذریعہ سے کھاتا پیتا ہے۔ اس کے مُنہ میں اوپر کی جانب دو بڑے دانت باہر نکلے ہوئے

ہوتے ہیں۔ ان دانتوں سے وہ دیواروں اور درختوں کو زور کرکے گرا دیتا ہے۔ انہی دانتوں سے حرب اور ضرب کا کام لیتا ہے۔ ہاتی دانت بھی انسے ہی مراد ہے۔ ہندوستانی ان دانتوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور جانوروں کی طرح ہاتی کے جسم پر بال اور پشم نہیں ہوتی۔ ہندوستانیوں کے نزدیک ہاتی بڑی عزت کی چیز ہے۔ ہر سردار کے لشکر میں کئی کئی ہاتی ہوتے ہیں۔ ہاتی کام بھی بہت دیتا ہے۔ بڑے بڑے پاٹ دار اور تیزی سے بہتے ہوئے دریاؤں سے ڈھیروں اسباب پیٹھ پر لاد کر آسانی سے پار لیجاتا ہے۔ جس چھکڑے کو چار سو یا پانچسو آدمی کھینچ سکیں اُسکو دو تین ہاتی بے تھکان کھینچ لیجاتے ہیں۔ البتہ پیٹ اُس کا بہت بڑا ہوتا ہے۔ وہ تین چار اونٹوں کا دانہ اکیلا چٹ کر جاتا ہے۔ ایک جانور گینڈا ہے۔ یہ بھی بڑا جانور ہے۔ دو تین بھینسوں کے برابر موٹا ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں میں مشہور ہے کہ گینڈا ہاتی کو اپنے سینگ سے اُٹھا لیتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اُس کے ماتھے پر ایک سینگ بالشت بھر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے۔ دو بالشت کا نہیں دیکھا۔ ایک بڑے سینگ سے آبخورے کی کشتی اور طاس بنا۔ شاید کسی سے تین چار کشتیاں بھی بنجائیں۔ گینڈے کی کھال بہت دبیز ہوتی ہے۔ اگر کڑی کمان کو اتنا کھینچکر کہ بغل کھل جائے تیر مارا جائے تو تین چار انگل تیر گھس جائے۔ مشہور ہے کہ بعض جائے اُسکی کھال میں تیر اچھی طرح گھس جاتا ہے۔ اس کے دونوں کاندھوں کے اور دونوں رانوں کے کنارے خالی ہوتے ہیں۔ دور سے وہ جھول پردے کے نظر آتے ہیں۔ اور حیوانوں کی نسبت گھوڑے میں اور اس میں زیادہ مشابہت ہے۔ جیسا گھوڑے کا پیٹ چھوٹا ہے ویسا ہی اسکا پیٹ چھوٹا ہے۔ جس طرح گھوڑے کی گاچی میں ایک ہڈی ہوتی ہے اسی طرح اسکے ہوتی ہے۔ گھوڑے کے ہاتھوں میں بھی گٹے ہوتے ہیں اسکے بھی ہوتے ہیں۔ ہاتی سے یہ زیادہ درندہ ہوتا ہے۔ ہاتی کے برابر فرمانبردار بھی نہیں ہوتا۔ گینڈا پشاور اور ہشتنغر کے جنگلوں میں بہت ہوتا ہے۔ اور دریائے سرو کے جنگل میں بھی ہوتا ہے۔ ہندوستان پر جب یورشیں کی ہیں تو پشاور اور ہشتنغر کے جنگلوں میں دیکھا ہے۔ وہ اکثر سینگ مارتا ہے۔ شکاروں میں بہتوں کے سینگ مارے ہیں۔ ایک شکار میں مقصود چہرہ کے گھوڑے کو ایسا سینگ مارا کہ وہ ایک تیر کے برابر اُچھل کر گر پڑا۔ اسی سے اُسکا نام گینڈا رکھدیا۔ ایک بڑا جانور بھینسا ہوتا ہے۔ اُس کے سینگ معمولی بھینس کی طرح پیچھے کو اُلٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر چپکے ہوئے نہیں ہوتے۔ طاقتدار اور مرکھنا جانور ہے۔ ایک نیل گائے ہے۔ گھوڑے کی برابر قد۔ مگر جسم اُس سے دُبلا پتلا۔ اسکا سر بالکل نیلا ہوتا ہے۔ اور مادہ بارہ سنگے کے رنگ کی ہوتی ہے۔ شاید نر کے نیلا ہونے سے اسکو نیل گائے کہتے ہوں۔ اسکے دو چھوٹے چھوٹے سینگ ہوتے ہیں۔ گردن میں بالشت بھر سے زیادہ لمبے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں۔ آواز قوتاش جیسی ہوتی ہے۔

گائے کا سا کوہان ہوتا ہے۔ ایک کوتہ پا ہے۔ یہ سفید ہرن کے برابر ہوتا ہے۔ چاروں ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسکو کوتہ پا کہتے ہیں۔ اس کے سینگ بارہ سنگے کی طرح شاخدار ہوتے ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے۔ بارہ سنگے کی طرح اسکے سینگ بھی ہر سال جھڑتے ہیں۔ یہ بہت دوڑتا نہیں۔ اسی باعث سے جنگل کے باہر نہیں نکلتا۔ ایک قسم کا ہرن مونہ زجران جیسا ہوتا ہے۔ اسکی پیٹھ کالی ہوتی ہے اور پیٹ سفید ہوتا ہے۔ مونہ کے سینگ سے اسکا سینگ زیادہ لمبا اور سخت ہوتا ہے۔ ہندوستانی اسکو کلہرہ کہتے ہیں۔ اصل میں کالا ہرن ہے تخفیف کر کے کلہرہ کر دیا۔ اسکی مادہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کلہرہ کو پالکر اس سے جنگلی کلہرہ پکڑتے ہیں۔ پکڑنیکی ترکیب یہ ہی کہ پلے ہوئے ہرن کے سینگ میں ایک جال کا حلقہ مضبوط باندھتے ہیں اور گیند سے بڑا پتھر پاؤں میں باندھکر لٹکا دیتے ہیں۔ جب اسکو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ پھر جنگلی کلہرہ کو جہاں دیکھتے ہیں اُسپر اسکو چھوڑتے ہیں۔ یہ قسم لڑاکا بہت ہی۔ فوراً دونوں سینگوں سے لڑنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دھکیلتا ہے۔ اس دھکا پیلی میں جنگلی ہرن کا سینگ اُس جال کے حلقہ میں پھنس جاتا ہے جو خانگی ہرن کے سینگ میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر جنگلی ہرن بھاگنا چاہتا ہی تو نہیں بھاگ سکتا۔ غالباً وہ پتھر نہیں بھاگنے دیتا جسکو خانگی ہرن کے پاؤں میں باندھا ہے۔ اس ڈھنگ سے بیسیوں ہرن پکڑے جاتے ہیں۔ پکڑے ہوؤں کو سدھاتے ہیں۔ پھر اُن سے اور پکڑتے ہیں۔ ان سدھے ہوئے ہرنوں کو گھروں میں بھی لڑاتے ہیں۔ یہ خوب لڑتے ہیں۔ پہاڑوں کے دامنوں میں ایک چھوٹا ہرن ہوتا ہے بڑے سے بڑا ایک سالہ بوقلی کے برابر ہوگا۔ اس کا گوشت بڑا ہی ملائم اور مزہ کا ہوتا ہے۔ ایک گائے ہوتی ہے چھوٹی۔ بہت بڑی ہو تو ولایت کے توچقار کے برابر ہوتی ہے۔ ایک جانور میمون ہے۔ ہندوستانی اس کو بندر کہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے جس کو اُن ملکوں میں لیجاتے ہیں اور وہاں کے بازیگر اس کو ناچنا اور تماشے کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ قسم درۂ نور کے پہاڑوں میں۔ درۂ خیبر کے پہاڑوں کے دامنوں میں اور اِدھر تمام ملکِ ہند میں ہوتی ہے۔ ان مقاموں سے اوپر مقاموں میں نہیں ہوتی۔ اس کے بال زرد ہیں۔ مُنہ سفید ہے۔ دُم بہت لمبی نہیں ہوتی۔ ایک قسم کا بندر ہے جو بجور اور اُسکی نواح میں نہیں نظر آتا ہے۔ یہ قسم اُس قسم سے جسے ولایت میں لیجاتے ہیں بہت بڑی ہے۔ اسکی دُم بڑی لمبی ہوتی ہے۔ بال سفید ہوتے ہیں اور مُنہ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کو لنگور کہتے ہیں۔ ہندوستان کے پہاڑوں اور پہاڑی جنگلوں میں بکثرت سے ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے کہ اُس کے بال۔ سارے اعضاء اور مُنہ کالا ہی ہے۔ اس قسم کے بندر بعض جزائر سے آتے ہیں۔ ایک اور قسم کا جزائر میں ہوتا ہے جسکا رنگ

زرد نیلاہٹ لیے ہوئے پوستین جیسا ہوتا ہے۔ اس کا سر چوڑا ہوتا ہے۔ جسم اور بندروں سے بڑا۔ اس قسم کا بندر کٹکھنا بہت ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ہر وقت خرخر کرتا رہتا ہے کبھی چپکا نہیں رہتا۔ ایک جانور نیولا ہے چھوٹے کیس سے چھوٹا۔ درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ بعض اس کو موش خرما کہتے ہیں۔ اور اس کو مبارک سمجھتے ہیں۔ ایک جانور چوہے جیسا ہے اسکا نام گلہری ہے۔ یہ ہمیشہ درختوں پر رہتا ہے۔ درختوں پر عجب پھرتی سے چڑھتا اترتا ہے۔ پرندہ جانوروں میں مور ہے۔ نہایت رنگین اور زینت دار۔ اس کا ڈیل ڈول اس کے رنگ اور زینت کے لائق نہیں ہے جسم کلنگ کے برابر ہوتا ہے۔ مگر قد کلنگ سے ٹھنگنا۔ نر کے سر پر دو تین انگل اونچی پروں کا تاج ہوتا ہے۔ مادہ کے سر پر تاج نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ خوبصورت ہوتی ہے۔ نر اسکے پر رنگین ہوتے ہیں۔ نر کا سر سوسنی اور چمکتا ہوا ہوتا ہے۔ گردن نیلی خوشرنگ۔ گردن سے نیچے پشت ساری زرد اور نیلی ہوتی ہے۔ دُم کے پر منقش ہوتے ہیں۔ پشت کے گل چھوٹے چھوٹے پیٹھ سے دُم کے آخر تک رنگین اور منقش بڑے بڑے گل ہوتے ہیں بعض مور سر سے دُم تک آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ ان منقش اور گلدار دُم کے پروں سے نیچے چھوٹے چھوٹے پر اور جانوروں کی دُم جیسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ دُم کے چھوٹے پر اور بازو سرخ ہوتے ہیں۔ تجور اور اُس سے نیچے کے ملکوں میں یہ جانور ہوتا ہے۔ اوپر کی جانب لمغانات وغیرہ میں نہیں ہوتا۔ قرغاول سے اسکی اُڑان بہت کم ہے۔ دو ایک بار سے زیادہ نہیں اُڑ سکتا۔ اسی کم پروازی کے سبب سے اکثر پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جب آدمی کے قد کے برابر اس جھاڑی سے اُس جھاڑی تک چلنا ہو تو بھیڑیے سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ہندوستانی اسکو مور کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کوفی کے مذہب میں حلال ہے۔ اسکا گوشت مزے کا ہوتا ہے۔ تیتر کے گوشت جیسا تو ہوتا ہے مگر اونٹ کے گوشت کی طرح ذرا کراہیت سے کھایا جاتا ہے۔ ایک طوطی ہے بموسم بہار میں جب شہتوت پکتا ہے تو ننگنہار اور لمغانات میں یہ جانور آجاتا ہے۔ پھر نظر نہیں آتا۔ طوطی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے کہ اُسکو وہاں والے پالتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں۔ دوسری قسم کا طوطی اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اسکو بھی بولیاں سکھاتے ہیں۔ اسکو جنگلی کہتے ہیں۔ یہ قسم تجور اور سوات کی نواح میں بہت ہے۔ پانچ پانچ چھ چھ ہزار کے جھنڈ جابجا اُڑتے پھرتے ہیں۔ انکے اور اُنکے جسم میں فرق ہے اور رنگ ایکساں ہے۔ ایک اور قسم کا طوطی ہوتا ہے جو اس جنگلی طوطی سے چھوٹا ہے۔ اس کا سر لال ہوتا ہے اور پر بھی سرخ ہوتے ہیں۔ دُم کا سرا دو انگل کے قریب سفید ہوتا ہے۔ انہی میں سے بعض کی دُم بھی سرخ ہوتی ہے۔ یہ طوطی بولیاں نہیں بولتا۔ اسکو طوطی کشمیر کہتے ہیں۔ ایک قسم کا طوطی جنگلی طوطی سے کسی قدر چھوٹا ہوتا ہے۔ اسکی چونچ سرخ ہوتی ہے

جو بولی سکھاؤ سیکھ جاتا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا کہ طوطی اور مینا کو جو بولی سکھادو وہ بولنے لگتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ابوالقاسم جلائر نے جو میرے مصاحبوں میں سے ہے انہی دنوں میں ایک عجیب ذکر کیا۔ کہنے لگا "میرے پاس اسی قسم کا طوطی تھا۔ پنجرے پر میں نے بستنی باندھ رکھی تھی۔ طوطی نے کہا اسکو اتار ڈالو۔ میں نے اسی وقت بستنی اتار ڈالی۔ پھر ایکبار اسکا پنجرا دریا پر کھولدیا تھا۔ رستہ چلنے والے چلے جاتے تھے۔ طوطی نے کہا "لوگ جاتے ہیں یہ نہیں جاتے"۔ دروغ بگردن راوی۔ گو وہ بیان کرتا تھا مگر جب تک اپنے کانوں سے نہ سن لیں یقین نہیں ہوتا۔ ایک قسم کا طوطی ہوتا ہے نہایت شوخ رنگ۔ سرخ رنگ کے علاوہ اور رنگ بھی ہوتے ہیں۔ اسکی پوری ہیئت مجھے یاد نہیں۔ اسی سبب سے اسکا مفصل حال نہیں لکھا۔ یہ طوطی خوبصورت بہت ہوتا ہے۔ باتیں بھی کرتا ہے۔ اتنا عیب ہے کہ آواز بھونڈی ہے۔ ایسی ہے جیسے چینی کے ٹکڑے کو تانبے کے برتن پر گھسیٹنے سے آواز نکلتی ہے۔ ایک جانور مینا ہے۔ لمغانات میں مینا بہت ہوتی ہے۔ اس سے نشیبی ملک میں جو ہندوستان ہے کثرت سے ہے۔ یہ کئی قسم کی ہوتی ہے ایک قسم ہے کہ اسکا سر سیاہ اور کچھ پر سفید ہیں۔ جثہ حل یک چہری سے بڑا ہے۔ باتیں دیر میں سیکھتی ہے ایک اور قسم کی ہوتی ہے۔ اسکو پنداوی کہتے ہیں۔ بنگالہ میں ہوتی ہے۔ اسکا رنگ کالا ہوتا ہے جسم یہاں کی مینا سے چھوٹا۔ چونچ اور پاؤں زرد۔ دونوں کانوں میں پردے لٹکے ہوئے ہیں جو بدنما ہوتے ہیں۔ اسکو بنگالے کی مینا کہتے ہیں۔ باتیں خوب بناتی ہے۔ فصیح ہوتی ہے۔ ایک اور قسم کی مینا ہوتی ہے مذکورہ بالا میناؤں سے ذرا نازک۔ اسکی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ یہ باتیں نہیں کرتی۔ ان دنوں میں میں نے گنگا کا پل بندھوا کر مخالفوں کو بھگایا اور یہیں لکھنؤ اور اودھ میں آیا تو یہاں ایک طرح کی مینا دیکھی جسکا سینہ سفید۔ سر ابلق اور پیٹ سیاہ ہے۔ اس قسم کی مینا پہلے نہ دیکھی تھی۔ غالبًا یہ مینا باتیں کرنی نہیں سیکھتی۔ ایک جانور لوجہ ہے۔ اسکو بوقلمون بھی کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے صاف رنگ ہوتے ہیں۔ ایسے جیسے کبوتر کی گردن۔ قد قامت کبک دری کے برابر۔ عجب نہیں کہ ہندوستان کی کبک دری یہی ہو۔ جس طرح کبک دری پہاڑوں پر پھرتی ہے یہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھرا کرتی ہے۔ یہ جانور کابل کے علاقوں میں نجراو اور اسکے نیچے کی تمام پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ اوپر کی طرف نہیں ہوتا۔ اسکا عجیب حال سننے میں آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب جاڑا پڑتا ہے تو پہاڑ کے دامنوں میں یہ آجاتا ہے۔ ہنکانے سے یا اڑانے سے اتنا بھی اس سے نہیں اڑا جاتا کہ انگور کے درختوں پر سے اڑ جائے۔ آخر لوگ پکڑ لیتے ہیں۔ اسکا گوشت حلال ہے اور مزیدار ہے۔ ایک جانور تیتر ہے۔ ہندوستان ہی کے ملک پر منحصر نہیں بلکہ سب گرم سیر ولایتوں میں ہوتا ہے۔ البتہ بعض قسم کا تیتر سوائے ہندوستان کے دوسری ولایتوں میں

نہیں ہوتا۔ اس واسطے اسکا بیان یہاں لکھا گیا۔ اسکا قد کُلنگ یعنی کبک کے برابر ہوتا ہے پیٹھ کے پروں کا رنگ جنگلی مُرغ جیسا۔ گردن اور سینہ کالا۔ اُس پر سفید چتّیاں۔ دونوں آنکھوں کے دونوں طرف سُرخ ڈورے پڑے ہوئے۔ ایک طرح کی فریاد کرتا رہتا ہے۔ اسکی آواز سے یہ الفاظ نکلتے ہیں "بہتر دارم شکرک"۔ استرآباد وغیرہ کے تیتر کے بولنے میں یہ لفظ معلوم ہوتے ہیں "ہی تو نی لار"۔ عرب کے تیتر "بالشکر تدوم النعم" کہا کرتے ہیں۔ اس کی مادہ کا رنگ قرغاول جیسا ہوتا ہے۔ یہ جانور بجزاد سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے۔ ایک قسم کا تیتر ہوتا ہے اُسکو کنجل کہتے ہیں۔ معمولی تیتر کے برابر جسم میں۔ آواز کبک کی آواز میں بہت ملتی جلتی ملک کبک کی آواز سے۔ بھاری۔ اس کی مادہ اور نر کے رنگ میں یونہی سا فرق ہوتا ہے۔ پشاور ہشتنغر اور ان سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے۔ بالائی ملکوں میں نہیں ہوتا۔ ایک جانور ہے بکار ہے۔ جسم اور رنگ مرغی کا سا۔ ماتھے سے سینہ تک سُرخ رنگ۔ یہ جانور ہندوستان کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ ایک جنگلی مرغی ہوتی ہے۔ اس میں اور خانگی مرغی میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ قرغاول کی طرح پرواز کرتی ہے۔ ایک خانگی مرغی ہوتی ہے ہر رنگ کی۔ یہ مرغی بجور اور امان کے پہاڑوں سے نیچے اور اوپر کے ملکوں میں نہیں ہوتی۔ ایک جانور ہے بلبکار جیسا۔ مگر بلبکار اس سے بہت خوشرنگ ہوتا ہے۔ یہ بھی بجور کے کوہستان میں ہوتا ہے۔ ایک شام جانور ہے مرغ خانگی کے برابر۔ اسکا رنگ ایکساں ہے۔ بجور کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ ایک جانور پودنہ ہے۔ پودنہ اور ملکوں میں بھی ہوتا ہے مگر چار پانچ قسم کا خصوصاً ہندوستان میں ہوتا ہے۔ ایک قسم جسکو اور ملکوں میں لیجاتے ہیں۔ اس قسم کا پودنہ بڑا اور موٹا تازہ ہوتا ہے۔ ایک قسم کا پودنہ اس سے چھوٹا ہے۔ اسکے پروں اور دُم کا رنگ لال ہوتا ہے۔ خرچل کی طرح اُڑتا ہے۔ ایک اور قسم کا پودنہ ہے جو ولایت جانیوالے پودنہ سے بہت چھوٹا ہے۔ اسکے سینے اور گردن میں سیاہی زیادہ ہے۔ ایک پودنہ ہے وہ کابل کم جاتا ہے۔ یہ بھی چھوٹا سا ہوتا ہے۔ قارچہ سے کچھ بڑا۔ کابل میں اسکو قورا تو کہتے ہیں۔ ایک جانور خرچل ہے بڑے سے بڑا بوغداق کے برابر۔ کیا عجب ہے کہ یہ ہندوستان کا بوغداق ہو۔ اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ کسی کی صرف ران کا اور کسی کے تمام اعضا کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ ایک جانور حرحر ہے۔ اسکا جسم توغدری سے ذرا دُبلا ہوتا ہے۔ نر کی پیٹھ توغداق جیسی ہوتی ہے۔ اس کا سینہ کالا ہے۔ مادہ ایک رنگ ہوتی ہے۔ حرحر کا گوشت بھی مزے کا ہوتا ہے جیسا خرچل توغداق کا مشابہ ہے ویسا ہی حرحر توغدری سے مشابہ ہے۔ ایک جانور باغری قرا ہندوستان ہے۔ یہ ولایت کے باغری قرا سے چھوٹا اور پتلا ہے۔ اور جانور ہیں جو دریا کے کنارے پر رہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک وتنگ ہے۔ یہ جسیم جانور ہے۔ اسکے پروبال آدمی کے قد کے برابر ہوتے ہیں

اس کے سر اور گردن پر پر نہیں ہوتے۔ گردن میں ایک تھیلی سی لٹکتی ہوتی ہے۔ پیٹھ کا رنگ
کالا اور سر کا سفید ہے۔ یہ جانور کبھی کابل میں بھی آجاتا ہے۔ ایک سال لوگ پکڑ لائے تھے۔
خوب سدھ گیا تھا۔ گوشت کی بوٹی کو پھینکتے تھے تو جھٹ چونچ سے لپک لیتا تھا۔ ایک دفعہ چھ نعلی جوتی
لے اُڑا تھا۔ ایک دفعہ ایک جنگلی مرغ کو پروں سمیت نگل گیا تھا۔ ایک جانور سارس ہے جتنا بڑا
ہندوستان میں ہوتا ہے کہیں نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں نوربہ سے کسی قدر یہ چھوٹا ہے۔ اسکو پالا کرتے
ہیں۔ خوب ہل جاتا ہے۔ ایک سکسار ہے۔ قد سارس کے برابر اور جسم اُس سے چھوٹا۔ جسم
لکلک جیسا مگر اُس سے بہت بڑا۔ چونچ لکلک سے بڑی اور کالی۔ سر سوسنی۔ گردن سفید۔ بازو
اور پروں کے کنارے ابلق ہوتے ہیں۔ ایک جانور لکلک کی قسم ہے۔ اسکی گردن سفید۔ اسکا
سر اور سب اعضا کالے ہیں۔ اسکو غیر ملکوں میں لیجاتے ہیں۔ لکلک سے یہ بہت چھوٹا ہے۔ اسکو
ہندوستانی ایک ڈھیک کہتے ہیں۔ لکلک دوسرا جانور ہے جس کا رنگ اور وضع اُس لکلک کا سا ہے
جسکو اُن ولایتوں میں لیجاتے ہیں۔ اسکی چونچ سیاہ و سفید ہوتی ہے۔ اُس لکلک سے یہ چھوٹا ہے۔
ایک اور جانور ہے جو بگلے اور لکلک دونوں سے مشابہ ہے۔ اسکی چونچ بگلے سے بڑی اور لمبی
اور جسم لکلک سے چھوٹا ہے۔ ایک جانور برک کلاں ہے۔ بڑائی میں سمار کے برابر۔ اسکی پیٹھ بازوؤں
سے اونچی ہوتی ہے۔ ایک برک کلاں ہے۔ اسکا سر سفید۔ بازو سیاہ۔ اسکو بھی اور ملکوں میں لیجاتے
ہیں۔ ہندوستان کے برک سے یہ چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک مرغابی ہے جسکو مرغیابی کہتے ہیں مرغ نہ پوچین
سے بڑی۔ اسکے نر و مادہ کا ایک رنگ ہے۔ ہشتنغر میں تو یہ ہمیشہ ہوتی ہے اور لمغانات میں کبھی چلی جاتی
ہے۔ برک سے بہت اونچی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی۔ اسکی ناک اونچی سینہ
سفید۔ پیٹھ کالی اور گوشت مزے کا ہے۔ ایک زرنج ہے۔ لورکوٹ کے برابر ہوتا ہے اور رنگ کا کالا۔
ایک سارادر ہے۔ اسکی پیٹھ اور دُم سُرخ ہے۔ ایک الہ قرغہ ہند ہے۔ اُس ولایت کے الہ قرغہ سے
بہت دُبلا پتلا۔ گردن میں ذرا سفیدی ہوتی ہے۔ ایک اور جانور ہے براغ بغلہ جیسا لمغانات میں
اسکو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ اسکا سینہ اور سر سیاہ۔ بازو اور دُم بہت سُرخ ہے۔ اس میں اُڑان کم ہے
اسی لیے جنگل سے کم نکلتا ہے۔ اور اسی سبب سے اسکو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ ایک بڑی شپرہ ہے
جسکو چمگادڑ کہتے ہیں۔ ایک اور چمگادڑ پایا لاغ کے برابر ہوتی ہے۔ اسکا سر سُوَر اور کتے سے بہت جیسا
ہوتا ہے عجیب بات ہے کہ جس درخت میں یہ رہتی ہے اُسکی شاخ میں اُلٹی لٹکتی ہے۔ ایک جانور ہندوستان کا
عکہ ہے اسکو منیا کہتے ہیں عکہ سے کچھ چھوٹا عکہ سیاہ اور سفید رنگ کا ابلق ہوتا ہے۔ ممیا ملگجے اور سیاہ رنگ کی ابلق ہے
ایک جانور اور ہے ارک۔ ساندا اور لاخ ممولہ کے برابر۔ اسکو ممولہ کہتے ہیں۔ خوش رنگ سرخ ہے۔
بازو کے پر کسی قدر سیاہی لیے ہوئے۔ ایک جانور مکر کرچہ ہے تکالدغاج ذرا سے بہت مشابہ مگر اس سے

بڑا ہوتا ہے۔ ایک رنگ کالا ہے۔ ایک جانور کویل ہے۔ لمبان میں کوّے کے برابر۔ کوّے سے بہت دبلی۔ بولی خوب ہے۔ گویا بلبل ہندوستان یہی ہے۔ ہندوستانی اسکو بلبل سے کم نہیں سمجھتے۔ جن باغوں میں درخت بہت ہوتے ہیں اُن میں رہتی ہے۔ ایک جانور ہے شقراق جیسا۔ درختوں پر چمٹا رہتا ہے۔ شقراق ہی کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ طوطی کا سا سبز رنگ۔

آبی جانور

آبی جانوروں میں ایک شیر آبی ہے جسکا گزر بڑے بڑے دریاؤں پر رہتا ہے۔ کیلش کی سی صورت ہوتی ہو۔ کہتے ہیں کہ آدمی بلکہ بھینسے کو بھی پکڑ لیتا ہے ایک سسیار ہے۔ اسکی وضع بھی کیلش جیسی ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے اسکو پکڑ کر لائے تھے۔ چار پانچ گز لمبا تھا اس سے بھی لمبا ہوتا ہے۔ اسکی تو تھنی آدھ گز سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ اوپر اور نیچے کے جبڑے میں مہین مہین دانتوں کی قطار ہوتی ہے۔ دریا کے کنارہ پر پڑا اینڈا کرتا ہے۔ ایک دریائی سور ہے۔ یہ بھی ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اسکو پکڑ کر لائے تھے۔ چار پانچ گز کا لمبا ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اسکی تھوتھنی آدھ گز کے قریب دفعۃً پانی سے باہر نکلتی ہے۔ سر پانی سے باہر نہیں ہوتا کہ پھر پانی میں چلی جاتی ہے اسکی دُم باہر دکھائی دیتی رہتی ہے۔ اسکا جبڑا بھی سیسار کے جبڑے کے برابر لمبا ہے اور اُسی طرح دانتوں کی قطاریں ہیں۔ ایک جانور تنہ ہے مچھلی جیسا۔ آپس میں کھیلتے وقت ایسا ہو جاتا ہے جیسے مشک۔ آبی سور جو دریائے سرو میں ہوتے ہیں وہ تو کھیلتے وقت دریا سے باہر آجاتے ہیں۔ یہ مچھلی کی طرح دریا ہی میں رہتا ہے۔ ایک جانور کریال (گھڑیال) ہے۔ یہ بہت بڑا ہے دریائے سرو میں ہمارے لشکر میں سے بہت لوگوں نے اس کو دیکھا ہے۔ یہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے۔ جب ہم دریائے سرو کے کنارے پر خیمہ زن تھے تو دو ایک آدمیوں کو اسنے پکڑ لیا تھا۔ غازی پور اور بنارس کے درمیان میں بھی لشکر کے تین چار آدمی پکڑ لیے تھے۔ میں نے اسی نواح میں گھڑیال کو دور سے دیکھا ہے لیکن اچھی طرح تمیز نہیں ہوئی۔ ایک کلکہ ماہی ہے۔ اسکے دونوں کانوں کے پاس دو ہڈیاں انگل بھر کی نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسکو پکڑو تو دونوں ہڈیوں کو ہلاتا ہے۔ جس سے نئی طرح کی آواز نکلتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے لوگ اسکو کلکہ کہتے ہوں۔ ہندوستان کی مچھلیوں کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ کانٹے بھی کم ہوتے ہیں۔ بڑی چالاک مچھلیاں ہیں۔ ایک بار ایک دریا میں دو طرف جال ڈالے۔ جال ہر طرف دریا سے گز بھر اونچے تھے۔ مچھلیاں جال سے گز گز بھر اُچھل کر نکل گئیں۔ ہندوستان کے بعض دریاؤں میں چھوٹی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دھماکا ہو یا پاؤں گھنگھولنی کی آواز ہو تو ایکبار آدھ گز پانی سے اچھل جاتی ہیں۔ ایک جانور مینڈک ہے۔ یہاں کے مینڈک پانی میں سات آٹھ گز دوڑتے ہیں۔

نباتات

ہندوستان کے خاص میووں میں سے ایک انبہ ہے۔ اکثر ہندوستانی اسکی آم کو بیان بولتے ہیں۔ چونکہ وہ تلفظ برا معلوم ہوتا ہے اس لیے بعض اسکو نغزک کہتے ہیں چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں ؎

نغزکِ ما نغز کُن بوستان　　نغز ترین میوۂ ہندوستان

اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ خودرو بھی ہوتا ہے۔ مگر خودرو عمدہ نہیں ہوتا۔ اکثر کچی کیریاں توڑ لیتے ہیں اور پال ڈالکر پکاتے ہیں۔ گدری کیریاں ترشی لیے ہوتی ہیں۔ گدری کیریوں کا مربہ خوب بنتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آم ہندوستان کے عمدہ میووں میں سے ہے۔ اسکا درخت بہت بڑھتا ہے۔ بعض تو آم کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ سوائے خربوزہ کے سب میووں سے بہتر کہتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے ہاں شفتالو کی کارد سے ملتا جلتا ہے۔ برسات کے موسم میں پکتا ہے۔ اسکو ایک تو اس طرح کھاتے ہیں کہ نیچے کی طرف کو ملبلاتے ہیں۔ پھر اسکے منہ میں سوراخ کرتے ہیں اور رس چوستے ہیں۔ دوسرے یوں کھاتے ہیں کہ شفتالوکے کاردی کی طرح پوست کو علیحدہ کرکے کھاتے ہیں۔ اسکا پتا شفتالو کے پتے سے کچھ کچھ مشابہ ہے۔ تنہ بے ہنگم اور بے ڈول ہوتا ہے۔ بنگالہ اور گجرات میں اسکی کثرت ہے۔ ایک میوہ کیلا ہے جسکو اہلِ عرب موز کہتے ہیں۔ اسکا درخت بہت اونچا نہیں ہوتا بلکہ اس ڈھنگ کا ہوتا ہے کہ جسکو درخت نہیں کہہ سکتے۔ گویا گھاس اور درخت کے بین بین میں ایک چیز ہے۔ پتا امان قرا کے پتے کی صورت کا ہوتا ہے۔ مگر کیلے کا پتا تقریباً دو گز لمبا ہوتا ہے اور ایک گز چوڑا۔ پتے اور درخت کے بیچ میں سے ایک شاخ دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اسی شاخ کے منہ پر غنچہ ہوتا ہے اس غنچہ کی وضع بکرے کے دل جیسی ہوتی ہے۔ غنچہ کی جو پنکھڑی کھلتی ہے اسکی جڑ میں چھ سات کلیوں کی قطار چھوٹتی ہے یہی کلیاں کیلا ہو جاتی ہیں۔ جو شاخ دل کی صورت کی تھی وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ اور اس بڑے غنچہ کی پنکھڑیاں کھلکر کیلے کی گیل بنجاتی ہے۔ کیلے میں دو لطافتیں ہیں ایک یہ کہ اسکا چھلکا آسانی سے اتر جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسکے اندر بیج یا اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیلا بیگن سے لمبا اور پتلا ہوتا ہے۔ میٹھا خوب ہوتا ہے۔ بنگالے کے کیلے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں اسکا درخت بھی خوشنما ہوتا ہے۔ اسکے چوڑے چوڑے اور ہرے ہرے پتے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک املی ہے۔ خرمائے ہندی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے پتے میں چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں کسی قدر نو یا کے پتے سے مشابہ ہے۔ لیکن اسکے پتے نویا کے پتے سے چھوٹے ہیں۔ درخت بہت خوبصورت ہے۔ گھن کا ہے اور بڑھتا بھی بہت ہے۔ ایک مہوہ ہے۔ اسکا درخت خوشنما اور سایہ دار ہے۔ ہندوستانیوں کے مکانوں میں اکثر مہوہ کی لکڑی کام آتی ہے۔ مہوہ کے پھولوں کا عرق کھنچتا ہے۔ اسکے پھول کو مویز کی طرح سکھاکر کھاتے ہیں۔ اور اسکا عرق بھی کھینچتے ہیں کشمش جیسا

ہو جاتا ہے۔ مزہ بھی بُرا نہیں ہوتا۔ اور بو بھی اچھی ہوتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کھا سکتے ہیں۔ میوہ
جنگلی اور بستانی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کھرنی ہے۔ اسکا درخت اگر بہت اونچا نہیں ہوتا تو
چھوٹا بھی نہیں ہوتا۔ اسکا پھل زرد ہوتا ہے۔ سنجد سے پتلا ہوتا ہے۔ مزہ کچھ انگور میں ملتا ہے۔
آخر میں ذرا کسیلا پن ہوتا ہے۔ غرض بُرا نہیں ہے کھا سکتے ہیں۔ اسکا پوست چمٹا ہوا ہوتا ہے۔
ایک میوہ جامن ہے۔ اسکا پتا آل کے پتے میں کچھ ملتا ہے۔ یہ پتا گول اور سبز زیادہ ہے۔ اسکا
درخت بدشکل نہیں ہے۔ پھل ایسا ہے جیسا کالا انگور۔ مزہ میں زیادہ اچھا نہیں ہے کسی قدر
ترشی لیے ہوئے ہے۔ ایک کمرک ہے۔ اسکے پانچ پہلو ہوتے ہیں۔ بڑائی میں غنیا آلو کے برابر
ہوگی۔ اور لمبائی میں چار انگل کی۔ پکنے کے بعد زرد ہو جاتی ہے۔ اس میں گٹھلی نہیں ہوتی۔ اگر کچا
توڑو تو بہت کڑوی ہوتی ہے۔ پک کر اُسکی ترشی مزے کی ہو جاتی ہے۔ اچھا اور لطیف میوہ
ہے۔ ایک کٹھل ہے۔ یہ بڑا ہی بدصورت اور بدمزہ میوہ ہے۔ صورت بعینہ بکرے کی اوجھڑی
جیسی کیپی کی طرح سے پھولتا رہتا ہے۔ مزہ میٹھا ہے۔ اور اُسکے اندر فندق کے سے دانے ہیں
جو کسی قدر خرما سے مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر اسکے دانے گول ہوتے ہیں۔ لمبے نہیں ہوتے۔ ان دانوں
میں کھجور سے زیادہ نرم گودا ہوتا ہے۔ اسی کو کھاتے ہیں۔ بہت ہی چپچپا ہوتا ہے۔ چپچپاہٹ کی
سبب سے اکثر لوگ ہاتھ اور منہ کو چکنائی ملکر کھاتے ہیں۔ یہ درخت کی شاخ میں بھی لگتا ہے اور تنہ میں
بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت میں کُپیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک بڑہل ہے۔ سیب برابر
اسکی بو اچھی ہوتی ہے۔ عجب بے مزہ چیز ہے۔ ایک بیر ہے۔ فارسی میں اسکو کنار کہتے ہیں۔ یہ
کئی قسم کا ہوتا ہے۔ آلوچہ سے ذرا بڑا۔ ایک قسم کا بیر انگور حسینی کے برابر ہوتا ہے۔ اس قسم کا
اکثر بُرا ہوتا ہے۔ باندھو میں ایک قسم کا بیر میں نے دیکھا وہ بہت عمدہ تھا۔ ثور اور جوزا میں اسکی
پت جھڑ ہوتی ہے۔ سرطان میں جو ٹھیک برسات ہے پتے پھوٹ کر ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔
جب آفتاب دلو اور حوت میں آتا ہے تو پھل پک جاتا ہے۔ ایک کرونده ہوتا ہے۔ ہمارے ملک
جلکہ کی طرح لمبوترا گول۔ جلکہ پہاڑوں میں ہوتا ہے اور یہ میدانوں میں۔ اسکا مزہ مرمی خوان جیسا
ہے۔ مگر اُس سے اس میں مٹھاس بڑھی ہوئی ہے۔ اور تراوٹ کم ہے۔ ایک میوہ پیسالہ ہے ادھ کچری
سرخ سیب کے مشابہ۔ مزہ میں چاشنی دار۔ لذیذ میوہ ہے۔ اسکا درخت انار کے درخت سے
اونچا اور پتا بادام کے پتے جیسا۔ مگر ذرا اُس سے لمبا۔ ایک گولر ہے۔ اسکا پھل درخت کے گدے میں
لگتا ہے۔ انجیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ عجب بے مزہ پھل ہے۔ ایک آملہ ہے۔ اسکی پانچ پھانکیں
ہوتی ہیں۔ یہ ادھ کچرا ہی رہتا ہے۔ سخت اور بے مزہ چیز ہے۔ اسکا مربہ برا نہیں ہوتا۔ بڑا مفید
میوہ ہے۔ درخت خوبصورت ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک چرونجی ہے۔ اسکا درخت

پہاڑی ہے۔ اسکا مزہ بُرا نہیں ہوتا۔ گٹھلی میں سے چار مغز او ر بادام کی سی گری نکلتی ہے۔ چھوٹی ہوتی ہے اور بڑی نہیں ہوتی۔ چیرونجی کی گری گول ہے۔ ایک کھجور ہے۔ یہ ملغانات میں بھی ہوتی ہے۔ شاخیں درخت کے سر پر ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔ پتے ٹہنی کی جڑ سے سر تک دو طرفہ ہوتے ہیں۔ تنہ کھُردرا اور بدرنگ۔ پھل انگور کے خوشہ کی طرح لگتا ہے۔ مگر اسکا خوشہ انگور کے خوشہ سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔ کھجور میں دو باتیں حیوان جیسی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حیوان کا سر کاٹ ڈالو تو وہ مرجاتا ہے اسی طرح اسکے درخت کا سر تراش دو تو یہ خشک ہوجاتا ہے۔ دوسری یہ کہ جیسے حیوانات میں بغیر نر کے مادہ کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مادہ کھجور کے پھول میں نر کھجور کا پھول نہ رکھا جائے تو پھل نہیں لگتا۔ اس بیان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہے۔ شاید اس ہی سے سر مراد ہو۔ کھجور کے درخت میں یہ بھی کرتے ہیں کہ جہاں سے شاخ اور پتے پھوٹتے ہیں وہاں پنیر کی سی ایک سفید سفید چیز ہوتی ہے۔ اسی پنیر جیسی سفید چیز سے شاخ نکلتی ہے۔ جب یہ شاخ اور پتا پریشان ہوجاتا ہے تو اس سفید چیز کو پنیر کہا کرتے ہیں۔ یہ مغز چار مغز سے مشابہ ہے۔ خاصی چیز ہے۔ بُری نہیں ہے۔ اسی جائے جہاں پنیر ہوتا ہے شگاف دیتے ہیں۔ اس زخم کے پاس پتے کو اس طرح گوندھ دیتے ہیں کہ زخم میں سے جس قدر پانی نکلتا ہے اسی پر سے بہتا ہے۔ پتے کو ایک تُمیا میں ڈالتے ہیں۔ اور تُمیا کو درخت میں باندھ دیتے ہیں۔ زخم میں جو پانی نکلتا ہے وہ اس لُٹیا میں جمع ہوتا ہے۔ یہ پانی تازہ تو میٹھا ہوتا ہے۔ دو تین دن بعد پیا جائے تو کسی قدر نشہ کرتا ہے۔ ایک بار میں باڑی کی سیر کو گیا تھا۔ چنبل ندی کے کنارے پر جو مقامات ہیں اُن میں سیر کرنے گیا۔ اثنائے راہ میں ایک درہ ملا۔ وہاں اسی طرح کھجور کا رس لوگ نکال رہے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے اُسکو پیا۔ مگر تھوڑا تھوڑا پیا اسلیے نشہ کی پوری کیفیت معلوم نہ ہوئی۔ شاید بہت پیا جاتا تو اچھی طرح معلوم ہوجاتا۔ ایک نارگیل ہے اہل عرب اسکو معرب کرکے نارجیل کہتے ہیں۔ ہندوستانی ناریل غالباً ناریل غلط العام ہے۔ ناریل جوز ہندی ہے۔ اسکو پھوڑتے ہیں تو کالے کالے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ بڑے ٹکڑے کا کاسۂ عجک بنا لیتے ہیں۔ اسکا درخت بعینہٖ کھجور کے درخت جیسا ہوتا ہے۔ ساری شاخ میں پتے ہوتے ہیں۔ پتے کا رنگ کھُلا ہوا ہوتا ہے جسطرح چار مغز پر سبز پوست ہوتا ہے اسی طرح اسکے پھل پر ہوتا ہے۔ لیکن ناریل کا پوست ریشہ دار ہوتا ہے۔ جہازوں اور کشتیوں کے رستے اور رسیاں اسی پوست سے بنتے ہیں۔ جب ناریل کے پوست کو چھیل ڈالتے ہیں تو اسکا ایک طرف تین کھونٹا ہوتا ہے۔ اور اُس میں تین چار سوراخوں کے نشان ہوتے ہیں۔ دو سخت ایک نرم۔ نرم نشان کو ذرا سا کوچا دینے سے سوراخ ہوجاتا ہے۔ مغز کی ٹھیا بننے سے پہلے اندر بالکل پانی ہوتا ہے۔ سوراخ سے پانی نکالکر پیتے ہیں۔ پانی بدمزہ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کے پنیر کو پانی کر لیا ہے۔ ایک

تاڑ ہے۔ تاڑ کی شاخیں بھی درخت کے سر پہ ہوتی ہیں۔ تاڑ سے بھی کھجور کی طرح رس نکالتے ہیں اور پیتے ہیں اسکو تاڑی کہتے ہیں۔ کھجور کے رس سے اس میں نشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تاڑ کی شاخ میں گز ڈیڑھ گز تک پتا نہیں ہوتا۔ گز ڈیڑھ گز کے بعد تیس چالیس پتے شاخ پر برابر ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ ان پتوں کی لمبائی تقریباً گز بھر کی ہوتی ہوگی۔ ہندی تحریریں دفتر کے طور پر اکثر انہی پتوں پر لکھی جاتی ہیں جنکے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں وہ اس پتے کے بالے بنا کر پہنتے ہیں۔ تاڑ کے پتے سے بنالے بنے ہوئے بازاروں میں بکتے ہیں۔ اسکا گدا کھجور کے گدے سے خوبصورت اور صاف ہوتا ہے۔ ایک میوہ نارنج ہے۔ لمغانات میں چھوٹا اور ناف دار ہوتا ہے نہایت لطیف۔ نازک اور تر۔ خراسان کے نارنج کو اس سے نسبت نہیں۔ نزاکت اتنی ہوتی ہے کہ لمغانات کابل سے تیرہ چودہ فرسنگ ہے وہاں سے یہاں تک لانے میں بہت نارنج بگڑ جاتے ہیں۔ استرآباد اور سمرقند میں دو سے اسی یا ستر کوس کا فاصلہ ہے وہاں سے سمرقند میں لیجاتے ہیں۔ ان کا پوست ایسا سخت ہوتا ہے اور ان میں تری اتنی کم ہوتی ہے کہ اُس قدر خراب نہیں ہوتے۔ بجور کا نارنج بہی کے برابر ہوتا ہے، اور بہت رسیلا۔ اور نارنجوں سے زیادہ کھٹا ہوتا ہے۔ خواجہ کلاں کا بیان ہے کہ بجور میں ایک درخت سے سات ہزار نارنج توڑے تھے۔ مجھے مدت سے خیال تھا کہ نارنج نارنگ کا معرب ہے آخر وہی بات نکلی۔ بجورا اور سوات والے نارنج کو نارنگ کہتے ہیں، ایک لیمو ہے۔ کثرت سے ہوتا ہے مرغی کے انڈے برابر بڑا اور اُسی صورت کا۔ اگر اسکے ریشہ کو جوش دیکر زہر خوردہ کو پلاؤ تو زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔ ایک ترنج ہے نارنج کے مشابہ۔ بجور اور سوات والے اسے بالنگ کہتے ہیں۔ اسی لیے اُسکے مربے کو مربائے بالنگ کہتے ہیں۔ ترنج دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک میٹھا۔ بے مزہ اور دل شور اس کو کھاتے نہیں۔ اسکے مربے ڈالتے ہیں۔ لمغانات میں اسی قسم کا ہوتا ہے۔ دوسرا ترنج ہندوستان میں کھٹا ہوتا ہے۔ اسکا شربت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ ترنج اتنا بڑا ہوتا ہے جتنا چھوٹا خربوزہ۔ پوست کھردرا۔ چھلکا پتلا۔ رنگ نارنج کے رنگ سے زرد۔ درخت کا گدا بڑا نہیں ہوتا چھوٹا ہوتا ہے۔ پتا نارنج کے پتے سے بڑا۔ ایک پھل مثل نارنج کے ہے۔ وہ سنگترہ کہلاتا ہے وضع اور رنگ نارنج سے ملتا جلتا۔ اسکا پوست صاف ہوتا ہے اور ذرا ترنج سے چھوٹا درخت زردآلو کے برابر۔ پتا رنگ کے پتے جیسا۔ کھٹا بہت ہوتا ہے۔ جو شیریں ہوتا ہے وہ مزے کا ہوتا ہے۔ لیمو کی طرح یہ بھی مقوی معدہ ہے۔ نارنج کی طرح مضعف معدہ نہیں ہے۔ ایک میوہ ہے نارنج جیسا۔ یہ بڑا لیموں ہے۔ اسکو ہندوستان میں کلکل کہتے ہیں۔ بالکل قاز کا انڈا معلوم ہوتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ انڈے کی طرح دونوں سرے پتلے نہیں ہوسکے۔ اسکا پوست سنگترے جیسا شفاف ہوتا ہے۔ بہت ہی رسیلا ہوتا ہے۔ ایک اور پھل ہے جو نارنج کے مشابہ ہے۔

جسامت میں نارنج کی شکل ۔ مگر رنگ نارنجی نہیں ہوتا ۔ زرد ہوتا ہے ۔ اور بو نارنج کی سی ۔ یہ بھی بڑا کھٹا ہوتا ہے ۔ ایک اور قسم ہے نارنج جیسی ۔ اندام میں امرود کی برابر ۔ رنگ بہی کے رنگ کا سا ۔ مزے میں میٹھا ۔ مگر نارنج کی طرح مٹھاس ناگوار نہیں ۔ ایک اور پھل ہے نارنج سے مشابہ ۔ ایک کرنا ہے ۔ یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا ہے ۔ کل کل لیمو کے برابر بڑا ہوتا ہے ۔ ذائقہ میں کھٹا ۔ نارنج کے مشابہ ایک پھل اَمل بید ہے ۔ ابھی اسی سال میں میں نے اسکو دیکھا ہے ۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اگر سوئی اس میں ڈالدو تو پانی ہو جاتی ہے ۔ عجب نہیں کہ یہ اسکی کھٹاس کی تیزی سے ہو ۔ یا اسکی خاصیت ہی ایسی ہو ۔ اس کی ترشی نارنج اور لیمو کی ترشی کے برابر ہوتی ہے ۔ اسکی عمدہ قسم کملہ ہے ۔ کملہ حاجی پور اور تنک میں ہوتا ہے ۔ وہ مزے میں میٹھا چاشنی دار ہے ۔ بہت ہی خوشگوار پرہالہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی کملہ ہوتا ہے ۔ مگر اس کی سی لطافت نہیں ہے ۔ ایک نارنگی ہے ۔ حاجی پور وغیرہ میں بہت عمدہ ہوتی ہے ۔ اس میں ترشی مٹھاس لیے ہوئے ہے بلکہ مٹھاس اور کھٹاس دونوں کانٹے کی تول ہیں ۔

پھول ہندوستان میں پھول طرح طرح کے اور عمدہ ہوتے ہیں ۔ ایک پھول جاسون ہے اسکو بعض ہندوستانی کرہل کہتے ہیں ۔ اسکا درخت شاخدار ہوتا ہے ۔ گھاس کی صورت کا نہیں ہوتا ۔ اور گلاب کے درخت سے بڑا ہوتا ہے ۔ اس کا رنگ انار کے پھول سے زیادہ کھلا ہوا اور گلاب کے پھول کے برابر بڑا ہے ۔ فرق اتنا ہے کہ گلاب کی کلی ایک ہی دفعہ کھلجاتی ہے ۔ اسکی کلی پہلے ایک بار کھلتی ہے پھر اسی کھلی ہوئی کلی میں سے ایک چیز دل کی شکل کی نکلتی ہے ۔ اور اسکی پتیاں کھل کر پھول ہو جاتا ہے ۔ یہ دونوں اگرچہ ایک ہی پھول ہیں مگر اسکے بیچ میں پہلی پتیوں میں سے دل کی صورت کی ایک چیز کا نکلنا اور دوسرا پھول بنجانا ایک نادر بات ہے ۔ یہ پھول درخت میں لگا ہوا بڑی بہار دیتا ہے ۔ زیادہ پائدار نہیں ہوتا ۔ ایک ہی دن میں مرجھا کر پتیاں جھڑ جاتی ہیں ۔ برسات کے چار مہینے کثرت سے کھلتا ہے ۔ کیا عجب ہے کہ سارے برس کھلتا رہتا ہو ۔ مگر کثرت نہیں ہوتی ۔ ایک کنیر ہے ۔ یہ سفید رنگ کا بھی ہوتا ہے ۔ سرخ رنگ کا بھی ۔ اسکی جڑ اور پتے شفتالو جیسے سرخ ۔ پھول تو ہو بہو شفتالو کا پھول ہے ۔ مگر کنیر کے پھول چودہ پندرہ ایک جگہ اس طرح کھلتے ہیں کہ دور سے ایک بڑا پھول معلوم ہوتا ہے ۔ اسکے درخت کا پھیر گلبن کے درخت کے پھیر سے زیادہ ہے ۔ سرخ پھول میں بھینی بھینی بو ہوتی ہے ۔ یہ بھی برسات کے موسم میں تین چار مہینے تک برابر کھلتا ہے ۔ اور اکثر سال بھر رہتا ہے ۔ ایک کیوڑا ہے ۔ اسکی بو نہایت لطیف ہے ۔ اہل عرب اسکو کادی کہتے ہیں ۔ اتنا عیب ہے کہ ذرا خشک ہوتا ہے ۔ اسکو مشک تر کہہ سکتے ہیں ۔ بو تو اچھی ہے مگر صورت عجب طرح کی ہے ۔ پھول کی لمبائی ڈیڑھ بالشت کے قریب ۔ پتیاں لمبی لمبی خار دار ۔ یہ پتے

اوپر نیچے اس طرح لپٹے ہوئے کہ غنچہ معلوم ہو۔ اوپر کے پتّے سبز اور تازہ خاردار۔ اندر کے پتّے نرم اور سفید۔ اندر کے پتّوں میں گُلّی سے اور پتّے سے لپٹی ہوئی ایک چیز۔ معلوم نہیں یہ کیا ہے اُسکی[۱] فارسی مجھے معلوم نہ تھی اس لیے یونہی لکھدیا۔ خوشبو اسی میں سے آتی ہے۔ درخت کی ہیئت ایسی جیسے بانس کا درخت جس کا ابھی تنہ نہ ہوا ہو۔ پتّے بہت چوڑے خاردار۔ تنہ بے ڈھنگا اِدھر اُدھر شاخیں پھیلی ہوئی۔ ایک کیتکی ہے کیوڑے میں ملتی ہوئی۔ مگر اُس ـــ پھول بہت چھوٹا رنگ زیادہ زرد اور بو ہلکی۔ اکثر پھول جو ولایت میں ہوتے ہیں جیسے گلاب اور نرگس وغیرہ سب ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ سفید یاسمن بھی ہوتی ہے۔ سکو چنبیلی کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی یاسمن سے کہیں بڑی۔ خوشبو خوب تیز۔ ایک چمپا ہے۔ اسکا درخت بڑا اونچا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس پھول کی بو نہایت اچھی ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنفشہ یا نرگس کا پتا ہے۔ رنگ اس کا زرد ہوتا ہے۔ صورت سوسن میں ملتی ہوئی۔ مگر سوسن کا پھول بڑا ہوتا ہے۔

موسم وغیرہ

ہمارے اُن ملکوں میں چار فصلیں ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں تین۔ چار مہینے گرمی چار مہینے برسات اور چار مہینے جاڑا۔ مہینوں کی ابتدا ماہِ ہلالی کے وسط سے ہوتی ہے۔ ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھادیتے ہیں۔ پہلے تیسرے برس برسات میں۔ پھر جاڑے میں۔ پھر گرمی میں۔ ان کا کبیسہ یہی ہے۔ مہینوں کے نام یہ ہیں: چیت۔ بیساکھ۔ جیٹھ۔ اساڑھ۔ (گرمی کے مہینے حوت۔ حمل۔ ثور۔ جوزا کے موافق) ساون۔ بھادوں۔ کوار۔ کاتک (برسات بمطابق سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان) اگن۔ پوس۔ ماہ۔ پھاگن (جاڑا۔ موافق عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو) ہندوؤں کے موسموں کو چار چار مہینوں میں مقرر کیا ہے۔ ہر موسم میں دو دو مہینوں کو گرمی۔ برسات اور جاڑے کے لیے مخصوص کیا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں سے آخر کے دو مہینوں جیٹھ اور اساڑھ کو گرمی کا چلّہ کہتے ہیں۔ برسات کے مہینوں میں سے اوّل کے دو مہینوں ساون بھادوں کو برسات کے مہینے مقرر کرتے ہیں۔ جاڑے کے مہینوں میں سے بیچ کے دو مہینوں پوس اور ماہ کو جاڑے کا چلّہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے انکے ہاں چھ فصلیں ہوگئیں۔

دنوں کے نام

دنوں کے نام بھی انہوں نے رکھ لیے ہیں وہ یہ ہیں: سنیچر (شنبہ) اتوار (یکشنبہ) سوموار (دوشنبہ) منگل (سہ شنبہ) بدھ وار (چارشنبہ) برسپت وار (پنجشنبہ) سکروار (جمعہ)

وقتوں کی تقسیم اور نام

ہمارے ہاں رات دن کو چوبیس حصّوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر حصّہ کو گھنٹہ کہتے ہیں۔ ہر گھنٹہ ساٹھ پر تقسیم کرکے ہر حصّہ کو دقیقہ کہتے ہیں۔ جو رات دن میں ایکہزار چار سو چالیس

[۱] معلوم ہوتا ہے یہ فقرہ مترجم فارسی کا ہے ۱۲

ہوتے ہیں۔ (دقیقہ کی مقدار تقریبًا یہ ہے کہ چھ مرتبہ سورۂ الحمد مع بسم اللہ پڑھی جائے۔ اس حساب سے آٹھ ہزار چھ سو چالیس دفعہ سورۂ موصوفہ مع بسم اللہ ایک رات دن میں پڑھی جاتی ہے) اہلِ ہند نے رات دن کے ساٹھ حصّے کیے ہیں۔ ہر حصّہ کو گھڑی کہتے ہیں۔ پھر رات کے چار اور دن کے چار حصّے کیے ہیں۔ اس ہر حصّہ کو پہر کہتے ہیں۔ (جو فارسی میں پاس کہلاتا ہے) اُس ملک میں پاس اور پاسبان سُنتے تھے۔ اُس کی حقیقت اب کھلی۔ اس کام کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لوگ مقرر ہیں۔ انکو گھڑیالی کہا کرتے ہیں۔

گھڑیال اور اُسکا بجانا

پیتل کی ایک چوڑی گول چیز بنائی ہے طباق کے برابر۔ دو اُنگل موٹی اسکا نام گھڑیال ہے۔ اس گھڑیال کو کسی اونچی جگہ لٹکاتے ہیں۔ نیچے ایک نندولا ہوتا ہے۔ اُس میں پانی بھر دیتے ہیں۔ ایک کٹورے کے پیندے میں چھید کرکے نندولے میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ کٹورا گھڑی بھر میں نیچے والے سوراخ کے ذریعہ سے بھر جاتا ہے۔ گھڑیالی ہر وقت اس طاس پُر آب کو دیکھتے رہتے ہیں۔ جب کٹورا بھر جاتا ہے تو اُلٹ دیتے ہیں اور گھڑیال بجا دیتے ہیں۔ بجانے کا ڈھنگ یہ ہے کہ مثلاً صبح سے ایک نندولا بھر کر کٹورا ڈالدیا پہلا کٹورا بھرا اور موگری سے گھڑیال کو ایک دفعہ بجا دیا۔ دوسری بار بھرا۔ دو بجا دیئے۔ اسی طرح پہر کے تمام ہونے تک بجاتے رہے۔ پھر جب تمام ہوتا ہے تو متواتر یعنی گجر بجا دیتے ہیں۔ یہ پہر تمام ہونے کی علامت ہے۔ اگر دن کا پہلا پہر ہے تو گجر بجانے کے بعد ذرا ٹھیر کر ایک بجاتے ہیں۔ دوسرا پہر ہوتا ہے تو دو۔ تیسرے پر تین اور چوتھے پر چار۔ بس دن تمام ہوا۔ اب رات کا پہر اسی طرح ایک سے شروع کیا اور چار پر تمام کر دیا۔ اس سے پہلے گھڑیالوں کا دستور تھا کہ بطریق مذکور رات دن میں جس وقت پہر تمام ہوتا اُس وقت پہر کی علامت بجاتے تھے۔ رات کو جن کی آنکھ کھلجاتی وہ یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ دوسرا پہر ہے یا تیسرا پہر۔ میں نے حکم دیا کہ رات اور دن میں گھڑیوں کے بجانے کے بعد بھی پہر کی علامت بجا کرے۔ مثلاً پہلے پہر کی تین گھڑیاں بجانے کے بعد ذرا ٹھیر کر ایک پہر کی علامت بجا دو۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ تین گھڑی پہلے پہر کی ہے۔ اسی طرح تیسرے پہر کی چار گھڑیاں بجانے کے بعد توقف کیا جائے اور پہر کی علامت تین دفعہ بجائی جائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ تیسرے پہر کی چار گھڑیاں گزری ہیں۔ یہ بات اچھی ہوگئی۔ رات کو جس وقت جس کی آنکھ کھل جائیگی اور کان میں گھڑیال کی آواز آئے گی وہ جان جائیگا کہ کونسے پہر کی گھڑیاں بجی ہیں۔ ہر گھڑی کے بھی ساٹھ حصّے کیے ہیں۔ اس حصّہ کا نام پل رکھا ہے۔ رات دن کے تین ہزار چھ سو پل ہوئے۔ پل کی مقدار ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھولنے کے برابر بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے آنکھ کا کھلنا اور بند ہونا رات دن میں ستر ہزار دو سو مرتبہ ہوا۔ ہمنے جو پل کی مقدار کا تجربہ کیا

تو ہر پل میں تقریباً آٹھ دفعہ قل ھو اللہ مع بسم اللہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اس حساب سے رات دن میں اٹھائیس ہزار تین سو مرتبہ سورۂ موصوفہ مع بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں۔

وزن ہندیوں نے وزن اس طرح مقرر کیا ہے: آٹھ رتی کا ایک ماشہ۔ چار ماشے کا ایک ٹانک (۳۲ رتی) پانچ ماشے کا مثقال (۴۰ رتی) بارہ ماشے کا ایک تولہ۔ چونسٹھ تولے کا ایک سیر۔ چالیس سیر کا ایک من (یہی ہر جگہ مقرر ہے) بارہ من کی ایک مانی سو مانی کا ایک میناسا ہوتا ہے۔ جواہر اور موتی کو ٹانک سے تولتے ہیں۔

عدد ہندوستانیوں نے عدد کی مقدار بھی خوب معین کی ہے۔ سو ہزار کو ایک لاکھ۔ سو لاکھ کو کروڑ۔ سو کروڑ کو ارب۔ سو ارب کو کھرب۔ سو کھرب کو نیل۔ سو نیل کو پدم۔ سو پدم کو سانک کہتے ہیں۔ عدد کا اس تعداد پر مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ہند بہت مالدار ہیں۔

اقوام ہندوستانی اکثر بت پرست ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہندو کہلاتے ہیں۔ ہندو لوگ بیشتر مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں۔ ہندو نوکری پیشہ، عملے دار اور پورے کارگزار ہیں۔ ہمارے ملک میں صحرا گرد لوگوں میں ہر قبیلہ کا نام جدا ہے۔ یہاں مختلف قطعات اور مختلف دیہات میں بھی قوموں کے نام الگ الگ ہیں۔ ہر حرفت والا اپنا جدی پیشہ کرتا ہے۔

ہندوستان کی نسبت مجمل رائے ہندوستان میں لطافت کم ہے۔ لوگ نہ حسین ہیں نہ میل جول کے اچھے ہیں۔ نہ انکا ادراک اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نہ ان میں مروت، مہربانی اور ادب ہے۔ ہنروں اور کاموں کی ترکیب بھی اچھی نہیں۔ گھوڑا یہاں عمدہ نہیں ہوتا۔ گوشت اچھا نہیں ہوتا۔ انگور، خربوزے اور میوے اچھے نہیں ہوتے۔ برف نہیں۔ ٹھنڈا پانی نہیں۔ بازاروں میں جو کھانے اور روٹیاں بکتی ہیں وہ سب خراب۔ حمام، مدرسہ، شمع، مشعل اور شمعدان کا نام نہیں۔ شمع اور مشعل کی جگہ چیکٹ اکٹھا کر کے جلاتے ہیں۔ اور اسکو ڈیوٹی کہتے ہیں۔ الٹے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تپائی لیتے ہیں۔ اس تپائی کے ایک پایہ کے کنارے میں شمعدان کے سر کی طرح ایک لوہے کو خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ انگوٹھے کے برابر پلیتا آہن دار لکڑی کے دوسرے پایہ میں باندھ دیتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ میں ایک خشک کدو رکھتے ہیں اس میں باریک سوراخ کرتے ہیں۔ جس سے تیل ٹپکتا ہے۔ اس کدو میں تیل بھر دیتے ہیں۔ جب پلیتے پر ڈالنے کی حاجت ہوتی ہے تو اس کدو سے تیل ٹپکاتے ہیں۔ کدو کے سوراخ سے تیل کی بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں۔ مقدور داروں کے ہاں ایسی ڈیوٹیاں سو دو سو ہوتی ہیں شمع اور مشعل کی جائے اسی کو برتتے ہیں۔ بادشاہوں اور امیروں کے سامنے بھی رات کو ضرورت کے وقت یہی چیکٹ کے ڈیوٹ شمع کے بدلے لاکر پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سوائے ندیوں اور بڑے دریاؤں کے نالوں وغیرہ میں پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ باغوں اور مکانوں میں نہریں نہیں ہوتیں

عمارتیں ہوادار مصفّا اور خوش قطع نہیں۔ عوام ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ ناف سے دو مٹھی نیچے ایک کپڑا باندھتے ہیں اسکو لنگوٹا کہتے ہیں۔ یہ ایک آڑا کپڑا لپٹا ہوا ہی۔ اسکے نیچے کا آڑا کونا لٹکا رہتا ہی۔ اسکا دوسرا کونا اور ہے۔ جب لنگوٹا باندھتے ہیں تو اس کونے کو دونوں رانوں کے بیچ میں سے لیکر پیچھے گھرس دیتے ہیں۔ اس لنگوٹے کو خوب مضبوط باندھتے ہیں۔ عورتیں ایک لنگی باندھتی ہیں آدھی کمر میں باندھتی ہیں اور آدھی سر سے اوڑھتی ہیں۔ ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وسیع ملک ہے۔ اُس میں سونا چاندی بہت ہے۔ برسات کی ہوا نہایت اچھی ہوتی ہی۔ برسات میں کبھی ایسا ہوتا ہی کہ دن بھر میں دس پندرہ اور بیس دفعہ مینہ برس جاتا ہی۔ بارش کے موسم میں ایکبارہی رو آجاتی ہی اور ایسی آتی ہی کہ جہاں پانی کی بوند نہیں ہوتی وہاں دریا بہنے لگتا ہے۔ مینہ برستے میں اور مینہ برسنے کے بعد بڑے مزے کی ہوائیں چلتی ہیں۔ چنانچہ ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اور اعتدال کے ساتھ چلتی ہے۔ اتنا عیب ضرور ہی کہ مرطوب بہت ہوتی ہے۔ یہاں کی برسات میں ہمارے ملک کی کمان سے تیراندازی نہیں ہو سکتی تیر بیکار رجاتا ہی۔ کمان ہی پر کیا منحصر ہی بلکہ جیبہ۔ کتاب۔ لباس اور اسباب وغیرہم سب میں سیل دوڑجاتی ہے۔ مکان سارے بے جوڑ ہوجاتے ہیں۔ علاوہ برسات کے جاڑے اور گرمی میں بھی مزے کی ہوائیں ہوتی ہیں۔ شمالی ہوا ہمیشہ چلتی رہتی ہے جسکے ساتھ گرد وغبار اتنا اُڑتا رہتا ہے کہ کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی کو یہاں آندھی کہتے ہیں۔ ثور اور جوزا میں گرمی ہوتی ہے مگر اس قدر بے اعتدال گرمی نہیں جیسے بلخ اور قندھار میں۔ یہاں کی گرمی کی مدّت بھی وہاں سے آدھی ہوگی۔ ہندوستان میں ایک عمدگی یہ بھی ہے کہ ہر فرقہ اور حرفت کا آدمی کثرت سے ہے۔ اور ہر کام اور ہر چیز کے لیے ہزاروں آدمی موجود ہیں۔ جن کے ہاں باپ دادا کے وقت سے وہی کام ہوتا آیا ہے۔ ظفرنامہ میں مُلّا شرف الدین علی یزدی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر تیمور نے جب سنگین مسجد بنوائی ہے تو آذربائیجان۔ فارس۔ ہندوستان وغیرہ ملکوں کے دو سو سنگتراش کام کرتے تھے۔ اور اس تعداد کو وہ بہت خیال کرتے ہیں۔ میں نے جو عمارت صرف آگرہ میں بنوائی ہے اُس میں آگرہ ہی کے چھ سو اسی سنگتراش لگے ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ سیکری۔ بیانہ۔ دولت پور۔ گوالیار اور کول میں ایک ہزار چار سے اکیانوے سنگتراش روزانہ میرے مکانوں میں کام کرتے ہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ہر کام اور پیشہ کا آدمی ہندوستان میں بیشمار ہے۔

اس وقت جو ملک قبضہ میں ہے

بھیرے سے بہار تک اب جتنا ملک میرے قبضہ میں ہے باون کروڑ روپے کا ہے۔ اس میں سے اٹھ یا نو کروڑ کے علاقے اُن راجاؤں اور رئیسوں کے تصرف میں ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے اطاعت کی ہے۔ اور یہ جاگیریں نسلاً بعد نسل انکو گزاشت کر دی گئی ہیں۔ ہندوستان کے باشندوں اور مقامات وغیرہ کی کیفیتیں اور خصوصیتیں

جس قدر اب تک معلوم ہوئی ہیں وہ لکھدی گئیں۔ آیندہ جو اور باتیں قابلِ بیان دیکھوں یا سنونگا وہ لکھدونگا۔

تقسیم انعامات

رجب کی اُنیتسویں تاریخ ہفتہ کے دن خزانے ملاحظہ کرنے اور بانٹنے شروع کیے۔ ہمایوں کو ستر لاکھ تو ایک خزانہ سے عطا ہوئے۔ اور کئی خزانے یونہی بے دیکھے بھالے دیدیے۔ کئی امیروں کو دس دس لاکھ۔ آٹھ آٹھ لاکھ اور چھ چھ لاکھ مرحمت کیے۔ لشکر میں جو افغان۔ ہزارہ۔ عرب اور بلوچ تھے اُنکو اُنکی قدر کے موافق خزانہ سے بہت کچھ نقد انعام دیا گیا۔ سوداگر۔ طالبعلم اور ہر قسم کے لوگ جس قدر بھیر میں ہمراہ تھے سبنے اس انعام سے پورا حصّہ لیا۔ اور سب خوش ہوئے۔ جو لوگ اس یورش میں ساتھ نہ آئے تھے اُنکو بھی ان خزانوں میں سے انعام پہنچا۔ چنانچہ کامران کو ستر لاکھ۔ محمد زمان میرزا کو پندرہ لاکھ اور عسکری و ہندال بلکہ سارے چھوٹے بڑے عزیزوں اور یگانوں کو بہت کچھ روپیے۔ اشرفیاں۔ کپڑا۔ جواہر اور غلام وغیرہم بطریق سوغات بھیجے گئے۔ اُس طرف کے امرا اور سپاہیوں کو اکثر خطوط روانہ ہوئے۔ سمرقند۔ کاشغر۔ خراسان اور عراق میں جو یگانے تھے اُنکو بھی سوغاتیں ارسال ہوئیں۔ سمرقند اور خراسان کے مشائخ وغیرہ کو نذرانے بھیجے گئے۔ مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کو بطریق نذر روپیوں اور اشرفیوں کے بدرے روانہ کیے۔ کابل کے علاقہ کی رعایا میں زن و مرد کو فی آدمی ایک ایک شاہرخی انعام دی گئی۔

ملک کے باغیوں کا ذکر

ہم جو آگرہ میں پہلے پہل آئے تو ہمارے لوگوں میں اور یہاں والوں میں باہم بیحد نفرت اور غیریت تھی۔ رعایا اور سپاہی ہمارے آدمیوں کی آواز سے کوسوں بھاگتے تھے۔ تھوڑے ہی دن میں دلی۔ آگرہ اور اور مقامات کے لوگوں نے جہاں قلعے تھے قلعے مضبوط کرلیے۔ اور سب آمادۂ فساد ہوگئے۔ کسی نے اطاعت نہ قبول کی۔ سنبھل میں قاسم سنبھلی۔ بیانہ میں نظام خاں۔ میوات میں حسن خاں میواتی۔ (ان فتنوں اور فسادوں کا بانی یہی مرتد ملحد تھا) دھولپور میں محمد زیتون۔ گوالیار میں تاتار خاں (سارنگ خانی) رابری میں حسین خاں (نوحانی) اٹاوہ میں قطب خاں اور کالپی میں عالم خاں تھا۔ قنوج اور گنگا کے اُس طرف کا سارا مُلک اُن پٹھانوں کے قبضہ میں تھا جو ابراہیم کے مرنے سے دو برس پہلے باغی ہوگئے تھے جیسے نصرت خاں (نوحانی معروف فرملی) وغیرہ امرا۔ جب میں نے ابراہیم کو مارا ہے تو یہ لوگ قنوج اور اُدھر کے علاقوں کو دبا کر قنوج سے دو تین کوس اس جانب آپڑے۔ انہوں نے بہار خاں پسر دریا خاں کو اپنا بادشاہ بنایا اور اُسکا لقب سلطان محمد رکھا۔ مہابن کے علاقہ میں مرغوب نام ایک غلام تھا وہ قریب ہی پھرتا رہا۔ مگر یہاں نہیں آیا۔

اپنے ساتھیوں کی بد دلی

جب میں آگرہ میں آیا ہوں تو گرمی کا موسم تھا۔ لوگ مارے ڈر کے ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ ہمارے آدمیوں کے لیے غلّہ اور جانوروں کے واسطے گھانس دانہ میسّر نہ آتا تھا۔ راجہ اور زمیندار غیریت اور نفرت کے سبب سرکش ہوکر لوٹ کا مچا رہے تھے۔ رستے بند تھے۔ ہمکو اتنی فرصت نہ ملی کہ خزانہ کا مُنہ کھول دیتے۔ ہر پرگنہ اور ہر ضلع میں آدمی مقرر کرتے۔ دوسرے اُس سال گرمی اس شدّت کی پڑی کہ لوگ لُو کے مارے مرجاتے تھے۔ ان وجوہات سے امراء اور اچھے اچھے سپاہیوں کے جی چھوٹ گئے۔ ہندوستان میں رہنے کو اُن کا دل نہ چاہتا تھا۔ بلکہ یہاں سے کھسکنے لگے۔ خیر بوڑھے اور تجربہ کار امراء کا ایسا کرنا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے بیوقوف ہیں کہ ان باتوں کے مُنہ سے نکالنے کے بعد کی بُرائی بھلائی اور بہتری بدتری کو نہیں سمجھتے۔ ان سب نے جب ایک کام کا ارادہ کرلیا تو پھر اسکے بیان کرنے سے کیا فائدہ۔ سارے چھوٹے بڑوں کی ایسی نالائق باتیں کیسی بیجا ہیں۔ طرفہ یہ کہ ایکے جو میں کابل سے چلا تو بہت سے نئے لوگ ہیں جنکو مرتبۂ امارت نصیب ہوا۔ انسے مجھ کو یہ امید تھی کہ اگر میں جلتی آگ میں گرونگا تو یہ میرے ساتھ گر پڑینگے۔ اور اگر میں بہتے پانی میں گرونگا تو میرا ساتھ دینگے جہاں میرا پسینہ گریگا وہاں اپنا خون گرائینگے۔ نہ کہ میری طبیعت کے خلاف باتیں کرینگے جس بات میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں اور بالاتفاق اُسکے کرنیکا ارادہ کرتا ہوں مشورہ سے پہلے یہ لوگ اُس بات سے انحراف کرجاتے ہیں۔ اور لوگ گر بد نکلے تو احمد پروانچی اور ولی خازن اُنسے بدتر نکلے۔ کابل سے چل کر ابراہیم کو زیر کرنے کے بعد آگرہ فتح ہونے تک خواجہ کلاں نے اچھے اچھے کام کیے۔ اور ہمّت والوں اور مردوں کی سی باتیں کیں۔ مگر آگرہ لینے کے بعد چندہی روز میں اُس کی رائے پلٹ گئی۔ سب سے زیادہ جانے پر خواجہ کلاں ہی پلا ہوا تھا۔

ایک پُر اثر تقریر

جب مجھے لوگوں کی بددلی معلوم ہوئی تو سارے امراء کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ جس طرح سلطنت اور جہانگیری کے لیے اسباب اور ہتھیار کا ہونا لازم ہے اسی طرح بادشاہی اور امیری بے آدمیوں اور مُلک کے ناممکن ہے۔ غور کرو! مدّتوں کوشش کی۔ محنت اُٹھائی۔ فوجیں لیکر چڑھائیاں کیں۔ ہم نے اپنی جان کو اور فوجوں کو لڑائی کی جلتی آگ میں ڈالا۔ خدا نے فضل کیا کہ ایسے ایسے زبردست دشمن زیر کیے۔ یہ وسیع ملک ہاتھ آیا۔ اس وقت کونسی بھیڑ پڑی ہے اور کیا دباؤ ہے کہ جس ملک کو اتنی جانکاہی سے لیا ہے اُسکو یونہی چھوڑ کر کابل چلتے بنیں۔ اور تنگدستی کی بلائیں پھنسیں۔ جو میرا دوست ہو وہ بیہودہ باتیں مُنہ سے نہ نکالے جسکو ٹھیرنے کی تاب نہو اور جو جانا چاہے وہ بسم اللہ کہے۔ یہ معقول تقریر سُنا کر خواہ مخواہ لوگوں کو ان خیالوں سے باز رکھا اور اُنکے دلوں سے اندیشہ نکالا۔

خواجہ کلان وغیرہ امراء کا کابل جانا

چونکہ خواجہ کلان کا دل اُکھڑا ہوا تھا یہ تجویز کی کہ خواجہ کلاں سوغاتیں وغیرہ لیجائے۔ اسکے ساتھ بھیڑ بھاڑ بھی بہت ہے۔ اور کابل و غزنی میں ایک سردار ہی۔ یہ وہاں جاکر انتظام کرے۔ غزنی۔ کردیز اور ہزارہ سلطان مسعودی خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ ہندوستان میں بھی کہرام کا پرگنہ جسکی آمدنی تین چار لاکھ کی ہوگی اُسکو دیدیا۔ میر میراں کو بھی حکم دیا کہ کابل چلا جائے۔ سوغاتیں اُسی کے سپرد کیں۔ خواجہ کلاں ہندوستان سے اتنی نفرت رکھتا تھا کہ چلتے وقت دلی میں جو مکان تھا اُسکی دیوار پر یہ شعر لکھ گیا ؎

اگر بخیر و سلامت گزار سند شود | سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند شود

خیال کرنے کا مقام ہے کہ جب میں ہندوستان میں ہوں تو اُس موقع پر ایسا ظرافت آمیز شعر کہنا اور لکھنا کیسا ہے۔ اگر ایک کدورت اُس کے جانے سے ہوئی تو یہ شعر اُسپر طرہ ہوگیا۔ میں نے بھی فی البدیہ یہ رباعی کہی۔ انہی دنوں میں ملا آپاق کو (جو پہلے تو کچھ بھی درجہ کا نہ تھا۔ مگر دو تین سال ہوئے کہ اس نے اپنے بھائی بندوں کو اکھٹا کرکے کسی قدر جمعیت بہم پہنچالی ہے) کوئل کی طرف روانہ کیا۔ اور دک زئی اور بعض سندی افغانوں کو اُسکے ساتھ کردیا۔ اُس طرف کے ترکش بندوں اور سپاہیوں کو استمالت کے فرمان بھیجے۔ شیخ کورن بڑے خلوص اور اعتقاد کے ساتھ حاضر ہوا۔ میان دوآب والے دو تین ہزار ترکش بندوں کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ یونس علی راستہ بھولکر ہمایوں سے جدا لگ ہوگیا تو علی خاں کے بیٹوں اور عزیزوں وغیرہ سے دہلی اور آگرہ کے بیچ میں اُسکی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد یونس علی نے حریفوں کو زیر کرلیا۔ اور علی خاں کے بیٹوں کو پکڑ کر وہ لے آیا۔ دولت قدم ترک کے بیٹے مرزا مغل کو علی خاں کے بیٹوں میں سے جو قید تھے ایک بیٹے کے ساتھ کیا اور علی خاں کے پاس استمالت کا فرمان دیکر روانہ کیا۔ یہ علی خاں ان جھگڑوں میں میوات چلا گیا تھا اُسکو اس ملک میں سے پچیس لاکھ کے پرگنے عنایت کیے۔ سلطان ابراہیم نے مصطفٰے فرملی اور فیروز خاں سارنگ خانی کو مع چند امراء کے پورب کے باغیوں کی سرکوبی پر مقرر کیا تھا۔ مصطفٰے نے ان باغیوں کی خوب خبر لی۔ اور کئی بار انکو اچھی طرح زیر کیا۔ ابھی سلطان ابراہیم کو مجھ سے شکست نہوئی تھی کہ مصطفٰے مرگیا۔ اس کا چھوٹا بھائی شیخ بایزید اپنے بھائی کے آدمیوں کو رستہ پر لاکر مع فیروز خاں۔ محمود خاں نوحانی اور قاضی ضیا ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان لوگوں کی خواہش سے زیادہ ان پر عنایت کی۔ فیروز خاں کو جونپور سے ایک کروڑ۔ شیخ بایزید کو ایک کروڑ۔ محمود خاں کو غازیپور سے نوّے لاکھ پینتیس ہزار اور قاضی ضیا کو جونپور سے بیس لاکھ کی جاگیریں دیں۔ عید کے کئی دن بعد ابراہیم کے اُس محل کے گنبد میں جس کے ستون سنگین ہیں ایک بڑا دربار کیا۔ ہمایوں کو چارقب۔ کمربند۔ تلوار اور گھوڑا مع طلائی زین کے عطا ہوا۔ حسن تیمور سلطان کو

مہدی خواجہ کو اور محمد سلطان میرزا کو بھی چارقب۔ کمربند۔ تلوار اور خنجر عنایت کیا۔ انکے علاوہ اور امرا کو ہر ایک کے مرتبہ کے موافق کمربند اور خنجر وغیرہ مرحمت ہوئے۔ چنانچہ انکی تفصیل یہ ہے کہ گھوڑا مع زینِ طلا ایک۔ تلواریں دو۔ خنجر مرصع پچیس۔ مرصع قبضے کی کٹاریں سترہ۔ جمدھر مرصع دو۔ چارقب چار۔ سقرلاتی لباس اٹھائیس۔ دربار کے دن خوب مینہ برسا۔ تیرہ مرتبہ بارش ہوئی۔ جو لوگ دالان سے باہر تھے وہ سارے بھیگ گئے۔ مہدی کوکلتاش کو سامانہ کا ملک عطا ہوا۔ سنبل کی جانب ہندو بیگ۔ کتا بیگ۔ ملک قاسم اور بابا قشقہ کو مع اُسکے بھائیوں کے بطریق یلغار بھیجا گیا۔ ملا آپاق کو ترکش بندوں کے ساتھ میان دوآب کی طرف روانہ کیا۔ قاسم سنبھلی کے پاس سے چار دفعہ لوگ آئے تھے۔ اُسنے کہلا بھیجا تھا کہ بین حرامخور نے سنبھل کو قتل کیا ہے اور مجھ کو عاجز کر رکھا ہے۔ جلد میری مدد کرنی چاہیے۔ بین کا حال یہ ہو کہ جب وہ بھاگ کر دامنِ کوہ میں پہنچا تو جو بھاگے ہوئے افغان اُسکو وہاں ملے اُنکو جمع کرکے اور اس لڑائی جھگڑے میں موقع خالی پاکر سنبھل پر آن پڑا۔ اور وہاں قتل عام کیا۔ ہندو بیگ اور کتہ بیگ وغیرہم ایلغار کے طور پر معین ہوئے تھے۔ یہ لوگ اہار کے گھاٹ پر پہنچ کر دریا سے اُترے۔ ملک قاسم نے بابا قشقہ کو اُسکے بھائیوں سمیت آگے روانہ کر دیا۔ ملک قاسم جب دریا سے اُترا تو سو ڈیڑھ سو آدمیوں سمیت دھر لیکا۔ اور ظہر کے وقت سنبھل جا پہنچا بین بھی ساونتا ہو کر اپنے لشکرگاہ سے باہر نکلا۔ ملک قاسم اور اُسکے ہمراہی شہر کو پس پشت رکھ کر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ بین مقابلہ میں نہ ٹھیر سکا اور بھاگ نکلا۔ کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور اُسکا سر کاٹ لائے۔ کئی ہاتھی اور بہت سے گھوڑے لوٹ میں ہاتھ آئے۔ دوسرے دن اور امرا بھی پہنچ گئے۔ قاسم سنبھلی بھی آکر ملا۔ شہر ہمارے لوگوں کے سپرد کرنا اُسکو گوارا نہوا لگا حیلے بہانے کرنے۔ ایک دن شیخ گھورن ہندو بیگ وغیرہ سے صلاح کرکے قاسم سنبھلی کو کسی بہانے سے ان امرا پاس لے آیا۔ ہمارے سردار سنبھل میں داخل ہو گئے۔ قاسم کے گھر والوں اور متعلقوں کو صحیح سلامت نکالکر اس۔ کے پاس بھیجدیا۔ قلندر پیادے کو بیانے بھیجا۔ اور وہاں کے حاکم نظام خاں کو وعدہ وعید کے فرمان بھیجے۔ یہ قطعہ بھی فی البدیہہ لکھ بھیجا۔ قطعہ۔

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ   چالاکی و مردانگی ترک عیان است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش   آنجا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

بیانے کا قلعہ ہندوستان کے مشہور قلعوں میں سے ہے۔ اُس بیوقوف مردک نے اپنے قلعہ کی مضبوطی پر بھروسا کیا۔ اور اپنے حوصلہ سے زیادہ خواہش کی۔ جو آدمی اُس کے پاس سے آیا تھا میں نے اُسکو اچھا جواب نہ دیا۔ قلعہ گیری کے اسباب میں نے جمع کرنے شروع کیے۔ بابا قلی بیگ کو محمد زیتون کے پاس فرمان دیکر بھیجا جس میں طرح طرح کے وعدے وعید لکھے تھے۔ اُسنے بھی عذر کر دیے۔ اگرچہ

رانا سانگا نے جب میں کابل میں تھا ایلچی بھیجکر طرفداری ظاہر کی تھی۔ اور اقرار کیا تھا کہ اگر آپ ادھر سے دلی تک آجائیں گے تو میں ادھر سے آگرہ میں چڑھائی کر دونگا۔ میں نے ابراہیم کو بھی مار لیا۔ دلی اور آگرہ بھی لے لیا مگر اس وقت تک اُس کافر نے جنبش بھی نہیں کی۔ بلکہ تھوڑے دن بعد کندار نام قلعہ کو جو حسن کے بیٹے مکھن کے قبضہ میں تھا۔ آن مارا حسن کے پاس سے کئی آدمی تو آئے۔ مگر ابھی تک وہ خود نہ آیا تھا۔ یہ جو قریب کے قلعے ہیں جیسے اٹاوہ۔ دھولپور۔ گوالیار اور بیانہ۔ ابھی ہمارے قبضے میں نہ آئے تھے۔ ممالک شرقیہ کے افغان سب بر سر فساد تھے۔ اور قنوج سے دو تین پڑاو آگرہ کی طرف آپڑے تھے۔ غرض سب طرف سے ابھی دل مطمئن نہوا تھا۔ اسی سبب حسن کی کمک کے لیے میں فوج نہ بھیج سکا۔ دو تین مہینے بعد حسن نے عاجز ہوکر مقام کندار کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ حسین خاں جو راپری میں تھا ڈر کے مارے راپری چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں نے راپری محمد علی جنگ جنگ کو دیدی۔ قطب خاں کو جسکے پاس اٹاوہ تھا کئی بار وعدہ وعید کے فرمان بھیجے اور لکھا کہ آکر مجھ سے مل۔ وہ نہ آیا۔ اور اٹاوہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹاوہ مہدی خواجہ کو عنایت کیا۔ محمد سلطان میرزا۔ سلطان محمد دولدی۔ محمد علی جنگ جنگ۔ عبدالعزیز میر آخور اور اور امرا کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اٹاوہ کی طرف روانہ کیا۔ قنوج کا حاکم سلطان محمد دولدی کو کیا۔ فیروز خاں شیخ بایزید اور قاضی ضیا وغیرہم (جنکی بیحد رعایت کرکے پورب کی طرف پرگنے دیے تھے) کو بھی اٹاوہ کی مہم پر مقرر کیا۔ محمد زیتون دھولپور میں بیٹھا بہانے کر رہا تھا اور آتا نہ تھا۔ سلطان جنید برلاس کو دھولپور دیا۔ عادل سلطان۔ محمدی کوکلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ قتلق قدم۔ ولی خازن بیگ۔ عبداللہ۔ پیر قلی اور شاہ حسین بارسگی کو حکم دیا کہ دھولپور پر چڑھائی کرکے اُسکو فتح کرو۔ اور سلطان جنید برلاس کے سپرد کرکے بیانہ کی جانب چلو۔

نصیر خاں وغیرہ باغیان پورب پر یورش

ان لشکروں کے مقرر کرنے کے بعد ترکی اور ہندی امرا سے مشورہ کیا۔ اُنسے یہ بات کہی گئی کہ نصیر خاں لوحانی اور معروف فرملی جو باغیان پورب میں سے ہیں چالیس پچاس ہزار آدمی ہمیت گنگا سے اُتر کر قنوج پر قابض ہو گئے ہیں اور وہاں سے دو تین پڑاو باہر آن پڑے ہیں۔ رانا سانگا نے کندار کو لے لیا اور وہ فتنہ اور فساد برپا کر رہا ہے۔ برسات بھی ختم ہونیکو ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے۔ اور یہ جو گرد نواح کے قلعوں کا معاملہ ہے بہت آسان ہے۔ اُن بڑے دشمنوں کے دفع ہونے کے بعد یہ کہاں جا سکتے ہیں۔ سب نے رانا سانگا کی طرف زیادہ خیال نہ کیا اور متفق اللفظ عرض کیا کہ رانا سانگا تو بہت دور ہے اور ایسا گمان نہیں ہے تاکہ وہ پاس ہی آجائے پورب والے باغی بہت قریب آگئے ہیں انکا استیصال مقدم ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں خود ان دشمنوں کی طرف

چلوں اتنے میں ہمایوں نے عرض کیا کہ حضور کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس خدمت کو میں ادا کرونگا۔ یہ بات سب کو پسند آئی۔ امرا بھی اسپر راضی ہوگئے۔ ہمایوں کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔ جو فوج دھولپور کی طرف بھیجی گئی تھی اُسکو احمد قاسم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ مقام چندوار میں ہمایوں سے آن ملے۔ مہدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا کے ہمراہ جو فوج اٹاوہ کی طرف بھیجی تھی اُسکو بھی حکم دیا کہ ہمایوں کے پاس آجائے۔ جمعرات کے دن تیرھویں ذیقعدہ کو ہمایوں آگرہ سے چلا۔ اور جلیسر نام ایک گاؤں میں جو آگرہ سے تین کوس ہے خیمہ زن ہوا۔ ایک دن وہ وہاں ٹھیرا۔ وہاں سے کوچ در کوچ چلنا شروع کیا۔

نواح آگرہ میں باغ اور مکانات کا بنانا

اسی مہینہ کی بیسویں تاریخ جمعرات کے دن خواجہ کلاں وغیرہ کو کابل جانے کی رخصت دی۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ ہندوستان میں بڑا عیب یہ ہے کہ نہر نہیں ہے۔ جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں چرخ لگاکر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے۔ آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لیے جمنا کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کیے۔ ایسے اُجاڑ اور گندے مقامات تھے کہ بڑی کراہیت اور ناخوشی کے ساتھ وہاں سے عبور کیا۔ گو ایسی جائے چار باغ بنانیکو دل تو نہ چاہتا تھا مگر آگرہ کے قریب کوئی اور جائے بھی دل خواستہ نظر نہ آئی۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ اسی کو درست کر لیا جائے۔ پہلے ایک بڑا کنواں جس سے حمام میں پانی لیا جائے بنوایا۔ پھر وہ قطعہ زمین کا جہاں املی کے درخت اور مثمن حوض ہے درست کرایا۔ اس کے بعد بڑا حوض اور اُسکی پٹری بنی۔ پھر بارہ دری کے آگے جو حوض ہے اور بارہ دری بنائی گئی۔ یہ بن چکے تو خلوت خانہ کا باغیچہ اور اُس کے مکان بنے۔ پھر حمام تیار ہوا غرض اسی بے ڈھنگی اور خراب جائے پر ہندوستانی وضع کے خوبصورت باغ اور عمارتیں تیار ہوگئیں۔ ہر کونے میں معقول چمن بن گیا۔ ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے گئے۔ ہندوستان کی تین چیزوں سے مجھے نفرت ہے۔ ایک گرمی۔ دوسری آندھی۔ اور تیسری گرد سے۔ حمام سے ان تینوں کا علاج ہو گیا۔ پھر حمام کے لیے کیا چاہیے۔ گرمی کی شدت میں ایسا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سردی کے مارے کانپنے کی نوبت ہوجاتی ہے۔ ایک حجرہ۔ حمام اور حوض تینوں تمام سنگین بنے ہیں۔ اجارہ سنگ مرمر کا ہے۔ باقی کل فرش اور چھت سنگ سرخ کی ہے۔ جو بیانہ کا پتھر ہے۔ اسکے علاوہ خلیفہ۔ شیخ زین اور یونس علی نے دریا کے کنارہ پر خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے۔ لاہور اور دیبال میں جیسے رہٹ ہیں ویسے رہٹ کنوؤں پر لگائے۔ اور پانی جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے جو اس طرح اور صورت کے مکان کبھی خواب میں نہ دیکھے تھے تو اس واسطے جمنا کے اُس جانب کا نام جہاں یہ عمارتیں بنی ہیں کابل رکھدیا قلعہ اور ابراہیم کے محلات کے بیچ میں زمین کا ایک قطعہ خالی پڑا تھا۔

وہاں بھی ایک بڑا مکان دس گز سے دس گز بنانیکا میں نے حکم دیا۔ ہندوستانیوں کی اصطلاح میں بڑے چھتے زینہ دار کو دائی کہتے ہیں۔ اس دائی کو چارباغ سے پہلے بنانا شروع کیا تھا۔ ہمیشہ برسات میں بنیاد کھودی تھی۔ کئی دفعہ دیواریں گریں۔ اور مزدور دب دب گئے۔ رانا سانگا کو شکست دینے کی بعد وہ عمارت بنکر تیار ہو گئی۔ چنانچہ اس غزوہ کے بعد تمام ہونا تاریخ میں لکھا گیا ہے۔ اچھا مکان بنا ہے۔ اس دائی میں سہ طبقہ مکان ہیں۔ سب سے نیچے کی منزل میں تین دالان ہیں ان سے کنوئیں میں راستہ اُتر جاتا ہے۔ راستہ کا زینہ تینوں دالانوں میں سے ہے۔ تینوں دالانوں کا راستہ ایک ہی۔ ہر دالان دوسرے سے تین سیڑھی اونچا ہے۔ سب سے نیچے کے دالان میں پانی کھینچتے وقت ایکبار پانی ضرور گرتا ہے۔ برسات میں جب پانی کنوئیں میں چڑھتا ہے تو اوپر کے دالان میں آجاتا ہے۔ بیچ کے طبقہ میں دالان لداؤ کا ہے۔ اس کی صورت یہ ہی کہ ایک برج ہی جس میں رہٹ کا چرخ پھرتا ہی۔ اوپر کے طبقہ میں ایک دالان ہے۔ صحن سے باہر کنوئیں کے اوپر پانچ چھ سیڑھی نیچا۔ زینہ کے دونوں طرف سے دالان میں سیدھی جانب راستہ جاتا ہے۔ راستہ کے سامنے تاریخ کا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس کنوئیں کے پہلو میں اور ایک کنواں بنایا ہی جسکی تہ پہلے کنوئیں سے گز بھر اونچی ہے۔ اُس گنبد میں جسکا اوپر ذکر ہوا ہے بیل چرخ پھراتے ہیں۔ پہلے کنوئیں سے اس کنوئیں میں پانی آتا ہے۔ اس دوسرے کنوئیں میں دوسرا چرخ لگا ہوا ہے جس سے فصیل پر پانی پہنچتا ہے۔ اور باغ میں جاتا ہے۔ کنوئیں کے زینہ سے نکلنے کی جائے بھی سنگین عمارت بنائی ہے۔ اس کنوئیں کے احاطہ کے باہر ایک سنگین مسجد بنائی گئی ہی۔ مگر وہ کچھ عمدہ نہیں ہے۔ ہندوستانی قطع کی ہے جس وقت ہمایوں یہاں سے چلا ہے اُس وقت نصیر خاں اور معروف وغیرہ جاج مئو میں پڑے ہوئے تھے۔ ہمایوں نے پندرہ کوس سے مومن آتکہ کو خبر لینے کے لیے بھیجا۔ وہ لوٹ مار میں مصروف ہو گیا۔ پوری خبر نہ لا سکا۔ یہ باغی مومن آتکہ کے آنے کی سُنتے ہی بھاگ گئے۔ مومن آتکہ کے بعد بابا حسین بوچکہ اور قسماقی کو خبر لانیکے واسطے روانہ کیا۔ انہوں نے غنیم کے بھاگنے اور منتشر ہونے کی خبر دی۔ ہمایوں نے جاتے ہی جاج مئو پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے چلکر جس وقت وہ نواح بلو میں آیا تو فتح خاں شروانی نے آکر ملاقات کی۔ فتح خاں کو مہدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دیا۔

خراسان پر عبید خاں کا حملہ

اسی سال میں عبید خاں نے۔ بخارا سے مرو پر چڑھائی کی۔ مرو کے قلعہ میں دس پندرہ آدمی رعایا میں سے تھے۔ اُنکو قتل کر ڈالا اور چالیس پچاس دن تک مرو کا راستہ بند رکھا۔ سرخس میں تیس چالیس قزلباش تھے۔ دروازہ توڑ کر از بک اندر گھس گئے اور اُن قزلباشوں کو مار ڈالا۔ سرخس کو فتح کرکے طوس اور مشہد پر چڑھ گئے۔ مشہد والے عاجز ہو کر مطیع ہو گئے۔ طوس کا آٹھ مہینے تک محاصرہ کیا۔ پھر صلح سے اُسکو لے لیا

مگر عہد شکنی کی اور تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں کو قید کر لیا۔

سلطان مظفر گجراتی کا مرنا اسی سال سلطان مظفر گجراتی کا بیٹا بہادر خاں (جو باپ کا جانشین اور بادشاہ گجرات ہے) اپنے باپ سے خفا ہو کر سلطان ابراہیم کے پاس چلا آیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے اسکا کچھ اعزاز نہ کیا۔ جب میں نواح پانی پت میں تھا تو اُس کی عرضیاں میرے پاس آئیں۔ میں نے بھی عنایت آمیز شقے جواب میں بھیجدیے۔ اور اُس کو بُلا لیا۔ اوّل تو اُسکو میرے پاس آنیکا خیال ہوا۔ پھر اُسکی رائے پلٹ گئی۔ ابراہیم کے لشکر سے علیحدہ ہو گجرات چلا گیا۔ اس اثناء میں اُسکا باپ سلطان مظفر مر گیا اور اُسکا بڑا بھائی سکندر شاہ جو سلطان مظفر کا بڑا بیٹا تھا گجرات کا بادشاہ ہو گیا۔ اُس کے غلام عماد الملک نے سکندر کی بہو دیگیوں کے سبب سے سکندر کو قتل کر دیا۔ اور بہادر خاں کو جو راستہ ہی میں تھا بُلا کر باپ کی جگہ بٹھا دیا۔ اسکا لقب بہادر شاہ رکھا گیا۔ بہادر شاہ نے یہ بڑا عمدہ کام کیا کہ عماد الملک کو اُسکی نمکحرامی کی پوری سزا دی۔ علاوہ اِسکے اور بہت سے امراء کو بھی قتل کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑا سفاک اور ظالم تھا۔

۹۳۳ھ ہجری کے واقعات

فاروق کی پیدائش محرم کے مہینہ میں فاروق کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک پیادہ یہ خبر لایا تھا مگر بیگ ویس سیونچی کی حیثیت سے اسی مہینے میں آیا۔ بچہ تیئیسویں شوال کو پیدا ہوا تھا۔ اُسکا نام فاروق رکھا۔

بڑی توپ ڈھالی گئی بیانہ کے قلعہ اور بعض اور قلعوں کے خیال سے جو ہنوز فتح نہوئے تھے اُستاد علی قلی کو حکم دیا کہ ایک بڑی توپ ڈھالو۔ علی قلی نے بھٹی وغیرہ تیار کر کے مجھے اطلاع دی۔ ۲۵ محرم روز دوشنبہ کو میں توپ ڈھلنے کا تماشا دیکھنے گیا۔ جہاں توپ ڈھلنے کا سانچا تھا وہاں آٹھ بھٹیاں لگائی تھیں۔ ہر بھٹی کے نیچے سے ایک نالی سانچے تک بنادی تھی۔ بھٹیوں کی نالیوں کا منہ کھولتے ہی نالیوں سے مصالحہ پانی کی طرح بہکر آیا۔ ابھی سانچا پورا نہ بھرا تھا کہ بھٹیوں سے مصالحہ کا آنا موقوف ہوا۔ یا تو بھٹیوں میں قصور رہا یا مصالحہ میں۔ بہر حال اُستاد علی بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اسکا دل چاہتا تھا کہ جو تانبا قالب میں پگھلا ہوا ہو اُس میں جا پڑوں میں نے اُسکی دلجوئی کی اور خلعت دیکر اس شرمساری کو دور کیا۔ قالب خشک ہونے کے اور مٹی وغیرہ ہٹانے کے بعد خوشی خوشی کہلا بھیجا کہ توپ کے گولے کا گھر بہت خاصہ ہے۔ اُس کا درست کر لینا سہل ہے۔ اُسکو تو نکالکر درست کرنے کے لیے اوروں کے حوالے کیا اور آپ باقی کے بنانے میں مشغول ہوا۔

فتح خاں شروانی حاضر ہوا

مہدی خواجہ فتح خاں شروانی کو ہمایوں کے پاس سے لایا وہ ہمایوں
سے اثنائے راہ میں الگ ہو گیا تھا۔ میں فتح خاں سے اچھی طرح ملا
اُسکے باپ اعظم ہمایوں کی جاگیر اُس کو عطا کی۔ اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی جاگیر اُسپر اور اضافہ کر دی
ہندوستان میں دستور ہے کہ جن امراء کا مرتبہ دربار شاہی میں بڑھایا جاتا ہے اُنکو مقررہ خطاب بھی
دیے جاتے ہیں۔ اُنہی خطابوں میں سے ایک خطاب اعظم ہمایوں ہے۔ ایک خان جہاں ہے اور
ایک خان خاناں ہے۔ اس کے باپ کا خطاب اعظم ہمایوں تھا۔ چونکہ شہزادہ کا نام ہمایوں تھا اسلیے
اب اس خطاب کو میں نے موقوف کر دیا۔ فتح خاں شروانی کو خان جہاں خطاب دیا گیا۔ چارشنبہ
کے دن آٹھویں صفر کو حوض کے کنارہ اوپر کی طرف شامیانہ ایستادہ کروا کر میں نے ایک بزم نشاط
منعقد کروائی۔ فتح خاں شروانی کو اُس میں بلا کر شراب عنایت کی اور ملبوس خاص عطا فرمایا۔
اس عنایت اور مہربانی سے سرفراز کرنیکے بعد اُسکو اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی۔ اور یہ
حکم دیا کہ اُسکا بیٹا محمود خاں ہمیشہ ملازمت میں حاضر رہے۔

ہمایوں کو حاضر ہونیکا حکم

محرم کی چوبیسویں تاریخ جمعہ کے دن محمد علی حیدر رکابدار کو ہمایوں
کے پاس بھیجکر تاکید آ کہلا بھیجا کہ باغیوں کی فوج جونپور چلی گئی ہے۔
اس آدمی کے پہنچتے ہی تم چند سرداروں کو اُودھر روانہ کر دو اور خود مع فوج میرے پاس
چلے آؤ۔ اس لیے کہ رانا سانگا قریب آ گیا ہے۔ اُسکا پورا تدارک کرنا ضرور ہے۔

بیانہ پر چڑھائی

پورب کی جانب فوج بھیجنے کے بعد تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ اُسکے چھوٹے
بھائی شیر افگن۔ محمد خلیل آختہ بیگی۔ رستم ترکمان (مع انکے بھائیوں کے)
کو اور امرائے ہندوستان میں سے ولی شروانی کو بیانہ کی نواح میں روانہ کیا۔ اور انکو حکم دیا
کہ اگر قلعہ والوں کو وعدے وغیرہ کر کے لا سکو تو لے آؤ ورنہ لوٹ مار مچاؤ اور دشمنوں کو خوب
ستاؤ۔ نظام خاں والی بیانہ کا بڑا بھائی عالم خاں تھنکر میں تھا۔ اُسکے لوگ کئی بار آئے اور اطاعت
کا اظہار کیا۔ اس عالم خاں نے ذمہ کیا کہ فوج شاہی اس جانب روانہ ہو۔ بیانے کے ترکش بندوں کو
سمجھا کر میں لے آؤنگا اور بیانہ فتح کرا دونگا۔ تردی بیگ کے ساتھ جو سردار بھیجے گئے تھے اُن کو
حکم دیا گیا کہ تم سب عالم خاں کی صلاح پر چلو اس لیے کہ وہ صاحب ملک ہے۔ اُسنے اطاعت
قبول کر کے خدمتگزاری کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہندوستان کے لوگ تلوار مارنی تو جانتے ہیں مگر
سپہ گری کے فن سے اور سرداری سے ناواقف ہوتے ہیں۔ عالم خاں نے یہ کیا کہ ہماری فوج
کے ساتھ آنکھ بند کر کے ہو لیا۔ کسی کی اچھی سنی نہ بری۔ منہ اُٹھائے ہوئے ہماری فوج کو بیانہ
کے قریب پہنچا دیا۔ اس فوج میں ڈھائی سَو سے کے قریب تو ترک تھے اور دو ہزار سے کچھ زیادہ

ہندوستانی۔ نظام خاں کے پاس پٹھان وغیرہ ملا کر چار ہزار سے زیادہ سوار اور دو ہزار سے زیادہ پیدل موجود تھے۔ لیکن کثیر التعداد دشمن نے ہمارے لشکر کی کمی دیکھکر ایک دفعہ ہی دھاوا کر دیا۔ چونکہ حملہ آور زیادہ تھے اس لیے جونہی انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور تیروں کی بوچھاڑ کی وونہی ہماری فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عالم خاں تھنکری گھوڑے سے گرا اور پانچ چھ آدمیوں سمیت پکڑا گیا۔ کچھ بھیر بھی پکڑی گئی۔ اس حرکت پر بھی میں نے استمالت کی۔ اور اگلی پچھلی خطائیں معاف کرکے فرمان بھیجدیے۔ جب اُسنے رانا سانگا کے چڑھے چلے آنے کی سُنی تو گھبرایا۔ مجبوراً سید رفیع کے توسط سے شہر ہمارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ اور خود سید رفیع کے ساتھ حاضر ہو کر شرف ملازمت حاصل کیا۔ میان دوآب میں بیس لاکھ کی جاگیر اُسکو عنایت ہوئی۔ چند روز کے لیے دوست ایشک آقا کو بیانے کا حاکم مقرر کیا۔ پھر بیانا مہدی خواجہ کو دیدیا۔ اور ستر لاکھ روپے اسکی تنخواہ کر دی۔

گوالیار پر قبضہ

تاتار خاں سارنگ خانی جو گوالیار کو دبائے بیٹھا تھا۔ یوں تو ہمیشہ سے اُسکے آدمی آتے جاتے تھے اور اظہار اطاعت کرتے تھے۔ مگر جب رانا سانگا نے کندار چھین لیا۔ اور نواح گوالیار کے راجاؤں میں سے درمنگت اور ایک شخص خان جہاں نامی نے اطراف گوالیار میں آکر گوالیار چھیننے کے ارادہ سے فساد مچانے شروع کیے تو تاتار خاں تنگ ہوا۔ اور قلعہ دیدینے پر آمادہ ہو گیا۔ ہماری ساری فوج چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ امرا مہموں پر گئے ہوئے تھے۔ مجبوراً رحیم داد کو بھیرا اور لاہور کی فوج دیکر مستی جی ننقطار کو مع اُسکے بھائیوں کے ہمراہ کیا۔ اور گوالیار کی جانب روانہ کر دیا۔ شیخ گھورن کو بھی ساتھ کر دیا کہ رحیم داد کو گوالیار میں قائم کرکے چلا آئے۔ یہ سردار جب گوالیار کے قریب پہنچے تو تاتار خاں کی نیت پلٹ گئی۔ ان لوگوں کو قلعہ میں نہ بلایا۔ اس اثناء میں شیخ محمد غوث نے جو ایک بہت بزرگ درویش ہیں اور جن کے مرید و معتقد کثرت سے ہیں شہر میں سے رحیم داد کے پاس کہلا بھیجا کہ جس طور سے ہو سکے تم شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اسلیے کہ اس شخص (تاتار خاں) کا خیال بدل گیا ہے۔ اور یہ بر سر فساد ہے۔ رحیم داد نے یہ پیام سُنتے ہی تاتار خاں سے کہلا بھیجا کہ باہر ہندوؤں کا بڑا خوف ہے۔ بہتر ہے کہ میں چند آدمیوں سمیت قلعہ میں چلا آؤں۔ اور باقی لشکر وغیرہ باہر رہے۔ تاتار خاں بڑے اصرار سے اس بات پر راضی ہو گیا۔ جس وقت رحیم داد تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اندر آ گیا اُس وقت اسنے کہا کہ دروازہ پر ہمارے سپاہیوں کا پہرہ رہے۔ ہتیا پول دروازہ پر رحیم داد کے سپاہیوں کے پہرے لگ گئے۔ اسی رات میں رحیم داد نے اپنی ساری فوج اندر بلالی۔ صبح کو تاتار خاں کے چھکے چھوٹ گئے۔ خواہی نخواہی قلعہ سونپ دیا۔ اور خود میرے پاس آگرہ میں چلا آیا۔ اس کی پرورش کے لیے بیس لاکھ کی جاگیر معین کر دی۔

دھولپور پر قبضہ

محمد زیتون بھی کچھ نہ کر سکا۔ آخر دھولپور ہمارے حوالے کر دیا اور خود ملازمت میں

حاضر ہو گیا۔ اسکو بھی کئی لاکھ کی جاگیر عطا کر دی۔ دھولپور خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور ابو الفتح ترکمان کو اُسکا شقدار مقرر کر دیا۔

حصار فیروزہ کے باغیوں کا استیصال

حصار فیروزہ کی نواح میں حمید خاں سارنگ خانی کچھ پنی پٹھان اور اِدھر اُدھر کے تین چار ہزار آدمی لیے ہوئے اودھم مچا رہا تھا۔ صفر کی پندرھویں تاریخ چارشنبہ کے دن چین تیمور سلطان۔ احمد پروانچی۔ ابو الفتح ترکمان۔ ملک داد کرمانی اور مجاہد خاں ملتانی کو اُن پٹھانوں کی تنبیہ کے لیے میں نے معین کیا۔ یہ لوگ دور دراز راستہ سے ایلغار کر کے ان پٹھانوں پر جا پڑے۔ اور انکی خوب گت بنائی۔ بہت سے آدمی قتل کیے اور بہت سوں کے سر کاٹ کر بھیجے۔

زہر خورانی کا واقعہ

ماہ صفر کے آخر میں خوانکی اسد جو شاہ طہماسپ صفوی کے پاس ایلچی ہو کر عراق گیا تھا سلیمان نام ترکمان کو ساتھ لیکر آیا اور بہت سی سوغاتیں لایا۔ اُن میں دو چرکس لڑکیاں بھی تھیں۔ ربیع الاوّل کی سترھویں تاریخ جمعہ کے دن عجیب واقعہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اس کو کابل بھی مفصّل لکھ بھیجا تھا۔ اور یہاں بھی بکم وکاست لکھتا ہوں بمفصّل کیفیت یوں ہے کہ ابراہیم لودھی کی بدنصیب ماں نے سُنا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ کا کھانا میں کھانے لگا ہوں۔ اور بات یہ ہوئی تھی کہ میں نے کبھی ہندوستانی کھانے نہ کھائے تھے۔ اب سے تین چار مہینے پہلے میں نے حکم دیا کہ ابراہیم کے باورچیوں کو بُلاؤ۔ اس واسطے کہ مجھے ہندوستانی کھانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ پچاس ساٹھ آدمی آئے۔ اُن میں سے چار چُن کر میں نے رکھے۔ اُس کمبخت (ابراہیم کی ماں) نے بھی یہ حال سُنا۔ احمد چاشنی گیر (ہندوستانی چاشنی گیر بکاول کو کہتے ہیں) سے جو اٹاوہ سے آیا تھا سازش کر کے ایک ماما کے ہاتھ زہر کی پُڑھیا جس میں تولہ بھر (تولہ دو مثقال سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) زہر تھا بھیجی۔ احمد نے باورچی خانہ کے ہندوستانی باورچی کو چار پرگنوں کے انعام کا لالچ دیا اور کہا کہ جس طرح ہو سکے بادشاہ کو زہر دیدے۔ جس ماما کے ہاتھ احمد کے پاس زہر بھیجا تھا اُسکے پیچھے پیچھے ایک اور ماما کو یہ دریافت کرنے بھیجا کہ پہلی ماما نے زہر احمد کے حوالے کر دیا یا نہیں۔ اور ہدایت کی کہ بہتر یہ ہے کہ پتیلی میں زہر نہ ڈالا جائے بلکہ رکابی میں ڈالا جائے۔ اسلیے کہ میں نے بکاولوں کو حکم دیدیا تھا کہ ہندوستانیوں سے غافل نہ رہنا۔ جب کھانا تیار ہو جاتا ہے تو پتیلی ہی میں چاشنی چکھا دی جاتی ہے۔ دسترخوان بچھنے کے وقت نالایق بکاولوں کو ہوش نہیں رہتا۔ چینی کی رکابی میں رکھکر پھلکے لائے جاتے ہیں۔ آدھے سے کم زہر تو اُس پر چھڑکا اور آدھے سے زیادہ رکھ لیا کہ قلیہ کے پیالے میں ڈالیگا یا پتیلی میں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو بُرا ہوتا۔ اُسکے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جو رہ گیا تھا گھبرا کر اُسکو

چولھے میں ڈالدیا۔ جمعہ کے دن عصر کے وقت دسترخوان بچھا۔ خرگوش پکا تھا کچھ وہ کھایا۔ کچھ انڈوں کا قلیہ کھایا۔ مگر کوئی چیز اچھی نہ معلوم ہوئی۔ قاق کے گوشت کی دو ایک بوٹیاں چکھیں۔ دل اکھل بکھل کرنے لگا۔ قاق کے گوشت کی بوٹیاں زیادہ بدمزہ معلوم ہوئی تھیں میں سمجھا اسی سے دل کھل بکھل کرتا ہے۔ ذرا ٹھیر کر پھر متلی ہونے لگی۔ غرض دو تین بار دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوا۔ قریب تھا کہ قے ہوجائے۔ آخر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آبدارخانہ تک جاتے جاتے ایک ابکائی آئی۔ آبدارخانہ کے پاس جاکر خوب استفراغ ہوا۔ میں نے کھانا کھاکر بلکہ شراب پیکر بھی کبھی قے نہ کی تھی۔ میرے دل میں اس طرح کی قے سے شک پیدا ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ باورچی کو نظربند رکھو۔ کھانا کتے کو کھلاؤ اور کتے کو بندھا رکھو۔ دوسرے دن پہر دن چڑھے تک کتے کا حال بگڑا رہا۔ اسکا پیٹ ابھر گیا۔ ہرچند اسکو مارتے تھے اور اٹھاتے تھے لیکن وہ ہلتا نہ تھا۔ دوپہر تک اسکا یہی حال رہا۔ پھر جیت گیا اور بچ گیا۔ دو ایک چیلوں نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔ دوسرے دن وہ بھی قے کرتے رہے۔ ایک کی حالت تو بہت بگڑ گئی تھی مگر دونوں بچ گئے۔ ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ اللہ تعالے نے دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ گویا میں پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ؎

موت کے منہ سے بچ کے یہ جانا زندگی بھی عجیب نعمت ہے

سلطان محمد بخشی کو میں نے حکم دیا کہ باورچی سے اچھی طرح حال دریافت کرو۔ اسنے سارا کچا چٹھا بیان کردیا۔ پیر کے دن میں نے دربار کیا۔ حکم ہوا کہ تمام وزرا امرا اور عمائد وغیرہ حاضر دربار ہوں۔ سب حاضر ہوئے۔ ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کو لائے۔ انکے اظہار لیے گئے۔ سب نے پورا پورا واقعہ بیان کردیا۔ چاشنی گیر کے ٹکڑے ٹکڑے کرادیئے گئے۔ باورچی کی زندہ کھال کھنچوادی۔ ایک عورت کو ہاتی کے پاؤں سے کچلوادیا۔ دوسری کو گولی مار دی۔ کمبخت بوا یعنی ابراہیم کی ماں کو قید کیا گیا۔ اسنے بھی اپنے کیے کی سزا پائی اور آیندہ پائے گی۔ ہفتہ کو ایک پیالہ دودھ کا پیا اور گل مختوم کو عرق میں حل کرکے پیا۔ دوشنبہ کو دودھ میں گل مختوم اور تریاق فاروق ملاکر پیا۔ دودھ نے میرا کوٹھا خوب صاف کردیا۔ دوشنبہ کو پہلے دن کی طرح پھرتے ہوئی۔ جلا ہوا صفرا کالا کالا میں نکلا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اچھی طرح ہوں۔ میں نہ جانتا تھا کہ جان ایسی عزیز چیز ہوتی ہے۔ سچ ہے جسکے مرنے کی نوبت آجاتی ہے وہی جان کی قدر جان جاتا ہے۔ اب بھی اس واقعہ کا اور اس حادثہ کا جب خیال آجاتا ہے تو بیاختہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالے کی عنایت تھی کہ اس نے دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ اسکا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ اگرچہ واقعہ ایسا خوفناک اور سخت تھا کہ زبان سے نہ نکل سکتا تھا مگر اس خیال سے کہ لوگ جلد واقف ہوجائیں جو کچھ گذرا تھا وہ مفصل میں نے لکھدیا۔ اور لکھدیا کہ کوئی دن اور زندگی کے باقی تھے کہ یہ بلا ساتھ خیر کے ٹل گئی۔

اب کوئی اندیشہ اور تردد لوگوں کو نہ رہے۔ یہ خیال کرکے ربیع الاول کی بیسویں کو جبکہ میں چار باغ میں تھا اس مضمون کا خط لکھکر کابل بھیجا۔ چونکہ کمبخت بوا سے ایسا سخت جرم سرزد ہوا تھا تو یونس علی خواجگی اسد سے اُس کو گرفتار کروایا۔ گرفتاری کے بعد اُسکا مال۔ اسباب۔ لونڈی اور غلام وغیرہ کو ضبط کرکے عبدالرحیم کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ سب کو حفاظت سے رکھے۔ ابراہیم کے پوتے نواسے کو بڑی عزت سے رکھا گیا تھا۔ جب ان لوگوں سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو انکو یہاں رکھنا مجھے خلاف مصلحت معلوم ہوا۔ پنجشنبہ اُنتیسویں ربیع الاول کو ملا سرسان کے ساتھ جو کامران کے پاس سے بعض کاموں کے لیے آیا تھا کامران کے پاس روانہ کردیا۔ ہمایوں جو پورب کے باغیوں کی سرکوبی کے واسطے گیا تھا جونپور کو فتح کرتا ہوا نصیر خاں کے سر پر بھی غازیپور جا پہنچا۔ وہاں کے افغان بھی اسکے آجانے کی خبر سُنکر دریائے سرو سے پار چلے گئے۔ ہمایوں کی فوج مقام خرید کو لوٹ کر واپس آئی۔ جس طرح سے حکم دیا تھا ہمایوں نے شاہ میر حسین اور سلطان جنید برلاس کو جونپور میں چھوڑا۔ قاضی جیبہ کو اور شیخ بایزید کو ان کے ہمراہ مقرر کیا۔ اس کام کو انجام دیکر کڑا مانک پور کی نواح میں گنگا سے پار ہو کالپی کے راستہ سے ہمایوں اس طرف چلا۔ عالم خاں اور جلال خاں جگہت کالپی میں تھے۔ اُنکی عرضیاں آتی تھیں۔ ہمایوں نے کالپی کے قریب پہنچکر ان دونوں کے پاس آدمی بھیجا۔ اور ان کا اطمینان کرکے انکو اپنے ہمراہ لے آیا۔ اتوار کے دن تیسری ربیع الآخر کو باغ ہشت بہشت میں ہمایوں نے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی خواجہ دوست خاوند بھی کابل سے آیا۔

رانا سانگا پر چڑھائی کی تیاری

انہی دنوں میں مہدی خواجہ کے پاس سے پے در پے قاصد آئے۔ اُسنے کہلا بھیجا کہ رانا سانگا کا آنا صحیح طور سے معلوم ہوگیا۔ حسن خاں میواتی بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اسکا معقول تدارک کرنا چاہیے۔ مناسب ہے کہ اُس کے آنے سے پہلے بیانہ میں کمک پہنچ جائے۔ اب میں نے فوج کشی کرنی دل میں اچھی طرح ٹھان لی۔ محمد سلطان میرزا۔ یونس علی۔ شاہ منصور برلاس۔ کتہ بیگ اور قسمتی بوجکہ کو اپنے چلنے سے پہلے بطریق ایلغار بیانہ کی طرف روانہ کیا۔

حسن خاں کے بیٹے کا چھٹنا اور اُس کا باغی ہونا۔

حسن خاں میواتی کا بیٹا طاہر خاں ابراہیم کی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔ اُسکو نظر بند رکھا تھا اس وجہ سے حسن خاں میواتی ظاہر میں آتا جاتا تھا اور ہمیشہ اپنے بیٹے کی رہائی چاہتا تھا۔ بعض کی رائے ہوئی کہ اگر حسن خاں کی دلدہی کے لیے اُس کے بیٹے کو بھیجدیا جائے تو اُس کو اطمینان ہوجائے گا۔ اور وہ خدمتگذاری میں قصور نہ کریگا۔ طاہر کو خلعت دیکر اور حسن خاں سے وعدے لیکے اُسکو رخصت دیدی۔ یہ مردک اپنے بیٹے کے چھٹنے کی راہ ہی دیکھ رہا تھا۔ بیٹے کے چھٹنے کی خبر سنتے ہی

بیٹے کے پہنچنے سے پہلے الور سے نکل رانا سانگا کے ساتھ ہو گیا۔ اصل میں اُسکے بیٹے کو اس موقع پر چھوڑنا اچھا نہ تھا۔ ان دنوں میں بارش خوب ہوئی۔ ہم نے بہت سے جلسے کیے ہمایوں بھی ان جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ اگرچہ وہ متنفر تھا مگر ان جلسوں میں وہ بھی رنگا گیا۔ اسی زمانہ میں کئی بڑے واقعات گذرے۔ ایک واقعہ اُن میں سے یہ ہے کہ جب ہمایوں قلعۂ ظفر سے لشکر ہندوستان میں آیا تھا تو اثنائے راہ سے ملا بابا ساغری اور اُسکا چھوٹا بھائی بابا شیخ بھاگ کر کیتن قرا سلطان کے پاس چلے گئے۔ جو لوگ بلخ میں تھے وہ مجبور ہو گئے۔ اور بلخ کیتن سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس بیہودہ مردک نے اور اسکے چھوٹے بھائی نے ادھر کا انتظام وغیرہ اپنے ذمہ لیا۔ اور ایبک و خرم سار باغ کی نواح میں یہ آ گئے۔ شاہ سکندر بلخ میں انکے گھس آنے سے ہڑبڑا گیا۔ اُسنے غوری کا قلعہ ازبک کے حوالے کر دیا۔ بابا شیخ مع تھوڑے سے آدمیوں کے قلعہ میں آتا تھا۔ چونکہ قلعۂ مرتبہ قریب تھا مجبوراً ازبک کے پاس چلا آیا۔ چند روز کے بعد مصلحتاً کچھ فوج کے ساتھ بلخ کی طرف لے چلا۔ بابا شیخ چند ازبکوں کے ہمراہ قلعۂ مرتبہ میں جو گیا تو اُسکو قلعہ میں اُتارا۔ اور اَوروں کو باہر ٹھیرایا۔ مرتبہ والوں نے بابا شیخ کو قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے ساتھیوں کو قید کر لیا۔ اور تنگری بردی کے پاس قندز کی طرف آدمی دوڑایا۔ تنگری بردی نے یار علی اور عبد اللطیف وغیرہ کو روانہ کیا۔ انکے پہنچنے تک ملا بابا ازبک کی فوج لیکر قلعۂ مرتبہ میں آیا۔ اور آمادۂ جنگ ہوا۔ مگر وہ کچھ کر نہ سکا۔ تنگری بردی کے لوگوں کے ساتھ قندز میں آ گیا۔ رحیم کو بابا شیخ سے کاوش تھی۔ اسی سبب سے وہ اُسکا سر کاٹ کے اسی زمانہ میں مرتبہ میں لایا۔ میں نے اُسکو کمال عنایت اور مہربانی سے سرفراز کیا۔ اور ہم چشموں میں اسکی آبرو بڑھادی۔ جب میں نے باقی شقاول کو بھیجا ہے تو ان دونوں نمکحراموں کے باب میں ہر ایک کے سر کے لیے سیر سیر بھر سونا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اَور عنایتوں کے علاوہ وعدہ کے موافق اُسکو سیر بھر سونا بھی دیا۔ اسی زمانہ میں قسمی ساغری جو بیانہ کی طرف فوج لیکر گیا تھا کچھ دشمنوں کے سر کاٹ لایا۔ قسمی ساغری اور بوجکہ نے تھوڑے سے قزاق سپاہیوں کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہندوؤں پر حملہ کیا۔ اور اُنکو شکست دیکر ستر اسی آدمیونکو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر تحقیق طور سے قسمی ہی لایا تھا کہ حسن خاں میواتی سانگا کے ساتھ ہو گیا ہی۔ اُستاد علی قلی نے وہ توپ ڈھالکر تیار کر لی تھی جس کے گولے کا گھر تو پہلے ہی ڈھل گیا تھا اور اُس کی نال بعد میں درست ہو گئی ہفتہ کے دن بیسویں تاریخ اُسکے چھوڑنے کا تماشا دیکھنے میں بھی گیا۔ عصر کے وقت اُسکو چھوڑا۔ چھ سے قدم تک گولا پہنچا۔ اُستاد کو میں نے خنجر اور خلعت وغیرہ انعام دیا۔

رانا سانگا کی جانب روانگی

پیر کے دن جمادی الاولٰی کی نویں کو جہاد کی نیت سے میں سوار ہوا۔ شہر سے نکل کر میدان میں خیمے ڈالے تین چار روز تک

فوج کے جمع ہونے اور انتظام کرنے کے لیے یہیں ٹھیرنا ہوا۔ چونکہ ہندوستانیوں پر مجھے پورا بھروسہ نہ تھا اسلیے امرائے ہند کے نام چاروں طرف تاکیدی احکام جاری کیے۔ عالم کو لکھا کہ جلد گوالیار میں آکر رحیم داد کی مدد کرے۔ مکھن قاسم سنبھلی اور حامد اور اُس کے بھائیوں اور محمد زیتون کو فرامین بھیجے گئے انہی دنوں میں خبر آئی کہ رانا سانگا ساری فوج لیے ہوئے بیانہ کے قریب آکر لوٹ مار کر رہا ہے۔ جو لوگ قراولی کے لیے گئے تھے وہ خبر نہ لا سکے۔ بلکہ قلعہ میں بھی نہ جا سکے۔ قلعہ والے اگر قلعہ سے باہر تھوڑی دور بھی نکل آتے ہیں تو دشمن انکا ستیاناس کر لیتا ہے۔ سنکر خان جنجوہہ وہیں شہید ہوا۔ ایک دن کچھ غل جو مچا تو کتہ بیگ بولا کر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ ایک ہندو کو جا گھیرا۔ گرفتار کرنیکے موقع پر کتہ بیگ کے آدمی کے ہاتھ سے اُسنے "ملوا تیمن" ایک ہاتھ مارا جو کتہ بیگ کے مونڈھے پر پڑا۔ ایسا زخم آیا کہ کتہ بیگ رانا سانگا والے جہاد میں شریک نہ ہو سکا۔ بہت دن بعد تندرست تو ہو گیا مگر ہاتھ کنونڈا ہو گیا۔ قسمی اور شاہ منصور وغیرہ جو بیانہ سے آئے تو نہ معلوم کہ خود ڈر گئے تھے یا لوگوں نے ڈرا دیا تھا۔ اُنہوں نے لشکر ہنود کی بڑی تعریف کی۔ میں نے اس منزل سے کوچ کرکے قاسم میر آخور کو بیلداروں سمیت آگے بھیجا کہ مندا پور کے علاقہ میں لشکر کے اُترنیکے لیے بہت سے کنوئیں کھدوا رکھے۔ بدھ کے دن جمادی الاولے کی دسویں کو نواحِ آگرہ سے چل کر اُسی منزل میں جہاں کنوئیں کھودے گئے تھے ہم جا اُترے۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ میرے دل میں آئی کہ اس نواح میں ایسا مقام جہاں پانی زیادہ ہو اور لشکر کو کفایت کرے وہ سیکری ہی ہے۔ ایسا نہو کہ ہندو پانی پر قبضہ کرلیں۔ اس خیال سے فوج کی جرانغار اور برانغار وغیرہ کا انتظام کرکے روانہ ہوا۔ درویش محمد ساربان کو سیکری کے "تالاب" کے کنارے کی طرف آگے روانہ کیا تاکہ وہاں اُترنیکا بندوبست کرے۔ قسمی وغیرہ کو جو بیانہ سے آئے تھے اور سب طرف سے واقف تھے اُسکے ہمراہ کر دیا۔ منزل پر اُترتے ہی مہدی خواجہ وغیرہ کو جو بیانہ میں تھے کہلا بھیجا کہ فوراً ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہمایوں کے ملازم بیگ میرک مغل کو چند سپاہیوں سمیت دشمن کے لشکر کی خبر لانیکے لیے بھیجا۔ راتوں رات وہ گیا اور دوسرے دن خبر لایا کہ دشمن کا لشکر بسا ور سے کوس بھر آگے آکر ٹھیرا ہے۔ آج ہی مہدی خواجہ اور سلطان میرزا مع فوج بیانہ سے آگئے۔ امرا باری باری سے قراولی کے واسطے متعین ہوئے۔ عبدالعزیز اپنی قراولی کے دن آنکھ بند کیے ہوئے مقام خانواہیں جو سیکری سے پانچ کوس ہے چلا گیا۔ ان کے اس طرح بے محابا چلے آنے کی خبر سنتے ہی لشکر ہنود میں سے جو آگے چلا آتا تھا چار پانچ ہزار آدمی چڑھ آئے۔ عبدالعزیز اور ملا اپاق ہزارہ کے ساتھ ساٹھ ستر کے قریب آدمی ہونگے۔ ہمارا قراول غنیم کی فوج کا بے تخمینہ کیے لڑائی اور مقابلہ پر جھک پڑا۔ قریب ہونے ہی بہت سے لوگ پکڑے گئے۔ یہ خبر پہنچتے ہی میں نے محب علی خلیفہ کو

اُسکے ملازموں سمیت اُدھر روانہ کیا۔ ملّا حسین وغیرہ سرداروں کو پیچھے کمک کے لیے بھیجا۔ پھر محمد علی جنگجنگ کو بھی چلتا کیا۔ میدانِ جنگ میں ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے عبد العزیز کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے۔ دشمن نے اُسکا نشان بھی چھین لیا تھا۔ ملّا نعمت۔ ملّا داؤد اور ملّا اپاق کے چھوٹے بھائی وغیرہ کو شہید کر ڈالا تھا۔ محب علی کے وہاں پہنچتے ہی طاہر۔ تری طغائی اور محب علی نے دشمن پر حملہ کیا۔ اُن کو کمک نہ پہنچی۔ طاہر وہاں گرفتار ہو گیا۔ محب علی اثنائے جنگ میں گھوڑے سے گرا۔ بالتو نے آکر اُسے اُٹھایا۔ کوس بھر تک دشمنوں نے انکا پیچھا کیا۔ جنگجنگ کی فوج نمودار ہوتے ہی دشمن کی فوج ٹھیر گئی۔ مجھ کو متواتر خبریں آئیں کہ دشمن پاس آگیا ہے۔ میں جیبہ پہن۔ گھوڑے پر کیجم ڈلوا اور ساز کسوا سوار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ ارابوں کو کھینچ لاؤ۔ میں کوئی کوس بھر آیا تھا کہ غنیم کا لشکر اُلٹا پھر گیا۔ ہمارے پہلو میں ایک بڑا تالاب تھا۔ پانی کے خیال سے ہم وہیں ٹھیر گئے۔ ارابوں کو زنجیروں سے خوب کس دیا۔ اور ایک کو دوسرے سے زنجیر کے ساتھ باندھ دیا۔ ان کا فاصلہ آپس میں سات آٹھ گز کا تھا۔ یہ فاصلہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ مصطفٰے رومی نے رومی طریقہ پر ارابے بنائے تھے۔ نہایت مضبوط اور عمدہ ارابے تھے۔ چونکہ اُستاد علی قلی کو مصطفٰے سے رشک تھا اسلیے مصطفٰے رومی کو ہمایوں کے پاس برانغار میں مقرر کیا۔ جہاں ارابے نہ جا سکتے تھے وہاں خراسانی اور ہندوستانی بیلداروں نے خندقیں کھود دیں۔ ادھر تو اس تیزی کے ساتھ رانا کا لشکر آیا۔ اُدھر جو لڑائی بیانے میں ہوئی تھی اُسکی تعریف شاہ منصور اور قسمتی وغیرہم نے بیان کی۔ ان باتوں سے ہماری فوج میں ذرا بیدلی پیدا ہونے لگی۔ اسی نے عبد العزیز کو شکست کھلوائی۔ لوگوں کے اطمینان اور لشکر کی احتیاط کے لیے جہاں ارابے نہ جا سکتے تھے وہاں یہ کیا کہ کاٹ کی تپائیاں آٹھ آٹھ سات سات گز کے فاصلہ پر کھڑی کر دیں۔ اور اُن کو چمڑے کی رسیوں سے جکڑ دیا۔ اس سامان کے درست کرنے میں پچیس دن لگے۔ اسی زمانہ میں کابل سے سلطان حسین میرزا کا نواسا میرزا قاسم حسین سلطان احمد یوسف۔ سید یوسف مع اہلِ توم اور اور لوگ ایک ایک دو دو کرکے قریب پانسو آدمی کے آگئے۔ محمد شریف منجم منحوس بھی انکے ہی ساتھ آیا۔ بابا دوست سوچی جو شراب لانیکے لیئے کابل گیا ہوا تھا وہ بھی غزنی کی شراب اونٹوں کی تین قطاروں پر لاد کر انہی کے ہمراہ آیا۔
اس موقع پر کہ گزشتہ حالات اور بیہودہ باتوں سے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے ہمارے لشکر میں کمال درجہ تردد اور وہم ہو رہا تھا محمد شریف منجم کمبخت گو مجھ سے کہنے کی تو مجال نہ رکھتا تھا مگر جس سے ملتا تھا اصرار سے بک دیتا تھا کہ آج کل مریخ مغرب میں ہے جو ادھر لڑے گا وہ مغلوب ہوگا۔ اس ناشدنی سے پوچھتا کون تھا۔ اسکی بیہودہ سرائی سے اور بھی لوگوں کے دل

چھوٹتے تھے۔ میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا۔ جو کام کرنیکا تھا وہ کیا۔ اور اُسی کا کرنا مقدم جانا۔ میں جنگ اور مقابلہ پر مستعد ہوگیا۔ ۲۱ تاریخ اتوار کے دن شیخ جمالی کو روانہ کیا کہ میان دوآبہ اور دلّی سے جتنے ترکش بند اکھٹے ہو سکیں اُنکو لیکر میوات کے علاقہ کو لوٹنا اور مارنا شروع کرو اور جو ہو سکے اُس میں کمی نہ کرنا تاکہ غنیم کو اُدھر کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو جائے۔ ملا ترک علی کو شیخ جمالی کے ساتھ کر دیا۔ اور تاکیداً سمجھا دیا کہ میوات کے ستیاناس کرنے میں ہرگز کسر نہ کرنا۔ مغفور دیوان کے نام بھی یہی حکم بھیجا کہ سرحدی مواضعات کو لوٹ لو۔ ویران کردو اور لوگوں کو گرفتار کرلو۔ افسوس! اُنہوں نے اس حکم کی تعمیل پورے طور پر نہ کی۔ اس لیے دشمن کو اس طرف کا اندیشہ نہ پیدا ہوا۔

شراب سے توبہ

منگل کے دن تیئسویں جمادی الثانی کو میں سیر کرنے سوار ہوا۔ اثنائے راہ میں خیال آیا کہ ہمیشہ سے دل میں توبہ کرنے کی تھی۔ اور خلاف شرع فعل کرنے سے دل خوش نہ تھا۔ میں نے کہا اے نفس! سہ

دور ساز از جملہ مناہی خود را پاک ساز از ہمہ گناہی خود را

اسی سوچ میں یہاں سے جا کر میں نے تو شراب سے توبہ کی۔ نقرئی اور طلائی صراحیاں اور گلاس وغیرہ تمام سامان بزم اُسی وقت منگا کر تڑوا ڈالا۔ ساری شراب پھنکوا دی۔ اور اپنے دل کو پاک کرلیا۔ ٹوٹا ہوا سامان محتاجوں اور مستحقوں کو بانٹ دیا۔ سب سے پہلے میرے ساتھ عسس نے توبہ کی۔ اُسنے ڈاڑھی منڈانے اور رکھنے میں بھی ساتھ دیا تھا۔ اُس رات میں اور دوسرے دن امراء مصاحبین، سپاہی اور اور لوگوں میں سے تقریباً تین سو آدمی نے توبہ کی اور شراب لُنڈھا دی۔ بابا دوست کی لائی ہوئی شراب میں نمک ڈلوا دیا گیا تاکہ وہ سرکہ ہو جائے۔ ایک گڑھا کھدوا کر شراب کی بوتلیں اُس میں لُنڈھوا دی تھیں۔ میں نے حکم دیا کہ اس جائے ایک پتھر نصب کر دیا جائے اور ایک مکان اُسکے پہلو میں بنا دیا جائے۔ سنہ ۹۳۵ھ میں گوالیار کی سیر سے جب میں پلٹ کر دھولپور سے سیکری میں آیا تو یہ مکان تیار ہو گیا تھا۔ میں نے پہلے نیت کی تھی کہ اگر رانا سانگا پر مجھے فتح حاصل ہوئی تو میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کردونگا۔ اثنائے توبہ میں محمد ساربان اور شیخ زین نے یاد دلایا۔ میں نے کہا خوب یاد دلایا۔ اس وقت جو ملک میرے پاس ہے تمام مسلمانوں سے محصول لینا معاف کردیا۔ منشیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں عظیم الشان باتوں کے مشتہر ہونے کے فرامین لکھو۔ شیخ زین نے فرمانوں کا مسودہ لکھا اور فرمان تمام قلمرو میں بھیجے گئے۔

وہ فرمان

یہ ہے۔

فرمان ظہیر الدین محمد بابر

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین ونشکر ھادی المؤمنین وغافر المستغفرین
ونصلی علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین۔ بر ارائے آرائے ارباب الباب کہ محاسن
مجالی صور اسباب ومخازن لآلی نقوش صدق وصواب است نقش پذیر جواہر زواہر انیمعنی خواہد بود
کہ طبیعت انسانی بمقتضائے فطرت مائل لذات نفسانی است وترک منہیات متفق بر توفیق
یزدانی وتائید آسمانی نفس بشر از میل بشر دور نیست۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ
بالسوء۔ واجتناب آں جز برافت ملک غفور نے۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل
العظیم۔ غرض از تصویر ایں مقالت وتقریر ایں مقولہ آنکہ بمقتضائے بشریت بر حسب مراسم
بادشاہان ولوازم بادشاہی وبنا بر عادت صاحب جاہان از شاہ وسپاہی در عنفوان ایام شباب
بعضی از مناہی وبرخے از ملاہی ارتکاب نمودہ می شد۔ وبعد از چند روزے ندامت وحسرت تمام
حاصل آمد۔ ویک یک ازاں مناہی را ترک نمودہ۔ وتوبۂ نصوح باب رجوع بداں مسدود گشت۔
اما توبۂ شراب کہ اہم مطالب آں مقصد۔ واعظم مآرب آں مقصود است در حجاب الامور مرہونۃ
باوقاتھا محتجب ماندہ روئے نمود۔ تا آنکہ دریں اوقات فرخندہ ساعات کہ بجہد تمام حزم جہاد
بستہ با عساکر اسلام مآثر در مقابلۂ کفار بمقاتلہ نشستہ بودیم۔ از ملہم غیبی وہاتف لاریبی مضمون
میمون الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم بذکر اللہ شنودہ۔ جہت قلع اسباب معصیت
بجد تمام قرع ابواب انابت نمودیم۔ وہادی توفیق حسب المضمون من قرع باباً ولج ولج در اقبال
کشود۔ افتتاح ایں جہاد بجہاد اکبر کہ مخالفت نفس است امر فرمود۔ القصہ ربنا ظلمنا انفسنا
بر زبان اخلاص بیاں آوردہ تبت الیک وانا اول المسلمین را بر لوح دل منقش گردانیدم۔
وداعیہ توبہ شراب را کہ مکنون خزینہ سینہ بود بامضار سانیدم۔ وخدام ظفر احتشام بموجب حکم
فرخندہ فرجام صراحی وجام وسائر ادوات وآلات طلا ؤ نقرہ کہ بکثرت زرینت چوں کواکب سپہر
رفیع مزین مجلس بدائع بود۔ عشرت شریعت بزمین خواری ومذلت زدہ مانند اصنام لات ان شاء اللہ
تعالیٰ عنقریب بکسر شان سوفق شویم پارہ پارہ ساختند۔ وہر پارہ را نزد مسکینے وبیچارہ انداختند
بیمن ایں انابت قریب الاجابت بسیاری از مقربان درگاہ بمقتضائے الناس علیٰ دین ملوکھم
درہماں مجلس بشرف توبہ مشرف گشتند۔ وبے تکلف از سر شرب خمر درگزشتند۔ وہنوز فوج فوج
از مطیعان اوامر ونواہی ساعۃ فساعۃ بدیں سعادت مستسعد می گردند۔ امید کہ بمقتضائے الدال
علی الخیر کفاعلہ ابواب ایں اعمال بروزگار با اقبال نواب خجستہ مآل بادشاہی عائد گردد۔
وبمیمنت ایں سعادت فتح ونصرت یوماً فیوماً متزاید آید۔ وبعد از اتمام ایں نیت وتکمیل ایں منت

فرمان عالم مطیع شرف نفاذ یافت که در ممالک محروسه حرسها الله عن الآفات والمخافات مطلقاً
هیچ آفریده مرتکب شرب خمر نشود - در تحصیل آن نکوشد - و خمر نسازد - و نه فروشد - و نه خرد - نه دارد
به زر و دینار - فاجتنبوه لعلکم تفلحون ؎ و تشکراً علی هذه الفتوح و تصدیقاً بقول ملک
التوبة النصوح ؎ بحر بخشائش بادشاهی در جوش آمده امواج کرم که سبب آبادانی عالم و آبروی
بنی آدم است ظاهر ساخت و تمغاء جمیع ممالک را از مسلمانان که حاصل آن از حد و حصر فراوان
است باوجود استمرار از منه سلاطین سابق بگرفتن آن از ضوابط شریعت سید المرسلین بیرون
بود برانداخته فرمان صادر شد در هیچ شهر و بلده و راه گزر و ممر تمغا نگیرند و نستانند و تغیر و تبدل
درین حکم راه ندهند و من بدله بعد ما سمعه فانما اثمه علی الذین یبدلونه - سپاهیان
ظلال عاطفت بادشاهی از ترک و تاجیک و عرب و عجم و هندی و فارسی و رعیت و سپاهی و کافه
امم و عامه طوائف بنی آدم آنکه بدین عارفه مویده مستظهر و امیدوار بوده بدعای دولت ابدی
الاتصال اشتغال نمایند و از لوازم این احکام میمنت انجام در نگذرند و انحراف نورزند - می باید
که برحسب فرمان اعلی عمل نموده بتقدیم رسانند - چون توقیع اشرف اعلی رسد اعتماد نمایند -
کتب بالامر الله اعلاه الله العالی متعالی و خلد نفاذه فی بست و چهارم جمادی الاولی سنه ۹۳۳

نه صد و سی و سه -

انہی دنوں میں گزشتہ واقعات کے سبب سے جیسا کہ بیان ہوا چھوٹے بڑے سب بہت ہی ہراساں اور اندیشہ ناک تھے - کسی سے کوئی بہادری کی بات اور دلیرانہ رائے سننے میں نہ آتی تھی - وزیروں اور امیروں کا بھی یہی حال تھا کہ ایسی بات نہ کرتے تھے جس سے جوانمردی ظاہر ہو اور نہ کوئی رائے ایسی دیتے تھے جس سے ہمت بندھے - البتہ ایک خلیفہ اس یورش میں مستقل رہا - اُس نے انتظام وغیرہ میں بہت کوشش کی - آخر لوگوں کی اتنی بیدلی اور اس قدر کم ہمتی دیکھکر میں ایک تدبیر سوچا میں نے سب امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور اُنسے کہا کہ :-

تقریر

اے امراء اور سرداران فوج ! ؎

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
آنکہ پاینده و باقی است خدا خواہد بود

جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھیگا - جو دنیا میں آیا ہے وہ یہاں سے جائیگا بھی - بدنام ہو کر جینے سے نیکنام مرنا بہتر ہے ؎

بنام نکو گر بمیرم رواست — مرا نام باید که تن مرگ راست

اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ جو اس میں مرے وہ

شہید ہو اور جو مارے وہ غازی ہو۔ اب سب کو حلف کرنا چاہیے تاکہ کوئی اُس موت سے نہ بھاگے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے مُنہ نہ پھیرے۔ بارے سردار۔ نوکر۔ چھوٹے اور بڑے سب نے قرآن شریف ہاتھوں پر لیکر اسی بات کا عہد کیا اور قسمیں کھائیں۔ یہ ایسی تدبیر ہوئی جس سے سب یکجہت ہو گئے۔ اسی زمانہ میں اور طرف بھی فتنے اور فساد برپا ہو گئے۔ حسن نے اپری کو آدبایا۔ قطب خاں کے لوگوں نے چندوار پر قبضہ کر لیا۔ رستم خاں نام ایک مردک نے میان دوآب کے سرکش ہندوں کو اکھٹا کر کول کو چھین لیا۔ اور بنجک علی کو گرفتار کر لیا۔ سنبھل کو زاہد چھوڑ کر بھاگ آیا۔ قنوج کو سلطان محمد دولدی چھوڑ کر چلا آیا۔ گوالیار کو ہندوؤں نے آن گھیرا۔ عالم خاں کو گوالیار بھیجا تھا وہ گوالیار سے اپنے علاقہ میں بھاگ کر چلدیا۔ روز اِدھر اُدھر سے ایک بُری خبر آجاتی تھی۔ لشکر میں سے بعض ہندوستانی سردار بھاگ نکلے ہیبت خاں کرک انداز سنبھل چلدیا۔ حسن خاں باری دال ہندوؤں سے جاملا۔ میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا اور بادجود اس کے آگے بڑھا۔ ارابے پہیے دار۔ تپائیاں اور اور جو سامانِ جنگ تیار ہو گیا تھا سب کو لیکر منگل کے دن جمادی الاخرٰے کی نویں کو جس دن نوروز بھی تھا میں نے کوچ کر دیا۔ لشکر کی صفیں۔ برانغار۔ جرانغار اور قول وغیرہ درست کر لی تھیں اپنے آگے ارابوں اور پہیے دار تپائیوں کو رکھا۔ اُن کے پیچھے اُستاد علی قلی کو تفنگ اندازوں کے دستہ کے ساتھ معین کیا۔ اور حکم دیا کہ پیادے ارابوں کے پیچھے سے ذرا نہ ہٹنے پائیں۔ تاکہ صفیں بندھی ہوئی روانہ ہوں۔ صفوں کے آنے کے بعد ہر ایک صف اپنی جائے پر ایک تیر کے فاصلہ سے کھڑی ہو گئی۔ تمام صفوں کے امراء اور سپاہیوں کو تشفی دیکر ہر گروہ کی کھڑے ہونے کے لیے جائے مقرر کر دی۔ اور ہر شخص کو سمجھا دیا کہ یوں پلٹنا اور یوں لڑنا۔ اسی ترتیب اور انتظام کے ساتھ کوس بھر چلکر ہم ٹھیرے۔ ہندوؤں کو بھی ہمارے آنے کی خبر ہوئی۔ اُسکی فوج صفیں درست کر کے آگے بڑھی۔ لشکر ٹھیرنے کے بعد لشکر کا آگا ارابوں اور خندقوں سے مضبوط کر لیا تھا۔ چونکہ آج لڑائی کا گمان نہ تھا اس لیے تھوڑی سی فوج نے پیشقدمی کر کے بطریق شگون غنیم پر پیشدستی کی۔ چند ہندو ہاتھ آئے۔ اُنکا سر کاٹ لائے۔ ملک قاسم بھی کسی کا سر کاٹ لایا۔ ملک قاسم نے یہ بہت ہی اچھا کیا۔ اتنی سی بات سے ہماری فوج کا دل بڑھ گیا۔ لوگوں کے حوصلے کچھ اور ہی ہو گئے۔ دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ آج ہمکو جنگ کا خیال تھا خلیفہ وغیرہ نے عرض کیا کہ جو پڑاؤ مقرر ہوا ہے وہ قریب ہے۔ مناسب ہے کہ اُسکی خندق کھود کر اُسکو محفوظ کر لیا جائے۔ اسکے بعد چلنا چاہیے۔ خندق کے انتظام کے واسطے خلیفہ آگے روانہ ہوا جہاں خندق کھودنے کی جائے تھی وہاں وہ بیلداروں کو لگا کر اور اُنپر محصل مقرر کر کے واپس

چلا آیا۔ ہفتہ کے دن تیرھویں جمادی الاخرٰے کو اراب آگے روانہ کیے۔ پھر لشکر کی صفیں روانہ ہوئیں۔ اور تقریباً ایک کوس بھر چل کر لشکر مقام مقرر پر ٹھیرا۔ بعض خیمے نصب ہو گئے تھے اور کچھ خیمے گڑ رہے تھے کہ اتنے میں جاسوس خبر لائے کہ دشمن کا لشکر نمودار ہوا ہے۔ اُسی وقت میں سوار ہوا اور حکم دیا کہ برانغار برانغار کی جائے پر۔ جرانغار جرانغار کی جگہ پر۔ غرض ہر شخص اپنی اپنی جائے پر چلا جائے ارابوں کو مضبوط کر دیا جائے اور صفیں مرتب ہو جائیں۔ اس لڑائی کے بعد شیخ زین نے جو فتحنامہ لکھا ہے چونکہ اُس سے لشکرِ اسلام کی کیفیت اور فوج ہنود کی حالت۔ لشکروں کی صف آرائی اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی لڑائی کا حال مفصّل معلوم ہو جاتا ہے اسلیے بے کم وکاست وہی یہاں لکھدیا جاتا ہے۔

فتح نامہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

الحمد للہ ربّ العالمین وصلّی اللہ علی خیر خلقہ محمّد سیّد الغزات والمجاھدین وعلیٰ اصحابہ الھداۃ الیٰ یوم الدّین۔ تواتر نعمائے سبحانی باعث تکاثر شکر وثنائے یزدانی است۔ و "تکاثرِ شکر وثنائے یزدانی مورث تواتر نعمائے سبحانی۔ بر ہر نعمتے شکرے مرتب است وہر شکرے را نعمتے معقب۔ ادائے لوازم شکر از قدرت بشر متجاوز است۔ واہل اقتدار از استیفائے مراسم آں عاجز۔ علے الخصوص شکرے کہ در مقابل نعمتے لازم آید۔ کہ نہ در دنیا دولتے عظیم تر باشد ونہ در عقبیٰ سعادتے ازاں جسیم تر نماید۔ وایں معنی جز نصرة بر اقویائے کفّار واستیلائے بر اغنیائے فجّار کہ "اولٰئک ھم الکفرۃ الفجرۃ" درشانِ امثال ایشاں نازل است نخواہد بود۔ ودر نظر بصیرت ارباب الباب احسن ازاں سعادتے نخواہد نمود۔ المنّة للہ کہ آں سعادت عظمٰے وموہبت کبرٰے کہ من المہد الیٰ ھذا العہد مطلوب اصلی ومقصود حقیقی ضمیر خیر اندیش ورائے صواب کیش بود دریں ایام فرخندہ فرجام از مکمن عواطف حضرت ملک علّام روئے نمود۔ فتّاح بے منّت و فیاض بے علّت مجدداً بمفتاح فتح ابواب فیض بر چہرہ آمال نواب نصرت مآل ما کشود۔ اسامی تامی افواج باتہاج ما در دفتر غزّات منثبت گردید۔ ولوائے اسلام بامدادِ لشکریانِ ظفر انجام باوج رفعت وارتفاع رسید۔ کیفیت صدورایں سعادت وظہورایں دولت آنکہ چوں اشعہ سیوف سپاہ اسلام پناہ ما ممالک ہند بلمعات انوارِ فتح وظفر منوّر ساخت۔ وچنانچہ در فتحنامہائے سمت تحریر یافتہ بود ابادی توفیق رایات ظفر آیات مارا در دہلی وآگرہ وجونپور وخریدو بہار وغیر ذالک غلبہ اکثر طوائف اقوام از اصحابِ کفر وارباب اسلام اطاعت وانقیاد نواب فرخندہ فرجام ما را اختیار نمودہ طریق عبودیت را بقدم صدق واخلاص پیمودند۔ اما سنگاکافر کہ در سوابق ایام دم از اطاعت زد بجہت انجام

می زد اکنون بمضمون "ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین" عمل نموده شیطان صفت سرکشیده وقاید لشکر ودر سلک
سرخیلِ سیاه مهجوران گشته باعثِ اجتماع طوایف گردید. که بعضے طوق لعنت زنار در گردن و پرچے
خار محنت ارتداد در دامن داشتند. واستیلائے آں کافر لعین خذله فی یوم الدین در ولایت هند
بمرتبه بود که پیش از طلوعِ آفتاب دولت بادشاهی وقبل از سطوع نیر خلافت شهنشاهی با آنکه راجهای
دیانِ بزرگ نهاد که دریں مقابله اطاعت فرمانش نموده وحاکمان وپیشوایانِ متصف بارنداه
که دریں محاربه در عنانش بودند بزرگی خود را منظور داشته در هیچ قتالے متابعت بل موافقت وے
نکرده اند و در هیچ مسافرت طریق مصاحبت وامر افقت او نسپرده. تمامی سلاطین رفیع این خطه
وسیع چوں سلطان دهلی. وسلطان گجرات وسلطان مندو وغیرهم از مقاومت آں به سبب موافقت
کفار دیگر عاجز بوده اند. وبلطائف الحیل با مدارا ومواسائے نموده اند لوائے کفر در قریب دو بیست
شهر از بلاد اسلام افراخته بود. وتخریب مساجد ومعابد نموده عیال واطفال مومنان آں بلدان
وامصار را اسیر ساخته. وقوت وے از قرار واقع بجائے رسیده که نظر بقاعدهٔ مستمرهٔ هند که یک لک
ولایت را صد سوار وکروری را ده هزار سوار اعتبار می کنند بلاد مسخرهٔ آں سرخیل کفره بده کرور رسیده
که جائے یک لک سوار باشد. ودریں ایام بسے از کفار نامی که هرگز در هیچ معرکه یکے از ایشاں امداد وے
نه نموده اند بنا بر عداوت عسکر اسلامی بر لشکر شقاوت اثر وے افزودند. چنانچه ده حاکم با استقلال
که هریک چوں نمرود دعوی سرکشی می نمودند. ودر قطرے از اقطار قاید جمع از کفار بودند با سند
اغلال وسلاسل بداں کافر فاجر متصل گشتند. وآں عشرهٔ کفره که بر نقیض عشرهٔ مبشره لوائے
شقاوت فزائے "فبشرهم بعذاب الیم" می افراشتند. توابع وعساکر بسیار ودیگر گنات وسیع
الاقطار داشتند. چنانچه صلاح الدین سی هزار سوار را ولایت داشت در اوّل. اودے سنگه
کیسری دوازده هزار سوار. ومیدنی رائے دو هزار سوار وحسن خاں میواتی دوازده هزار سوار
وبارمل یدری چهار هزار سوار. نربت هاڈا هفت هزار سوار وستر دی کچی شش هزار سوار وبرم دیو چهار هزار سوار
ونرسنگ دیو چهار هزار سوار. ومحمود خاں ولد سلطان سکندر اگرچه ولایت وپرگنه نداشت اما ده هزار
سوار تخمیناً بامیدواری سرداری جمع کرده بود. که مجموعهٔ جمعیت آں مهجوراں را روئے سلامت
وامنیت نظر بقاعدهٔ پرگنه وولایت دو لک ویک هزار باشد. القصه آں کافر مغرور باطن کور دلها
با قساوت کفار سیاه روزگار که ظلمات بعضها فوق بعض بایکدیگر موافق ساخته در مقامِ مخالفت
ومحاربهٔ اهلِ اسلام بهدم اساسِ شریعت سید انام علیه الصلوٰة والسلام درآمد. مجاهدان عساکر
بادشاهی مانند قضائے الٰهی بر سر آں دجال اعور آمده "اذا جاء القضاء عمی البصر" را منظور نظر
بصیرت اصحاب سیرت گردانیدند وآیهٔ کریمهٔ "من جاهد فانما یجاهد لنفسه" را ملحوظ داشته

فرمانِ واجب الاذعان "جاهد الکفار والمنافقین" را بامضا رسانیدند. روزِ شنبه سیزدهم جمادی الاخری سنه ۹۳۳ که بارک الله فی سبتکم نشانِ مبارکیِ آن روز است در نواحیِ موضعِ خانوه از مضافاتِ بیانه حوالیِ کوهی که در گروهیِ اعدائے دین بود مضرب خیامِ نصرت انجام لشکرِ اسلام گردید. چون کوکبه و دبدبهٔ موکبِ اسلامی بگوشِ اعدائے دین و کافرانِ لعین رسید مخالفانِ ملتِ محمدی که مانندِ اصحابِ فیل در پئے انهدامِ کعبهٔ اهلِ اسلام بودند فیلانِ کوه پیکرِ عفریت منظر را اعتضادِ خود ساختند و همه متفق و یکدل گشته لشکرِ شقاوت اثرِ خود را فوجها پرداختند. مثنوی.

بآن فیلهائے هندوانِ ذلیل — شده غره مانندِ اصحابِ فیل
چو شامِ اجل جمله مکروه و شوم — سیه تر ز شب بیشتر از نجوم
همه همچو آتش ولیکن چو دود — کشیده سر از کین بچرخِ کبود
چو مور آمدند از یمین و یسار — سوار و پیاده هزاران هزار

و بعزمِ مقاتله و کارزار متوجه اردوئے اسلام که اشجارِ ریاضِ شجاعت‌اند صنوبر صفت صفها کشیدند. و نوکِ صنوبر صفاتِ آفتاب شعاع را چون قلوبِ مجاهدان فی الله باوجِ ارتفاع رسانیدند. صفے چون سدِ سکندری آهن فام و مانندِ طریقِ شریعتِ پیغمبری باستقامت و استحکامِ دینِ مبین. قوت و متانتش کانهم بنیان مرصوص و فلاح و فیروزی بمقتضائے اولٰئک علیٰ هدی من ربهم و اولٰئک هم المفلحون باهالیِ آن صف مخصوص. نظم

درآن رخنه نے از طبائعِ دهیم — چو رائے شهنشاه و دینِ قویم
علمهائے او عرش فرسا همه — الفهائے انا فتحنا همه

رعایتِ حزم را مرعی داشته بطریقِ غزاتِ روم بجهتِ تگلچیان در عرابه اندازان که در پیشِ سپاه بودند صفے از ارابه ترتیب نموده بایکدیگر بزنجیرِ اتصال داده شد. القصه جیوشِ اسلام چنان انتظام و استحکام پدید آورد که عقلِ پیرِ چرخِ اثیر تدبیر و مرتبش را آفرین کرد. درین ترتیب و انتظام و تشئید و استحکام مقربِ الحضرت السلطانی اعتماد الدولة الخاقانی نظام الدین علی خلیفه دادِ سعی و اجتهاد داده. همه تدبیراتش موافقِ تقدیر و جمله سرداری‌ها و کارگزاری‌هائے او پسندیدهٔ رائے منیر افتاد. مقرِ عزتِ بادشاهی در قول مقرر گشت. و بر دستِ راست برادرِ عزیز ارشد ارجمند سعادت یار المختص بعواطفِ الملک المستعان چین تیمور سلطان. و فرزندِ اعز ارشد منظورِ انظارِ حضرت الٰه سلیمان شاه و جنابِ هدایت مآب ولایت انتساب خواجه دوست خاوند. و معتمد السلطنة العلیه و مؤتمن العتبة السنیه مقربِ خاص و زبدهٔ اصحابِ الاختصاص یونس علی. و عمدة الخواص کامل الاخلاص

شاه منصور برلاس. و زبدة اصحاب اختصاص درویش محمد ساربان. و عمدة الخواص صادق الاخلاص
عبد الله کتاب دار. و دوست ایشک آقا در محال خود جا گرفتند. و بر دست چپ قول سلطنت مآب
و خلافت انتساب سلطان علاء الدین عالم خان ابن سلطان بهلول لودی و مقرب الحضرت السلطانی
مشار الیه و دستور اعاظم الصدور و مبین الانام ملاذ الجمهور و موید الاسلام شیخ زین خوافی. و
عمدة الخواص کامل الاخلاص محب علی ولد مقرب الحضرت السلطانی مشار الیه. و عمدة الخواص
تردی بیگ برادر قوچ بیگ مرحوم مبرور. و شیر افگن ولد قوچ بیگ مرحوم مذکور. عمدة الاعاظم
والاعیان خان معظم آرایش خان. و دستور اعاظم الوزرا مبین الامم خواجه حسین. و جماعه دیوانیان
عظام هر یک در موضع مقرر ایستادند. و در برانغار فرزند اعز و ارشد ارجمند سعادت یار منظور عنایات
حضرت آفریدگار اختر برج سلطنت و کامگاری مهر سپهر خلافت و شهریاری الممدوح بلسان العبد
والحر معز السلطنة والخلافة محمد همایون بهادر متمکن گشته. بهمین سعادت قرین آن عزیز فرزند جناب
سلطنت مآب المختص بعواطف ملک المنان قاسم حسین سلطان. و عمدة الخواص احمد یوسف
اوغلاقچی و معتمد الملک کامل الاخلاص هندو بیگ قوچین. و معتمد الملک صادق الاخلاص خسرو
کوکلتاش. و معتمد الملک قوام بیگ اوردوشاه. و معتمد الخواص کامل العقیدة والاخلاص ولی
خازن و قرا قوزی. و عمدة الخواص پیر قلی سیستانی. و عمدة الوزرا مبین الامم خواجه بهلول بدخشی و
معتمد الخواص سلیمان آقا ایلچی عراق. و حسین ایلچی سیستانی مقرر گشته. بر یسار ظفر آثار فرزند کامگار
مشار الیه عالیجناب سیادت مآب مرتضوی انتساب میر همه. و عمدة الخواص کامل الاخلاص محمدی کوکلتاش
و خواجگی اسد جامدار تعین یافتند و برانغار از امرای هند عمدة الملک خان خانان دلاور خان.
و عمدة الاعیان ملک داد کررانی. و عمدة الاعیان شیخ المشائخ شیخ گورن هر یک در مقامی که فرمان
شده بود ایستادند. و در جرانغار عساکر اسلام شعار عالیجاه نقابت پناه افتخار آل طه و یاسین سید مهدی
خواجه. و برادر اعز ارشد کامگار منظور انظار عنایت حضرت آفریدگار محمد سلطان میرزا و سلطنت مآب
خلافت انتساب عادل سلطان بن مهدی سلطان. و معتمد الملک کامل الاخلاص عبد العزیز میر آخور.
و معتمد الملک صادق الاخلاص محمد علی جنگ جنگ. و عمدة الخواص کامل الاخلاص قتلق قدم قراول.
و شاه حسین بارکی مغل غانچی. و جان بیگ آتکه صف کشیدند. و درین از امرای هند نتیجه السلاطین
جلال خان و کمال خان اولاد سلطان علاء الدین مذکور. و عمدة الاعیان علی خان شیخزاده فرملی. و
عمدة الاعیان نظام خان بیانه تعین شده بودند. و جهت تولغمه معتمد الخواص تردی بیگ و ملک قاسم
برادر بابا قشقه با جمعی از مغول. و در جانب برانغار معتمد الخواص مومن آتکه و رستم ترکمان
با شیلغ با جماعه. از تابینان خاصه در طرف جرانغار نامزد شدند و عمدة الخواص کامل الاخلاص

زبدهٔ اصحاب اختصاص سلطان محمد بخشی القبیان و ارکان غزوات اسلام را در مواضع و محال مقررهٔ ایشان داشته خود باستماع احکام ما مستعد بوده و تواچیان و یساولان را باطراف و جوانب ارسال میگردانید و احکام مطاعه را در ضبط و ربط سپاه و سپاهی بسلاطین عظام و امرائے کرام و سائر غزاة ذوی الاحترام می رسانید. چون ارکان لشکر قائم گشته هر کس بجائے خود شتافت. فرمان واجب الاذعان لازم الاتباع شرف اصدار یافت که هیچکس بے حکم از محال خود حرکت ننماید و بے رخصت دست بکار نگشاید و از روز مذکور تخمیناً یک پاس و دو گهڑی گذشته بود که فریقین متقابلین متقارب یکدیگر گشته بنیاد مقاتله و کارزار شد قلب جانبین مانند نور و ظلمت در برابر یکدیگر ایستاده. در برانغار و جرانغار چنان عظیم قتالے واقع شد که زلزله در زمین و ولوله در سپهر برین افتاد. جرانغار کفار شقاوت شعار بجانب برانغار میمنت آثار عساکر اسلام شعار متوجه گشته بر سر خسرو کوکلتاش و ملک قاسم باتشقه حمله آوردند. برادر اعز ارشد چین تیمور سلطان حسب الفرمان بکمک ایشان رفته مردانه قتالے آغاز نهاد. کفار را از جا بر داشته قریب بعقب قلب ایشان رسانید و جلدو بنام آن عزیز برادر شد. و نادر العصر مصطفی رومی از غول فرزند اعز ارشد کامگار منظور انظار حضرت آفریدگار المختص بعواطف الملک الذی ینتهی و یا محمد همایون بهادر ارابها را پیش آورده صفوف سپه کفار را به تفنگ و ضرب زن مانند قلوب شان منکسر گردانید. و در عین محاربه سلطنت مآب قاسم حسین سلطان و عمدة الخواص احمد یوسف و قوام بیگ فرمان یافته بامداد ایشان شتافتند. و چون زمان زمان اهل کفر و طغیان متعاقب و متواتر بامداد مردم خود می آمدند ما نیز معتمد الملک هندو بیگ قوچین را. و از عقب او عمدة الخواص کامل الاخلاص شاه منصور برلاس و عمدة الخواص صادق العقیده عبد الله کتابدار را و از پے ایشان عمدة الخواص دوست ایشک آقا و محمد خلیل آخته بیگی را بکمک فرستادیم. و برانغار کفره بکرات و مرات حملها بر جابر جرانغار لشکر اسلام آوردند. و خود را بغزات ذوی النجاة رسانیدند. و هر نوبت غازیان عظام بعضے را بزخم سهام ظفر فرجام بدار البوار یصلونها و بئس القرار فرستاده و بعضے را برگردانیدند. و معتمد الخواص مومن آتکه و رستم ترکمان بجانب عقب سپاه ظلمت دستگاه باکفار شقاوت پناه توجه نمودند. و معتمد الخواص ملا محمود و علی آتکه باشلیق نوکران مقرب الحضرت السلطانی اعتماد الدولة الخاقانی نظام الدین علی خلیفه را بکمک مشار الیه فرستادیم. و برادر اعز ارشد محمد سلطان میرزا و سلطنت مآب عادل سلطان و معتمد الملک عبد العزیز میر آخور و قتلق قدم قراول و محمد علی جنگ جنگ و شاه حسین یارکی مغل غانچی دست بمحاربه کشاده پائے محکم کردند. و دستور الاعظم الوزراء بین الامم خواجه حسین را با جماعهٔ دیوانیان به کمک ایشان فرستادیم همه اهل جهاد در غایت جد و اجتهاد راغب مقابله آمده آیهٔ کریمهٔ قل هل تربصون بنا الا احدی الحسنیین را منظور داشته عزیمت جانفشانی

کرده لوائے جانستانی افراشتند۔ وچون محاربه و مقابله دیر کشید و بتطویل انجامید فرمانِ واجب الاذعان بنفاذ رسیده که از نابینان خاصهٔ بادشاهی جوانان جنگی و هزبرانِ بیشهٔ یکرنگی که در پس ارابها مانندِ شیر در زنجیر بودند از راست و چپ قول بیرون آیند۔ و جائے تفنگچیان درمیان گزارند۔ و از هردو جانب کارزار نمایند۔ از پس ارابه مانند طلیعهٔ صبح صادق از پیش افق بیرون تاختند۔ و خونِ شفق گون کفار نامیمون را در معرکهٔ میدان که نظر سپهر گردون بود ریخته بسیاری از سرهائے سرکشان را ستاره صفت از فلک وجود محو ساختند۔ و نادر العصر استاد علی قلی با توابعِ خود در پیشِ قول ایستاده بود مردانگیها کرده سنگهائے عظیم القدر که چون در پلهٔ میزانِ اعمالش نهند صاحبش فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة الراضیة نام برآورد و اگر بر کوه راسخ و جبل شامخش اندازند کالعهن المنفوش از پا درآورد۔ و بجانب حصارِ آهن آثار صفِ کفار انداخت۔ و باندختن سنگ و ضرب زن و تفنگ بسیاری از ابنیه احشام کفار منهدم ساخت۔ تفنگ اندازانِ بادشاهی حسب الفرمان از ارابه بمیان معرکه آمده هریک از ایشان بسیاری کفار را زهر ممات چشانیدند۔ و پیاده درمحل مخاطرهٔ عظیم درآمده نام خود را درمیانِ شیرانِ بیشهٔ مردمی و دلیری معرکهٔ جوانمردی ظاهر گردانیدند۔ و مقارن این حالت فرمانِ حضرت خاقانی به پیش راندنِ ارابهائے قول بنفاذ رسید۔ و به نفسِ نفیس بادشاهی فتح و دولت از یمین اقبال و نصرة از یسار بجانب کفار متحرک گردید۔ و از اطراف و جوانب عساکر ظفر مناقب این معنی را مشاهده نموده تمامی بحر ذخار سپاه نصرت شعار تموج عظیم برآورد۔ و شجاعت همه نهنگان آن بحر را از قوت بفعل درآورده ظلام غبار غمام کردار چون سحاب مظلم در تمامی معرکه متراکم گشت و بریق لمعات سیوف دوران دوران جنگ خون ریز از لمعان برق درگذشت۔ تهیج گرد روئے خورشید را چون پشت آئینه از نور عاری کرد۔ و ضارب بمضروب و غالب بمغلوب آمیخته سمت امتیاز از نظر متواری شد۔ ساحر زمانه چنان شبے درنظر آورد که ستاره دوران غریب تر نبود۔ و کواکب ثوابتش جز مواکب ثابت الاقدام نمی نمود۔ مثنوی۔

فرو رفت و بر رفت روز نبرد نم خون بماهی و بر ماه گرد
ز سم ستوران دران پهن دشت زمین شش شد و آسمان گشت هشت

مجاهدانِ غازی که درعین سراندازی و جانبازی بودند از هاتف غیبی نوید لا تهنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون می شنودند۔ و از منهی لاریبی مژدهٔ نصر من الله و فتح قریب و بشر المؤمنین استماع می نمودند۔ چنان بشوق محاربه می کردند که از قدسیانِ ملاء اعلیٰ ندائے تحسین بدیشان می رسید۔ و ملائکِ مقرب پروانه صفت برگرد سر ایشان می گردید۔ و مابین الصلوتین نایرهٔ قتال

چناں اشتعال یافت که مشاعل آن علم برافلاک می افراشت وهیمنه ومیسرهٔ لشکر اسلام میسره ومیمنهٔ کفارِ نافرجام را با قلب شاں دریک محل مجتمع گردانید۔ چوں آثار غالبیت مجاهدان نامی و ارتفاعِ لوائے اسلامی ظاهر شدن گرفت ساعتے آن کفارِ لعین و اشرارِ بیدین درحال خود متحیر ماندند۔ و آخر دلها از جاں برکنده برجانب راست وچپ غول حمله آوردند۔ و درجانب چپ بیشتر هجوم کرده خود را نزدیک رسانیدند۔ اما غزات شجاعت سمات ثمره ثواب را منظور داشته سنان نیزه در زمین سینه هریک نشاندند۔ و همه را چون بخت سیاه ایشاں برگردانیدند۔ قرین این حال نسایم نصرت و اقبال بر چمین دولت نواب خجسته مآل ما وزید و مژده انا فتحنا لك فتحا مبینا رسانید۔ شاهد فتح که جمال عالم آرایش بطرهٔ و ینصرك الله نصرا عزیزا قرین گشته استقبال در ستر اخفا بود یاری نموده قرین حال گردید۔ هندوان باطل حال خود را مشکل دانسته کالعهن المنفوش متفرق شدند وکالفراش المبثوث متلاشی گشتند۔ بسیاری کشته در معرکه افتادند۔ وکثیرے از سرِ خود گذشته سر در بیابانِ آوارگی نهادند وطعمهٔ زاغ و زغن گردیدند۔ واز کشتها پشتها افراخته شد۔ واز سرها بیشارها پرداخته۔ حسن خاں میواتی بضرب تفنگ در سلک اموات درآمد۔ همچنیں بیشترے ازاں سرکشانِ ضلالت نشاں را که سرآمد آن فوج بودند تیر و تفنگ رسیده روزِ حیات سرآمد۔ ازجمله راول اودے سنگه مذکور که والی ولایت ڈونگرپور بود و دوازده هزار سوار داشته۔ و رائے چند بهان چوهان که چار هزار سوار داشته۔ مانک چند چوهان و دلیپ راؤ که صاحب چهار هزار سوار بوده اند وکنور کرم سنگه و ڈونگرسی که سی هزار سوار داشته و جمعے دیگر که هریک از ایشاں سرخیل بزرگ گروهے و سردارِ قاطبهٔ ذی شوکت وشکوهے بوده اند راه دوزخ پیمودند۔ وازیں دار وحل بدرک الاسفل انتقال نمودند۔ و راه دار الحرب از زخمیان در راه مانند جهنم پر شد و درک الاسفل از منافقان جاں بمالکِ دوزخ سپرده مملو گردید۔ از عساکر اسلامی هرکس بهرجانب که شتافتے در هرگامے خود کامے را کشته یافتے۔ وار دوئے نامی از عقب منهزمان هرچند کوچ نمودے هیچ قدمے از فرسوده مجثثے خالی نیافتے ؎

همه هندوان کشته خوار و ذلیل ۔۔۔ بسنگ وتفنگ همچو اصحاب فیل

زکشتها بسے کوه ها شد عیاں ۔۔۔ بهرکوه ازاں چشمهٔ خوں رواں

زبیم سهام صفت پر شکوه ۔۔۔ گرازاں گریزاں بهر دشت و کوه

ولوا علی ادبارهم نفورا وکان امر الله قدرا مقدورا۔ فالحمد لله السمیع العلیم و ما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم۔ تحریر فی شهر جمادی الاخرے

سنه نهصد وسی و سه ٩٣٣

لڑائی فتح ہونیکے بعد مراجعت

اسی فتح کے بعد سے فرمانوں پر جو طغرا لکھا جاتا ہے اُس میں غازی کا لفظ لکھنا شروع ہوگیا۔ اس فتحنامہ میں طغرا کے نیچے یہ رباعی میں نے لکھدی۔ رباعی۔

اسلام اوچوں اوارہ پانی بولدوم — کفار ہنود حرب سازی بولدوم
جزم ایلاب آیدیم اودر دم شہید — اولما قاقہ المنۃ للہ کہ غازی بولدوم

یعنی میں اسلام کے لیے جنگل جنگل پھرا۔ ہندوستان کے کفار سے نبرد آزما ہوا۔ میں نے اپنے شہید ہونے کا ارادہ کرلیا تھا۔ مگر خدا کا احسان ہے کہ میں غازی ہوگیا۔ شیخ زین نے اس فتح کی تاریخ "فتح بادشاہِ اسلام" لکھی تھی۔ میر گیسو کے ہاتھ بھی یہی مادہ لگا۔ جو لوگ کابل آئے تھے اُن کے ہاتھ اسی مادہ کو تضمین کرکے ایک رباعی اُس نے بھیجی۔ دونوں کو توارد واقع ہوا۔ ایک دفعہ اور بھی ایسا ہوا ہے۔ دیبال پور کی فتح کا مادہ شیخ زین نے "وسطِ شہر ربیع الاول" نکالا تھا۔ میر گیسو نے بھی یہی مادہ نکالا۔ الغرض دشمن کو شکست دیکر ہم آگے بڑھے۔ ہندوؤں کے ڈیرے ہم سے دو کوس کے فاصلہ پر تھے اُن میں پہنچے۔ محمدی۔ عبدالعزیز اور علی خان وغیرہ کو فراریوں کے پیچھے روانہ کیا۔ میں نے ذرا سستی کی۔ مجھے خود جانا چاہیے تھا دوسروں پر بھروسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ لشکر گاہِ ہنود سے کوئی کوس بھر میں گیا ہونگا کہ رات ہوگئی۔ اسی سبب سے میں اُلٹا پھر آیا۔ عشا کے وقت اپنے لشکر میں آگیا۔ محمد شریف منجم جو منحوس باتیں بکی تھیں فتح کی مبارکباد دینے آیا۔ میں نے بھی خوب ہی بُرا بھلا کہکر دل کا بخار نکالا۔ اگرچہ وہ بڑا بے ایمان۔ بدنفس۔ بڑا مغرور اور بے انتہا شریر تھا۔ مگر چونکہ قدیمۃ الخدمۃ تھا اس لیے ایک لاکھ انعام دیکر اُس کو رخصت کیا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں نہ ٹھیرنے پائے دوسرے دن یہیں قیام کیا۔ محمد علی جنگ جنگ۔ شیخ گورن اور عبدالملک قورچی وغیرہ کو ایک بڑی فوج دیکر الیاس خاں کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔ اس شخص نے دوآبہ میں فساد مچا رکھا تھا کول کو دبا لیا تھا۔ اور کچک علی کو قید کرلیا تھا۔ اس لشکر کے وہاں پہنچتے ہی بے لڑے بھڑے الیاس خاں بھاگ گیا۔ اُسکی فوج منتشر ہوگئی۔ جب میں آگرہ میں آگیا تو اُسکے چند روز بعد پکڑا آیا۔ میں نے اُسکی کھال کھنچوا ڈالی۔ جو پہاڑی ہمارے لشکر کے سامنے تھی اور جسکے پاس ہی لڑائی ہوئی تھی اُس پر مقتولوں کے سروں کا منارہ بنا دینے کا میں نے حکم دیا۔ یہاں سے دو منزل چلکر بیانہ پہنچے۔ بیانہ بلکہ الور اور میوات تک کفار اور مرتدوں کا مال و اسباب بے نہایت پڑا ہوا تھا۔ میں نے جاکر بیانہ کی سیر کی۔ پھر لشکر میں آیا۔ اور امرائے ہند سے اُسی کافر کے ملک پر چڑھائی کر دینے کی صلاح کی۔ چونکہ راستہ میں پانی کی کمی تھی اور گرمی شدت سے پڑ رہی تھی اس لیے یہ یورش

ملتوی رہی۔

میوات اور حسن خاں میواتی کا حال اور اُسکے ملک پر یورش

میوات کا ملک دلی کے قریب ہے۔ اُسکی آمدنی تخمیناً تین چار کروڑ ہوگی حسن خاں کے آباؤ اجداد تقریباً دو سے برس سے میوات میں مستقل حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ دلی کے بادشاہوں کی یونہی سی اطاعت کرتے تھے۔ شاہانِ ہند اپنے ملک کی وسعت یا اپنی عدیم الفرصتی یا ملک میوات کے پہاڑی ہونے سے اسکے چھین لینے کے درپے نہیں ہوئے۔ اور وہاں کے حاکم نے جتنی اطاعت کی اُسی پر اکتفا کیا۔ میں نے بھی ہندوستان فتح کرنیکے بعد اگلے بادشاہوں کی طرح حسن خاں کی رعایت کی جیسا کہ بیان ہوچکا ہے۔ اس حق ناشناس بےکافروش اور ملحد نے میری عنایت و مہربانی کو کچھ نہ سمجھا۔ اور اُس کا ذرا شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ سارے جھگڑوں اور فسادوں کا بانی وہی تھا۔ اور ساری آگ اُسی کی لگائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جب رانا سانگا والی یورش کی نہ ٹھہری تو میوات کی طرف میں متوجہ ہوا۔ چار منزلیں طے کرکے آلور سے جو آجکل اس ملک کا دارالحکومت ہے چھ کوس ادھر بانگنگا ندی کے کنارہ پر لشکر اُترا حسن خاں کے اجداد تجارے میں رہتے تھے۔ اور وہ بھی وہیں رہتا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان کی طرف رخ کیا ہے۔ اور بہار خاں کو زیر کرکے لاہور اور دیپال پور کو لے لیا ہے تو میرے خوف سے براہ دور اندیشی حسن خاں نے آلور کے قلعہ کو درست کرلیا۔ اور اُسی کو اپنا مستقر ٹھیرایا۔ کرم چند حسن خاں کا ایک معتبر اہلکار جو اُس کے بیٹے کے ساتھ آگرہ میں بھی آیا تھا اُسکے بیٹے کی طرف سے امان طلب کرنے حاضر ہوا۔ عبدالرحیم شقاول کو کرم چند کے ہمراہ مع فرمان استمالت روانہ کیا۔ وہ طاہر خاں پسر حسن خاں کو ساتھ لے آیا۔ میں نے پھر اُس پر رحم کیا اور کئی لاکھ روپے کا ملک اُسکو عنایت کیا خیال تھا کہ لڑائی کے موقع پر اپنے کچھ کارگزاری بھی کی ہے اس واسطے آلور اور پچاس لاکھ روپے کا علاقہ دیا۔ بدنصیبی سے اتراکر اس عطیہ پر اُسنے ناک چڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کام حسین تیمور سلطان نے کیا ہے۔ اس لیے صد کا مستحق سلطان ہوا۔ تجارہ جو صدر مقام تھا مع پچاس لاکھ کے ملک کے تیمور سلطان کو عطا کیا۔ ترزدی بیگ کو جو رانا سانگا کی اس لڑائی میں دست راست کا تونغہ تھا اور جس پہلے اوروں کی نسبت بہت تندہی کی تھی پندرہ لاکھ کا ملک اور آلور کا قلعہ عنایت ہوا۔ آلور کے قلعہ میں جتنے خزانے تھے اور جو کچھ تھا وہ ہمایوں کو بخشدیا۔ وہاں سے رجب کی پہلی تاریخ بدھ کے دن چل کر آلور سے دو کوس کے فاصلہ پر لشکر کا قیام ہوا۔ میں نے آلور کی سیر کی۔ رات کو میں وہیں رہا۔ صبح لشکر میں آیا۔ لڑائی سے پہلے جب سب سے حلف لیا گیا ہے تو یہ بھی کہدیا گیا تھا کہ اس فتح کے بعد جو شخص جانا چاہیگا اُس کو رخصت ملجائے گی۔ ہمایوں کے ملازم اکثر بدخشانی [illegible]

راستے پر نہ لگے تھے۔ اور لڑائی سے پہلے ڈھیل کرے ہو رہے تھے۔ وعدۂ رخصت بھی تھا۔ اور کابل خالی بھی تھا۔ اس واسطے سب کی رائے ہوئی کہ ہمایوں کو کابل بھیجدینا چاہیے۔ یہ بات ٹھیرا کر جمعرات کے دن رجب کی نویں تاریخ آگرہ سے کوچ کیا۔ پانچ چار کوس چلکر باتش می ندی کے کنارہ پر ٹھیرے۔ مہدی خواجہ بھی بیچین تھا۔ اُس کو بھی کابل جانے کی اجازت دی گئی۔ بیانہ کی شقداری ایشک آقا کو دی۔ اس سے پہلے چونکہ اٹاوہ کو مہدی خواجہ کے نامزد کردیا تھا اس لیے قطب خاں جو اٹاوہ سے بھاگا تو اٹاوہ مہدی خواجہ کے بیٹے جعفر خواجہ کو دیدیا گیا۔ ہمایوں کے رخصت کرنیکے لیے چار روز میں اُس جائے ٹھیرا۔ اسی منزل سے مومن علی تواچی کو فتحنامہ دیکر کابل روانہ کیا۔ بروپور کے چشمہ کی اور کوتلہ کے بڑے تالاب کی بہت تعریف سُنی تھی ہمایوں کی مشایعت کے لیے بھی اور ان مقاموں کی سیر کے لیے بھی ہفتہ کو ہم لشکر سے سوار ہوئے اور لشکر کو یہیں چھوڑا۔ اُسی دن بروپور پہنچکر وہاں کی اور چشمہ کی سیر کرکے معجون کا استعمال کیا۔ جس درہ میں چشمہ کا پانی بہکر آتا ہے اُس میں تمام کنیر کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اگرچہ جیسی تعریف سُنی تھی ویسا تو نہ تھا مگر پھر بھی غنیمت تھا۔ اسی درہ میں جہاں چشمہ کا پانی زیادہ بہتا تھا اُس جائے کو پتھر سے دہ در دہ بنانے کا میں نے حکم دیا۔ رات بھر میں درہ ہی میں رہا۔ دوسرے دن سوار ہوکر کوتلہ کے تالاب کی سیر کی۔ تالاب کا ایک کنارہ پہاڑ کا دامنہ ہے۔ باتش می کا پانی اس تالاب میں آتا ہے۔ یہ بڑا تالاب ہے۔ ادھر سے دیکھو تو اُدھر کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ تالاب میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تالاب کے گرد نواح والے جب کبھی غل غپاڑہ ہوتا ہے تو ان کشتیوں میں بیٹھ تالاب میں پناہ لیتے ہیں۔ میرے آنے کے وقت بھی بہت سے لوگ کشتی میں بیٹھ بیچ تالاب میں چلے گئے۔ میں تالاب کی سیر کرکے ہمایوں کے لشکر میں اُترا۔ وہاں استراحت کی۔ کھانا کھایا اور میرزا کو مع اس کے امراء کے خلعات دیے۔ عشا کے وقت ہمایوں کو رخصت کرکے میں سوار ہوگیا۔ راستہ میں ایک مقام پر سو رہا۔ صبح وہاں سے سوار ہو پرگنہ کھیری سے نکل تھوڑی دیر سو رہا۔ پھر لشکر میں جو تودہ کے قریب آپڑا تھا آگیا۔ تودہ سے کوچ کیا۔ سونکر میں آئے تو طاہر خاں پسر حسن خاں جو عبدالرحیم کے سپرد تھا بھاگ گیا۔ یہاں سے ایک منزل چلکر اُس چشمہ کے قریب جو پشاور اور چوسا کے بیچ والی بینی گاہ کوہ میں ہے اُترے۔ شامیانہ کھڑا کرکے وہاں معجون کھائی۔ لشکر کے چلتے وقت تردی بیگ خاکسار نے چشمہ کی بہت تعریف کی۔ میں نے سر سواری اُسکو جاکر دیکھا۔ اچھا چشمہ ہے۔ ہندوستان میں جب دریاؤں میں ہمیشہ پانی نہیں رہتا تو چشمہ کیا چیز ہے۔ الاماشا کوئی چشمہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو سر جیون ہوتا ہے۔ ریگستان میں تو چشموں کے پانی

زمین سے جوش مار کر نکلتے ہی نہیں۔ غرض اس چشمہ میں نیم آسیا پانی ہوگا۔ دامنہ سے اُبل کر پانی آتا ہے
چشمہ کے گرد تمام مرغزار ہے۔ نہایت ہی عمدہ۔ میں نے حکم دیا کہ اس چشمہ کا مثمن سنگین حوض بنا دیا
جائے۔ چشمہ کے کنارہ پر معجون کھانے کے وقت تردی بیگ بار بار فخر کے ساتھ کہتا تھا کہ یہ جائے نہایت
عمدہ ہے۔ اس کا کوئی نام تجویز کرنا چاہیے۔ عبداللہ نے کہا "چشمہ بادشاہی تردی بیگ" کہدو۔ ہم
خوب قہقہے اُڑے۔ دوست ایشک آقا نے بیانہ سے آکر اسی چشمہ پر ملازمت حاصل کی۔ یہاں سے
ہم بیانہ گئے۔ اور وہاں سے سیکری میں آئے۔ اُسی باغ کے پاس جہاں پہلے ٹھیرے تھے اُترے۔ دو
دن تک یہیں قیام کیا۔ باغ کو درست کرایا۔ رجب کی تیئیسویں کو جمعرات کی صبح ہی آگرہ میں داخل ہوئے۔

گرد و نواح کی فتوحات اور تقسیم جاگیرات

چندوار اور راپری کو اس موقع پر مخالفوں نے چھین لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ محمد علی جنگ جنگ۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ عبدالملوک قورچی اور حسین خاں مع دریا خانیوں کے چندوار اور راپری کی طرف بھیجے گئے۔ یہ لشکر چندوار کے قریب ہی پہنچا تھا کہ انکی خبر سنکر اندر والے جو قطب خاں کے آدمی تھے بھاگ نکلے۔ ہمارے سرداروں نے چندوار پر قبضہ کرلیا۔ اور راپری کی طرف رُخ کیا حسین خاں نوحانی کے سپاہی کوچہ بند لڑائی کے خیال میں تھے۔ جونہی ہماری فوج نے حملہ کیا اور وہ قریب پہنچی وہ ہی دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حسین خاں ہاتی پر سوار ہو مع چند نفر دریا میں اُترا اور غرق ہوگیا قطب خاں اس خبر کے سنتے ہی اٹاوہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹاوہ پہلے تو مہدی خواجہ کو دیا گیا تھا۔ اب اُسکے بیٹے جعفر خواجہ کو وہاں بھیجدیا گیا۔ رانا سانگا کے خروج کے زمانہ میں اکثر ہندوستانی اور افغان سرکش ہوکر بیشتر تمام ملک پر متصرف ہوگئے تھے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ سلطان محمد دولدئی ڈر کے مارے قنوج چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ پھر قنوج جانے سے اُس کو شرم آئی۔ قنوج کی تیس لاکھ کی جاگیر کے بدلے سرہند کی پندرہ لاکھ کی جاگیر اُس کو دیگئی۔ اور قنوج محمد سلطان میرزا کو عنایت کیا۔ اُسی کو تیس لاکھ کا جاگیردار کر دیا۔ قاسم حسین سلطان کو بدایوں دیکر۔ اور امرائے ترک میں سے ملک قاسم بابا قشقہ (مع اُس کے عزیزوں اور مغلوں کے) ابوالمحمد نیزہ باز۔ نوید۔ سلطان محمد دولدئی اور حسین خاں کو۔ اور امرائے ہند میں سے علی خاں فرملی۔ ملک داد کررانی۔ شیخ محمد شیخ بھکاری تاتار خاں اور خان جہاں کو محمد سلطان میرزا کے ساتھ کرکے بین کی تنبیہ کے لیے جسنے سانگا کے فساد کے زمانہ میں لکھنؤ کا محاصرہ کرلیا تھا بھیجا۔ جس وقت یہ فوج گنگا سے پار ہوئی اور بین کو اسکا آنا معلوم ہوا اُس وقت وہ اپنی بہیر و بنگاہ کو چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ یہ فوج اُسکے پیچھے خیرآباد تک پہنچی۔ کچھ دن خیرآباد میں ٹھیر وہاں سے واپس آئی۔ خزانے تو بانٹ دیے تھے مگر ملک تقسیم کرنے کی فرصت نہ ملی تھی اسلیے کہ سانگا پر جہاد کرنیکی مہم پیش آگئی۔ اس غزوہ سے فارغ ہوکر ملک اور پرگنوں کو تقسیم کیا۔ چونکہ برسات

آگئی تھی اسلیے مینے حکم دیدیا کہ ہر شخص اپنی اپنی جاگیر میں جائے اور سامان درست کرکے برسات بعد حضور میں حاضر ہو۔ اس اثنا میں خبر آئی کہ ہمایوں نے دلّی پہنچکر دلّی کے خزانوں میں سے کئی کوٹھے بے حکم لے لیے۔ مجھے اُس سے ایسی توقع نہ تھی۔ میں نے بہت سخت کلمات اُسکو لکھے۔ جمعرات کے دن پندرھویں شعبان کو خواجگی آسد جو عراق کی سفارت پر بھیجا گیا تھا اور سلیمان ترکمان کو ساتھ لایا تھا پھر سفیر ہوکر سلیمان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اُس کے ساتھ شہزادۂ طہماسپ کے لیے بہت سے تحائف بھیجے گئے۔ تردی بیگ خاکسار کو میں نے فقیری چھڑاکر سپاہی بنایا تھا۔ کئی برس وہ ملازمت میں رہا۔ اب پھر اُسکے سر میں فقیری کا دھواں گھُسا۔ اس واسطے اُسنے رخصت چاہی۔ میں نے رخصت دیدی۔ اور کامران کے پاس سفیر کرکے بھیجدیا۔ تین لاکھ روپے بھی کامران کو بھجوائے۔ جو لوگ اگلے سال کابل چلے گئے تھے اُن کے حسب حال ایک قطعہ ملا علی خاں کو مخاطب کرکے لکھا۔ اور تردی بیگ کے ہاتھ ملّا کو بھیجا۔ قطعہ

"جنہوں نے یہاں کے رنج و مصیبت کے خوف اور کابل کی عمدہ آب و ہوا کے خیال سے ہندوستان چھوڑا تھا اُن کو ظاہرا عیش و آرام حاصل ہوگیا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ ہم بھی زندہ ہیں۔ اگرچہ بہت سے رنج اُٹھائے اور مصیبتیں سہیں" یہ رمضان باغ ہشت بہشت میں گزارا خاص اس لیے کہ تراویح غسل کے ساتھ پڑھی جائے۔ گیارہ برس کی عمر سے آج تک دو عیدیں کسی سال ایک مقام پر کرنی نصیب نہیں ہوئیں۔ اتفاقاً اگلے رمضان کی عید آگرہ میں ہوئی تھی اس خیال سے کہ جو بات بندھ گئی ہے اُس میں فرق نہ آئے۔ اتوار کی شب کو کہ سلخ تھی عید کرنیکے لیے میں سیکری گیا۔ باغ فتح کے شمال شرقی کی طرف ایک سنگین چبوترہ تیار ہوا تھا۔ اُسی پر سفید نمگیرا کھڑا کرکے عید کی نماز پڑھی جس رات میں آگرہ سے سوار ہوا اُسی رات میر علی قورچی کو شاہ حسین کے پاس ٹھٹھے روانہ کیا۔ چونکہ اُسکو گنجفہ کا بڑا شوق تھا اور اُسنے منگایا بھی تھا اس لیے ایک گنجفہ اُسکے لیے بھیجا۔ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ اتوار کے دن میں علیل ہوگیا۔ سترہ دن بیمار رہا۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ دھولپور کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ رات کو آدھے راستہ پر پہنچکر سو رہا۔ صبح سلطان سکندر کے بند پر آکر ٹھیرا۔ بند کے آخر میں تمام پہاڑ سرخ پتھر کا ہے جس سے ایک پتھر کا مکان تیار ہو جائے۔ میں نے اُستاد شاہ محمد سنگتراش کو حکم دیا کہ اگر ایک پتھر کا مکان تراش کر بنا سکو تو بناؤ۔ اور جہاں گڑھا ہو جائے وہاں حوض بنا دو۔ دھولپور سے باڑی کی سیر کرنے گیا۔ دوسرے دن باڑی سے سوار ہو اُس پہاڑ سے جو چنبل ندی اور باڑی کے بیچ میں ہے ہوتا ہوا اور چنبل کا تماشا دیکھتا ہوا واپس آیا۔ اس پہاڑ میں آبنوس کے درخت دیکھنے میں آئے۔ اسکے پھل کو تیندو کہتے ہیں۔ سُنتے تھے کہ آبنوس سفید بھی ہوتا ہے۔ اس پہاڑ میں دیکھا کہ بہت سفید آبنوس ہے۔ باڑی سے سیکری کی سیر کرتا ہوا میں جمعرات کے دن اُنتیسویں تاریخ آگرہ میں آیا۔ انہی دنوں میں شیخ بایزید کی نسبت متوحش خبریں سُننے میں آئیں۔ سلطان قلی ترک کو بیس دن کی میعاد لگاکر

شیخ بایزید کے پاس بھیجا۔ جمعہ کے دن ذی الحجہ کی دوسری تاریخ سے وظیفہ پڑھنا شروع کیا جو اکتالیس دفعہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں اپنے اشعار کو جو پہلے چار وزنوں میں لکھے تھے مدوّن کیا۔ ان دنوں میری طبیعت پھر علیل ہوگئی۔ نو دن تک ناساز رہی۔ ہفتہ کے دن انتیسویں ذی الحجہ کو کوئل اور سنبھل کی طرف روانہ ہوا۔

سنہ ۹۳۴ ہجری کے واقعات

محرم کی پہلی تاریخ کوئل میں ہم پہنچے۔ ہمایوں نے درویش اور علی یوسف کو سنبھل میں متعین کیا تھا۔ انہوں نے ایک دریا سے پار ہو کر قطب خاں شروانی اور کئی راجاؤں کی خوب خبر لی۔ اُنکے بہت لوگ قتل کیے۔ کچھ لوگوں کے سر اور کئی ہاتی حضور میں بھیجے۔ میں کوئل ہی میں تھا کہ یہ چیزیں پیش ہوئیں۔ دو دن کوئل کی سیر کی۔ اور شیخ گورن کی استدعا سے اُسی کے مکان میں ٹھیرا۔ اُسنے دعوت بھی کی اور پیشکش بھی کی۔ کوئل سے اترولی میں آیا۔ چارشنبہ کو گنگا سے اُتر کر پنجشنبہ کو سنبھل میں داخل ہوا۔ دو دن تک سنبھل کی سیر کرتا رہا۔ ہفتہ کے دن صبح کو سنبھل سے مراجعت کی۔ یکشنبہ کو سکندرے میں آگیا۔ اور داؤد شروانی کے مکان میں فروکش ہوا۔ اُس نے آش حاضر کی اور وہ بہت خدمتگزاری کرتا رہا۔ وہاں سے اندھیرے مُنہ سوار ہوا۔ راستہ میں ایک بہانہ کر کے سب سے جُدا ہوا۔ اور گھوڑا دوڑا کر آگرہ سے کوس بھر ورے تک تنہا آیا۔ پھر ساتھ والے پیچھے سے آگئے۔ دوپہر بعد آگرہ میں داخلہ ہوگیا۔ محرم کی آٹھویں تاریخ اتوار کے دن مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ اور پچیس چھبیس دن تک رہا۔ بیخوابی اور تشنگی سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ تپ روز بروز ترقی پکڑتی جاتی تھی۔ رات کی نیند بالکل اُڑ گئی تھی۔ اور رات بھر بیقراری رہتی تھی۔ جو نسخہ تجویز ہوا تھا وہ پیا گیا۔ اور آخر اُسی سے آرام ہوگیا۔ ہفتہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ فخر جہاں بیگم وغیرہ آئیں۔ کشتی میں سوار ہو سکندر آباد سے اوپر کی جانب سب سے جا کر ملا۔ اتوار کے دن اُستاد علی قلی نے بڑی توپ چھوڑی۔ اگرچہ گولا دور تک گیا لیکن توپ کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ اُسکا ہر ٹکڑا اِدھر اُدھر لوگوں میں جا کر گرا۔ آٹھ آدمی مرے۔ پیر کے دن ساتویں ربیع الاوّل کو سیکری کی سیر کرنے گیا۔ وہاں کے تالاب میں جو ہشت پہلو چبوترہ بنانے کا حکم دیا تھا وہ تیار ہوگیا تھا۔ کشتی میں بیٹھ کر چبوترہ پر گیا۔ شامیانہ کھنچوا کر بیٹھا۔ اور معجون کھائی۔ پھر سیکری سے واپس آیا۔

چندیری پر یورش

چودھویں ربیع الاوّل شب دوشنبہ کو جہاد کی نیت سے چندیری کی طرف جانیکا قصد کیا۔ تین کوس کی منزل کر کے جلیسر میں قیام ہوا۔ سامان اور اسباب درست کرنیکے لیے دو دن تک یہاں قیام رہا۔ پنجشنبہ کو کوچ کیا۔ اور آنودر میں لشکر اُترا۔ آنودر سے کشتی میں بیٹھکر میں چندوار میں آیا۔ چندوار سے کوچ در کوچ چلے۔ اور پیر کے دن اٹھائیسویں تاریخ

کنار کے گھاٹ پر اُترے۔ جمعرات کے دن دوسری ربیع الآخر کو میں نے دریا سے عبور کیا چار پانچ دن تک دیلکے اس کنارہ اور اُس کنارہ پر اہل لشکر کے اُترنے کے واسطے ٹھیرنا پڑا۔ ان چند دنوں میں متواتر میں کشتی میں سوار ہوا اور معجون کا استعمال کیا۔ کنار کے گھاٹ سے چنبل ندی کے ملنے کی جگہ دو ایک کوس اوپر کی جانب ہے۔ جمعہ کے دن دریائے چنبل میں کشتی میں سوار ہوکر میں چلا اور اُسکے ملنے کی جگہ ہوتا ہوا لشکر میں آیا۔ اگرچہ شیخ بایزید نے کھُلم کھُلا تو کوئی مخالفت نہ کی تھی مگر اُسکی ترکیب سے معلوم ہوتا تھا کہ اُسکے دل میں کھوٹ ہے۔ اسی خیال سے محمد علی جنگ جنگ کو لشکر سے جُدا کرکے بھیجا کہ قنوج سے محمد سلطان میرزا کو اور اُسکی نواح سے اور امراء (جیسے قاسم سلطان۔ تیمور سلطان۔ ملک قاسم کوکی۔ ابوالمحمد نیزہ باز۔ منوچہر خاں اور اُسکے بھائی۔ ہند دریا خانی) کو اکٹھا کرے۔ اور سب ملکر باغی افغانوں پر چڑھائی کریں۔ شیخ بایزید کو بلائیں۔ اگر سچے دل سے چلا آئے تو ساتھ لے لیں اور جو نہ آئے تو پہلے اُسی کی خبر لیں۔ محمد علی نے کئی ہاتی مانگے۔ دس ہاتی اُسکو دیے۔ محمد علی کے ساتھ بابا چہرہ کو بھی جانیکا حکم دیا۔ کنار سے ایک منزل کشتی میں چلنا ہوا۔ چارشنبہ آٹھویں ربیع الثانی کو کالپی سے ایک کوس پر ڈیرے ہوئے۔ بابا سلطان (سلطان سعید کا سگا بھائی اور سلطان خلیل کا بیٹا) اسی منزل میں حاضر ہوا۔ اگلے برس اپنے بھائی کے پاس سے بھاگا تھا۔ مگر پشیمان ہوکر اندراب کی حد سے اُلٹا پھر گیا تھا۔ جب وہ کاشغر کے پاس پہنچا تھا تو خان نے حیدر میرزا کو بھیجکر واپس بُلا لیا تھا۔ دوسرے دن ہمارا لشکر کالپی میں پہنچا۔ میں خان عالم کے مکان میں اُترا ہندوستانی طرز سے اُس نے آش وغیرہ کی دعوت کی اور نذر دی۔ پیر کے دن تیرھویں تاریخ کالپی سے کوچ ہوا۔ جمعہ کے دن ایرج پور میں لشکر اُترا۔ اور ہفتہ کو باندیر میں پہنچا۔ اتوار کے دن اُنیسویں تاریخ چھ سات ہزار فوج چین تیمور سلطان کے زیر حکم اپنے سے آگے چندیری کی طرف روانہ کیگئی۔ باقی۔ ملنگ بیلی۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ عاشق بکاول۔ ملا اپاق۔ محسن دولدئی اور شیخ گھورن (امرائے ہند میں سے) سردار اس لشکر میں شامل تھے۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ کجوا کے قریب لشکر اُترا۔ کجوا والوں کو امن دیا گیا۔ اور کجوا بدرالدین کے بیٹے کو دیا۔ کجوا دلچسپ جگہ ہے۔ اُسکے گرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ کجوا سے شمال مشرق کی جانب پہاڑ میں ایک بند باندھا ہے جس سے ایک بڑا تالاب ہوگیا ہے۔ اُسکا گرداولا پانچ چھ کوس کا ہوگا۔ اس تالاب نے کجوا کو تین طرف سے گھیر لیا ہے۔ مغرب اور شمال کی طرف کسی قدر زمین خشک ہے اسی طرف کجوا کا دروازہ ہے۔ اس تالاب میں ایسی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی رہتی ہیں جن میں تین چار آدمی مشکل سے بیٹھیں۔ جب یہاں والے بھاگتے ہیں تو انہی کشتیوں میں بیٹھکر پانی میں آجاتے ہیں۔ کجوا کے راستہ میں دو جگہ اسی طرح بند باندھکر اور دو تالاب بنا دیے ہیں جو کجوا کے تالاب سے بہت چھوٹے ہیں۔ کجوا میں ایک دن ٹھیرا۔ بیلداروں وغیرہ کو حکم دیا گیا کہ راستہ درست کردیں اور جھاڑی کے درخت کاٹ ڈالیں تاکہ توپوں اور چھکڑوں کے لیے رستہ ہوجائے۔ کجوا اور چندیری کے

بیچ میں بڑی جھاڑی ہے۔ کچوا سے ایک منزل چلکر چندیری سے تین کوس ورے دریائے برہانپور کے ہم پار ہوئے۔ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ شہر کی چاردیواری پہاڑ سے باہر ہے۔ اور شہر پہاڑ کے اندر بنتا ہے۔ ایسا صاف راستہ جس میں چھکڑا وغیرہ چل سکے شہر کی دیوار کے نیچے سے ہے۔ برہانپور سے کوچ ہوا اور ارابوں کے سبب سے چندیری کے کوس بھر نیچے کی جانب جانا پڑا۔ ایک منزل بیچ میں کی۔ منگل کے دن اٹھائیسویں تاریخ حوض بہجت خاں کے کنارہ پر بند کے اوپر کی طرف ڈیرے ڈالے گئے دوسرے دن سوار ہوکر شہر کے گرد قول۔ جرانغار اور برانغار کے مورچوں کی جائے مقرر کر دی۔ استاد علی قلی نے گولے برسانے کے لیے ایک نیچی جائے تجویز کی۔ بیلدار اور محصل معین ہوئے کہ جہاں توپیں کھڑی کیجائیں وہاں مورچے بنا دو۔ تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ سیڑھیاں اور کمندیں جو اسباب قلعہ گیری ہیں تیار کرلو۔

چندیری کی حکومت کا مختصر حال

پہلے چندیری بادشاہان ہندوستان کے تحت میں تھی سلطان ناصر الدین جب مرا تو اُس کا ایک بیٹا سلطان محمود مندو کا بادشاہ ہوا جو اب وہاں موجود ہے۔ اور دوسرا بیٹا محمد شاہ چندیری کو دابیٹھا۔ محمد شاہ نے سلطان سکندر سے التجا کی۔ سلطان نے اپنی بہت سی فوج اُسکی مدد کے لیے بھیجدی۔ سلطان سکندر کے بعد سلطان ابراہیم کے زمانہ میں محمد شاہ فوت ہوگیا۔ اُسکا خوردسال بیٹا احمد شاہ جانشین ہوا۔ سلطان ابراہیم نے اُس سے چندیری چھین لی۔ اور اپنی طرف سے وہاں حاکم مقرر کر دیا۔ جب میں نے سلطان ابراہیم پر فوج کشی کی اور میں دھولپور تک آگیا اور امرائے ابراہیم نے مجھ سے مخالفت کی تو اُسی زمانہ میں چندیری کو راناسانگا نے دبالیا اور اپنے ایک سردار میدنی راؤ کو دیدی۔

میدنی راؤ سے صلح ہوئی

ان دنوں میں میدنی راؤ چار پانچ ہزار فوج ہنود کے ساتھ چندیری میں تھا۔ اور آرائش خاں سے اُسکی دوستی تھی آرائش خاں کو شیخ گھورن کے ہمراہ بھیجکر اُس کو فہمائش کیگئی۔ چندیری کے بدلے میں شمس آباد دینے کا وعدہ کیا۔ اُس کے بھی دو ایک سردار آئے۔ معلوم نہیں کہ اُس کو اعتبار نہ آیا یا قلعہ پر بھروسا ہوا۔ مدعا یہ کہ کوئی صلح کی صورت نہ نکلی۔ منگل کے دن جمادی الاول کی چھٹی کو چندیری پر حملہ کرنیکے لیے بہجت خاں کے حوض سے ہم نے کوچ کیا۔ اور جو حوض درمیان میں شہر کی فصیل کے قریب تھا اُسکے کنارے پر ہمارا لشکر ٹھیرا۔ اسی دن خلیفہ دو ایک خط لیے ہوئے آیا۔ خطوں کا مضمون یہ تھا کہ جو فوج پورب کی جانب گئی تھی وہ وہاں جاکر اندھادھند لڑی۔ آخر اُسنے شکست کھائی۔ اور لکھنؤ چھوڑ قنوج میں آگئی۔ میں نے دیکھا کہ خلیفہ اس خبر سے سٹپٹایا ہوا ہے۔ میں نے کہا تردد اور اندیشہ واہیات ہے۔ جو خدا چاہیگا وہ ہوگا۔ چونکہ یہ مہم درپیش ہے اس لیے دم نہ مارو اور خاموش رہو۔ کل اس شہر پر تو حملہ کرتے ہیں بعد اسکے دیکھا جائیگا۔ دشمنوں نے قلعہ کو بھی مضبوط کر لیا تھا

اور شہر کی دیوار پر بھی اکا دکا آدمی موجود رہتا تھا۔ رات کو ہر طرف سے ہمارے لشکر والوں کی مقابلہ میں شہر سے لوگ نکلے۔ مگر تھوڑے تھے کچھ معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ سب بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے۔

چندیری کی لڑائی اور فتح

بدھ کے دن جمادی الاولیٰ کی ساتویں کو میں نے حکم دیا کہ فوج آراستہ ہو کر اپنے اپنے مورچوں پر جائے اور لڑائی شروع کردے۔ جس وقت میں نشان اور نقارہ کے ساتھ سوار ہوں اُس وقت ہر طرف کی فوج حملہ کرے۔ مُٹھ بھیڑ ہونے تک نقارہ اور علم موقوف رکھکر اُستاد علی قلی کی گولہ اندازی کی میں سیر کرنے گیا۔ تین چار گولے مارے۔ یہ مقام پست تھا اور قلعہ کی سنگین دیوار اونچی تھی۔ اس واسطے گولوں نے کام نہ دیا۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ اُس کی ایک سمت کی فصیل دریا کے سبب سے دُہری بنائی ہے۔ یہ دُہری فصیل پہاڑ سے نیچے ہے۔ یہی جگہ ایسی ہے جہاں سے دھاوا کر سکتے ہیں۔ قول کے چپ و راست اور پائین خاصہ کے مورچے یہیں تھے۔ لڑائی تو چاروں طرف ہونے لگی مگر ادھر حملہ کے ارادہ سے زور دیا گیا۔ ہر چند ہندوؤں نے فصیل پر سے پتھر پھینکے اور آگ سلگا کر پھینکی لیکن ہمارے جوانمرد سپاہیوں نے مُنہ نہ پھیرا۔ آخر جہاں شہر کی فصیل دُہری فصیل سے ملی ہوئی تھی وہاں سے شاہم نواز بیگ اوپر چڑھ گیا۔ دو تین جائے سے اور سپاہی بھی جو قریب تھے چڑھ گئے۔ دُہری فصیل پر قبضی ہندی فوج تھی وہ بھاگ گئی۔ یہ مقام اُن سے چھین لیا گیا۔ اوپر قلعہ والے بھی زیادہ نہ ٹھیر سکے اور بھاگ نکلے۔ ہمارے بہت سے سپاہی قلعہ پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہندو لوگ ننگے ہو کر لڑنے لگے۔ ہمارے اکثر سپاہیوں کے مُنہ پھیر دیے اور فصیل پر چڑھ آئے۔ بہت آدمی اس موقع پر مارے گئے۔ ہندو فصیل پر سے جلد اس لیے بھاگ گئے تھے کہ اُنکو اپنے اور متعلقوں کے گرفتار ہونے کا خوف ہو گیا تھا۔ بال بچوں کو قتل کر اپنے مرنے کی ٹھان ننگے ہو کر لڑنے کے لیے آموجود ہوئے۔ ہماری فوج نے بھی اور اُنہوں نے بھی دل توڑ کر لڑنا شروع کیا۔ آخر فصیل پر سے اُنکو بھگا دیا۔ دو سے تین سے ہندو میدنی راؤ کے محل میں گھس آئے۔ یہاں اکثروں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ چنانچہ ایک تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور دوسروں میں سے ایک ایک نے خوشی خوشی اُس کے آگے گردن رکھدی۔ اس طرح بہت ہندو مارے گئے۔ عنایتِ الٰہی سے لیا قلعہ بے علم و نقارہ لائے اور بغیر سخت لڑائی کے دو تین گھڑی میں فتح ہو گیا۔ چندیری کے غرب و شمال میں جو پہاڑ ہے اُس پر مقتولوں کے سروں کا کلہ منارہ چُنوا دیا گیا۔ اس فتح کی تاریخ کا مادہ "فتح دار الحرب" نکلا۔ میں نے اسکو یوں موزوں کیا۔ تاریخ۔

بود چندے مقام چندیری پر ز کفار دار حربی ضرب

فتح کردم بہ حرب قلعۂ او   گشت تاریخ فتح دار الحرب ۹۳۴ھ

چندیری کا مختصر حال

چندیری عمدہ ملک ہے۔ اسکی نواح میں بہت آبشاریں ہیں۔ اس کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ قلعہ میں پتھر کا ایک بڑا حوض بنا ہوا ہے جس ڈہری فصیل کے مقام سے ہم نے حملہ کیا ہے وہاں بھی ایک بڑا حوض ہے۔ شہر کے تمام شرفا اور مقدور دار لوگوں کے مکانات تو ترشے ہوئے پتھر سے بنے ہوئے ہیں اور غربا کے مکان بھی پتھر ہی کے ہیں۔ اتنا ہی کہ غریبوں کے مکان نزاشیدہ پتھر کے نہیں ہیں۔ کھپریل کی جگہ چھتیں سلوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے سامنے تین بڑے حوض ہیں۔ اگلے حاکموں نے اِدھر اُدھر بند باندھکر اونچے مقاموں پر حوض بنا دیے ہیں۔ ایک ندی ہے جسکو بتنوی کہتے ہیں۔ یہ ندی چندیری سے تین کوس پر ہوگی اُسکا پانی مزے میں اور عمدگی میں مشہور ہے۔ وہ ایک خاصا چھوٹا دریا ہے۔ اُس میں مکان بنانے کے قابل ایک ٹیلا ہے۔ چندیری آگرہ سے نوّے کوس جنوب میں ہے۔ چندیری میں ارتفاع ھدی پچیس درجہ کا ہے۔ دوسرے دن جمعرات کو قلعہ سے کوچ ہوا اور ملّوخاں کے حوض کے قریب لشکر اُترا۔ آگرہ سے چلتے وقت میری نیّت تھی کہ چندیری فتح ہوجانیکے بعد رائے سین کے ملک اور راؤ سکھدین کے ملک پر جو بلیسہ اور سارنگ پور ہے چڑھائی کرونگا۔ اُنکو مار لونگا تو پھر چتور میں راناسانگا کے سر پر جا دھمکونگا۔ مگر پورب کی پریشان خبریں سُنکر امرائے مشورہ کیا۔ باتفاق آرا پورب کے باغیوں کی سرکوبی زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔ چندیری احمد شاہ کو جو سلطان ناصر الدین کا پوتا تھا دیدی۔ اور پچاس لاکھ کا ملک چندیری کے علاقہ میں سے داخلِ خالصہ کرلیا گیا۔ اور ملّا آفاق کو وہاں کا شقدار کر دیا۔ دو تین ہزار فوج کی چھاؤنی احمد شاہ کی مدد کے لیے وہاں ڈالدی گئی۔

پورب کے باغیوں پر یورش اور فتح

اس جانب سے فارغ ہوکر اتوار کے دن گیارھویں جمادی الاولےٰ کو مراجعت کے قصد سے ملّوخاں کے حوض پر سے اُٹھکر دریائے برہانپور کے کنارہ پر ڈیرے ہوئے۔ پھر بانڈیر سے ایک آدمی آتکہ خواجہ اور جعفر خواجہ کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کالپی سے کنار کے گھاٹ پر کشتیاں لے آؤ۔ ہفتہ کے دن چوبیسویں تاریخ کنارہ پر ٹھیر کر میں نے حکم دیا کہ لشکر عبور کرنا شروع کرے۔ ان دنوں میں خبر آئی کہ ہماری فوج نے قنوج کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ رابری میں آگئی ہے۔ شمس آباد کو ابو المحمد نیزہ باز نے مستحکم کرلیا تھا۔ مگر دشمنوں کی فوجِ کثیر نے حملہ کرکے چھین لیا۔ لشکر کے عبور کرنیکے واسطے تین چار دن دریا کے اس طرف اور اُس طرف قیام کرنا پڑا۔ دریا سے پار ہو منزل در منزل قنوج کی طرف چلے ... توں کا ایک دستہ دشمنوں کی سُن گُن لینے کے لیے آگے روانہ کیا۔ قنوج اُنسے دو تین کوس

فاصلہ پر رہا ہوگا جو خبر آئی کہ اس دستہ فوج کے سپاہی دکھائی دیتے ہی قنوج سے معروف کا بیٹا بھاگ نکلا۔ اور بایزید۔ بَبن اور معروف ہمارے آنیکی سُنکر گنگا کے پار ہو قنوج کے قریب گنگا کے شرقی کنارہ پر رستہ روکنے کے خیال سے پڑے ہوئے ہیں۔ جمعرات چھٹی جمادی الاخر کو قنوج سے چلے اور گنگا کے غربی کنارہ پر ہم اُترے۔ ہماری فوج کے کچھ سپاہی گئے۔ اور مخالفوں کی کشتیاں زبردستی چھین لائے۔ تیس چالیس کشتیاں چھوٹی بڑی اِدھر اُدھر سے ہاتھ لگیں۔ میر محمد جالہ بان کو حکم دیا کہ جائے اور پُل باندھنے کے لیے مناسب جگہ تجویز کرے۔ جہاں لشکر پڑا ہوا تھا وہاں سے کوس بھر نیچے کی جانب عمدہ جگہ تجویز کرکے وہ آیا۔ پُل باندھنے کا سامان و اسباب مہیا کرنیکے لیے محصل مقرر کیے۔ جس جائے پُل باندھنے کی تجویز ہوئی تھی اُس جگہ اُستاد علی قلی نے ایک توپ لاکر کھڑی کردی۔ اور گولے مارنے شروع کردیے۔ مغرب کے بعد بابا سلطان اور درویش سلطان دس پندرہ آدمی کو ساتھ لے اور کشتی میں بیٹھ بے دیکھے بھالے پار چلے گئے۔ بے لڑے بھڑے واپس آئے۔ میں نے اُنکی اس حرکت پر اُنکو بہت جھڑکا دو ایک بار ملک قاسم مغل مع کچھ سپاہیوں کے کشتی میں بیٹھکر پار گیا۔ اس سے خفیف سی لڑائی بھی ہوئی۔ جہاں پُل باندھ رہے تھے وہاں سے نیچے کی جانب توپوں کے ارابوں میں سے ایک ارابہ اُتار دیا۔ اور ایک ٹاپو میں جاکر وہاں سے گولے مارنے شروع کیے۔ پُل سے اوپر کی جانب مورچے باندھنے بعد چوں کی دیواروں پر سے بندوقچیوں نے گولیاں برسائیں۔ آخر دھاوا کرکے تھوڑے سے آدمیوں سے ملک قاسم نے دشمنوں کو مار کر خیموں تک ہٹا دیا۔ دشمن کے بہت سے سپاہی ایک ہاتی سمیت اُن پر حملہ آور ہوئے۔ اور انکو پیچھے ہٹا دیا۔ یہ لوگ کشتی میں آگئے۔ کشتی کے روانہ ہوتے ہوتے ہاتی نے آکر کشتی ڈبو دی۔ ملک قاسم اس لڑائی میں کام آیا۔ پُل بندھنے تک کے زمانہ میں اُستاد علی قلی نے خوب گولا باری کی۔ پہلے دن آٹھ گولے مارے۔ دوسرے دن اٹھارہ گولے مارے۔ تین چار دن تک اسی طرح گولے مارتا رہا۔ یہ گولے غازی نام توپ سے مارے تھے۔ اسی توپ سے سانگا کی لڑائی میں کام لیا تھا۔ اور لڑائی فتح ہونیکے سبب سے اسکا نام غازی رکھا تھا۔ ایک توپ اس سے بڑی تھی۔ ایک ہی دفعہ چھُٹ کر وہ پھٹ گئی۔ بندوقچیوں نے بھی گولیوں کی بوچھار خوب رکھی۔ بہت لوگ اور بہت گھوڑے گرائے۔ پُل تیار ہوتے ہی بدھ کے دن اُنیسویں جمادی الاخرے کو ہمارے ڈیرے پُل کے پاس آپڑے۔ افغانوں نے پُل باندھنے پر بڑے قہقہے مارے۔ جمعرات کو پُل بالکل تیار ہوگیا۔ پنجابی فوج کے کچھ سپاہی پُل سے اُترے۔ کسی قدر لڑائی بھی ہوئی۔ جمعہ کے دن فوج خاص۔ قول کے دست راست اور دست چپ میں سے کچھ سپاہی اور بندوقچی پُل سے اُترے۔ افغانوں نے مسلح ہوکر اور ہاتیوں کو ساتھ لیکر ہم پر حملہ کیا کہ ایک دفعہ ہی

ہمارے دست چپ والوں کے پاؤں اُکھیڑ دیے۔ قول اور دست راست والے قائم رہے۔ اور
اُنہوں نے دشمنوں کو مار کر ہٹا دیا۔ دو آدمی ہماری فوج میں سے جُدا ہو کر دوہرہ گئے تھے اُنکو
آن گھیرا۔ ایک کو تو گرفتار کر لیا۔ دوسرے کو اُسکے گھوڑے سمیت خوب مارا۔ اُسکا گھوڑا گرتا پڑتا اپنے
لشکر میں آن ملا۔ اسی دن ہمارے سپاہی سات آٹھ آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ دشمنوں کے
بہت لوگ تیروں اور بندوقوں سے زخمی ہوئے۔ ظہر کے وقت تک ہنگامہ کارزار گرم رہا شام
ہوتے ہی پُل پر سے اُترنے والی فوج کو پلٹا لیا۔ اگر اس رات وہیں رہجاتے تو احتمال تھا کہ اکثر لوگ
گرفتار ہو جاتے۔ مجھے خیال آیا کہ اگلے برس ہفتہ کو نوروز ہوا تھا۔ اُسی دن سیکری سے سانگا کی
لڑائی کے لیے میں نے کوچ کیا تھا۔ اور فتح پائی تھی۔ اس سال چارشنبہ کو نوروز کے دن ان دشمنوں
کے مقابلہ کے واسطے روانگی کا قصد کیا ہے۔ اگر اتوار کو میری فتح ہو جائے تو عجیب بات ہے۔
اسی واسطے ایک کو بھی پُل کے پار نہ ہونے دیا۔ ہفتہ کے دن غنیم مقابلہ پر نہ آیا۔ دور ہی دور رہا۔
آج میں نے ارابے پار اُتروا دیے۔ فوج کو حکم دیا کہ صبح لوگ عبور کرنا شروع کریں۔ نقارہ کے وقت
خبر آئی کہ غنیم بھاگ گیا۔ چین تیمور سلطان کو حکم دیا کہ لشکر تیار کر کے غنیم کے تعاقب میں جائے۔
محمد علی جنگ جنگ۔ حسام الدین علی خلیفہ۔ محب علی خلیفہ۔ (کوکی۔ بابا قشقہ) دوست محمد۔ بابا قشقہ
باقی تاشکندی اور دولی قزلباش کو حکم دیا کہ سلطان کے ساتھ جاؤ۔ اور سلطان کا حکم مانتے رہو۔
رات کو میں بھی دریا سے پار اُترا۔ اونٹوں کے لیے حکم ہوا کہ وہ اُس گھاٹ کے نیچے کی جانب سے
اُتریں جو تجویز ہوا ہے۔ اتوار کے دن ہم سنکر مود سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک بڑے دریا کے
کنارے پر اُترے۔ جو فوج دشمن کے پیچھے پیچھے جانے والی تھی وہ تیار نہ ہوئی تھی۔ آج ظہر کے وقت
وہ فوج سنکر مود سے روانہ ہوئی۔ دوسرے روز سنکر مود والے تالاب پر لشکر اُترا۔ آج ہی توختہ سلطان
(میرے چھوٹے دادا کا بیٹا) مجھ سے آ کر ملا۔ ہفتہ کے دن اُنتیسویں جمادی الاخریٰ کو لکھنؤ کی سیدھ
دریائے گومتی سے پار ہم اُترے۔ میں دریائے گومتی میں نہایا۔ نہ معلوم کان میں پانی چلا گیا یا ہوا
لگی۔ کسی سبب سے میرا سیدھا کان گنگ ہو گیا۔ مگر چند روز رہا۔ اور بہت درد نہیں ہوا۔ چین تیمور سلطان
لشکر سے دو تین منزل آگے گیا ہو گا کہ اُس نے کہلا بھیجا غنیم سرود دریا کے اُس طرف پڑا ہوا ہے
جلدی کمک بھیجیے۔ ایک قزاق سردار ہزار آدمیوں کے ساتھ قول میں سے مدد کے لیے روانہ کیا۔
ہفتہ کے دن ساتویں رجب کو اودھ سے دو تین کوس اوپر کی جانب گھاگرا اور سرود دریاؤں کے
ملنے کی جگہ لشکر کا قیام ہوا۔ سرود دریا کے پار اودھ کے سامنے آج تک شیخ بایزید پڑا رہا اور سلطان
سے خط و کتابت میں گفتگو کرتا رہا۔ سلطان اُسکی چال سمجھ گیا۔ ظہر کے وقت اُسنے پار ہونیکا انتظام کیا۔
اور ارادہ کر لیا کہ انتظام ہوتے ہی پار ہو جائیں گے۔ اوّل کوئی پچاس سوار اور تین چار ہاتی اُدھر

روانہ کیے۔ دشمن نہ ٹھیر سکا۔ بھاگ نکلا۔ ان لوگوں نے چند آدمیوں کے سر کاٹ لیے چین تیمور سلطان۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ باباچہرہ اور باقی شقاول وغیرہم بھی ان کے بعد جا پہنچے۔ آگے اترنے والوں نے شیخ بایزید کو آگے رکھ لیا۔ شام تک اُسکا پیچھا کیا۔ آخر شیخ بایزید تو بَن میں جا گھسا اور یوں اُسنے اپنا پیچھا چھڑایا۔ چین تیمور سلطان شام کو دریا کے کنارے پر ٹھیرا۔ پھر آدھی رات کو سوار ہوکر غنیم کے پیچھے گیا۔ چالیس کوس کا راستہ طے کرکے جہاں غنیم کا پڑاؤ تھا وہاں پہنچا۔ لوگ بھاگ گئے تھے یہاں سے فوج کی ٹکڑیاں الگ الگ ہوکر چاروں طرف چلی گئیں۔ باقی شقاول کچھ سپاہیوں کو ہمراہ لے دشمن کے پیچھے چلا۔ اُن کے پڑاؤ پر پہنچا اور اُن کے بال بچے گرفتار کر لایا۔ یہاں کے انتظام کے لیے چند روز اسی منزل میں قیام رہا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اودھ سے سات آٹھ کوس اوپر کی جانب سرو دریا کے کنارے پر ایک عمدہ شکارگاہ ہے۔ میں نے میر محمد جالہ بان کو گھاٹ دریافت کرنے بھیجا۔ وہ دریائے گھاگرا اور سرو کے گھاٹوں کو دیکھ آیا۔ جمعرات کے دن بارھویں تاریخ شکار کھیلنے کے لیے میں سوار ہوا۔

۹۳۵ھ ہجری کے واقعات

جمعہ کے دن محرم کی تیسری تاریخ عسکری آیا۔ اور خلوت خانہ میں اُسنے ملازمت حاصل کی میں نے اُسے ملتان کی ضرورت کے لیے بُلایا تھا۔ دوسرے دن میر مورخ۔ مولانا شہاب الدین معمائی اور میر ابراہیم قانونی (یونس علی کا قرابت دار) جو مدت سے میرے ملنے کے لیے ہری سے چلے آئے تھے مجھ سے ملے۔

گوالیار کی سیر کو جانا

پانچویں تاریخ اتوار کے دن عصر کے وقت گوالیار کی سیر کے خیال سے جسکو کتابوں میں کالیور لکھا ہے جمنا سے پار ہوکر آگرہ میں میں آیا۔ فخر جہاں بیگم اور خدیجہ بیگم کا ارادہ ان دو تین ہی دن میں کابل جانیکا تھا۔ اُن کو رخصت کیا اور میں سوار ہوگیا۔ محمد زمان میرزا اجازت لیکر آگرہ میں رہ گیا۔

میں رات کو پانچ کوس کی منزل کرکے ایک بڑے تالاب کے کنارے پر اُترا اور سو رہا۔ صبح کی نماز اول وقت پڑھ کر سوار ہوگیا۔ کیبسر ندی کے کنارہ پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ ملا رفیع نے جو سفوف کیف کے لیے تیار کیا تھا وہ نادر یقان کے ساتھ کھایا۔ بہت ہی بدمزہ معلوم ہوا۔ عصر کے بعد ہم دھولپور پہنچے۔ دھولپور سے کوس بھر پر مغرب کی جانب جس باغ کو تیار کروایا تھا اس میں اُترے۔ اس جائے پہاڑ کی پوری بیٹھ گاہ ہے اور یہ بیٹھ گاہ ساری سنگ سرخ کی اور ایک پتھر کی ہے جو قابل مکان بنانے کے ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ اس پہاڑ کو کھود کر زمین تک پہنچا دو۔

اگر ایک پتھر اتنا اونچا رہے کہ ایک پتھر کا ترشا ہوا مکان بن سکے تو بناؤ۔ اور اگر اتنا بلند نہ ہو تو اس پتھر کا ایک حوض بنالو۔ اتنا اونچا پتھر نہ نکلا کہ مکان بنجاتا۔ اُستاد شاہ محمد سنگتراش کو حکم دیا کہ ایک مثمن حوض اس پتھر پر جو صحن ہوگیا ہے تیار کرو۔ تاکید کیگئی کہ سنگتراش جلدی جلدی کام کریں۔ اس جائے کے شمال میں آم۔ جامن اور اَور قسم کے بہت درخت ہیں۔ ان درختوں میں ایک دہ دردہ کنواں تیار کرنیکا حکم دیاگیا تھا۔ یہ کنواں تیار ہونیکو تھا۔ اِسی کنوئیں سے حوض میں پانی جائیگا۔ اس حوض کے مغرب میں سلطان سکندر والا بند تھا۔ بند پر سلطان کے بنائے ہوئے مکان ہیں۔ بند کے اوپر بڑا تالاب بنگیا ہے۔ جس میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ تالاب کے گرد پہاڑ ہے۔ اس تالاب کے مشرق کی طرف ایک پتھر کا چبوترہ تیار کرنے کے لیے میں نے حکم دیا۔ اُسکے مغرب میں ایک مسجد بنانیکے لیے بھی کہدیا۔ سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو اسی کام کے واسطے ٹھیرا رہا۔ پنج شنبہ کو سوار ہوگیا۔ دریائے چنبل سے اُتر کر ظہر کی نماز دریا کے کنارہ پر پڑھی۔ ظہر اور عصر کے درمیان میں چنبل کے کنارہ سے چلا اور مغرب و عشا کے درمیان میں کوآری ندی سے پار ہوکر مقام کیا۔ بارش کی وجہ سے دریا چڑھا ہوا تھا۔ گھوڑے تیر کر اور میں کشتی میں بیٹھکر پار ہوا۔ دوسرے دن جمعہ کو عشرہ تھا۔ یہاں سے کوچ کیا اور دوپہر ایک گاؤں میں کاٹی۔ عشا کے وقت گوالیار میں داخل ہوا۔ اگلے سال میں نے شہر کے شمال میں کوس بھر کے فاصلہ پر ایک چارباغ تیار کرنیکا حکم دیا تھا اُسی میں میں اُترا۔ دوسرے دن ظہر سے پہلے سوار ہوا اور شہر کے شمال میں جو پہاڑ ہیں اُنکی اور عیدگاہ کی سیر کی۔ شہر کے ہتیاپول دروازہ سے جسکے قریب راجہ مان سنگھ کے محلات ہیں شہر میں آیا۔ وہاں سے راجہ بکرماجیت کے محلوں میں جن میں رحیم داد رہتا ہے عصر کے بعد آکر ٹھیرا۔ رات کو تھکان رفع ہونیکے لیے میں نے افیون کھالی۔ دوسرے دن افیون کے نشہ نے بہت تکلیف دی۔ کئی بار قے ہوئی۔ باوجود اس نشہ کے مان سنگھ اور بکرماجیت کے تمام محلوں میں پھر کر میں نے سیر کی۔ عجیب مکانات ہیں۔ اگرچہ بے ڈول ہیں مگر سب پتھر کے ترشے ہوئے۔ سب سے راجہ مان سنگھ کے محل عمدہ اور عالیشان ہیں۔ مان سنگھ کے محل کے اور اضلاع کی نسبت شرقی ضلع بڑا پرتکلف ہے۔ اِسکی بلندی تخمیناً چالیس پچاس گز ہوگی۔ سب عمارت پتھر کی ترشی ہوئی ہے۔ اوپر چونا پھرا ہوا ہے۔ بعض جائے چو منزلا مکان ہے۔ اور اس کے نیچے کی منزل میں اندھیرا گھُپ ہے۔ بہت دیر ٹھیرنے کے بعد ذرا ذرا اُجالا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے شمع کی روشنی میں سیر کی۔ اس عمارت کے ہر ضلع میں پانچ برج ہیں۔ ہر برج میں چار طرف ہندوستانی طریقہ سے چار برجیاں ہیں۔ ان پانچوں پر سنہری کلسیاں ہیں۔ انکی دیواروں پر باہر کی طرف سبز چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اسکے گرد سبز چینی سے کیلوں کے درخت بنادیے ہیں۔ شرقی ضلع کے برج میں ہتیاپول ہے۔ ہندی میں فیل کو ہاتی اور دروازہ کو پول کہتے ہیں۔ دروازہ کے باہر کے رخ پر ہاتی کی سنگین مورت کھڑی کردی ہے۔ اور اُس پر ہاتی بان بھی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ مورت

بالکل ہاتی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے اسکو ہتیا پول کہتے ہیں۔ جو چو منزلا مکان ہے اُسکے نیچے کی منزل ہاتی پر اتنی جھکی ہوئی ہے کہ ہاتی اُس سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کی منزل میں وہ برج ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری منزل میں نشست کی جائے ہے۔ یہ بھی جگہ جگہ سے جھکے ہوئے بنائے ہیں۔ اگرچہ اور تکلفات ہندوستانی طرز کے کیے ہیں مگر مکان گھٹے ہوئے ہیں۔ راجہ مان سنگھ کے بیٹے بکرماجیت کی محل قلعہ کے شمال میں ایک جائے کے بیچ میں ہیں۔ بیٹے کی عمارت باپ کی عمارت جیسی نہیں ہے۔ یہاں ایک بڑا برج بنا دیا ہے۔ جس میں اتنا اندھیرا ہے کہ بہت دیر ٹھیرے رہنے کے بعد روشنی معلوم ہوتی ہے۔ اس بڑے گنبد کے نیچے ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اس تاریک مکان میں کہیں روشنی نہیں آتی۔ رحیم داد نے اسی برج میں ایک چھوٹا سا دالان بنایا ہے۔ رحیم داد اسی بکرماجیت کے محل میں رہتا ہے بکرماجیت کے محل میں سے اُسکے باپ کے محل میں جانیکا راستہ ہے۔ مگر اندر ہی اندر ہے۔ باہر سے معلوم نہیں ہوتا یہ راستہ کہیں کہیں سے روشن بھی ہے۔ خاصہ راستہ ہے۔ ان عمارتوں کی سیر کرنیکے بعد رحیم داد نے جو مدرسہ بنایا ہے میں اُس میں گیا۔ رحیم داد نے قلعہ کے جنوب میں ایک باغ بھی بنایا ہے۔ تالاب کی کنارہ پر اُسکی بھی میں نے سیر کی۔ شام کو اُسی چار باغ میں جہاں لشکر سے آکر ٹھیرا تھا آیا۔ اس باغ میں پھلواری بہت ہے۔ گلاب اور سرخ کنیر بہت عمدہ ہوتا ہے۔ یہاں کی کنیر کے پھول کا رنگ گل شفتالو ہوتا ہے۔ گوالیار کا لال کنیر بڑا ہی خوش رنگ ہوتا ہے۔ میں نے گوالیار کا کنیر آگرہ کے باغ میں بھی لگایا۔

عالیشان بتخانہ

اس پہاڑ میں ایک جانب بڑا تالاب ہے۔ برساتی پانی اُس میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے مغرب میں ایک عالیشان بتخانہ ہے۔ سلطان شمس الدین التمش نے اس بتخانہ کے پہلو میں ایک مسجد بنائی ہے۔ یہ بتخانہ اتنا بلند ہے کہ قلعہ میں اُس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے۔ دھولپور کے پہاڑ پر سے گوالیار کا قلعہ اور یہ بتخانہ خوب نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بتخانہ کا سارا پتھر اسی تالاب کو کھود کر لیا ہے۔ باغ میں ایک چوبی دالان ہے۔ پست تو ہے مگر بڑا ہے۔ اس باغ میں ہندوستانی قطع کے بیہودہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔

قلعہ کے باہر کی عمارتیں

دوسرے دن ظہر کے وقت گوالیار کے قابل دید مقامات کی سیر کے لیے سوار ہوا قلعہ کے باہر کی عمارت جسکا نام بادل گڑھ ہے دیکھی ہتیا پول دروازہ سے نکل اوڈ نام مقام کی سیر کی۔ اوڈ نام جس جائے کا نام ہے وہ قلعہ کے مغرب میں ایک درہ ہے اگرچہ یہ درہ قلعہ کی اُس فصیل سے جو پہاڑ پر ہے باہر ہے مگر اسی درہ کے مُنہ پر دُہری فصیل بنا دی ہے اس فصیل کی بلندی تیس چالیس گز کی ہوگی۔ اندر کی فصیل بہت لمبی ہے یہ فصیل اُس طرف اور اس طرف کی فصیل سے جا ملی ہے۔ اس فصیل کے بیچ میں اس سے نیچی ایک اور فصیل بنا دی ہے یہ فصیل پوری نہیں ہے

صرف حفاظت کے لیے کسی قدر بنائی ہے۔ اس فصیل کے اندر ایک باؤلی ہے۔ دس پندرہ سیڑھیوں کے نیچے پانی ہے۔ باؤلی والی فصیل اور بڑی فصیل سے اس میں پانی آتا ہے۔ اس کے دروازہ پر سلطان شمس الدین التمش کا نام پتھر پر کھود کر لگا دیا ہے۔ ۶۳۰ھ لکھے ہوئے ہیں۔ باہر کی فصیل کے نیچے قلعہ کے باہر بڑا تالاب ہے۔ اس میں پانی کم رہتا ہے۔ غالباً اسکا پانی اود کے پانی میں چلا جاتا ہے۔ اود اور اس بڑے تالاب کے بیچ میں اور تالاب ہیں۔ شہر والے ان تالابوں کے پانی کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس اود کی تین طرفوں اور بڑے تالاب کے قریب ایک پہاڑ ہے جسکے پتھر کا رنگ بیانہ کے پتھر جیسا سرخ نہیں ہے۔ بلکہ ایک بدرنگ پتھر ہے۔ اود کے اطراف کے پہاڑ کا ایک ٹکڑا تراش کر چھوٹے بڑے بتوں کی مورتیں بنائی ہیں۔ اسکے جنوب میں ایک بڑے بت کی مورت ہے۔ جو تقریباً بیس گز کی ہوگی۔ ان سب بتوں کو چم ننگا بنایا ہے۔ ان دو بڑے تالابوں کے بیچ میں اود کے اندر پچیس کنوئیں بنائے ہیں۔ اس میں چمن بندی بھی کی ہے۔ پھلواری لگائی ہے۔ چمنوں میں انہی کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے۔ اود دلچسپ جگہ ہے۔ اتنا عیب ہے کہ چاروں طرف اس میں بت ہی بت ہیں۔ میں نے حکم دیدیا کہ ان بتوں کو توڑ ڈالو۔ اود سے پھر میں قلعہ میں آیا۔ سلطانی پول جو ہنود کے عہد حکومت سے آج تک بند ہے اسکی سیر کی۔ شام کو رحیم داد کے باغ میں آیا۔

بکرماجیت پسر راناسانگا سے مصالحت سہ شنبہ چودھویں تاریخ راناسانگا کے دوسرے بیٹے بکرماجیت کے پاس سے جو اپنی ماں پدماوتی کے ساتھ قلعۂ رنتھنبور میں تھا لوگ آئے۔ جب میں گوالیار آنے لگا ہوں تو اس سے پہلے اسواک (بکرماجیت کا ایک معتبر سردار ہے) کے پاس سے اطاعت اور خدمتگزاری کے پیغام آئے تھے۔ اور ستر لاکھ کے ملک عطا کرنے کی استدعا کی تھی۔ انسے کہدیا گیا تھا کہ اگر رنتھنبور کا قلعہ خالی کردے تو اسکی خواہش کے موافق جاگیر واگزاشت کردی جائیگی۔ یہ بات مقرر کرکے اسکے آدمیوں کو رخصت کردیا تھا۔ اور چونکہ میں گوالیار جاتا تھا اس لیے کہدیا تھا کہ فلاں دن گوالیار میں حاضر ہو۔ یہ لوگ وقت مقررہ سے کئی دن پیچھے آئے۔ اسواک پدماوتی کا رشتہ دار ہے۔ اسنے یہ کیفیت دونوں ماں بیٹوں سے بیان کی۔ دونوں نے اسواک سے متفق الرائے ہو کر اطاعت اور شرط قبول کرلی۔ راناسانگا پاس سلطان محمود کا ایک تاج۔ کلاہ۔ زریں کمربند تھا۔ جب اسنے سلطان محمود کو پکڑا ہے تو یہ چیزیں لیکر چھوڑ دیا۔ وہ تاج وغیرہ بکرماجیت کے پاس تھا۔ اس کے بڑے بھائی نے جواب اپنے باپ رانا کا جانشین ہے اور چتور پر قابض ہے۔ ان چیزوں کے بھیجنے اور رنتھنبور کے بدلے میں بیانہ لینے کو کہلا بھیجا۔ میں نے بیانہ دینا تو منظور نہ کیا مگر شمس آباد عوض میں دینا قبول کرلیا۔ اسی دن بکرماجیت کے آدمیوں کو خلعت دیکر رخصت کیا اور کہدیا کہ نوروز میں بیانہ آجاؤ۔

گوالیار کا بتخانہ میں نے اس باغ سے سوار ہو کر گوالیار کے بتخانہ کی سیر کی۔ بتخانہ میں بعض جائے دُہرے اور بعض جائے تہرے دالان ہیں۔ مگر اگلی وضع کے نیچے نیچے۔ اُنکے ازارہ کے پتھروں میں مجسّم بت کندہ کئے ہوئے ہیں۔ بتخانے کے بعض ضلعے مدرسوں کی وضع کے ہیں۔ صدر مقام میں ایک بڑا اونچا برج ہے جس کے حجرے ایسے ہیں جیسے مدرسوں کے حجرے ہوتے ہیں۔ ہر حجرے کی اوپر پتھر کی تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجروں میں نیچے کی جانب کے پتھروں میں بت تراشے ہیں۔ ان مقاموں کی سیر کر کے گوالیار کے غربی دروازہ سے نکل قلعۂ گوالیار کے جنوب میں ہوتا ہوا رحیم داد کے چار باغ میں جو ہتیا پول دروازہ کے سامنے ہے آکر ٹھیرا۔ رحیم داد نے ضیافت کا سامان کر رکھا تھا۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت کچھ نذر کیا۔ تقریبًا چار لاکھ کا نقد و جنس پیش کیا۔ شام کو میں یہاں سے اپنے چار باغ میں آگیا۔

آبشار بدھ کے دن پندرھویں تاریخ ایک آبشار کی سیر کی۔ یہ مقام گوالیار کے جنوب مشرق میں چھ کوس کے فاصلہ پر ہوگا۔ میں فرودگاہ سے بہت رات سے سوار ہوا تھا۔ آبشار پر ظہر کے بعد پہنچا ہوا۔ اس آبشار کی کیفیت یہ ہے کہ ایک پہاڑ کے اونچے ٹکڑے سے جو گاچی کے برابر اونچا ہوگا ایک آسیا سے کچھ زیادہ مقدار میں پانی گرتا ہے۔ جہاں پانی گرتا ہے وہاں نیچے کو خاصہ تالاب بنگیا ہے۔ اس آبشار کے اوپر پہاڑ کے ٹکڑے سے پانی ایک دفعہ گرتا ہوا آتا ہے جس جائے پانی گرتا ہے اُس جائے کے نیچے پتھر کی چٹان ہے۔ اس چٹان سے پانی اس طرح گرتا ہے کہ جائے جائے گڑھے ہوگئے ہیں۔ پانی بہتے گئے۔ تمام کے کناروں پر چٹانیں ہیں جو بیٹھنے کے لائق ہیں۔ یہ پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ اس جھرنے پر بیٹھکر میں نے معجون کھائی۔ پھر اوپر جا کر اُس جائے کو دیکھا جہاں سے پانی بہنا شروع ہوا ہے۔ وہاں کی سیر کر کے ہم پلٹے اور ایک ٹیکرے پر دیر تک بیٹھے رہے۔ سازندے ساز بجانے لگے اور گویّے گانے لگے۔ ہمراہیوں میں سے جنہوں نے آبنوس (جسکو اہل ہند تیندو کہتے ہیں) نہ دیکھا تھا اُن کو دکھایا۔ وہاں سے اُٹھے اور پہاڑ کے نیچے آئے۔ مغرب اور عشا کے درمیان میں کوچ کر دیا۔ آدھی رات کو ایک مقام پر میں سو رہا۔ پہر دن چڑھا ہوگا جو چار باغ میں آگیا۔ جمعہ کے دن سترھویں تاریخ سوقچہ نام ایک گاؤں کی (جو صلاح الدین کا وطن ہے) اور گاؤں کے اوپر کی جانب کے باغ لیموں وغیرہ (جو پہاڑ اور پہاڑ کی گھاٹی کے درمیان میں ہے) کی سیر کی۔ پہر بھر کے بعد وہاں سے چار باغ میں آگیا۔ اتوار کے دن اُنیسویں کو اندھیرے مُنہ چار باغ سے سوار ہوا۔ اور کواری ندی سے اُتر ایک جائے پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت چل کھڑا ہوا۔ جھٹپٹا تھا کہ چنبل ندی سے عبور کیا۔ مغرب اور عشا کے بیچ میں داخل دھولپور ہوا۔ ابوالفتح نے چراغ حمام بنایا ہے اسکی سیر دیکھی اور یہاں سے اُس چار باغ میں آیا جو بند پر نیا بنا ہے۔ دوسرے روز اُن مقاموں کو

ملاحظہ کیا جن جن کی تعمیر کا حکم دے گیا تھا۔ جس سنگین حوض بنانے کے لیے میں کہہ گیا تھا اُسکا منہ اوپر کی طرف کا بنگیا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ سنگتراشوں کی مدد بڑھا کر اس کے نیچے کی طرف کا رُخ بھی درست کردو تاکہ اُس میں پانی چھوڑ کر ناپ تول دیکھ لیجائے۔ عصر کے بعد تک حوض کا یہ رُخ بھی پورا ہو گیا۔ میں نے کہا پانی بھر کر دیکھو۔ پانی بھر کر اطراف کی ناپ تول کی۔ اور نشیب و فراز درست کر لی۔ اگلی بار میں نے حکم دیا کہ ایک جل محل بنے ایک پتھر کا ترشا ہوا اور اُس کے اندر کا حوض بھی ایک ہی پتھر کا ہو۔ پیر کے دن معجون خوری کا جلسہ ہوا منگل کو یہیں رہا۔ چارشنبہ کے دن روزہ کھولنے کے بعد کچھ کھایا پیا اور سیکری چلنے کے لیے سوار ہو گیا۔ آدھی رات گئے ایک مقام پر اُتر کر سو رہا۔ رات کو کان میں بہت درد رہا۔ شاید سردی نے کچھ اثر کیا ہو۔ درد کی شدت سے رات بھر نیند نہ آئی۔ سویرے ہی یہاں سے کوچ کر دیا۔ کوئی پہر دن چڑھا ہوگا۔ جو سیکری والے باغ میں آن اُترا۔ یہ عمارت کو بہت ڈانٹا اور انہیں کہ باغ کی دیواریں۔ مکانات اور کنواں میری طبیعت کے موافق جلد بنا کر دو۔ سیکری سے ظہر و مغرب کے مابین سوار ہو۔ بدھا کور سے نکل ایک جا سویا۔ پہر رات آگیا۔ وہاں سے پہر ... میں داخل ہو گیا۔ فخر جہاں بیگم چلی گئی تھیں۔ اور خدیجہ سلطان بیگم بعض دنوں کے سبب ... اُن سے شہر میں جا کر ملا۔ پھر جمنا کے پار ہشت بہشت باغ میں آگیا۔ سہ شنبہ تیسری صفر کو تین بیبیاں میں سے جنینہ بیگم۔ گوہر شاد بیگم اور بدیع الجمال بیگم۔ چھوٹی بیگیات میں سے خانزادہ بیگم (سلطان مسعود میرزا کی بیٹی) سلطان بخت بیگم کی بیٹی۔ میکہ جنوا کی پوتی (زینت سلطان بیگم) آئی ہوئی تھیں اور دریا کے کنارہ پر جو محلات ہیں اُن کے پاس اُتری تھیں۔ اُن سے عصر اور مغرب کے بیچ میں جا کر ملا۔ وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ پیر کے دن صفر کی ۹ کو بکرماجیت کے پہلے اور دوسرے ایلچی کے ساتھ پُرانے ہندوؤں میں سے دیوا کے بیٹے سرہ دیسی کو روانہ کیا تاکہ بکرماجیت رنتھنبور کو سونپ دے اور اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کرے۔ یہ ہمارا آدمی جائے اور اچھی طرح دیکھ بھال آئے۔ اگر وہ اپنے قول پر قائم رہے تو ہم بھی وعدہ پورا کرنیکو تیار ہیں۔ خدا چاہے تو چتور میں ہم اُسکو اُسکے باپ کا جانشین کر دینگے۔ انہی دنوں میں سلطان سکندر اور ابراہیم کے دلّی اور آگرہ والے خزانے ہو چکے تھے۔ پنجشنبہ کے دن صفر کی آٹھویں تاریخ حکم دیا کہ لشکر کے سامان و تنخواہ وغیرہ کے لیے تمام منتظمانِ اضلاع سے ایک کروڑ تیس لاکھ۔ و بے دیوانی علاقہ میں منگائے جائیں۔ اور اخراجات ضروری میں صرف کیے جائیں۔ ہفتہ کے دن دسویں تاریخ شاہ قاسم نام (سلطان محمد بخشی کے علاوہ پیادہ) جو پہلے بھی ایک دفعہ خراسان والوں کے نام استمالت کے فرامین لے گیا تھا پھر اس مضمون کے فرمان لیکر روانہ ہوا کہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی باغیوں اور ہندوؤں کی طرف سے عنایت الٰہی سے خاطر جمع ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالٰی اسی بہار کے موسم میں جس طرح ممکن ہوگا میں وہاں آؤں گا۔

احمد افشار کے نام بھی فرمان بھیجا گیا اور اُسکے حاشیہ پر اپنے ہاتھ سے لکھا کہ فرید دن قبوری کو بھیجدو۔
آج ہی ظہر کے وقت سے پارہ کھانا شروع کیا۔ بدھ کے دن اُنیسویں تاریخ ایک ہندوستانی پاجی کامران
اور خواجہ دوست کی عرضیاں لایا۔ خواجہ دوست خاوند ذی الحجہ کی دسویں کو کابل گیا تھا۔ اور ہمایوں سے
پہلے روانہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر کامران کا آدمی خواجہ پاس آیا۔ اور کہا کہ خواجہ آئیں اور جو حکم ہوا ہو وہ بیان
کریں۔ اور جو باتیں کرنی ہوں کر کے چلے جائیں۔ سترھویں ذی الحجہ کو کامران کابل میں آیا خواجہ سے باتیں
کیں اور خواجہ کو اٹھائیسویں تاریخ قلعہ ظفر کی طرف چلتا کیا۔ ان عرضیوں میں اچھی خبریں لکھی تھیں لکھا تھا
کہ شاہزادہ طہماسپ نے ازبک کے استیصال پر کمر باندھ کر ازبکوں کے سردار کو دامغان میں گرفتار کر کے
مار ڈالا۔ اُس کے لشکر کو عام طور سے قتل کیا۔ عبید خاں قزلباش کی خبر سُنتے ہی ہری کو چھوڑ کر مرو چلا گیا۔
سمرقند وغیرہ کے سلاطین کو اُسنے مرو میں بلایا ہے۔ ماوراء النہر کے سب سلاطین مدد دینے کے لیے
جانے پر تیار ہیں۔ اسی قاصد نے بیان کیا کہ یادگار طغائی کی بیٹی سے ہمایوں کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور
کامران نے بھی اپنے ماموں سلطان علی میرزا کی بیٹی سے کابل میں شادی کر لی ہے۔ انہی ایام میں سید اُکنی
شیرازی جیبہ گر کو انعام دیکر میں نے حکم دیا کہ ایک کنواں فوارہ دار نہایت عمدہ تیار کرو جمعہ کو دن
تیئیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے
بعد میں احتیاطاً کتب خانہ میں آگیا۔ بہت دیر تک بیچینی رہی۔ دوسرے دن ہفتہ کو بخار رہا۔ کچھ
جاڑا بھی چڑھا۔ سہ شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کی والدہ والا رسالہ نظم کروں۔
حضرت خواجہ کی روح سے ملتجی ہوا۔ اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو۔ اسکے قبول ہونیکی
دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ والے کا قصیدہ مقبول ہوا اور وہ مرض فالج سے اچھا ہو گیا
اُسی طرح میں بھی اس علالت سے تندرست ہو جاؤں۔ اسی نیت سے وزن رمل مسدس مجنون و ضرب
کبھی ابتر کبھی مجنون محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کا سبحہ بھی ہے رسالہ نظم کرنا شروع
کیا۔ اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے۔ بطریق التزام ہر روز دس بیتوں سے کم نہ لکھیں۔ شاید کوئی
دن ناغہ ہوا ہو۔ اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا ہے۔ خدا کی عنایت
اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن انتیسویں کو ذرا افاقہ ہو گیا اور پھر صحت ہو گئی۔ ہفتہ کے دن
ربیع الاول کی اٹھارھویں تاریخ نظم تمام ہو گئی۔ باون شعر ہوئے۔ بدھ کے دن اٹھائیسویں تاریخ
ہر جانب کے لشکروں میں حکم بھیجا کہ بہت جلد ساز و سامان درست کر کے اس طرف روانہ ہوں۔ میرا ارادہ
کہیں چلنے کا ہے۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی نویں تاریخ بیگ محمد تعلیق چی آیا۔ یہ اگلے سال محرم کے
آخر مہینے میں ہمایوں کے لیے خلعت اور گھوڑا لے گیا تھا۔ اتوار کے دن دسویں تاریخ بنکلسر ویس لاغری
اور ریان شیخ (ہمایوں کا نوکر) دونوں حاضر ہوئے۔ بنکلسر ہمایوں کے بیٹے کی خوشخبری لایا لڑکے کا نام

الامان رکھا تھا۔ شیخ ابو الواجد نے اسکی تاریخ ولادت "شیر سعادت" لکھی۔ شیخ بیان بنگلسر سے بہت پیچھے چلا تھا۔ جمعہ کے دن صفر کی نویں تاریخ کو اُسنے ہمایوں کے لشکر کو مقام شینہ سے چھوڑا تھا۔ پیر کے دن ربیع الاوّل کی دسویں کو آگرہ میں آگیا۔ سچ یہ ہے کہ بہت جلد آیا۔ ایک دفعہ اور بھی یہی بیان شیخ قلعۂ ظفر سے قندھار میں گیارہ دن میں آگیا تھا۔ اسی نے شہزادہ طہماسپ کا آنا اور ازبک کا شکست کھانا مفصّل بیان کیا۔

شہزادۂ طہماسپ اور ازبکوں کی لڑائی

اسکی تفصیل یہ ہے کہ شہزادۂ طہماسپ عراق سے چالیس ہزار فوج بندوقچی رومی طریقہ سے آراستہ کرکے جھپٹ کر آگیا۔ وہ بسطام اور دامغان میں اُزبک کا آگا روکتا اور ازبکوں کو قتل کرتا ہوا یونہی بڑھتا چلا گیا۔ کیک لی کے بیٹے قنبر علی کو قزلباشوں نے زیر کرلیا۔ عبید خاں تھوڑے سے لشکر کے ساتھ نواحِ ہری میں نہ ٹھیر سکا۔ بلخ۔ حصار۔ سمرقند اور تاشکند کے تمام خوانین وسلاطین کو تاکید سے بُلا بھیجا اور آپ مرو میں آگیا۔ تاشکند سے ماراق سلطان اور سیبو لجک خان چلے سمرقند وغیرہ سے کوجوم خاں اور ابوسعید سلطان اور پولاد سلطان مع فرزندانِ جانی بیگ چلے۔ حصار سے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان آئے۔ اور بلخ سے قرا سلطان چلا۔ یہ سب مارامار مرو میں عبید خاں پاس آکر اُکھٹے ہوئے۔ فوج بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب جمع ہوگئی۔ مخبر کا بیان ہے کہ شاہزادہ طہماسپ صفوی کو خیال تھا کہ عبید خاں پاس بہت فوج نہیں ہے۔ اسی سبب سے چالیس ہزار آدمی لیے ہوئے بے دھڑک چلا آیا۔ جب اُسے اس اجماع کا حال معلوم ہوا تو اولانک زادگان میں ٹھیر گیا اور لشکر کے گرد خندق کھودلی۔ ازبکوں کو یہ خبر لگی وہ غنیم کو حقیر سمجھے۔ اُنہوں نے صلاح کی کہ ہم سب تو مشہد میں ٹھیرے رہیں اور چند سلاطین کو بیس ہزار فوج کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ قزلباشوں کے لشکر کے گرد جا پڑیں۔ اور اُن کو سر نہ اُٹھانے دیں۔ اسی طرح اُن کو عاجز کرکے پکڑ لیں یہ تجویز کرکے مرو سے سب چلے۔ اٹھارھویں تاریخ مشہد سے نکل کے نواحِ جام میں مقابلہ ہوا۔ ازبکوں کو شکست فاش ہوئی۔ بہت سے سلاطین پکڑے گئے اور قتل ہوئے۔ ایک خاص خط میں لکھا تھا کہ سوائے کوجوم کے کسی سلطان کا پتا نہیں ہے۔ فوج میں سے کچھ لوگ بچ گئے۔ جو سلطان حصار میں تھے وہ حصار کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چلمہ (جسکا اصلی نام اسمٰعیل ہے اور جو ابراہیم کا بیٹا ہے) رہ گیا تھا۔ اُسی نے اس بیان شیخ کے ہاتھ ہمایوں کو اور کامران کو خطوط بھیجے۔ جمعہ کے دن چودھویں تاریخ میں نے ہمایوں اور کامران کے نام خطوط لکھے اور اسی بیان شیخ کے سپرد کرکے اسکو رخصت کیا۔ اور ہفتہ کے دن پندرھویں تاریخ آگرہ سے روانہ کردیا۔ اسی مضمون کا خط خواجہ کلاں کو بھی بھیجا۔

فوج کشی کی صلاح

بدھ کے دن اُنتیسویں کو میرزاؤں۔ سلاطینوں اور امرائے ترک وہند کو جمع کرکے

مشورہ کیا اور یہ بات ٹھیرائی کہ اس سال کسی طرف فوجکشی کرنی چاہیے۔ مجھ سے پہلے عسکری میرزا پورب کی جائے۔ آں روئے گنگ کے امرا اور سلاطین اپنے اپنے لشکروں سمیت عسکری کے ہمراہ ہوں۔ پھر جدھر مناسب ہو اُدھر کا رُخ کیا جائے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں تاریخ اسی مضمون کے خط لکھکے اور بائیس دن کی میعاد مقرر کرکے غیاث الدین قورچی کے ہاتھ سلطان جنید برلاس وغیرہ کے پاس روانہ کیے اور زبانی بھی اُسکو سمجھا دیا۔ توپوں۔ ارابوں اور بندوقوں وغیرہ اسباب آلاتِ جنگ کے تیار ہونے تک اپنے آگے عسکری کو روانہ کیا۔ اور گنگا کے اُس جانب کے سرداروں کو حکم دیا کہ سب عسکری کے پاس حاضر ہو۔ اور جس طرح کی صلاح ٹھیرے خدا پر بھروسا کرکے اُسی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تم سب بالاتفاق صلاح کرو۔ اگر میرے آنے کی ضرورت ہوگی تو غیاث الدین کے آتے ہی جو میعاد مقررہ پر گیا ہے انشاءاللہ بلا توقف میں آن پہونچونگا۔ اور اگر اہل بنگالہ مخالفت نہ کریں اور میرے آنے کی ضرورت نہ ہو تو مجھے مفصّل لکھنا۔ میں اور طرف کا قصد کرونگا۔ بیٹھنے کا نہیں۔ اور تم لوگ جو خیرخواہ ہو باہمی مشورہ سے عسکری کے ساتھ اُدھر کی مہمات کو انجام دینا۔

عسکری کو عطائے خلعت و منصب

ہفتہ کے دن ربیع الاوّل کی اُنتیسویں تاریخ عسکری کو شاہانہ خلعت مع کمربند۔ خنجر۔ علم۔ توغ۔ نقارہ۔ بہت سے گھوڑے۔ ہاتی۔ اونٹ۔ خچریں اور بادشاہی سامان واسباب دیکر دربار میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ملّا داود تکہ کو تکمہ دوز جلکنائے اور عسکری کے اور نوکروں کو تین تین پارچے کے خلعت عطا ہوئے۔ اتوار کے دن شیخ کو محمد بخشی کے مکان میں میں گیا۔ اُس نے پا انداز بچھایا اور کشتیاں پیش کیں۔ دو لاکھ کے قریب کی نقد وجنس نذر کی۔ نذر لینے اور آش نوش کرنیکے بعد اُسکے دوسرے حجرہ میں جاکر میں بیٹھا۔ وہاں معجون کھائی۔ تیسرے پہر کو وہاں سے رخصت ہوا۔ اور دریا سے پار ہوکر اپنے خلوت خانہ میں آگیا۔

ڈاک چوکی کا تقرر

پنجشنبہ چوتھی ربیع الآخر کو یہ تجویز کی کہ چقماق بیگ شاہی تمغاچی محرر نکو ساتھ لیکر آگرہ سے کابل تک جریب سے پیمائش کرے۔ ہر نو کوس پر ایک مینار بنادی جائے جسکی بلندی بارہ گز کی ہو۔ اس مینار پر چودری بنائی جائے۔ ہر اٹھارہ کوس پر چھ گھوڑوں کی ڈاک چوکی بٹھائی جائے۔ ان گھوڑوں کے دانہ گھانس کی یہ تجویز کی کہ اگر چوکی کا مقام خالصہ کے پرگنہ میں ہو تو دانہ گھانس وہاں سے ملے اور اگر کسی کی جاگیر میں ہو تو جاگیردار کے ذمہ۔ چقماق بیگ اُسی دن آگرہ سے روانہ ہوگیا۔ اس کوس کی پیمائش میل کے موافق مقرر کی گئی۔ گز نو مٹھی کا۔ جریب چالیس گز کی۔ کوس سو جریب کا معیّن کیا۔

جشن

پیر کے دن چھٹی تاریخ باغ میں جشن ہوا۔ میں اُس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا

جو تیار بنایا ہے۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز کے فاصلہ پر توختہ بوغا سلطان۔عسکری۔خواجہ
عبدالشہید اولا۔خواجہ کلاں تولاو۔خواجہ حسین۔خلیفہ۔علماء اور حفاظ (جو خواجہ کے توابعین میں سے
تھے اور سمرقند سے آئے تھے) بیٹھے۔ بائیں ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز ہٹ کر محمد زمان میرزا۔تانگ ایمش
سلطان۔سید رفیع۔سید رومی۔شیخ ابوالفتح۔شیخ جمالی۔شیخ شہاب الدین عرب اور سید دکنی بیٹھے۔
قزلباش۔ازبک اور راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے۔ دائیں ہاتھ کی طرف ستر اسی
گز کے فاصلہ پر شامیانہ تان کے قزلباش کے سفیر کو اُس کے نیچے بٹھایا۔اور اُس کے ساتھ بیٹھنے کیلیے
یونس علی کو حکم دیا۔اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب ازبک کے سفیر کو بٹھایا اور اپنے امراؤں میں سے عبداللہ
اسکے ساتھ بیٹھنے کے لیے معین ہوا۔آش خوری سے پہلے تمام سردار۔امراء اور اکابر نے روپوں۔
اشرفیوں۔کپڑوں اور اجناس کی کشتیاں پیش کیں۔میں نے حکم دیا کہ میرے روبرو زیر انداز
بچھاؤ۔اور اُسکے ایک طرف روپوں اشرفیوں کا ڈھیر لگا دو۔دوسری طرف کپڑے اور جنس کا
ڈھیر لگا دو۔اسی وقت مست اونٹوں اور ہاتھیوں کی لڑائی شروع ہوئی۔چند قوچار کی لڑائی
بھی ہوئی۔پھر پہلوانوں کی کشتیاں ہوئیں۔اس کے بعد آش نوش ہوئی۔آش نوشی سے فارغ
ہو کر خواجہ عبداللہ شہید اور خواجہ کلاں کی اولاد کو کیش ابرہ کے جُبّے اور اور توپک مع مناسب
خلعتوں کے عطا کیے۔ ملا فرخ کو اور اُسکے ہمراہیوں کو اور حافظوں کو اچکنیں دی گئیں۔کوچم خاں
اور اُس کے بھائی حسن چلپی کے دو بڑے ملازموں کو نقرئی بٹ سے سونا اور طلائی بٹ سے چاندی
تول کر عنایت کی۔(نقرئی بٹ ڈھائی سے مثقال کا ہوتا ہے جو کابل کا آدھ سیر ہوا۔اور طلائی بٹ
پانسے مثقال کا ہوتا ہے جو کابل کا سیر ہوا) خواجہ میر سلطان کو مع فرزندان۔حافظ تاشکندی۔
مولانا فرخ کو مع ہمراہیان و ملازمان اور اور ایلچیوں کو بھی چاندی سونا عنایت ہوا۔یادگار ناصر مرزا
کو خنجر انعام ہوا۔میر محمد جالہ بان گنگا پر پل باندھنے سے امیدوار عنایت ہوا تھا اُسکو اور پہلوانوں
میں سے پہلوان حاجی محمد۔پہلوان بہلول اور ولی وغیرہ کو ایک ایک خنجر عطا ہوا۔سید داؤد کو روپے
و اشرفیاں ملیں۔اپنی بیٹی (جو معصومہ بیگم کے پیٹ سے تھی) اور اپنے بیٹے ہندال کے نوکروں کو
تکمہ دار اچکنوں کے خلعت مرحمت کیے۔سونا چاندی اور ہر قسم کی اجناس عنایت کی۔تمام ملازموں
اور رعایا کے لیے عنایت آمیز فرامین جاری کیے۔اس کے بعد حکم دیا کہ ہندوستان کے نٹ اور
بازی گر تماشے دکھائیں۔ان لوگوں نے تماشے کرنے شروع کیے۔ہندوستانی نٹ اور بازی گر
بعض تماشے ایسے کرتے ہیں کہ ہماری ولایت والے نہیں کرتے۔اُن میں سے ایک تماشا یہ ہے کہ
اپنی پیشانی اور ران پر سات حلقے چپکاتے ہیں۔چار حلقے ہاتھ کی انگلیوں اور پاؤں کی انگلیوں
کے گرد چپکاتے ہیں۔ان کے علاوہ چار حلقے اور لیتے ہیں۔ان میں سے دو کو ہاتھ کی دو انگلیوں

اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے آہستہ چکر دیتے ہیں۔ دوسرے مورچال کی طرح اپنا ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا اور دوسرے ہاتھ سے اور دونوں پاؤں سے تین حلقوں کو جلدی جلدی چکر دیا۔ تیسرے یہ کہ وہاں کے نٹ دو لکڑیوں کو دونوں پاؤں میں باندھتے ہیں اور ان چوبین پاؤں سے چلتے ہیں۔ یہاں کے نٹ پاؤں کو باندھتے نہیں۔ چوتھے یہ کہ اُس ولایت کے دو نٹوں میں سے ایک دوسرے کو کاندھے پر کھڑا کر کے چلتا ہے۔ ہندوستانی نٹ اسی طرح تین چار کو معلق لیکر چلتا ہے۔ پانچویں یہ کہ سات گز کا بانس ایک نٹ اپنی کمر پر رکھکر بانس کو پکڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے اور دوسرا اُس پر قلابازیں کرتا ہے۔ چھٹے یہ کہ چھوٹی عمر کا نٹ بڑی عمر کے نٹ کے سر پر کھڑا ہو جاتا ہے اور نیچے والا اُسے اِدھر اُدھر لیے پھرتا ہے۔ جب اوپر والا نیچے والے کے سر پر قلابازیں کرنے لگتا ہے تو نیچے والا کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا نہیں ہلتا ہے۔ اس کے بعد پاتروں کا ناچ ہوا۔ مغرب کے وقت تک جلسہ رہا۔ بہت روپیہ بانٹا۔ اور بڑا غل شور رہا۔ مغرب اور عشا کے بیچ میں چند مصاحبوں کا جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ پہر بھر سے زیادہ رہا۔ دوسرے دن کشتی میں بیٹھکر میں باغ ہشت بہشت میں آیا۔

عسکری کا پورب اور ہمارا دھولپور کو روانہ ہونا۔ دوشنبہ کو عسکری سفر کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ حمام میں آیا اور رخصت ہو کر پورب روانہ ہوا۔ سہ شنبہ کو میں دھولپور کی طرف اُس باغ وغیرہ کے دیکھنے کے لیے گیا جسکے بنانے کا حکم دیا تھا۔ پہر پر ایک گھڑی گزری جو باغ سے سوار ہوا۔ رات کو پہلی پہر سے پانچ گھڑیاں گزری تھیں کہ دھولپور والے باغ میں جا اُترا۔ سنگین کنواں۔ ترما چھبیس ٢٦ پتھر ستون اور کڑیاں جنکو پہاڑ میں سے ایک پتھر کا تراشا تھا تیار ہو گئے تھے ان سب کو پنجشنبہ کے دن گیارھویں تاریخ ملاحظہ کیا اور آج ہی تیسرے پہر سے کنوئیں کا پانی نکلنا شروع کیا۔ آگرے سے سنگتراشوں۔ معماروں اور مزدوروں کو بہت کچھ انعام دیا گیا۔ چونکہ کنوئیں کے پانی میں ذرا بو تھی احتیاطاً پیشتر سے حکم دیا کہ احتیاطاً پندرہ دن تک رات دن دم نہ لو اور پانی نکالے جاؤ۔

قزلباشوں اور ازبکوں کی لڑائی کی خبر جمعہ کے دن پہلے پہر سے ایک گھڑی باقی رہی تھی کہ دھولپور سے سوار ہو کر آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو دریا سے عبور کیا۔ ایک شخص دیو سلطان کا نوکر ازبکوں اور قزلباشوں کی لڑائی میں موجود تھا منگل کے دن سولھویں تاریخ آیا۔ اُسنے بیان کیا کہ جام اور خسرو گرد کی نواح میں عشرہ کے دن ترکمانوں اور ازبکوں میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔ صبح کی نماز سے ظہر کے وقت تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس لڑائی میں ازبک تین لاکھ کے قریب تھے اور قزلباش چالیس پچاس ہزار۔ ازبکوں کا بیان ہے کہ قزلباش ایک لاکھ تھے اور ازبک کم تھے۔ قزلباشوں نے رومی قاعدہ سے ارابے۔ توپیں اور بندوقیں تیار کی تھیں۔ ان کے پاس ہزار ارابے اور چھ ہزار بندوقیں تھیں۔ شاہزادہ اور خواجہ سلطان

بیس ہزار چیدہ سپاہیوں سمیت ارابوں کے بیچ میں ہو بیٹھا اور امراء کو چھکڑوں کے باہر برانغار اور جرانغار کی صفوں میں کھڑا کیا۔ اُزبکوں نے حملہ کرتے ہی باہر والوں کو شکست دی اور بھیر کو لوٹنا شروع کیا۔ آخر قزلباش چھکڑوں کی زنجیریں کھول باہر نکل آئے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ ازبک تین دفعہ حملہ کر کے لڑے۔ مگر خدا کی عنایت سے قزلباشوں نے ازبکوں کو شکست دی۔ سرداروں میں کوچم خاں عبید خاں۔ ابوسعید سلطان اور آٹھ اور سلطان گرفتار ہوئے۔ صرف ایک ابوسعید سلطان بچا۔ باقی آٹھ سلاطین مارے گئے۔ عبید خاں کا سر نہ ملا دھڑ ملا۔ غرض ازبکوں کے پچاس ہزار کے قریب اور قزلباشوں کے بیس ہزار آدمی کام آئے۔

غیاث الدین کی پورب سے واپسی

آج غیاث الدین قورچی جو اٹھارہ دن کی میعاد پر جونپور گیا تھا آیا۔ سلطان جنید برلاس وغیرہ خرید پر چڑھائی کرنے گئے ہوئے تھے۔ اسی سبب سے قاصد میعاد مقرر پر نہ آسکا۔ سلطان جنید نے زبانی کہلا بھیجا کہ عنایت الٰہی سے ادھر بادشاہ کی توجہ کرنے کے لائق کوئی کام معلوم نہیں ہوتا۔ فقط میرزا تشریف لے آئیں اور اس طرف کے امراء کو حکم ہو جائے کہ سب میرزا کی خدمت میں حاضر رہیں۔ امید ہے کہ سارے کام بآسانی انجام پا جائیں گے۔ گو سلطان جنید کا یہ جواب آیا مگر چونکہ ملا محمد مذہب رانا سانگا کی لڑائی کے بعد سفیر ہو کر بنگالے بھیجا گیا تھا اور آجکل میں اُس کے آنے کی خبر تھی اسلیے اُسکا انتظار تھا۔

ملا مذہب بنگالے سے آیا

جمعہ کے دن انیسویں تاریخ معجون کھائی۔ چند مصاحبوں کے ساتھ میں خلوت خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ملا مذہب شام کو جو ہفتہ کی شام تھی آیا اور اُسنے ملازمت حاصل کی۔ میں نے اُس سے اُدھر کے ایک ایک شخص کی کیفیت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ اہل بنگالہ سب مطیع ہیں۔

کسی طرف یورش کی مشورت

اتوار کے دن امرائے ترک و ہند کو خلوت خانہ میں بلا کر میں نے مشورہ کیا۔ یہ گفتگو ہوئی کہ بنگالے کی طرف سفیر بھیجا گیا تھا۔ معلوم ہو گیا کہ وہ سب مطیع و منقاد ہیں۔ اب بنگالے چلنا بیکار ہے۔ وہاں کچھ خزانے نہیں ہیں جن سے فوج کو مدد پہنچائے۔ البتہ مغربی سمت میں بعض مقامات ہیں جو قریب بھی ہیں اور مالدار بھی ہیں۔ لوگ غیر مذہب۔ مال انغاروں۔ راستہ قریب۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ مغرب ہی کی جانب چلیں گے۔ چونکہ یہ طرف قریب ہے اس لیے چند روز ٹھیر کر اور مشرقی سمت سے اطمینان کر کے چلے چلیں گے۔

غیاث الدین کو دوبارہ پورب بھیجا

غیاث الدین کو پھر بیس دن کی میعاد پر مع فرامین امرائے پورب کے پاس روانہ کیا۔ اُن کو حکم دیا کہ سب امراء۔ سردار اور سلاطین جو آنروئے دریائے گنگ ہیں عسکری پاس جمع ہوں۔ اور ان دشمنوں پر چڑھائی کرنے پر آمادہ ہو جائیں اگر حکم کی

پہنچتے ہی اسباب وسامان لیکر وقتِ مقررہ پر حاضر ہو جائیں۔

بلوچستان کا فساد

انہی ایام میں مہدی کوکلتاش کی عرضی آئی۔ لکھا تھا کہ پھر بلوچوں نے بعض مقامات میں لوٹ مار مچائی ہے۔ اسکے انتظام کے لیے چین تیمور سلطان کو متعین کیا اور حکم دیا کہ اُدھر کے سردار جیسے عادل سلطان۔ سلطان محمود دولدئی۔ خسرو کوکلتاش۔ محمد علی جنگجنگ۔ دلاور خاں۔ احمد یوسف۔ شاہ منصور برلاس۔ محمدی کوکلتاش۔ عبد العزیز میرزا خورشید علی ولی قرلی۔ خواجہ ہلال۔ عاشق بکاول۔ شیخ علی کتبہ۔ کجور خاں اور حسن علی سوادی سرہند اور سمانے سے سلطان کے پاس چھ مہینے کا سامان کرکے جمع ہوں اور بلوچوں پر چڑھائی کریں۔ سلطان کے چار باغ میں سب حاضر ہوں اور ہر امر میں اُسکے فرمانبردار رہیں۔ عبد الغفار قورچی یہ حکم پہنچانے پر معین ہوا۔ اُس سے کہدیا کہ پہلے چین تیمور سلطان کو حکم پہنچانا پھر امرائے مذکور کو یہ حکم سُنا دینا۔ جہاں چین تیمور سلطان لام باندھنے کا حکم دے وہاں سب مع اپنے اپنے لشکروں کے حاضر ہو جائیں۔ عبد الغفار کو حکم دیا کہ تجھے بھی وہیں رہنا چاہیے جس کو تو دیکھے کہ دل چُراتا ہے اُس کا حال عرض کر دے تاکہ ایسے تقصیر کرنے والے کو منصب اور مرتبہ سے علیحدہ کرکے اُسکی جاگیر ضبط کر لیجائے۔ یہ فرامین دیکر اور بہت سی باتیں زبانی سمجھا کر عبد الغفار کو رخصت کیا۔

باغ نیلوفر کی سیر

اُنیسویں تاریخ اتوار کی رات کو تین پہر چھ گھڑیاں گزرنے کے بعد جمنا سے پار ہو باغ نیلوفر کی سیر کے لیے جو دھولپور میں بنایا ہے روانہ ہوا۔ اتوار کے دن تیسرے پہر باغ مذکور میں داخل ہوا۔ باغ کے گرد امراء اور مصاحبین کے مکانات بنانے کیلیے مقامات تجویز کیے۔ اور حکم دیا کہ اپنے اپنے مکان بناؤ اور باغ لگاؤ۔ جمعرات کے دن تیسری جمادی الاولیٰ کو باغ کے جنوب و مشرق میں حمام بنانے کیلیے جائے تجویز کی۔ مزدوروں نے فی الفور اُس قطعہ کو صاف اور ہموار کر دیا۔ میں نے حکم دیا کہ پہلے اس جائے کرسی دیجائے پھر حمام بنایا جائے۔ اس حمام کے ایک کمرہ میں دہ در دہ حوض تیار ہو۔

فوج کشی کا قصد

آج ہی قاضی جیا۔ بیر سنگھ اور خلیفہ کی عرضیاں آئیں۔ اُن میں لکھا تھا کہ سکندر کے بیٹے محمود نے بہادر کو پکڑ لیا ہے۔ اس خبر کے سُنتے ہی میں نے فوج کشی کا عزم کر لیا۔ دوسرے دن جمعہ کو چھ گھڑی دن چڑھے باغ نیلوفر سے میں سوار ہوا اور مغرب کے وقت آگرہ میں آگیا۔ محمد زمان میرزا دھولپور جاتا تھا۔ راستہ میں ملا چین تیمور سلطان بھی آج ہی آگرہ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن ہفتہ کو مدبّرانِ سلطنت سے صلاح کی۔ یہ بات قرار پائی کہ دسویں تاریخ جمعرات کے دن پورب کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔

ہمایوں کا سمرقند پر یورش کرنا

آج ہی ہفتہ کے دن کابل سے خط آیا کہ ہمایوں نے اُس صوبہ کا لشکر

فراہم کرکے اور سلطان اویس کو اپنے ہمراہ لیکر چالیس پچاس ہزار آدمی سے سمرقند پر حملہ کرنیکا قصد کیا ہے۔ حصار میں سلطان اویس کا چھوٹا بھائی شاہ قلی چلا گیا ہے۔ ترسون محمد سلطان نے ترمذ سے جاکر قبادیان کو چھین لیا ہے اور اب وہ کمک منگا رہا ہے۔ ہمایوں نے اُس کی کمک کے لیے تولک کوکلتاش اور اُس کے چھوٹے بیٹے کو بہت سے مغلوں اور بہت سی فوج سمیت روانہ کیا ہے۔ اور ہمایوں خود بھی اس کمک کے پیچھے چل کھڑا ہوا ہے۔

پورب کی طرف روانگی

جمعرات کے دن جمادی الاوّل کی دسویں کو تین گھڑی کے بعد میں پورب کی جانب روانہ ہوا۔ میں تو کشتی میں بیٹھ جلیسر گاؤں کے اوپر کی طرف جمنا سے پار ہو باغِ زرافشاں میں آ گیا۔ اور فوج کو حکم دیا کہ نشان اور نقارہ سمیت تمام لشکر باغ کے سامنے دریا کے اُس طرف خیمہ زن ہو۔ جو مجرئی مجرا کرنے کو حاضر ہوں وہ کشتی میں بیٹھ کر حاضر ہوں۔ ہفتہ کے دن اسمٰعیل میتا (بنگالے کا سفیر) نے ہندوستانی طریقہ سے یوں ملازمت حاصل کی اور تحائف پیش کیے کہ پہلے ایک گز کے فاصلہ سے آداب بجا لا کر الٹا پھرا۔ پھر اُسکو خلعت مقررہ جس کو سرمونیہ کہتے ہیں پہنا کر لائے۔ تین دفعہ مجرا کرکے نصرت شاہ کی عرضی اور پیشکش اُسنے گزرانی۔ اور واپس گیا۔ پیر کے دن خواجہ عبدالحق آئے۔ میں کشتی کے ذریعہ سے پار گیا۔ اور خواجہ کے خیمہ میں اُن سے ملاقات کی۔ منگل کو حسن چلپی آ کر ملا۔ فراہمی لشکر کے لیے کئی دن تک چارباغ میں توقف رہا جمعرات کے دن سترھویں تاریخ کو کوچ ہوا۔ میں کشتی میں آیا۔ موضع انوار میں جو آگرہ سے سات کوس ہے لشکر اُترا۔ اتوار کے دن ازبک کے سفیروں کو رخصت کیا۔ کوچم قان کے سفیر امین میرزا کو کمر بند۔ خنجر۔ زربفت کا تھان اور ستر ہزار تنگہ انعام دیے۔ ابوسعید کے ملازم ملا طغائی کو۔ مہربان خانم اور اسکے بیٹے پولاد سلطان کے ملازموں کو تکمہ دار چکنیں دیں اور اُن کے قابل نقد بھی دیا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ عبدالحق کو آگرہ میں ٹھیرنیکے لیے رخصت کیا۔ اور خواجہ یحییٰ کے پوتے خواجہ کلاں کو جو سلاطین و خوانین ازبک کے پاس سے بطریق سفارت آیا تھا سمرقند جانے کی اجازت دی۔ ہمایوں کے ہاں بیٹا ہونے کی اور کامران کی شادی ہونے کی مبارکباد دینے کے لیے میرزا تبریزی اور میرزا بیگ طغائی کو کابل بھیجا۔ انکے ہاتھ دس ہزار روپے رونمائی کے بھیجے۔ جو لباس میں پہنے اور کمر بند باندھے ہوئے تھا دونوں میرزاؤں کے لیے وہ بھی بھیجا۔ ملا بہشتی کے ہاتھ ہندال کے لیے خنجر مرصع۔ دوات مرصع۔ صدف کاری کرسی نیمچہ۔ تنگ بند۔ مفردات خط بابری اور خط بابری کے کچھ قطعے بھیجے۔ جتنا ترجمہ اور جس قدر اشعار ہندوستان میں آنیکے بعد لکھے تھے ہمایوں کو اور کامران کو بھیجے۔ اور جو خطوط خط بابری میں لکھے تھے وہ بھی بھیجے۔ سہ شنبہ کو خطوط لکھ کر کابل جانے والوں کو دیے۔

آگرہ اور دھولپور میں جن عمارتوں کا بنوانا منظور تھا اُن کے نقشے ملّا محمد قاسم۔ اُستاد شاہ محمد سنگتراش اور شاہ بابا بیلدار کو سمجھا کر اور اُن کو اس کام کا ذمہ دار کر کے رخصت کیا۔ پہر دن چڑھا ہوگا کہ میں انوار سے سوار ہوا۔ بعد نماز ظہر دریاپور گاؤں سے کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پنجشنبہ کی رات کو عبدالملک قورچی حسن چلپی کے ہمراہ اور شاہ جانوق ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ سلاطین و خوانین کے پاس روانہ کیا گیا۔ چار گھڑی رات باقی تھی کہ دریاپور سے کوچ ہوگیا۔ میں صبح کو کشتی میں سوار ہوا۔ اور عشا کے وقت لشکر میں داخل ہوگیا۔ لشکر فتح پور میں اُترا تھا ایک دن یہاں مقام کیا۔ ہفتہ کے دن صبح سویرے وضو کر کے ہم سوار ہوئے۔ اور راپری میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ مولانا محمود قاری امام تھے۔ سورج نکلنے کے وقت راپری کی بڑی بلندی کے نیچے سے میں کشتی میں سوار ہوگیا۔ آج میں نے واقعات لکھنے کے لیے گیارہ سطر کا مسطر بنایا۔ آج میرے دل میں اہل اللہ کی باتوں سے ایسا اثر پیدا ہوا جس سے بہت تنبیہ ہوئی۔ راپری کے پرگنوں میں سے کین نام ایک پرگنہ ہے۔ وہاں کشتی کو کنارہ پر کھینچ لائے۔ رات وہیں گزاری۔ وہاں سے اندھیرے مُنہ کشتیاں چلتی کیں۔ صبح کی نماز کشتی میں پڑھی۔ ہم کشتی میں تھے کہ خواجہ کلان کے نوکر شمس الدین محمد کو سلطان محمد بخشی لیکر آیا۔ وہاں والوں کے خطوط سے اور اس کے بیان سے کابل کا حال معلوم ہوا۔ یہیں مہدی خواجہ بھی آیا۔ ظہر کے وقت دریا سے اُس طرف اٹاوہ کے سامنے جو باغ ہے اُسکی بلندی پر ہم ٹھیرے۔ جمنا میں غسل کر کے نماز پڑھی۔ پھر اٹاوہ کی طرف آکر اسی باغ کے درختوں کے سایہ میں ایک بلند مقام پر جو دریا کے کنارے تھا میں بیٹھا سپاہیوں کو دریا میں کُدوایا اور تیروایا۔ مہدی خواجہ کھانا ساتھ لایا تھا۔ اُسکو یہیں تناول کیا۔ مغرب کے وقت دریا سے اُتر عشا کے وقت تک لشکر میں ہم داخل ہوگئے۔ فوج جمع ہونیکے لیے اور شمس الدین محمد کے ہاتھ کابل خطوط بھیجنے تھے اُنکے لکھنے کے واسطے دو تین دن اس منزل میں ٹھیرنا پڑا۔ بدھ کے دن جمادی الاولےٰ کی سلخ کو اٹاوہ سے کوچ کیا۔ آٹھ کوس کی منزل کی۔ مقام موری داود سر میں ڈیرے ہوئے۔ کابل بھیجنے کے جو خطوط لکھنے رہ گئے تھے وہ اس منزل میں لکھے گئے۔ ہمایوں کے خط میں ایک مضمون تو یہ لکھا کہ اگر کام پورا نہ ہوا ہو تو فوج قزاق وغیرہ کو روکو اس لیے کہ صلح کی ٹھیر رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُس میں رخنہ پڑ جائے۔ دوسرا یہ لکھا کہ صوبۂ کابل کو میں نے داخل خالصہ کر لیا ہے۔ لڑکوں میں سے کوئی اُس کا لالچ نہ کرے۔ ہندال کو میں نے بلا لیا۔ کامران کی خاطر کرنی۔ شاہزادوں کا آپس میں ملنا جُلنا۔ ملتان کا علاقہ اُسکو عنایت کرنا۔ علاقۂ کابل کو داخل خالصہ کر لینا اور اہل محل کا یہاں آنا لکھا۔ یہ بھی لکھا کہ بعض حالات خواجہ کلاں کے خط سے واضح ہوئے۔ معلوم ہوا کہ میری نصیحت نے اثر کیا۔ ان خطوں کو شمس الدین محمد کے سپرد کیا۔

اور زبانی باتیں سمجھا کر جمعہ کی شب کو اُسے رخصت کر دیا۔ جمعہ کو آٹھ کوس کی منزل کرکے جومند نا میں اُترنا ہوا۔ کپتن قراسلطان نے اپنے ایک سردار کمال الدین قناق کو ہمارے پاس سفارت پر بھیجا تھا۔ اُس کے پاس سلطان نے آدمی بھیجکر ہمارے امرائے سرحد کے برتاوؤں اور ڈاکو وغیرہ کی نسبت بہت شکایت لکھ بھیجی تھی۔ قناق نے اُس آدمی کو یہاں بھیجدیا۔ میں نے قناق کو رخصت دی۔ امرائے سرحد کو حکم دیا کہ قزاقوں اور لٹیروں کا بند وبست کرو اور اپنے برتاوے درست رکھو۔ یہ احکام لکھکر کپتن قراسلطان کے آدمی کو سپرد کیے اور اُسے اُسی منزل سے جانیکی اجازت دی شاہ قلی چیلچی کے پاس سے آیا تھا۔ اُسنے لڑائی کا حال بیان کیا تھا۔ اسی شاہ قلی کے ہاتھ دیر تک ٹھیرانے کا عذر لکھ کر جمعہ کے دن دوسری تاریخ اُس کو رخصت دی۔ ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کوس چل کر کلور اور حمادلی میں جو کالپی کا علاقہ ہے ٹھیرنا ہوا۔ اتوار کے دن چوتھی تاریخ نو کوس چلے دیرہ پور میں قیام ہوا۔ یہ بھی کالپی کا علاقہ ہے۔ یہاں میں نے اصلاح بنوائی۔ دو مہینے سے اتنی فرصت نہ ملی تھی کہ اصلاح بنواتا۔ سنکر ندی میں میں نے غسل بھی کیا۔ پیر کے دن چوتھی تاریخ چودہ کوس کی منزل کرکے چیرہ گڑھ میں جہاں کالپی ہی کا علاقہ ہے ڈیرے پڑے۔ دوسرے دن منگل کو کہ آٹھویں تاریخ تھی ماہم کا فرمان قراچہ کے نام جو اُسکو لکھا تھا ہندوستانی ملازم لیکر آیا۔ جس طرح میں اپنے ہاتھ سے پروانہ لکھا کرتا ہوں اُسی طرح بدرقہ طلب کرنیکے لیے ماہم نے بہیرا اور لاہور کے حکام کے نام لکھا تھا۔ یہ فرمان جمادی الاولےٰ کی ساتویں کو کابل سے لکھا تھا۔ بدھ کے دن سات کوس کا راستہ طے کرنیکے بعد آدم پور میں لشکر آیا۔ آج میں صبح سے پہلے ہی سوار ہوا اور اکیلا دوپہر گذار کر دریا کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف جمنا کے کنارہ پر پہنچا۔ جب آدم پور کے قریب آگیا تو لشکر کے پاس ایک جائے شامیانہ کھڑا کر اُسکے نیچے بیٹھا اور معجون کا شغل کیا۔ آج ہی کلال اور صادق پہلوانوں کی کشتی کرائی۔ کلال آگرہ میں آیا تھا اور صادق سے اُسنے لڑنا چاہا تھا مگر سفر کی تھکان کا عذر بھی کر لیا تھا۔ اور بیس دن کی مہلت چاہی تھی۔ اب چالیس پچاس دن گذر گئے۔ آج اُسکو لڑنا ہی پڑا۔ صادق اچھا لڑا۔ چٹکی مارتے کلال کو چیت کر دیا۔ صادق کو دس ہزار تنکہ ایک گھوڑا مع زین اور تکمہ دار چپکن سے سراپا انعام دیا گیا کلال گو پچھڑ گیا تھا مگر اس خیال سے کہ اپنے دل میں کڑھیگا اسکو بھی تین ہزار تنکہ اور سراپا عنایت کیا۔ ارابوں اور توپوں کو کشتیوں میں لائے تھے یہاں اُنکو اُتارا۔ راستہ درست کرکے اور زمین ہموار کرکے اُنکو اُتارنے میں چار دن تک یہیں رہنا پڑا۔ پیر کے دن بارھویں تاریخ یہاں سے کوچ کیا اور کورہ میں آئے۔ میں آج تخت پر سوار ہو کر گیا۔ کورہ سے چلے تو بارہ کوس پر کربہ میں جو کڑے کا علاقہ ہے آکر ٹھیرنا ہوا۔ کربہ سے آٹھ کوس چل کر فتحپور رسوہ میں لشکر ٹھیرا۔ فتحپور سے آٹھ کوس کی منزل کرکے ہیبت سرائے میں قیام ہوا۔ یہیں عشا کے وقت سلطان جلال الدین نے ملازمت حاصل کی۔ اُسکا چھوٹا بھائی بھی ساتھ تھا۔ دوسرے دن سترھویں تاریخ

ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کوس چلکر دگدگی میں جو کڑے کا علاقہ ہے گنگا کے کنارے پر لشکر اُترا۔ اتوار کو محمد سلطان میرزا۔ قاسم حسین سلطان۔ ولی خوب سلطان اور تردیکہ اسی منزل میں حاضر ہوئے پیر کے دن عسکری بھی اسی منزل میں آیا۔ یہ سب ممالک مشرقیہ سے کمک کے لیئے آتے تھے۔ ان سب لشکروں کو حکم ہوا کہ عسکری کے ساتھ گنگا کے اُسی طرف رہیں۔ جہاں ہمارا لشکر فروکش ہو یہ بھی ہمارے سامنے اُس طرف اُتریں

سلطان محمود کی بغاوت۔ شیر خان سور کی شراکت

ہم اسی نواح میں تھے کہ پے در پے خبریں آئیں کہ سلطان محمود کے پاس ایک لاکھ پٹھان جمع ہو گئے ہیں۔ شیخ بایزید اور بین کو بہت سی فوج کے ساتھ سرو ار کی طرف بھیجا ہے۔ اُسنے اور فتح خان شروانی نے گنگا کا کنارہ لیا ہے۔ اُس کا ارادہ چنار پر آنے کا ہے۔ شیر خان سور جس کو اگلے سال جاگیر دیکر اس جانب بھیجا تھا ان پٹھانوں میں مل گیا ہے۔ شیر خان اور چند سردار دریا سے اُتر آئے ہیں۔ سلطان جلال الدین کے لوگ بنارس نہ بچا سکے۔ بھاگ کر آ گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کشتیوں کو بنارس میں چھوڑ دیں۔ اور گنگا کے کنارے پر مقابلہ کریں۔ ہم دگدگی سے کوچ کر کے چھ کوس آئے۔ اور کڑے سے تین چار کوس کے فاصلہ سے کنارے پر اُترے۔ میں کشتی میں آیا سلطان جلال الدین نے جو دعوت کی تو تین روز تک یہاں ٹھیرنا پڑا۔ جمعہ کے دن کڑے میں سلطان جلال الدین کے ہاں میں اُترا۔ اُسنے دعوت کی۔ آش اور کھانا حاضر کیا۔ کھانا کھا کر اُس کو اور اُس کے بیٹے کو خلعات دیے۔ اور اُس کی استدعا سے اُسکے بیٹے کو سلطان محمود خطاب دیا۔ کڑے سے سوار ہو ایک کوس چل کر گنگا کے کنارے پر ہم اُترے۔ جب گنگا پر ہمنے یہی منزل کی تھی تو ماہم کا آدمی شہرک وہاں آیا تھا۔ آج خط لکھا اور اسی منزل سے اُسے رخصت کیا۔ خواجہ یحییٰ کے پوتے خواجہ کلاں نے میرا وقایع جو لکھا جاتا ہے منگایا تھا یہاں نے اُسکو صاف کرا لیا تھا۔ وہ بھی شہرک کے ہاتھ بھیجدیا۔ دوسرے دن کوچ ہوا۔ چار کوس چل کر ہم اُترے۔ میں کشتی ہی میں آیا۔ جہاں لشکر اُترا تھا وہ جائے قریب تھی۔ رات کو میں کشتی میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کشتی میں معجون کھائی۔ خواجہ عبد الشہید نوربیگ کے مکان میں تھا اُس کو بلایا۔ ملا محمود کو ملا علی خاں کے ہاں سے بلایا۔ دیر تک جلسہ رہا۔ پھر کشتی سے اُتر اُس طرف گئے۔ پہلوانوں کی کشتیاں کروائیں۔ دوست ولیس کو میں نے حکم دیا کہ پہلوان صادق اوروں سے میان گیری کرے۔ یہ حکم خلاف قاعدہ تھا کہ زور سے اوّل میان گیری کیجائے۔ اُسنے آٹھ آدمیوں سے زور کیا۔

سلطان سکندر کے بیٹے محمود وغیرہ کا فرار ہونا

عصر کے وقت اُدھر سے کشتی میں بیٹھ کر

سلطان بکشتی آیا۔ اُس نے سلطان سکندر کے بیٹے محمود خاں (جس کو باغیوں نے سلطان محمود بنالیا ہے) کے برباد ہونے کی خبر بیان کی۔ ظہر کے وقت یہاں سے جاسوس گئے تھے وہی باغیوں کے پریشان ہونے کی خبر لائے۔ مغرب اور عصر کے مابین تاج خاں سارنگ خانی کی عرضی آئی۔ اُس کا مضمون اور جاسوسوں کا بیان ایک تھا۔ سلطان محمد نے یہ کیفیت عرض کی کہ باغیوں نے چنار کو گھیرا تھا۔ یونہی سی لڑائی ہوئی تھی کہ ہمارے آنے کی خبر سنکر باغی متفرق ہوگئے۔ اور محاصرہ اُٹھ گیا۔ جو پٹھان بنارس میں آگئے تھے وہ بھی گھبرا کر بھاگے۔ دریا سے عبور کرتے وقت اُن کی دو کشتیاں ڈوب گئیں۔ اور کچھ لوگ ضائع ہوئے۔ میں دوسرے دن بھی کشتی میں آگیا۔

بہار کی سمت جانا چین تیمور سلطان اور توختہ بوغا سلطان راستہ میں کھانے پینے کا انتظام کرنے ٹھیر گئے تھے۔ میں نے سلطان کو بھی کشتی میں بُلالیا۔ توختہ بوغا سلطان دس کوس پر تھا۔ آندھی آئی اور مینہ برسا۔ بڑی آندھی چلی۔ ہوا کے سبب سے معجون کھائی۔ گو کل معجون کھائی تھی مگر آج بھی کھانی پڑی۔ آج کوچ کیا۔ اور دوسرے دن یہیں توقف ہوا۔ منگل کو کوچ ہوگیا۔ پاس ہی ایک بیلے میں سبزہ زار تھا۔ کشتی میں سے گھوڑے پر سوار ہو اُس کی سیر کی۔ پہر بھر میں سیر کرکے کشتی میں آگیا۔ جب سیر کو جانے کے لیے سوار ہوا تو ایک ٹوٹے ہوئے کراڑے پر چڑھ گیا۔ اُس پر چڑھتے ہی میں اُچھلا۔ اُچھلتے ہی کود کر میں کنارے پر جا پڑا۔ گھوڑا بھی اُچھلا۔ بیشک اگر میں سوار رہتا تو گھوڑے کے ساتھ ہی میں بھی اُڑ جاتا۔ آج ہی یہ موقع ملا کہ گنگا میں ہاتھ مارتا ہوا تیرا۔ میں نے ایک ہاتھ گنا تو تینتیس ہاتھ لگا کر پار ہوگیا۔ کہیں دم لیا اور ہاتھ لگاتا ہی رہا۔ گنگا ہو چکی تھی۔ جہاں گنگا اور جمنا دونوں دریا ملتے ہیں وہاں پہنچکر پراگ کی طرف کشتی کو کھنچوایا۔ ایک پہر اور چار گھڑی میں داخل لشکر ہوا۔ بدھ کے دن دوپہر سے لشکر جمنا کے پار ہونے لگا۔ کشتیوں کی تعداد چار سے بیس تھی۔ جمعہ کے دن رجب کی پہلی تاریخ میں نے دریا سے عبور کیا۔ پیر کے دن چوتھی تاریخ جمنا کے کنارے سے ملک بہار کی طرف جانے کے لیے کوچ کیا۔ پانچ کوس چل کر لواین میں ہم اُترے۔ میں تو کشتی ہی میں بیٹھا ہوا آیا۔ آج تک اہل لشکر دریا سے اُترتے رہے۔ توپوں کے چھکڑوں کو آدم پور میں کشتیوں سے اُتار لیا تھا۔ اُن کے لیے حکم ہوا کہ پیاگ سے پھر کشتیوں میں لادلو۔ منزل پر لشکر اُترا۔ یہاں پہلوانوں کی پکڑیں کروائیں۔ پہلوان لاہوری دور دوست سے آپس میں کشتی ہوئی۔ بہت دیر تک دونوں پینترے بدلتے رہے۔ بڑی دیر بعد ایک نے دوسرے پر ہاتھ ڈالا۔ دونوں کو انعام دیا گیا۔ یہاں تو س دریا تھا اُس میں بجن اور کیچ بہت تھی۔ اس دریا سے اُترنے کا گھاٹ دیکھنے کے لیے

اور راستہ درست کرنے کے واسطے دو دن تک اسی منزل میں ٹھیرنا ہوا۔ گھاٹ جو دریافت ہوا وہ گھوڑے اور اونٹ سے اونچا تھا۔ باربرداری کے چھکڑے اُس گھاٹ کے پتھریلے اور اونچے نیچے ہونے سے نہ نکل سکتے تھے۔ چھکڑوں کو وہیں سے لادنے کا حکم دیا۔ جمعرات کو وہاں سے کوچ کردیا۔ میں دریا کے سیدھے راستہ تک تو کشتی میں آیا۔ جہاں راستہ ناہموار ہوجاتا ہے وہاں کشتی سے اُتر گیا۔ اور دریائے توس سے اوپر کی طرف ہوتا ہوا عصر کے وقت لشکر میں آیا۔ لشکر دریا سے اُتر چکا تھا۔ آج چھ کوس کی منزل ہوئی۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ ہفتہ کو کوچ کردیا۔ بارہ کوس چل کر نیلا مار میں گنگا کے کنارے پر لشکر کے خیمے ہوئے۔ یہاں سے سات کوس چلکے نانور میں قیام ہوا۔ اسی منزل میں باقی خاں اپنے بیٹوں سمیت چنار سے آیا۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ انہی دنوں میں محمد بخشی کی عرضی آئی کہ محل کے لوگ کابل سے روانہ ہوگئے۔ چارشنبہ کو اس مقام سے کوچ کیا۔ قلعۂ چنار سے کوئی کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پیاگ سے چلتے وقت میرے جسم پر آبلہ کا زخم پیدا ہوا تھا۔ اس منزل میں وہ علاج کیا جو روم میں ایجاد ہوا ہے۔ وہ علاج یہ ہے کہ مرچوں کو مٹی کے ہنڈے میں جوش دیکر اُسکا بھپارا لیا۔ اور اُسی کے گرم پانی سے زخم کو دھویا۔ دو ساعت نجومی تک یہی کیا۔ بارے ذرا ذرا آرام ہوگیا۔ اسی منزل میں ایک شخص نے خبر دی کہ لشکر کے اُس جانب شیر اور بھیڑیے نظر آئے ہیں۔ دوسرے دن اس بیلے میں گھیرا ڈالا۔ ہاتی بھی لائے گئے۔ نہ کوئی شیر نکلا نہ بھیڑیا۔ ہاں گھیرے کے کنارے سے ایک جنگلی بھینسا نکلا۔ آج آندھی بہت چلی۔ گرد و غبار نے بڑا ستایا۔ میں کشتی میں سوار ہو داخل لشکر ہوا لشکر بنارس سے دو کوس اوپر کی طرف اُترا ہوا تھا۔ چنار کی نواح کے بن میں ہاتی بہت ہوتے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ اسی منزل سے چلکے ہاتی کا شکار کھیلیں گے۔ باقی نے خبر دی کہ محمود خاں سون دریا کے کنارے پر پڑا ہوا ہے۔ امرا سے اُس پر یورش کرنے کی صلاح لی۔ یہ بات قرار پائی کہ ابھی ذرا توقف کرنا چاہیے۔ یہاں سے کوچ کیا اور نو کوس چل کر کدریلوہ میں لشکر پہنچا۔ اس منزل سے پیر کی رات کو اٹھارھویں تاریخ طاہر کو آگرہ بھیجا۔ کابل سے آنیوالوں کے لیے جو روپیہ بطریق قوما لغہ عطا ہوا تھا وہ اُسکا مطلوبہ لیکر روانہ ہوا۔ آج میں صبح سے پہلے کشتی میں سوار ہو اُس مقام پر جہاں دریائے گودی (دریائے جونپور) ملتا ہے پہنچا۔ تھوڑی دور گودی پر جا کر واپس آیا۔ اگرچہ پانی اس دریا میں کم ہے مگر گھاٹ اچھا ہے۔ اہل لشکر کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر اور کچھ گھوڑوں کو تیرا کر پار ہوئے۔ میں نے اُس مقام کی سیر کی جہاں سے اگلے سال لشکر اُترا تھا۔ ہوا موافق چلنے لگی۔ سکانی کشتی کے پردے کھولدیے۔ بڑی کشتی کو بھی لائے مگر بہت نہ چلی۔ لشکر بنارس سے اوپر کی جانب اُترا تھا۔ دو گھڑی دن رہے منزل پر پہنچا۔ جو کشتیاں ہم سے پیچھے آتی تھیں نے توقف

چلی آئیں۔ اور عشا کے وقت آن پہنچیں۔ چنار سے میں نے حکم دیا تھا کہ مغل بیگ ہر کوچ میں سیدھا راستہ جریب سے ناپتا آئے۔ اور جب میں کشتی میں چلوں تو لطفی بیگ دریا کا کنارہ ناپے۔ سیدھا راستہ گیارہ کوس کا نپا اور دریا کا کنارہ اٹھارہ کوس کا۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ بدھ کے دن بھی کشتی ہی میں آنا ہوا۔ اور غازی پور سے کوس بھر نیچے کی جانب اُترنا ہوا۔ جمعرات کو اسی مقام پر محمود خاں نوحانی نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ آج ہی جلال خاں اور بہار خاں بہاری حاضر ہوئے۔ فرید خاں۔ نصیر خاں۔ شیر خاں سور۔ اور علاؤل خاں وغیرہ امرائے افغان کی عرضیاں آئیں۔ آج ہی عبدالعزیز میر آخور آبدار کی عرضی آئی جو اُسنے جمادی الاخر کی آٹھویں کو لکھی تھی جس دن اُسنے عرضی لکھی تھی اُسی دن ہندوستانی ہلکارا جس کو کالپی سے بھیجا تھا اُس کے پاس پہنچا۔ عبدالعزیز کی عرضی میں لکھا تھا کہ عبدالعزیز اور وہ لوگ جو متعین ہوئے تھے جمادی الاخرے کی نویں کو اہل محل کی پیشوائی کے لیے نیلاب میں گئے۔ عبدالعزیز چناب تک اُن کے ہمراہ آیا۔ چناب سے علٰحدہ ہو کر پہلے لاہور میں آگیا اور یہ عرضی اُس نے بھیجی جمعہ کو یہاں سے ہنسنے کوچ کر دیا۔ میں اُسی طرح کشتی میں بیٹھا رہا۔ آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو فوج والوں کو جالیا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ چوسہ کے سامنے اُتر کر میں نے سیر کی اور پھر میں کشتی میں چلا آیا۔ محمد زمان میرزا بھی پیچھے سے کشتی میں آگیا۔ میرزا کے کہنے سے معجون کا استعمال کیا۔ ہمارا لشکر کرمناس دریا کے کنارے پر اُترا تھا۔ ہندو اس دریا سے بہت بچتے ہیں۔ جو ہندو پرہیزگار تھے وہ اس دریا سے نہ اُترے کشتی میں بیٹھکر گنگا میں اس دریا کے سامنے سے نکل گئے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جس کو اس دریا کا پانی لگ جائے اُس کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی سبب سے اس کا نام کرمناس رکھا گیا ہے۔ کشتی میں سوار ہو تھوڑی دور تک اس دریا سے اوپر کی جانب میں گیا۔ پھر اُلٹا پھرا۔ اور گنگا کے شمال کی طرف آگیا۔ کشتیوں کو کنارے پر ٹھیرا دیا سپاہیوں نے کسی قدر اُچھل کود کی۔ پھر کشتیاں لڑتے رہے۔ ساقی محسن نے دعوے کیا کہ چار پانچ آدمیوں سے میں میاں گیری کر سکتا ہوں۔ ایک کے کمر پکڑتے ہی گر پڑا۔ شادمان نے بھی محسن کو گرا دیا۔ محسن بہت ہی شرمندہ ہوا۔ پہلوان آئے اور وہ بھی کرتبیں دکھاتے رہے۔ دوسرے دن ہفتہ کو کرمناس سے عبور کرنیکا مقام دیکھنے کے لیے پہر دن چڑھے کے قریب کوچ ہوا۔ میں گھاٹ کی طرف دریا کے اوپر کی جانب کوس بھر تک گیا۔ گھاٹ دور تھا اس لیے کشتی ہی میں بیٹھا ہوا لشکر میں آگیا۔ لشکر چوسہ سے کوس بھر آگے آن پڑا تھا۔ آج میں سنے پھر مرچوں کا بپھارا لیا۔ بھاپ ذرا زیادہ گرم تھی۔ تمام جسم سُرخ ہو گیا۔ آج مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ چونکہ راستہ آگے خراب تھا اسلیے اُسکے درست کرنے کے واسطے دوسرے دن یہیں مقام کر دیا۔ دوشنبہ کی رات کو عبدالعزیز کی عرضی کا

جواب لکھکر اُسی ہندوستانی ہلکارے کے ہاتھ روانہ کیا جو عرضی لایا تھا۔ صبح کو دوشنبہ کے دن میں کشتی میں آگیا۔ بوجھ کے سبب سے کشتیوں کو گھسیٹ کر لائے۔ کشتی سے اُتر کر میں نے اُس مقام کی سیر کی جو بکسر کے سامنے ہے۔ اور اگلے برس وہ غرق ہو گیا تھا۔ یہاں کنارے پر دریا میں اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنادی گئی تھیں جو غالباً چالیس سے زیادہ اور پچاس سے کم ہونگی۔ اب صرف اوپر کے دو زینے باقی رہ گئے ہیں۔ اوروں کو پانی نے توڑ ڈالا۔ یہاں کی سیر کے بعد میں کشتی میں آیا اور میں نے معجون کھائی۔ فرودگاہِ لشکر سے اوپر کی جانب ایک ٹاپو کے پاس کشتی کو ٹھیروادیا۔ اور پہلوانوں کی لڑنتوں کا تماشا دیکھتا رہا۔ عشا کے وقت لشکر میں آیا۔ اگلے سال اسی جائے جہاں لشکر پڑا ہوا ہے گنگا کا چڑھاؤ بہت تھا۔ بعض نے گھوڑوں پر بعض نے اونٹوں پر سوار ہوئے سیر کی تھی۔ میں نے اُس دن افیون کھائی تھی۔ دوسرے دن منگل کو کریم بردی اور بابا شیخ کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مخالفوں کی خبر لینے بھیجا۔ اسی منزل میں بنگالے کے ایلچی کو حکم دیا کہ اپنے موکل کو تین باتیں لکھ بھیج۔ چارشنبہ کے دن یونس علی کو محمد زمان میرزا کے پاس بھیجا کہ بہار جانے کی نسبت اُس کی مرضی دریافت کرے۔ ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ بہار کے شیخزادے بادشاہ کے آنے کی سُنکر بہار سے باہر نکلے ہیں اور عرضداشت لائے ہیں۔ ترکوں میں سے تردی محمد اور محمد جنگ جنگ کو اور امرائے ہند کو تقریباً ہزار ترکش بندوں کے ساتھ بہار روانہ کیا۔ اور اُن کے ہاتھ بہار والوں کو تشفی اور دلاسے کے فرامین لکھے۔ خواجہ مرشد عراقی کو سرکار بہار کا دیوان مقرر کیا۔ بردی محمد کو اس کے ساتھ بھیجا۔ دوسرے دن محمد زمان میرزا نے بہار جانا قبول کیا۔ شیخ زین اور یونس علی کی وساطت سے بعض باتیں اُس نے عرض کیں۔ از انجملہ کچھ توپیں کمک کے لیے مانگے۔ محمد زمان میرزا نے کچھ فوج کمکی طلب کی۔ اور کچھ آدمی نوکر رکھے۔ ہفتے کے دن شعبان کی پہلی تاریخ اس منزل سے ہم نے کوچ کر دیا۔ میں آج بوج پور اور بہیہ کی سیر کرتا ہوا لشکر میں آیا۔ محمد علی وغیرہ سرداروں کو سُن گُن لینے کے لیے جو بھیجا تھا تو یہ لوگ ہندوؤں کی ایک جمعیت کو زیر کر کے وہاں پہنچے جہاں سلطان محمود تھا۔ سلطان کے پاس تخمیناً دو ہزار آدمی تھے۔ ہمارے اس لشکر کے آنے کی سُنکر سب متفرق ہو گئے۔ انہوں نے بھاگتے وقت اپنے دو ہاتی بھی مار دیے۔ ان کا ایک سردار بطریق قراول رہ گیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں میں سے کوئی بیس آدمی ان کے مقابلہ میں گئے ہونگے کہ یہ لوگ بھاگ نکلے۔ تھوڑے ہی آدمیوں نے ان کو مار لیا۔ ایک کا سر کاٹ لیا۔ دو ایک کو زندہ گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن یہاں سے لشکر کا کوچ ہوا۔ میں کشتی میں سوار ہوا۔ اسی منزل میں محمد زمان میرزا کو خاص سراپا۔ تلوار۔ گھوڑا اور چتر عنایت کر کے بہار کی حکومت عطا کی۔ اُس نے اس سرفرازی کی نذر گزرانی۔

سرکار بہار میں سے سواکروڑ کا ملک شریک خالصہ کیا۔ اور وہاں کی دیوانی مرشد عراقی کے سپرد کی۔ جمعرات کے دن اس جائے سے کوچ ہوا۔ میں کشتی ہی میں بیٹھا۔ سب کشتیاں کھڑی کر دی تھیں۔ جب میں اُن کے پاس پہنچا تو میں نے حکم دیا کہ ان کشتیوں کا بیڑا باندھ دو۔ باوجودیکہ ساری کشتیوں کا بیڑا نہ بندھا تھا پھر بھی بیڑے کی چوڑان دریا کے پاٹ سے بڑھ گئی۔ چونکہ دریا کہیں کم تھا کہیں گہرا۔ کہیں سے بہتا ہوا۔ اس لیے یہ بیڑا زیادہ نہ چل سکا۔ بیڑے میں ایک گھڑیال بھی ران کے برابر نظر آیا۔ ایک مچھلی اس کے خوف سے اتنی اونچی اُچھلی کہ ایک کشتی میں آپڑی۔ اُس کو پکڑ لیا۔

کشتیوں کے نام رکھے

جب منزل پر پہنچے تو کشتیوں کے نام مقرر کیے۔ بڑی قدیمی کشتی بابری جو رانا سانگا کی لڑائی سے پہلے تیار ہوئی تھی اُس کا نام آسائش رکھا۔ اس سال روانگی سے پہلے آرائش خاں نے ایک کشتی نذر کی تھی۔ اسی سفر میں نے اُس میں ایک درجہ اور بنوایا تھا۔ اُس کا نام آرائش رکھا۔ سلطان جلال الدین نے جو کشتی پیش کی تھی اُس میں ایک بڑا دالان بنا ہوا تھا۔ اُس دالان پر دوسرا دالان اور بنایا گیا تھا۔ اُس کا نام گنجائش رکھا۔ ایک ڈونگا جو کھنڈی دار تھا۔ یہ ڈونگا ہر کام کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ اس کا نام فرمائش رکھا۔ دوسرے دن جمعہ تھا مقام کر دیا۔ محمد زمان میرزا نے سب انتظام کر لیا تھا۔ بہار جانے کے لیے ہمارے لشکر سے دو ایک کوس وہ الگ اُترا۔ آج اُس نے مجھ سے رخصت حاصل کی۔

بنگالیوں سے مقابلہ

بنگالے سے دو جاسوس آئے اُنہوں نے بیان کیا کہ بنگالیوں نے دریائے گندیک کے کنارے پر چوبیس حصے کر کے فصل اُٹھائی ہے۔ اور اُن کا سردار مخدوم عالم ہے۔ سلطان محمود افغانی جو اپنے گھربار کو لیے جاتا تھا اُسکو اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ اس خبر کے سُننے سے مقابلہ کا احتمال ہوا اس لیے محمد زمان میرزا کو میں نے روک لیا۔ شاہ سکندر کو تین سے چار سے آدمیوں کے ساتھ بہار کی طرف بھیجا۔ ہفتہ کے دن داؤد اور اُس کے بیٹے جلال خاں کا آدمی بہار سے آیا۔ بنگالیوں نے ان دونوں کو نظربند کر رکھا تھا۔ یہ بنگالیوں سے لڑ بھڑ کر الگ ہو گئے۔ اور دریا سے پار ہو تواح بہار میں آ گئے۔ اب میرے پاس آنے پر تیار رہتے۔ آج ہی بنگالے کے ایلچی اسمٰعیل مینا کو حکم ہوا کہ تین باتیں پہلے لکھی گئی تھیں جواب میں بہت دیر لگائی۔ اب تم خط لکھو۔ اگر دوستی اور محبت رکھنی ہے تو جلد جواب دینا چاہیے۔ ہفتہ کی رات کو یزدی محمد اور محمد علی جنگ جنگ کا آدمی آیا۔ اُس نے بیان کیا کہ چہارشنبہ پنجم شعبان کو ادھر سے ہمارا قراول پہنچا اور اُدھر وہاں کے حکام بھاگ نکلے۔ ہفتہ کے دن

اس منزل سے ہم نے کوچ کیا۔ اریّ کے علاقہ میں اُترنا ہوا۔ اس منزل میں خبر آئی کہ فرید کی فوج سو ڈیڑھ سو کشتیاں لیے ہوئے دریائے سرود کے اُس طرف جہاں گنگا اور سرود کا الحاق ہوا ہے پڑی ہے۔ اگرچہ فرید نے بے ادبی کی کہ میرا راستہ گھیرا مگر چونکہ اہلِ بنگالہ سے مجھے آشتی رکھنی منظور تھی اور میں نے ہمیشہ ایسے موقعوں پر مصالحت کو پسند کیا ہے اس لیے رعایت کو ملحوظ رکھا۔ فوراً بنگالے کے سفیر اسمٰعیل مینا کو بلا کر وہی تینوں باتیں اُس سے کہیں۔ اور ملا مذہب کو اس کے ساتھ کر کے رخصت کیا۔ اتوار کو بنگالے کا ایلچی حاضر ہوا تھا جو اُسکو رخصت دی گئی۔ سفیر سے یہ بھی کہدیا گیا کہ دشمن کے دفع کرنے کے لیے میں اِدھر اُدھر سے فوجیں روانہ کرونگا۔ جو دریا اور زمینیں تمہارے علاقہ میں ہیں اُن کو ذرا ضرر نہ پہنچیگا۔ اُن تینوں باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ فرید کے لشکر کو کہدو کہ وہ راستہ چھوڑ دے۔ اس طرف چلا آئے۔ ہم بھی کچھ اپنے لوگ اُس کے ہمراہ کر دینگے۔ غرض فرید کے لوگوں کا اطمینان کر دیا جائے۔ اگر وہاں تیرا جانا ممکن نہ ہو تو کہلا بھیجنا چاہیے۔ یہ حجّت ہے اسکو ترک کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر وہ اسکو نہ مانے تو خیر جو بُرائی اُس کو پہنچیگی وہ معلوم ہو جائیگی۔ ہم بری الذّمہ ہیں۔ وہی اپنے قول سے نکل بھاگا۔ بدھ کے دن اسمٰعیل مینا سفیر بنگالہ کو خلعت و انعام دیا۔ جمعرات کے دن شیخ جمالی کو داؤد اور اُسکے بیٹے جلال الدّین خاں کے پاس مع فرمانِ استمالت روانہ کیا۔ آج ہی ہمارا وہ آدمی آیا جو باغِ صفا کے اُس طرف کے راستہ سے الگ ہوا تھا۔ یہ آدمی بہت سے خط لایا۔ اتوار کے دن ملّا مذہب کو بہت سی یادداشتیں دیکر رخصت دی۔ پیر کے دن خلیفہ وغیرہ امراء کو دریا سے عبور کرنے کا کوئی مقام دریافت کرنے کو بھیجا۔ بدھ کے دن پھر خلیفہ کو میانِ دوآب دیکھنے بھیجا۔ میں نیلوفر زار کی سیر کے لیے جنوب کی طرف اریّ کے قریب گیا۔ یہ نیلوفر زار شیخ گھورن کا تھا۔ نیلوفر کا ایسا پھول جس میں بیج آگیا تھا لا کر دکھایا۔ کچھ پستہ سے ملتا جلتا ہے۔ اچھی چیز ہے۔ اس کا پھول نیلا ہوتا ہے۔ ہندوستانی اس کو کنول ککڑی کہتے ہیں۔ اور اس کے بیج کو ڈوڈا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ سوہن ندی یہاں سے قریب ہے۔ میں نے جا کر اُس کی بھی سیر کی۔ ندی سے اُدھر درختوں کا بڑا جھنڈ نظر آیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ منیر بستی ہے۔ اور شیخ منیر کے باپ شیخ یحییٰ کا مزار یہیں ہے۔ چونکہ میں بہت قریب آگیا تھا اس لیے سوہن سے اُتر دو تین کوس سوہن سے آگے بڑھا۔ منیر کو دیکھا۔ وہاں کے باغوں میں سے ہوتا ہوا مزار کی زیارت کی۔ پھر ندی کے کنارے پر آیا۔ غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ گھوڑے تھک گئے تھے اُن کو ہاتھوں پر لے لیا تھا۔ کئی آدمیوں کو راستہ میں چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ ان کو ذرا دم لوا کر اور ٹھنڈا کر کے آہستہ آہستہ لے آئیں۔ اگر یہ نہ کیا جاتا تو بہت گھوڑے بیکار ہو جاتے۔ منیر سے

پہنچتے وقت میں نے کہدیا تھا کہ سوہن کے کنارے سے لشکر تک ایک آدمی ایک گھوڑے کا قدم گنتا جائے تیئیس ہزار ایک سے قدم گنے گئے جس کے دُگنے چھیالیس ہزار دو سے قدم ہوئے ۔ یعنی ساڑھے گیارہ کوس ۔ منیر سے سوہن ندی تک ساڑھے نو کوس کے قریب تھے کشتی میں بارہ کوس چلے ۔ اِدھر اُدھر پندرہ کوس پھرے ۔ آج تیس کوس کے قریب چکر ہوا ۔ رات کے پہلے پہر سے چھ گھڑیاں گزری تھیں جو ہم لشکر میں داخل ہوئے ۔ دوسرے دن سلطان جُنید برلاس وغیرہ جونپور سے آئے ۔ جلد نہ حاضر ہونے کے سبب سے میں اُن پر خفا ہوا ۔ اور اُن سے ملاقات بھی نہ کی ۔ البتہ قاضی ضیا سے مل لیا ۔

امراء سے مشورہ

آج ہی امرائے ترک و ہند کو مشورہ کے لیے بُلایا ۔ دریا سے اُترنے کے باب میں صلاح لی ۔ یہ بات قرار پائی کہ دریائے گنگ اور سرو کے درمیان میں کسی بلند جائے پر اُستاد علی قلی انگریزی اور ہندوستانی توپیں کھڑی کرے ۔ بہت سے بندوقچی اُس کے ہمراہ ہوں ۔ یہاں سے گولوں اور گولیوں کا مینہ برسائے ۔ جہاں دونوں دریا ملتے ہیں اُس سے نیچے کی جانب اُس مقام کے سامنے جس مقام پر بہار کی طرف گنگا میں بہت سی کشتیاں کھڑی ہیں مصطفےٰ اپنے توپ خانہ کو درست کرکے لڑائی میں مشغول ہو ۔ اس کے ساتھ بھی بہت سے بندوقچی ہوں ۔ محمد زمان میرزا وغیرہ مصطفےٰ کے پیچھے کمک پر رہیں ۔ اُستاد علی قلی اور مصطفےٰ کی توپوں کے لیے مورچے قائم کیے جائیں ۔ جائے درست کرنے کے لیے ۔ بیلداروں اور کہاروں پر محصّل مقرر ہوں سب اسباب و سامان لانے میں مشغول ہوں عسکری اور سارے سردار جو معیّن ہوئے ہیں جلد جائیں اور ہلدی کے گھاٹ سے اُتر مورچے درست ہوتے ہی درست اور مستعد ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں اس میں قاضی ضیا اور سلطان جُنید برلاس نے عرض کیا کہ یہاں سے آٹھ کوس اوپر کی جانب گھاٹ تھا ۔ ردی زرد کو حکم ہوا کہ دو ایک جالہ بانوں اور سلطان جُنید وغیرہ کے آدمیوں کو لیکر گھاٹ کی تلاش کرو ۔ جہاں اُترنے کی جائے ملے وہیں سے عبور کیا جائے ۔ افواہ تھی کہ بنگالیوں نے بھی ہلدی کے گھاٹ پر فوج متعیّن کرنے کا خیال کیا ہے ۔ اتنے میں سکندرپور کے شقدار محمود خاں کی عرضی آئی کہ ہلدی کے گھاٹ پر میں نے پچاس کشتیاں جمع کرلی ہیں ۔ اور ملاحوں کو اجرت بھی دیدی ہے ۔ مگر بنگالیوں کی آمد آمد سننے سے ملاح گھبرا رہے ہیں ۔ چونکہ سرو دریا کا گھاٹ دریافت ہونا دشوار تھا اس لیے جو لوگ گھاٹ دیکھنے گئے تھے اُن کا انتظار نہ کیا ۔ امراء کو ہفتہ کے دن مشورہ کے لیے فراہم کیا ۔ میں نے اپنی رائے بیان کی کہ سکندرپور سے اور چترموک سے دآہو تک سرو دریا کے گھاٹ جابجا ہیں ۔ یہ جو دشمنوں کا گروہ پڑا ہوا ہے اُس کے لیے بہت سی فوج میں معیّن کرتا ہوں کہ ہلدی کے گھاٹ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اُترے اور اُن پر جا پڑے ۔ اس فوج کے

پہنچنے تک اُستاد علی قلی اور مصطفےٰ انگریزی توپوں اور بندوقوں سے لڑتے رہیں۔ میں بھی گنگا کو پار ہو اُستاد علی قلی کی کمک پر تیار کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جب فوج گھاٹ سے اُترنے کے قریب پہنچے تو میں بھی ہلا کرکے جا پہنچوں۔ محمد زمان میرزا اور اُور امرائے متعینہ بہار کی طرف سے دریائے گنگ سے مصطفےٰ کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہوں۔ یہی رائے قرار پائی۔ جو لشکر گنگا کی شمال میں تھا اُس کے چار حصّے کرکے عسکری کو اُس پر سردار مقرر کیا۔ اور اُس کو ملدی کے گھاٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ چار حصّے یوں تھے۔ ایک حصّہ میں عسکری اور اُس کے ملازم۔ دوسرے حصّہ میں سلطان جلال الدین کی فوج۔ تیسرے میں سلطانانِ ازبک یعنی قاسم حسین۔ بنجوبہ سلطان۔ نائک اتیش سلطان۔ محمد خان ماتو۔ غازی پوری کوکی بابا قشقہ۔ قربیش ازبک۔ قربان جسری۔ حسین خاں نادر وغیرہ۔ چوتھے میں موسیٰ سلطان۔ سلطان جنید برلاس اور تمام فوج جو پنور ... سب تخمیناً بیس ہزار فوج تھی۔ محصّل مقرر کر دیے گئے کہ آج ہی یکشنبہ کی رات کو اس لشکر کو چھیا کر دو۔ صبح اتوار کے دن لشکر گنگا سے اُترنے لگا۔ میں پہر دن چڑھے کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ تیسرے پہر دی زرد جو گھاٹ دیکھنے گئے تھے آئے۔ گھاٹ کا کہیں پتانہ ملا۔ کشتیوں ... راستے میں ملنے اور فوج متعین ہونے کی خبر لائے۔ منگل کے دن ہم دریا سے پار ہو گئے۔ جہاں پہنچی دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ کے پاس کوس بھر پر جہاں جنگ کا میدان قرار دیا تھا لشکر اُترا۔ میں نے جا کر اُستاد علی قلی کی گولہ اندازی کا تماشا دیکھا۔ آج ہی اُستاد علی قلی نے انگریزی توپ کے گولے سے دو کشتیوں کو توڑ کے غرق کر دیا۔ لڑائی کے میدان میں بڑی توپ لیجا بیٹھ نیے اور اس کے واسطے جائے درست کرنے کے لیے ملّا غلام کو مقرر کیا۔ کچھ یساول اور سپاہی بھی اُس کے سپرد کر دیے۔ وہاں سے آکر لشکر کے قریب ایک بیلے میں میں نے معجون کھائی۔ آت معجون ہو چکی کشتی کو خرگاہ کے پاس لے آئے۔ رات کو میں وہیں رہا۔ آج رات کو عجیب واقعہ گزرا۔ پچھلی رات سواروں کی کشتی میں غل مچا۔ ہر شخص کشتی کی لکڑی کو پکڑ کر "اور اور" کہتا ہوا چیخا غل کا سبب یہ ہوا کہ کشتی فرمائش جس میں میں سوتا تھا کشتی آسائش کے پہلو میں تھی۔ اس میں ایک چوکیدار تھی جو سوتے سوتے آنکھ کھلی تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی کشتی آسائش پر ہاتھ رکھے ہوئے چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اسنے اُس کو پتھر مارا۔ وہ فوراً دریا میں کود پڑا۔ اور پھر دریا سے نکل چوکیدار کے سر پر تلوار ماری جس سے چوکیدار کچھ زخمی ہوا اور وہ بھاگ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس رات میں منیر سے آیا ہوں آدھی رات کو دو ایک چوکیداروں نے کئی ہندوستانیوں کو نکال دیا تھا۔ اور اُن کی دو تلواریں ایک خنجر چھین لیا تھا۔ خدا نے خیر کر لی سے

اگر تیغِ عالم بجنبد ز جائے ۔۔۔ نبُرّد رگے تا نخواہد خدائے

صبح کو بدھ کے دن میں کشتی گنجائش میں جہاں پتھر ڈلتے ہیں وہاں آیا۔ ہر شخص کو ہر کام پر مقرر کیا۔

بنگالیوں سے مٹھ بھیڑ اور اُن کو شکست

ادغان تردی مغل کو ہزار آدمی پر سردار کر کے روانہ کیا تھا کہ جس طرح ہو سکے دو تین کوس اوپر کی جانب سے دریا کے پار ہو جا۔ یہ فوج اُس موقع پر پہنچی کہ عسکری کے لشکر کے قریب بیس تیس کشتیوں میں سے بنگالی دریا کے پار ہو رہے ہیں اور لوٹ مار کرنے کی فکر میں ہیں۔ ادغان تردی کی فوج نے گھوڑے ڈپٹا کر بنگالیوں کو بھگا دیا۔ بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کچھ آدمیوں کے سر کاٹ لیے۔ اور سات آٹھ کشتیاں بھی گرفتار کر لیں۔ آج ہی محمد زمان میرزا کی طرف بھی بنگالیوں نے چند کشتیوں پر اُتر مقابلہ کیا۔ محمد زمان میرزا کی فوج نے بھی حملہ کر کے بنگالیوں کو بھگا دیا۔ تین کشتیاں دریا میں ڈبو دیں۔ ایک کشتی پکڑ کر میرے پاس لے آئے۔ اس موقع پر بابا چہرہ نے اچھا حملہ کیا۔ میں نے حکم دیا کہ ان سات آٹھ کشتیوں میں جن کو ادغان تردی وغیرہ پکڑ لائے ہیں محمد سلطان میرزا آتکہ خواجہ۔ یونس علی۔ ادغان تردی اور وہ فوج جو پہلے جانے کے لیے مقرر ہوئی تھی بیٹھ کر اندھیرے منہ پار ہو جائیں۔ آج ہی عسکری کے پاس سے آدمی آیا۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ جہاں دریا پایاب نہ تھا وہاں سے ہم پار اُتر گئے۔ کل جمعرات کے دن باغیوں پر حملہ کرینگے۔ میں نے حکم دیا کہ اور لوگ بھی جو پار اُتر گئے ہیں عسکری کے ساتھ ہو جائیں۔ ظہر کے وقت اُستاد کے پاس سے آدمی آیا۔ اُس نے کہا کہ گولا تیار ہو گیا ہے۔ کیا حکم ہے؟ میں نے حکم دیا کہ اُس کو تو چھوڑ دو اور میرے آنے تک دوسرا تیار کر رکھو۔ عصر کے وقت میں ایک بنگالی ڈونگے میں سوار ہو مورچے پر پہنچا۔ اُستاد نے ایک بار تو بڑا گولا مارا۔ پھر کئی دفعہ انگریزی گولے مارے۔ بنگالی آگ برسانے میں مشہور تھے۔ اس دفعہ میں نے اُن کو خوب دیکھا۔ ایک جائے سے آتشباری نہیں کرتے جائے جائے سے کرتے ہیں۔ اسی عصر کے وقت میں نے حکم دیا تھا کہ دریائے سرو میں بیس کشتیاں بے تحاشا اور بے پناہ کھینچتے ہوئے لیجاؤ۔ تیمور سلطان۔ توختہ بوغا سلطان۔ بابا سلطان۔ آرائش خاں۔ اور شیخ گھورن کو حکم دیا کہ ان کشتیوں کی تم حفاظت کرو۔ اس کے بعد میں وہاں سے پلٹا اور پہر بھر میں داخل لشکر ہوا۔ آدھی رات کو مذکورہ کشتیوں والوں نے کہلا بھیجا کہ جو فوج متعین ہوئی تھی وہ آگے چلی گئی۔ ہم کشتیاں کھینچے لیے جاتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ بنگالی کشتیاں جمع کیے ہوئے ایک تنگ مقام پر آمادۂ جنگ ہیں۔ ہماری ایک پچھلی کشتی کے پاؤں میں گولا لگا۔ اُس کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ اور ہم آگے نہ جا سکے۔ دوسرے دن جمعرات کو مورچے والوں نے کہلا بھیجا کہ کشتیاں آ گئیں اور اُن میں جو سوار ہیں کشتیوں ہی میں بیٹھے ہوئے ہمارے مقابلہ میں آ گئے۔ ہم بھی جلدی سے اُن کشتیوں پر جو رات کو بھیجی گئی تھیں آن چڑھے۔ میں نے آدمی دوڑایا کہ محمد سلطان میرزا وغیرہ جو لوگ

پار ہو جانے کے لیے مقرر ہوئے ہیں فوراً عسکری کے پاس جا پہنچیں۔ تیمور سلطان اور توختہ بوغا سلطان کو جو کشتیوں میں تھے حکم بھیجا کہ تم چلے جاؤ کہیں نہ رکو۔ بابا سلطان ابھی مقام مقرر پہ نہ آیا تھا۔ تیمور سلطان اپنے تیس چالیس آدمیوں اور گھوڑوں سمیت ایک کشتی میں بیٹھ چلتا ہوا۔ انکے پیچھے ایک کشتی اور روانہ ہوئی۔ بنگالیوں نے جو ان کو دیکھا تو بہت سے پیدل انکی طرف متوجّہ ہوئے۔ تیمور سلطان کے ساتھ آٹھ آدمی سوار ہو کر ان پیدلوں کے مقابل ہوئے۔ سلطان کے سوار ہوتے تک اُن پیدلوں نے حملہ کر دیا اور وہ سلطان کی طرف بڑھے۔ اس عرصہ میں سلطان بھی سوار ہو گیا۔ اتنے میں دوسری کشتی بھی آگئی۔ بیس تیس سوار اور پیدلوں نے حملہ کرکے اُن کو دُم بھگا دیا۔ سلطان نے بڑا نمایاں کام کیا۔ اول تو خود بے دھڑک سب سے آگے پہنچا۔ دوسرے تھوڑی سی فوج سے بہت سوں کا مقابلہ کرکے اُن کو شکست دی۔ توختہ بوغا سلطان بھی پہنچ گیا اور کشتیاں بھی پے درپے جا پہنچیں۔ لاہوری اور ہندوستانی فوج کے دستے اور دستوں سے علیحدہ متفرق اُترنے شروع ہوئے۔ یہ حالت دیکھتے ہی بنگالی کشتیاں دریا کے نیچے کی طرف تھا جو مورچہ تھا اُس کے سامنے سے بھاگنے لگیں۔ درویش محمد ساربان۔ دوست ایشک آقا۔ نور بیگ وغیرہ ہم مورچوں سے آگے سے چلنے لگے۔ میں نے سلطان کو کہلا بھیجا کہ اُترنے والوں کو اچھی طرح جمع کرتے جاؤ۔ جب زیادہ فوج اکٹھی ہو جائے تو پہلو کی طرف سے پھر کر غنیم کو تنگ کر دو۔ سب سلاطین نے فوج کی چار ٹکڑیاں کرکے غنیم پر یورش کر دی۔ ان فوجوں کے قریب ہوتے تک غنیم نے اپنے پیادوں کو سنبھال کر لیا۔ اور آرام سے ٹھیر ٹھیر کر چلنا شروع کیا۔ اُدھر سے عسکری اور حصۂ فوج میں سے کوئی ایک ٹکڑی کو بیکار کیا۔ ادھر سے سب سلاطین پہنچے۔ غنیم کو مارتے اور گراتے چلے۔ بسنت راؤ (ہندوؤں کے ایک سردار) کو کوکی نے گرفتار کرکے اُسکا سر کاٹ لیا۔ اُسکے دس پندرہ آدمی کوکی پر آپڑے۔ وہیں اُس کا کام تمام کر دیا۔ توختہ بوغا سلطان نے غنیم کے آگے سے نکل خوب شمشیر زنی کی۔ دوست ایشک آقا۔ مغل عبدالوہاب اور اُس کے چھوٹے بھائی نے بھی خوب تلواریں ماریں۔ اگرچہ مغل تیرنا نہ جانتے تھے مگر ہاتھ پاؤں مار دریا سے نکل آئے گو۔ میری کشتیاں پیچھے تھیں۔ کشتیاں لانے کے لیے میں نے آدمی بھیجا۔ کشتی فرمائش سب سے پہلے آگئی۔ میں اُسی میں بیٹھ گیا۔ اور بنگالیوں کی فرودگاہوں کو دیکھا۔

بنگالیوں کو شکست دیکر ادھر کو آنا

پھر گنجایش میں سوار ہو کشتی دریا میں چھوڑ دی۔ میر محمد جالہ بان نے عرض کی کہ دریائے سرد میں اونچا نیچا چلنا اچھا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ جدھر سے میر محمد کہتا ہے اُدھر ہی سے لشکر عبور کرے۔ محمد سلطان مرزا اور اُس کے بھائیوں کو جس وقت پار ہونیکا حکم ہوا تھا اُس وقت میرزا کے ہمراہیوں میں سے

یکہ خواجہ کی کشتی ڈوب گئی تھی۔ اور یکہ خواجہ ڈوب کر مر گیا تھا۔ خواجہ کی جاگیر و فوج اُسکے چھوٹے بھائی خواجہ قاسم کو عنایت کردی گئی۔ ظہر کی نماز کے وقت میں نہار رہا تھا جو سلاطین حاضر ہوئے میں نے اُن کی بہت ستائش کی اور سب کو الطاف و مہربانی کا امیدوار کیا۔ اس اثنا میں عسکری بھی آیا۔ عسکری کو یہ پہلا ہی موقع لڑائی کا تھا۔ اُس کا شگون اچھا ہوا۔ ابھی لشکر روانہ نہ ہوا تھا اس واسطے رات کو میں ایک ٹاپو میں کشتی گنجائش ٹھیروا کر سو رہا۔ جمعہ کے دن کوچ ہوا دریائے سردار کے شمال میں جہاں خریدا کا علاقہ اور نہرہن کا پرگنہ ہے کوند یہ گانوں ہے۔ اُس میں لشکر اُترا۔ ہفتہ کے دن کوکی کو مع ایک دستہ فوج کے حاجی پور خبر لینے کے لیے بھیجا۔ اگلے سال کی یورش میں شاہ محمد بن معروف کو امرا میں داخل کرکے سارن کا علاقہ اُس کو دیدیا تھا۔ کئی مرتبہ اُس نے عمدہ خدمتیں کیں۔ اپنے باپ معروف سے دو دفعہ مقابلہ کرکے شکست دی۔ اور گرفتار کرلیا۔ جب سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کیا اور بین و شیخ بایزید اُس پر جا پڑے تو مجبوراً اُن کے ساتھ ہوگیا۔ ان دنوں میں کئی بار اُس کی عرضیاں آئیں۔ لوگ تو اُس کی نسبت بے پر کی اُڑاتے تھے۔ مگر جونہی عسکری ہلدی کے گھاٹ سے اُترا ویسے ہی شاہ محمد بھی اپنی فوج کو لیے ہوئے چلا آیا۔ اور جس منزل میں عسکری نے بنگالیوں پر حملہ کیا تھا اُسی منزل میں اس نے شرف ملازمت حاصل کیا۔ انہی دنوں میں متواتر خبریں آئیں کہ بین اور شیخ بایزید دریائے سردار سے عبور کرنے کے خیال میں ہیں۔ آج کل ہی میں سنبھل سے ایک عجیب خبر آئی۔ علی یوسف سنبھل میں تھا اور اُس نے سنبھل کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ وہ اور اُسکا ایک مصاحب جو اچھی طبیعت کا تھا ایک ہی دن میں دونوں فوت ہوگئے۔ سنبھل کے بندوبست کے لیے عبداللہ نامزد ہوا جمعہ کے دن رمضان کی پانچویں تاریخ عبداللہ کو رخصت کردیا۔ انہی دنوں میں چین تیمور سلطان کی عرضی آئی۔ اُس نے لکھا تھا کہ جن امرا کو کابل سے آنیوالے محل والوں کی ہمراہی کے لیے متعین کیا تھا وہ تو امراء ہمراہ نہ ہوسکے مگر ہاں محمدی وغیرہ سلطان کے ساتھ کوئی سو کوس تک بطریق ایلغار گئے۔ اور بلوچوں کو کامل شکست دی۔ عبداللہ کے ہاتھ چین تیمور سلطان سلطان محمد دولدی محمدی اور اور امرا کو حکم بھیجا کہ سب چین تیمور سلطان کے ساتھ آگرہ میں جمع ہوں اور تیار رہیں جس طرف مخالف رخ کریں اُس طرف متوجہ ہوجائیں۔ پیر کے دن آٹھویں تاریخ دریا خاں کا پوتا جلال خاں جس کے لیے شیخ جمالی گیا تھا آکر ملا بڑے بڑے امرا سمیت آکر ملا۔ آج ہی یحییٰ نوحانی جس نے اپنے بھائی کو بھیجکر اظہار اطاعت کیا تھا اور اُس کو فرمان خوشنودی بھیجا تھا حاضر ہوا۔

ملک بہار کی تقسیم | چونکہ آٹھ سات ہزار پٹھان امیدوارانہ آئے تھے اُسلیے اُن کو

نا امید کیونکر کیا جاتا۔ ملکِ بہار میں سے ایک کروڑ کا ملک شامل خالصہ کرکے پچاس لاکھ کا علاقہ محمود خاں نوخانی کو دینے کے لیے رکھا تھا۔ وہی اس جلال خاں کو دیدیا۔ اور ایک کروڑ خدمت کے عوض میں دینا قبول کر لیا۔ اس روپیہ کی تحصیل کے لیے ملا غلام یساول کو بھیجا۔ محمد زمان میرزا کو جونپور کا علاقہ عطا کیا۔

بنگالیوں سے صلح

جمعرات کی رات کو غلام علی (خلیفہ کا نوکر) اور اسمٰعیل میتا کے پاس سے ابوالفتح (شاہزادہ میکر کا نوکر) وہ تینوں باتیں لیکر گئے تھے۔ وہی ابوالفتح شاہزادہ میکر اور حسن خاں کے خطوط جو انہوں نے خلیفہ کو لکھے تھے لایا۔ تینوں باتیں قبول کریں۔ اور نصرت شاہ کا خود ذمہ لیا۔ صلح کی گفتگو ہونے لگی لیکن یہ یورش باغی افغانوں کے لیے تھی۔ اُن میں سے بعض نے خود سری کرکے مزہ چکھا۔ اور بعض نے اطاعت قبول کی۔ کچھ جو رہ گئے بنگالی کے دست نگر ہو گئے۔ اُن کو بنگالی نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ برسات بھی سر پر آ گئی تھی۔ میں نے بھی اُس کے جواب میں مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح کا پیغام لکھ بھیجا۔ مدعا یہ تھا کہ یہاں سے چل کر اور باقی کے ساتھ ہو کر میرے پہنچنے تک جو کچھ بن پڑے وہ کریں۔ آج عصر کے وقت شاہ محمد کو خلعت خاص مع گھوڑا عنایت کرکے رخصت دی۔ اور اگلے سال کی طرح سارن کا علاقہ اُس کی جاگیر میں اور کندلہ ترکش بندوں کی تنخواہ میں عنایت کیا۔ آج ہی اسمٰعیل حلوانی کو سردار کے علاقہ میں سے بہتر لاکھ کی تنخواہ اور خلعت مع گھوڑا عطا کیا اور رخصت دیکر یہ حکم دیا کہ ہر ایک کا ایک بیٹا اور بھائی آگرہ میں حاضر رہے۔ کشتی آرائش و گنجائش اُن دو کشتیوں سمیت جو بنگالے کی دستیاب شدہ کشتیوں میں سے منتخب تھیں بنگالیوں کے سپرد کرکے حکم دیا کہ نہانی کے راستہ سے غازی پور لیجاؤ۔ کشتی آسائش اور فرمائش کے لیے حکم دیا کہ ساز و سامان سمیت ہمارے ساتھ ساتھ لے چلو۔ جب ملک بہار اور سردار سے اطمینان ہو گیا تو پیر کے دن چترموک ندی کے راستہ سے اودھ اور کنار سرود کی طرف کوچ کرکے دس کوس کا راستہ طے کیا۔ پیر کے دن اسمٰعیل حلوانی۔ علاول خاں نوخانی اور اولیا خاں سروانی نے مع پانچ چھ سرداروں کے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی چین تیمور سلطان کو مارنول کے پرگنہ سے تیس لاکھ۔ اور توختہ بوغا سلطان کو پرگنہ شمس آباد سے تیس لاکھ عنایت کیے۔

بہار اور بنگالہ سے مراجعت کرکے بین وغیرہ کے استیصال کی طرف توجہ

پیر کے دن پانچویں تاریخ بنگالہ اور بہار سے فارغ ہو دریائے سرود کے کنارے کی منزل سے موضع کوند کی نواح میں بین اور شیخ بایزید کے فساد فرو کرنے کا مصمم قصد کرکے کوچ کیا۔ دو منزل چلکے بدھ کے دن چترموک ندی کے گھاٹ پر جو

سکندر پور کے پاس سے لشکر فروکش ہوا۔ آج ہی اہل لشکر عبور کرنے لگے۔ اُن حرامخوروں کی متواتر خبریں آئیں کہ وہ سرود سے پار ہو لکھنؤ کی طرف گئے ہیں۔ ان کے راستے روکنے کے لیے ترک اور ہندوستانی سرداروں میں سے جلال الدین شرقی۔ علی خاں فرملی۔ نظام خاں سالی۔ قریش ازبک۔ قربان چرخی۔ اور حسین خاں دریا خانی مقرر ہوئے۔ ان سرداروں کو جمعرات کے دن رخصت کیا۔ آج ہی رات کو تراویح پڑھ چکے تھے اور ایک پہر پر پانچ گھڑیاں گزری تھیں کہ دھوندوکار ابر اٹھا اور پلک مارتے میں ایسی طوفانی آندھی چلی کہ شاید ہی کوئی خیمہ کھڑا رہ گیا ہو۔ میں اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا کتاب لکھ رہا تھا۔ کاغذ اور کتاب کے اجزا اسمیٹنے تک کی فرصت نہ ملی۔ خیمہ مع پیشخانہ میرے سر پر آرہا۔ خیمہ کی رسّیوں وغیرہ کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ خدا نے مجھے بال بال بچا یا۔ کہیں جھپٹ تک نہیں آئی۔ کتاب کے اجزا بھیگ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے سب کو سمیٹا۔ سفرلات کے توشجہ میں لپیٹ کر کتاب کو میں نے پیٹ کے نیچے رکھ لیا۔ اور اوپر سے کمبل اوڑھ لیا۔ دو گھڑی کے بعد طوفان فرو ہوا تو شیخانہ کا خیمہ ایستادہ کھڑا کرکے شمع روشن کی اور بڑی دقت سے آگ سُلگائی۔ صبح تک آنکھ نہ لگی۔ کاغذوں کے سُکھانے میں میں مصروف رہا۔ جمعرات کو ہم دریا سے پار ہو گئے۔ جمعہ کو میں نے خرید اور سکندر پور کی سیر کی۔ عبداللہ اور باقی نے لکھنؤ لینے کا جو حال لکھا تھا وہ آج پہنچا۔ ہفتے کے دن کوکی کو ایک دستہ فوج کے ساتھ آگے روانہ کیا کہ باقی کے ساتھ جا ملے۔ اتوار کے دن سلطان جنید برلاس۔ حسن خلیفہ۔ ملا آپاق کی فوج اور مومن آتکہ کے بھائیوں کو رخصت دی گئی کہ باقی پاس جاؤ۔ اور میرے آتے تک جو ہو سکے اُس میں کمی نہ کرو۔ آج ہی عصر کے وقت شاہ محمد کو خلعت خاص اور گھوڑا عنایت کرکے رخصت کیا۔ اور پہلے ہی کی طرح سارن کا علاقہ اُس کی تنخواہ میں اور کنداکا ترکش بندوں کی تنخواہ کے لیے عطا کیا۔ آج ہی اسمٰعیل حلوانی کو سروار سے بہتر لاکھ تنخواہ کے عنایت کیے۔ اور خلعت خاص مع گھوڑا دیکر رخصت کیا۔ علاول خاں لوخانی اور اُس کے ہمراہیوں کی تنخواہ بھی سروار سے مقرر کرکے اُن کو رخصت کر دیا۔ اور یہ بات ٹھیرا دی کہ ہر ایک کا بیٹا یا چھوٹا بھائی ہمیشہ ہماری خدمت میں حاضر رہے۔ کشتی گنجائش۔ آرائش اور دو اور کشتیوں کو (جو اب کی بار بنگالے سے ہاتھ لگی تھیں اور اُن میں سے چن لی تھیں) ترہا کے راستہ سے غازی پور لیجانیکا حکم دیا۔ آسائش اور فرمائش کشتیوں کی نسبت حکم دیا کہ دریائے سرود سے اوپر اوپر لیے چلے آؤ۔ بہار اور سروار کے ملک سے مطمئن ہو کر دوشنبہ کو چترموک ندی کے گھاٹ سے اودھ کی طرف سرود کے کنارے کنارے کوچ کر دیا۔ دس کوس کی منزل کرکے

فتح پور کے علاقہ میں قریب موضع کلرہ سرود کے کنارے پر ڈیرے ہوئے۔ اندھیرے میں جو چل نکلے تھے وہ راستہ بھول گئے۔ اور فتح پور کے بڑے تالاب کے پاس جا پہنچے۔ کچھ لوگ اُن کی طرف دوڑائے کہ پاس والوں کو بلا لاؤ۔ کیجک خواجہ کو بھیجا کہ جس قدر لشکر تالاب کے کنارے پر پہنچ گیا ہے اُس کو کہو کہ رات تو وہیں گزارے صبح کوچ کرکے آدھے راستے چل کر میں کشتی آسائش میں سوار ہو گیا۔ کشایندہ منزل تک دریا ہی میں چلتا رہا۔ شاہ محمد دیوانہ کے بیٹے کو (جو باقی کے پاس سے آیا تھا) خلیفہ میرے پاس لایا۔ لکھنؤ کی یہ تحقیق خبر معلوم ہوئی کہ سہ شنبہ کو تیرھویں تاریخ لڑائی ہوئی۔ مگر دشمن کچھ کر نہ سکے۔ اثنائے جنگ میں گھانس کی گریوں اور چھپّروں میں آگ لگ گئی۔ قلعہ کے اندر یہ معلوم ہوتا تھا کہ تنّدور بھڑک رہا ہے۔ پھر ہمارے آنے کی سُنکر دشمن دلّو کی طرف چلے گئے۔ آج بھی دس کوس کی منزل ہوئی۔ جکرہ گاؤں کے قریب جو سکری کے پرگنہ میں ہے دریائے سرود کے کنارے پر خیمے پڑے۔ جانوروں کے آرام لینے کے لیے یہاں تین چار مقام ہوئے۔ بعض نے خبر اُڑائی کہ شیخ بایزید اور بین گنگا سے اُتر کر چوسا اور چنار کی نواح میں ہوتے ہوئے اپنی بستیوں میں جانے کا خیال رکھتے ہیں۔ امراء سے اس باب میں صلاح لی۔ چین تیمور سلطان۔ محمد سلطان اور توختہ بوغا سلطان۔ قاسم حسین سلطان۔ بیخوب سلطان۔ مظفر حسین سلطان۔ قاسم خواجہ۔ جعفر خواجہ۔ خواجہ جان بیگ (مع ملازمان عسکری)۔ کیجک خواجہ۔ (اہلِ ہند میں سے) عالم خاں کالپئی۔ ملک داد کررانی اور اودی سردانی کو حکم دیا کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر دلّو کی طرف بین اور بایزید کے پیچھے بہت جلد جاؤ۔ ہور پور کے اس جانب رات کو میں نہایا۔ مشعل کی روشنی سے بہت مچھلیاں جمع ہو کر پانی کے اوپر آگئیں۔ میں نے اور مصاحبوں نے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ جمعہ کے دن اسی ہور پور کے دریا کی ایک شاخ کے اس طرف لشکر اُترا۔ اندھیرا بہت تھا۔ جو دہ در دہ کنواں میں نے نہانے کے لیے کھدوایا تھا اُس کو اہلِ لشکر کے پار ہونے کے خیال سے بند کرا دیا۔ ستائیسویں کی رات یہیں گزری۔ صبح اس دریا کو چھوڑا۔ اور دریائے توس سے پار اُترنا ہوا۔ اتوار کو اسی دریا کے کنارے پر قیام ہوا۔ پیر کے دن انتیسویں تاریخ اسی دریا کے کنارے اگرچہ مطلع صاف نہ تھا مگر کچھ لوگوں نے قاضی صاحب کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ عید ہو گئی۔ دوسرے دن منگل کو عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سوار ہوا۔ دس کوس رستہ چلکے کوئی ندی کے کنارے سے کوس بھر پر اُترا۔ ظہر کے وقت معجون کھائی۔ ابن حسین بیگ کو بھیجکر شیخ زین۔ ملا شہاب اور آخوند امیر کو بُلایا۔ عصر کی نماز کے وقت پہلوانوں نے کشتیاں کیں۔ بدھ کے دن اس منزل میں مقام ہوا۔

چاشت کے وقت معجون کھائی۔ آج ملک شرق جو تاج خاں کو چنار سے نکالنے کے لیے گیا تھا آیا۔
آج پھر پہلوانوں کی کشتی ہوئی۔ پہلوان اودی جو اوّل آیا تھا ہندوستانی پہلوان سے جو آج کل
میں آیا ہے لڑا۔ اور ہاتھ ملاتے ہی اُس نے اُس کو دے مارا۔ یحیےٰ نوخانی کو پندرہ لاکھ کا علاقہ
سرکار سے اُس کی تنخواہ میں اور خلعت دیکر رخصت کیا۔ دوسرے دن گیارہ کوس کی منزل
کرکے اور دریائے کوی سے اُتر کے اسی دریا کے کنارے پر لشکر اُترا۔ جن امرا اور سلاطین
کو بین اور شیخ بایزید کے استیصال کے لیے بھیجا تھا اُن کی خبر آئی کہ وہ دلمو پہنچے ہیں۔ مگر
ابھی گنگا کے پار نہیں گئے۔ دل چُرا رہے ہیں۔ اُن کے نام فرمان بھیجا گیا کہ گنگا سے پار
ہوکے غنیم کا پیچھا کرو۔ جمنا سے بھی پار ہو جاؤ۔ عالم خاں کو اپنے ساتھ لے لو۔ اور غنیم کا
اچھی طرح استیصال کرو۔ اس دریا سے پار ہو دو منزلیں چل کر ہم دلموئیں پہنچے۔ گنگا کے
گھاٹ سے آج ہی اکثر اہلِ لشکر پار ہوئے۔ لشکر کو تو چلتا کیا اور میں نے گھاٹ کے نیچے کی
جانب بیلے میں ٹھیرکر معجون کھائی۔ بقیۂ فوج کے اُترنے کے لیے یہیں جہاں سے اُترے تھے
مقام کر دیا۔ باقی تاشکندی اپنے لشکر سمیت آج ہی آیا۔ اور اُس نے ملازمت حاصل کی۔
ہم گنگا سے ایک منزل کرکے کوراہ کے پاس آرنند ندی کے کنارے پر اُترے۔ دلمو سے کوراہ
اکیس کوس ہے۔ جمعرات کو اُس مقام سے اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ اور پرگنۂ آدم میں
ڈیرے ہوئے۔ دشمنوں کا تعاقب کرنے کے خیال سے دو ایک ملاحوں کو آگے سے روانہ کر دیا
تھا کہ جتنی کشتیاں ہاتھ لگیں لے آؤ۔ ہم اسی منزل میں تھے کہ رات کو کچھ کشتیاں آگئیں۔
اور دریا کا گھاٹ بھی دریافت ہو گیا۔ رہ گزر درست کرنے کے واسطے چند روز اس جگہ
ٹھیرنا پڑا۔ میں بیلے ہی میں رات دن رہا۔ مخالفوں کی خبر لانے کے لیے باقی شقاول کو کچھ
فوج کے ساتھ دریا سے پار روانہ کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو عصر کے وقت باقی آیا اور خبر لایا
کہ مبارک خاں حلوانی نے شیخ بایزید اور بین کو شکست دیکر اُن کے کئی عمدہ آدمی قتل کر ڈالے۔
کئی سر اور ایک زندہ آدمی گرفتار کرکے بھیجا ہے۔ اس کیفیت کو اُس نے مشرح بیان کیا۔
اسی رات جو تیرھویں تاریخ اور ہفتہ کی رات ہے جمنا چڑھی۔ صبح ہی ہم اُس بیلے سے جس کو
درست کیا تھا دوسرے بیلے میں چلے گئے اور خیمے کھڑے کر دیے۔ پیر کے دن جلال تاشکندی
اُن امرا اور سلاطین کے پاس سے آیا جو بطریق ایلغار مخالفوں پر گئے تھے۔ اُس سے معلوم ہوا
کہ انکی چڑھائی کی سُنکر شیخ بایزید اور بین پرگنۂ جھوپہ سے بھاگ گئے۔ ادھر تو برسات سر پر
آگئی اُدھر پانچ چھ مہینے سے جو فوج کشی ہو رہی ہے تو اہلِ لشکر کا سازو سامان خراب ہو گیا تھا۔
اس واسطے ان امرا اور سلاطین کو کہلا بھیجا کہ تازہ فوج پہنچنے تک اُسی نواح میں تم توقف کرو۔

باقی شغاول کو آج ہی عصر کے وقت مع لشکر رخصت کر کے روانہ کیا۔ موسے معروف فرملی کو جو دریائے سرو کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اُس کی تنخواہ میں دی۔ اور خلعت خاص مع گھوڑا اُس کو دیکر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی۔ جب ادھر سے خاطر جمع کر لی تو منگل کی رات کو تین پہر پر ایک گھڑی گزرنے کے بعد ہم چل کھڑے ہوئے۔ کالپی کے پرگنہ نیلادر میں دوپہر کو ذرا دم لیا اور گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا مغرب کے وقت سوار ہوگئے۔ رات کو تیرہ کوس چل کر رات کا تیسرا پہر تھا جو کالپی کی علاقہ کے شوکون پور میں پہنچے۔ بہادر خاں شروانی کے کور خانہ میں اُتر کر سو رہے۔ صبح کی نماز کے وقت وہاں سے کوچ کر دیا۔ اور اٹھارہ کوس کا راستہ طے کر کے دوپہر کو اٹاوے جا پہنچے۔ مہدی خواجہ نے پیشوائی کی۔ پہر رات گئے وہاں سے سوار ہوگئے۔ راستہ میں نے ذرا استراحت کی۔ اٹھارہ کوس چل کر فتح پور رابری میں دوپہر کو ہم آن اُترے۔

آگرہ میں داخل ہوگئے ظہر کے وقت فتح پور سے سوار ہو سترہ کوس کا راستہ طے کر کے آدھی رات گئے باغ ہشت بہشت میں ہم داخل ہوگئے۔ دوسرے دن جمعہ کو محمد بخشی اور اور امراء نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ ظہر کے قریب جمنا سے پار ہو خواجہ عبدالحق سے میں ملا۔ قلعہ میں گیا اور سب بیگموں سے ملا۔ بلخی پالیز کار کو خربوزے بونے کے لیے حکم دے گیا تھا۔ اُس نے کچھ خربوزے بچا رکھے تھے حاضر کیے۔ اچھے خربوزے تھے۔ دو ایک پودے انگور کے باغ ہشت بہشت میں لگوائے تھے اُس میں بھی اچھے انگور لگے شیخ گھورن نے بھی انگوروں کا ایک ٹوکرا بھیجا۔ ملاحظہ سے گزرا۔ ہندوستان میں ایسے انگور اور خربوزے ہونے سے دل خوش ہوا۔

اہل محل کابل سے آئے ہفتہ کے دن دوپہر کو ماہم کابل سے آئی۔ عجیب بات ہوئی ہے کہ جمادی الاولے کی دسویں کو ہمارا لشکر روانہ ہوا تھا اُسی تاریخ ماہم نے کابل چھوڑا تھا۔ جمعرات کے دن غرۂ ذیقعدہ کو بڑے دیوانخانہ میں دربار ہوا۔ اس دربار میں ہمایوں اور ماہم کی پیشکشیں ملاحظہ سے گزریں۔ آج ہی ایک خواص کو ڈیڑھ سے کہاروں کے ساتھ اجرت دیکر خربوزے اور انگور لانے کے لیے کابل بھیجا۔ ہفتہ کے دن تیسری تاریخ ہندو بیگ جو کابل سے بدرقہ ہو کر آیا تھا علی یوسف کے فوت ہونے سے سنبھل بھیجا گیا۔ حسام الدین خلیفہ بھی الوار سے آج حاضر ہوا۔ دوسرے دن اتوار کو عبداللہ جو ترجمانی سے علی یوسف کے مرنے پر بھیجا گیا تھا آگیا۔ کابل سے آنیوالوں نے بیان کیا کہ شیخ شریف قراباغی نے عبدالعزیز کے اغوا سے یا اُسکی دوستی سے ایسے ظلم دستم جو نہیں ہوئے ہیں لکھکر محضر تیار کیا ہے اور اُس پر

سارے لاہوریوں کے دستخط بنائے ہیں۔ اس محضر کی نقلیں جابجا بھیجی ہیں۔ اُس کا خیال ہے کہ فساد برپا کرے۔ عبد العزیز سے بھی بیہودہ اقوال اور نالائق حرکتیں سرزد ہوئی ہیں۔ اُس نے چند احکام کی بھی تعمیل نہیں کی۔ یہ سُنکر اتوار کے دن گیارھویں تاریخ قنبر علی ارغون کو روانہ کیا کہ شیخ شریف۔ عبد العزیز۔ لاہور کے اکابر اور چودھریوں کو ہمراہ لیکر آئے۔ جمعرات کی پندرھویں تاریخ تجارہ سے چین تیمور سلطان نے آکر ملازمت حاصل کی۔ آج پھر صادق پہلوان اور کمال اودی پہلوان کی کشتی ہوئی۔ صادق نے اس کے ادھوڑ پچھاڑنے میں بڑی دقت اُٹھائی۔ پیر کے دن اُنیسویں تاریخ شاہ قزلباش کے سفیر مراد قورچی کو خنجر اور خلعت مناسب اور دو لاکھ تنکہ عنایت کرکے رخصت دیدی۔

رحیم داد کی بغاوت

انہی دنوں میں سید مشہدی گوالیار سے آیا اور اُس نے رحیم داد کے باغی ہونے کی خبر عرض کی۔ خلیفہ کے نوکر شاہ محمد مہردار کے ہاتھ بہت سی نصیحت آمیز باتیں لکھ بھیجیں۔ شاہ محمد وہاں گیا اور چند روز بعد اُس کے بیٹے کو ساتھ لایا۔ مگر رحیم داد نہ آیا۔ اُس کے خوف رفع کرنے کے لیے نور بیگ کو ذی الحجہ کی پانچویں تاریخ ہفتہ کے دن گوالیار بھیجا۔ چار دن بعد نور بیگ آیا۔ اور جو خواہش رحیم داد کی تھی وہ عرض کی۔ اُس کے مدعا کے موافق فرمان تیار ہو رہا تھا کہ ایک آدمی نے آکر عرض کیا کہ مجھے اپنے بیٹے کے بھگالانے کے واسطے رحیم داد نے بھیجا ہے۔ وہ خود حاضر ہونا نہیں چاہتا۔ یہ خبر سنتے ہی میرا ارادہ گوالیار پر یورش کرنے کا ہوا۔ خلیفہ نے عرض کیا کہ میں بھی ایک بار نصیحت آمیز خط لکھ بھیجوں۔ شاید سیدھا ہو جائے۔ اس کام کے لیے شہاب الدین خسرو کو روانہ کیا۔ جمعرات کے دن ذی الحجہ کی ساتویں کو مہدی خواجہ اٹاوہ سے آیا۔ بقرعید کے دن ہندو بیگ کو خلعت خاص۔ شمشیر مرصع کار اور گھوڑا عنایت کیا۔ حسن کو (جو ترکمانوں میں چغتائی مشہور ہے) سراپا۔ خنجر مرصع کار اور سات لاکھ کی جاگیر عطا کی۔

سنہ ۹۳۶ ہجری کے واقعات

محرم کی تیسری کو گوالیار سے شہاب الدین خسرو کے ساتھ شیخ محمد غوث گوالیاری رحیم داد کی سفارش کرنے آئے۔ شیخ ممدوح ایک درویش اور معظم آدمی ہیں۔ اُنکے فرمانے سے رحیم داد کی خطا معاف کر دی گئی۔ شیخ گھورن کو اور نور بیگ کو گوالیار بھیجا۔ اور رحیم داد کو حکم دیا کہ گوالیار ان کے سپرد کر دے۔

تمام شد

ازمترجم

(الف)

المنۃ للہ کہ آج اس ترجمہ کا مسودہ ختم ہوا۔ ۱۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ م ۲۹ ر ابان ۱۳۰۷ف ۵ ر اکتوبر ۱۸۹۸ء۔ بدھ کا دن۔ ۹ بجے۔ مقام حیدر آباد۔ کاچھی گوڑہ۔

نصیر الدین حیدر بابری

(ب)

للہ الشکر کہ بتاریخ بست و ششم شہر ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ مطابق ششم خورداد ماہ الٰہی ۱۳۰۸ فصلی موافق دہم اپریل ۱۸۹۹ء روز مبارک دوشنبہ وقت صبح کہ نہ ساعت فرنگی زدہ بود از قرأت خاکسار نصیر الدین حیدر گورگانی بابری و بسماعت دختر نیک اخترش خجستہ سلطانہ بیگم مقابلہ این کتاب از نسخہ قلمی مولوی انوار الحق صاحب دہلوی در عرض مدت سہ ماہ بمقام حیدر آباد دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن در عہد حکومت نظام الملک آصفجاہ۔ رستم دوراں۔ نظام الدولہ فتح جنگ میر محبوب علی خاں بہادر (نظام ششم و رئیس ہشتم) والی حیدر آباد در زمان شہنشاہی ملکہ وکٹوریا قیصرۂ ہند (شاہ انگلستان) باتمام رسید۔

خاکسار نصیر الدین حیدر گورگانی۔ بابری۔

قطعۂ تاریخ طبع کتاب ہٰذا از نتائج فکر ضیاء الاسلام ڈاکٹر حاجی سید نذیر حسین رضی مالک و مہتمم مطبع محمڈن پرنٹنگ ورکس دہلی

حضرتِ بابر نے جو اپنے لکھے واقعات
جانبِ صحرا کبھی خوفِ عدو سے گریز
گاہ بچھا لینے کو پاس نہیں بوریا
قوم فرنگی ہوئی ہند میں جب حکمراں
ترجمہ کر کے گیا وہ سوئے ملکِ بقا
اور جو با علم ہو کرتا ہے وہ قدرِ علم
چھاپ کے جب اسے ضیا ہم اُس سے فارغ ہوئے

اُس نسخہ آئینہ واقعات ہے منجلی
غار میں ہونا نہاں خطرہ سے جاں کبھی
گہ سر بزمِ طرب زینتِ تختِ شہی
اُنکی زباں میں بھی غرض اب اُسکی اشاعت ہوئی
طبع کرا دینے کی تو نہ مہلت ملی
اسکی طباعت میں کی دونوں نے ملکر سعی
دلکو ہوئی جستجو مصرعِ تاریخ کی

کی ہے شہنشاہ نے اپنی وہ بیتی رقم
بھوک میں کھائی کبھی باجرے کی آش تلخ
ترکی میں پہلے ہیں شہ نے لکھی وہ کتاب
اُردو کی لیکن لگی اُسکو ضرورت ہوا
فضلِ خدا آ گئی اب کے جو پیشِ نگاہ
کر دی عنایت ہمیں چھاپنے کو وہ کتاب
عالمِ بالا سے یوں آئی صدائے سروش

اہلِ نظر کیلئے جسمیں ہے عبرت بھری
پائے برہنہ کبھی گشت بحالِ دری
حکم سے اکبر کے پھر اُسکی ہوئی فارسی
پوتوں میں بابر کے ہی ایک کی ہمت بندھی
دونوں وہ بھائی بہن جسکے ہیں غرض دہنی
جس سے جناں میں ہوئی روحِ پدر کو خوشی
واہ چھپی کیا ہی خوب یہ تزکِ بابری
۱۳۴۳ ۴۴

تمت بالخیر والعافیۃ